فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	پیش گفتار	4
۲	(۱) سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ	20
۳	(۲) حکیم الامت تھانوی کے علمی جانشین	66
۴	(۳) مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ	171
۵	(۴) قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال	237
۶	(۵) صدیق وقت، یوسف اقلیم دین ودعوت [1]	244
۷	(۶) علماء واولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار!!!	267
۸	(۷) مقدمہ ''مشاہیر علمائے سرحد''	319
۹	(۸) سیّدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ	329
۱۰	(۹) حدیث ناگفتنی	334
۱۱	(۱۰) جادۂ حبیب	387

❀❀❀

پیش گفتار

حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ کے گراں قدر مقالات کی تیسری جلد بحمد اللہ آپ کے سامنے ہے، اس مجموعہ میں حضرت مولانا قدس سرہ کے ان مقالات کو جمع کیا گیا، جو مختلف شخصیات کی سوانح یا حضرت مولانا کے خودنوشت احوال وآثار پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ان مقالات کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

(۱) پہلا مقالہ حضرت مولانا قدس سرہ کے شیخ ومربی سید الملت حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے احوال وآثار پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ الرشید لاہور (ستمبر ۱۹۷۳ء، فروری، مارچ، اپریل، مئی ۱۹۷۴ء) میں پانچ اقساط میں شائع ہوا، مقالہ کیا ہے؟ اپنے شیخ کا نثری مرثیہ اور احوال زندگی کا ایک جامع مرقع، اپنے شیخ کے علمی مقام کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> محقق جلیل، فاضل کبیر، امام شہیر، متکلم عصر، شیخ وقت، سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ انہیں نادرۂ روزگار اشخاص میں سے تھے، جن کا وجود اپنے گوناگوں فضائل وکمالات، جامعیت وبرکات، علوم ومعارف، خدمات دینی وملی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ایک مستقل نشانی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ''اعجاز خاص'' تھا۔۔۔ عصر حاضر میں جامعیت علوم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ما رأیت مثلہ ولم یری مثلہ علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا یہ فرہاد نہ صرف خالص دینی علوم قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ، تصوف وکلام اور سیرت میں امامت وسیادت کا مقام رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ہمہ گیری قدیم معقولات کے دفتر اور جدید معاشرتی ونظری علوم کے ایک معتدبہ ذخیرے کو اپنے پہلو میں سمیٹے ہوئے تھی۔ وہ ژرف نگاہ مؤرخ تھے، لیکن ان کی تاریخ دانی خاص سیاسی، شاہی یا سلطانی حاکمانہ خانوادوں کے عزل ونصب، فتوحات،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جہانبانی و جہانگیری کی داستان سرائی اور رام کہانی نہ تھی۔ بلکہ وہ علوم ملی کے دقیقہ رس، باریک بین، رمز آشنا اور وسیع النظر مؤرخ تھے۔۔۔ فلسفہ تاریخ اور اس کے متعلقہ علوم پر وہ مجتہدانہ، مبصرانہ اور ناقدانہ فکر و بصیرت کے مالک تھے۔۔۔ اسلامی تاریخ پر وہ "حجت" تھے۔ ہندوستانی تاریخ کے مختلف ادوار کا ان جیسا علم شاذ مؤرخین ہی کو ہوتا ہے۔۔۔ سید صاحب نے اسرائیلی صحف آسمانی تورات، انجیل، زبور وغیرہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان کتابوں کی بعض شروح پر بھی نظر تھی۔ ہندوستانی مذاہب اور دگر ادیان کی کتب مقدسہ سے آشنا تھے۔۔۔ قرآن فہمی کا ملکہ خداداد تھا اور کتاب الٰہی کی ان باریکیوں اور عمیق گوشوں پر نگاہ جاتی تھی، جن کی طرف عام اذہان کا گذر بھی نہیں ہوتا۔۔۔ وہ ایک ناقد، بصیر اور متبحر محدث تھے اور علوم حدیث کی جملہ شاخوں اسماء و رجال اور جرح و تعدیل وغیرہ پر ان کی عمیق نظر تھی۔۔۔ فقہ اسلامی کے مختلف مسالک و مذاہب کا علم و فہم حیرت انگیز تھا۔۔۔ وہ بے مثل و یگانہ سیرت نگار تھے، فن سیرت نے ان سے جلا پائی اور ان کے جواہر سیرت پاک سے جھلکے۔۔۔ سید الملت متکلم وقت تھے اور عصر حاضر کے پرشور و پرکار، دوررس و جہانگیر فتنہ مغرب کے دقیقہ رس ناقد اور عمیق و دقیق علمی و استشراقی ذہنی و سیاسی دجل و فریب کے رمز آشنا مبصر۔۔۔ مسلمانوں اور عربوں کے جغرافیہ پر اتنا وسیع النظر عالم اور ان کی جغرافیائی معلومات و اکتشافات کا جاننے والا پورے عالم اسلام میں شاذ ہی کوئی دوسرا شخص ہوگا۔۔۔ سید صاحب زبان دان تھے، عربی و فارسی کے وہ مستند عالم تھے، اردو کے بلند پایہ صاحب طرز ادیب اور "سید المصنفین" تھے، عبرانی انہوں نے سیکھی تھی، انگریزی وہ اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لیتے تھے۔ فرانسیسی سے (بقول مسعود عالم مرحوم) وہ آشنا تھے۔ بعض ہندوستانی بولیوں کی شدھ بدھ رکھتے تھے۔ ان کی عربی سلاست اور بے ساختگی میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی تھی۔ وہ شاعر تھے اور اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں اچھے اشعار کہہ لیتے تھے۔ وہ مدیر تھے اور ان کی ادارت نے مختلف ادوار میں الندوہ، الہلال و معارف کو علوم و معارف اور تحقیق و دانش کے گوناگوں افادات سے منور بدر کامل و مہر منور بنایا۔۔۔ ان کی پچاس سالہ تصنیفی زندگی نہ صرف بلند پایہ محققانہ مستقل تصانیف پر مشتمل

ہے بلکہ انہوں نے پچاسوں علمی و تحقیقی، دینی و ادبی، لسانی و تاریخی مقالات لکھے، خطبات پڑھے، مقدمات ترتیب دیے۔۔۔ حضرت الشیخ قدس سرہ پیدائشی "صوفی" تھے۔ بچپن میں اپنے بڑے بھائی سے اکتساب فیض کیا اور یہ شرارہ نور آخری عمر میں شیخ الکل مجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے تعلق کے بعد شعلہ طور بن کر چمکا اور اس کی ضیاء پاشیوں سے بزم سلوک مطلع انوار بنی۔۔۔ غرض سید الملت علم و دانش کے اس مقام پر فائز تھے جس کا تصور بھی بہت سے دانشوروں کی ذہنی دسترس سے بالا ہے۔ تحقیق و جامعیت اور وسعت و عمق علوم میں پورے عالم اسلام میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے ہمہ جہتی عالم تھے۔

آپ نے سید صاحب کے مولد و مسکن، پھلواری کی خانقاہ میں ابتدائی تعلیم و تربیت، اس کے بعد ندوہ آمد، علامہ شبلی سے تلمذ و استفادہ، سیرت کے کام میں معاونت، الندوہ کی نائب ایڈیٹری، بعد ازاں ہند کے انقلاب خیز اخبار الہلال سے وابستگی، دار المصنفین کی مساعی اور اہم تحریکی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ مقالہ حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک جامع خاکہ کہا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسرا مقالہ "حکیم الامت کے علمی جانشین" ماہنامہ البلاغ کے مفتی اعظم پاکستان نمبر کے لیے مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ کے علمی احوال و آثار پر لکھا گیا، یہ ضخیم کاوش حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی خواہش پر عمل میں آئی۔ حضرت شیخ الاسلام آپ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ماہ جمادی الثانیہ میں بنام خدا تعالیٰ البلاغ کا مفتی اعظم پاکستان نمبر شائع کرنے کا اعلان کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں مضامین کی کتابت کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ آنجناب کو حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے جو تعلق رہا ہے اس کے پیش نظر درخواست ہے کہ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی اور علمی و عملی خدمات کے کسی پہلو پر ایک جامع مقالہ البلاغ کے اس نمبر کے لیے مرحمت فرما دیں۔

یہ تفصیلی خط کا اقتباس ہے اور اس پر تاریخ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ کی درج ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مذکورہ بالا مقالہ اس نمبر کے تفصیلی مقالات میں سے ایک ہے، اس مقالہ کا کچھ حصہ دیگر بعض مضامین سے تکرار کے باعث نمبر سے حذف بھی کیا گیا ہے لیکن بندہ نے اصل مسودہ سے وہ حصہ بھی شامل رکھا ہے، غالباً یہ بالتفصیل تحریر مفتی تقی عثمانی مدظلہم کے علم میں بھی تھی، بلکہ شاید ان کا منشا بھی تھا، اس لیے ایک دوسرے خط میں رقم طراز ہیں:

بعض حضرات کے فون سے یہ خوشخبری مل چکی تھی کہ آنجناب کا مقالہ قریب التکمیل ہے، اس وقت سے انتہائی اشتیاق کے ساتھ انتظار لگا ہوا ہے، یہ آپ نے ہم خدام پر بڑا ہی کرم فرمایا، اللہ تعالیٰ آں جناب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ نمبر کی کتابت ہو رہی ہے، لیکن آپ جلدی کی وجہ سے اپنے مقالے کو مختصر کرنے کی کوشش نہ فرمائیں، آنجناب کا مقالہ تو ان شاء اللہ نمبر کی جان ہوگا، اس لیے آپ ذہن پر بوجھ نہ رکھیں اور فراغت کے ساتھ تکمیل فرمادیں۔

یہ بھی ایک تفصیلی خط کا اقتباس ہے، اس پر ۲۴/۶/۹۸ھ کی تاریخ درج ہے۔

اس مقالہ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی حالات، حکیم الامت حضرت تھانوی سے تعلق واستفادہ، دارالعلوم دیوبند میں تدریسی، تصنیفی اور افتاء کی سرگرمی کا جائزہ پیش کرنے کے بعد حضرت تھانوی کے علمی جانشین کے طور پر آپ کی علمی مساعی خصوصاً تصنیفات کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے اور بلا مبالغہ حضرت مفتی صاحب کی جملہ کتابوں کا مبسوط تعارف اور ان کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے مناسب تبصرہ اس میں آ گیا ہے، اگر کوئی شخص حضرت مفتی صاحب کی علمی سرگرمیوں کا تالیفات وتصنیفات سے آگاہی چاہتا ہے تو یہ مقالہ ان کی شناسائی کے لیے بڑی حد تک کفایت کرتا ہے۔

(۳) تیسرا مقالہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات پر مشتمل ہے، یہ مقالہ حضرت پشاوری کی حیات ہی میں مرتب ہوا اور مستقل سوانح کے طور پر شائع کیا گیا۔ اس مقالہ کے بارے میں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ بازار میں

یہ مقالہ ''فیض حسن واشرف'' کے نام سے بطور مؤلف: مولانا سید نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی سے شائع ہوا ہے، سرورق پر حضرت مولانا کے اسم گرامی کا ذکر ہی نہیں، ہاں اندرونی سرورق یعنی سب ٹائٹل پر جمع کردہ: ''یادگار سلف مخدوم مکرم حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی دامت برکاتہم خلیفہ حضرت العلام فاضل اجل، عالم بے بدل مولانا مولوی سید سلیمان ندوی قدس سرہ'' درج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ عجالہ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلم کا شاہکار ہے، حضرت مولانا سوانح سے متعلق مکمل معمولات جمع کر چکے تھے، انہیں رف شکل میں لکھ کر عنوا وین بھی قائم کر لیے تھے، حضرت مولانا چاہتے تھے کہ مقالہ مختصر ہے لہٰذا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری رحمہ اللہ کے متعلقین سے سوالنامہ کے ذریعے کچھ مزید معلومات اکٹھی کی جائیں، نیز حضرت کے مکاتیب و افادات کا بھی کچھ حصہ ساتھ آجائے اور اس کے لیے کسی مناسب فرصت کی تلاش میں تھے، لیکن آپ کی معذروی اور دیگر اہم علمی مصروفیات کے باعث یہ مسودہ معرض التواء میں پڑا رہا۔ آپ کے ذخیرہ میں بندہ نے اس سوانح کے بعض جزوی حصے دیکھے بھی ہیں، جن پر محض نظر ثانی اور قدرے تنقیح کا کام باقی ہے۔ لیکن کراچی کے مولانا نصرت علی صدیقی صاحب جو حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے متعلقین میں سے تھے، اس مقالہ کی جلدی اشاعت کے لیے مشتاق ومصر تھے اور اس حوالے سے ان کے حضرت مولانا کے نام پانچ مکاتیب بھی ہیں، جو ان کے دستخطوں کے ساتھ ان کے ذاتی لیٹر پیڈ پر بندہ کے پاس محفوظ ہیں۔ ان تمام مکاتیب میں یہی اصرار ہے کہ مقالہ جلد از جلد شائع ہو، اگر حضرت مولانا کو معذوری یا مشاغل کے باعث فرصت نہ ہو تو وہ ہمیں عنایت فرمادیں، ہم ترتیب ونظر ثانی کا کام کروا کر شائع کر لیں گے، ان کے پیہم اصرار اور حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سفارش پر حضرت مولانا نے یہ مسودہ انہیں حوالے کیا جو مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کی نظر ثانی اور ترتیب کے ساتھ شائع ہوا، لیکن بجائے مرتب کے غالباً مطبع والوں کی غلطی سے ان کا نام بطور مؤلف چھپ گیا ہے۔ ذیل میں مولانا نصرت علی صدیقی کے مکاتیب سے اس مقالہ کے اشاعت کے لیے تقاضے پر مشتمل اقتباسات پیش خدمت ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جناب والا سے عرض ہے برسوں سے سنا جارہا ہے کہ سیدی ومرشدی مولائی وملجائی حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دام ظلکم العالی کے حالات مع دیگر مفید مضامین اکٹھا کئے جارہے ہیں جو ترتیب بھی دے دیے گئے ہیں۔ نظر ثانی ہونا باقی ہے، پھر کتاب چھپ جائے گی۔۔۔ عرض ہے از راہ کرم حضرت والا اپنا قیمتی اور مصروف وقت اس کتاب کے لیے فارغ فرما کر اس کی تکمیل فرمادیں اور حج سے پہلے چھپ بھی جائے تو سب خدام کے لیے یہ کتاب دین وایمان اور عمل کے لیے بڑی رہبری ہوگی۔

اس خط پر ۲۴ / رجب ۱۴۰۴ھ، ۲۵ / اپریل ۱۹۸۴ء تاریخ درج ہے۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

جناب والا پر یہ بات بخوبی روشن ہے کہ کئی برس گزرنے کے بعد بھی اب تک حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دام ظلکم العالی کی کتاب نہیں چھپ سکی۔ حضرت والا بہت عدیم الفرصت ہیں لہٰذا اگر مسودہ اب تک مکمل نہ ہوسکا ہو اور کتاب جلد نہ چھپ سکتی ہو تو براہ کرم جملہ کاغذات جناب نواب قیصر صاحب زادمجدہ کو کراچی کسی معتبر آدمی کے ہمراہ بھجوادیں، ورنہ حضرت نواب صاحب خود منگوالیں گے۔ پھر احقر اور نواب صاحب یہ سب کاغذات جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب کی خدمت میں پیش کر کے جلد سے جلد مکمل فرمانے کے لیے کہیں گے تا کہ کتاب جلد سے جلد چھپوالیں، کتاب خواص کو بھی نافع ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس خط پر تاریخ ۷ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ، بمطابق ۲۱ نومبر ۱۹۸۵ء درج ہے۔

حضرت مولانا کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

آپ کے گرامی نامہ سے یہ معلوم ہو کر بڑا اطمینان ہوا کہ اب بہت جلد سیدی ومرشدی وملجائی ومولائی دام ظلکم العالی کی کتاب مکمل فرمالیں گے۔ جناب والا کے سوال نامہ کا جواب بھی آپ جلد حاصل فرمالیں تا کہ باقی حصہ بھی بہت جلد مکمل ہوجائے۔

تقاضے کے ایک دوسرے خط میں رقم طراز ہیں:

سیدی ومولائی پیر ومرشد مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دام ظلکم العالی حرمین شریفین تشریف لے

جاتے ہوئے کراچی میں نواب قیصر صاحب کے یہاں مقیم تھے، حضرت والا نے طے فرمایا تھا کہ ان کی کتاب کا مسودہ جناب والا سے منگوا کر نواب قیصر صاحب اپنی نگرانی میں ڈاکٹر غلام محمد صاحب سے جلد از جلد مکمل کرا کر چھپوالیں۔ لہٰذا براہ کرم جناب والا تمام کاغذات اور مسودہ وغیرہ نواب قیصر صاحب کو جلد سے جلد بھجوادیں، آپ کا بڑا ہی احسان ہوگا۔

اس خط پر ۸ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۸ مئی ۱۹۸۶ء کی تاریخ درج ہے۔

شدید تقاضے پر مشتمل آخری خط میں رقم طراز ہیں:

بفضلہ تعالیٰ اب کتاب کا مسودہ جتنا بھی مکمل ہوسکا ہو جناب نواب قیصر صاحب کو روانہ ہی فرمادیں ڈیڑھ سال قبل بھی اسی حالت میں مسودہ تھا، لہٰذا براہ کرم اب تو چھپنے کے لیے دے ہی دیجئیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں، حضرت والا اگر پشاور ہی میں اپنی نگرانی میں چھپوانا پسند فرماتے ہوں تو براہ کرم بہت جلد چھپوالیں اور مطلع فرمائیں تا کہ یکسوئی اور اطمینان ہوجائے اور حقیقت سے آگاہی ہوجائے۔

اس خط پر ۱۹ ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ بمطابق ۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء کی تاریخ درج ہے۔

اس پیہم اصرار در اصرار کے بعد حضرت مولانا نے مجبوراً مسودہ ان حضرات کے سپرد کر دیا اور وہ اپنی منشاء کے مطابق اس کی تہذیب وطباعت نہ فرما سکے۔ مولانا نجم الحسن تھانوی قدس سرہ ''عرض مؤلف'' کے تحت اس مسودہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس کام (سوانح مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ۔ مرتب) کی تکمیل کے بعد اس کی ترتیب وتہذیب کے لیے مجھ گناہ گار کے نام قرعۂ فال نکلا اور یہ کام احقر کے سپرد کر دیا گیا۔ (فیض حسن واشرف، ص۔ ۱۲)

آگے لکھتے ہیں:

> آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مسودے کے جو کاغذات احقر کو ملے وہ بہت بے ترتیب بھی تھے اور ایک ایک بات کئی کئی بار مختلف جگہوں لکھی ہوئی ملی، کسی جگہ اس قدر کانٹ چھانٹ کہ رابطہ قائم کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔ (فیض حسن واشرف، ص۔ ۱۶)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس تصریح سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ مولانا نجم الحسن تھانوی رحمہ اللہ کی تالیف یا تصنیف نہیں بلکہ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی رحمہ اللہ کی کاوش ہے، جو مولانا نجم الحسن صاحب کو آخری نظر ڈالنے اور مرتب کرنے کے لیے دی گئی تھی، جہاں تک مسودہ کے پراگندہ حال ہونے کا ذکر کیا گیا تو یہ واقعی حقیقت ہے کہ حضرت مولانا کا خط زیادہ صاف نہ تھا اور تحریر میں مضامین کے وفور آمد کے باعث بعض جگہ کئی کئی تعبیرات کانٹ چھانٹ کر لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ خود بندہ کو حضرت مولانا کے بعض مخطوطات پر کام کرنے سے اس کا تجربہ ہوا ہے۔ لیکن کسی مخطوط کی تہذیب و تنقیح کے لیے جتنی بھی محنت صرف کر لی جائے اس سے وہ مرتب کی تالیف نہیں بن جایا کرتی۔

دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ اندورونی سرورق پر حضرت مولانا کا نام جامع کی حیثیت سے لکھے جانے کے باوجود ''عرض مؤلف'' میں اس کا ذکر تک نہیں کہ یہ اصل کاوش مولانا محمد اشرف سلیمانی کی ہے، بلکہ سوانح سے متعلق مواد کے ابتدائی جمع کا ذکر کرتے ہوئے ارباب فرید صاحب، ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب اور جناب اختر حسن صاحب کا نام لیا گیا ہے اور حضرت مولانا اشرف صاحب سے پیہم اصرار کر کے مسودہ منگوانے کے باوجود ان کا ذکر تک موجود نہیں۔ فالی اللہ المشتکی

بہرحال تاریخی ریکارڈ درست رکھنے کے لیے یہ چند گزارشات پیش کر دیں تاکہ اصل صورت حال علم میں ہو اور جامع مقالات پر یہ الزام نہ آسکے کہ انہوں نے کسی اور کی تحریر حضرت مولانا کی تحریرات میں شامل کر دی۔ جب کہ خود حضرت مولانا نے اپنے ہاتھ سے جو اپنے مقالات کی فہرست مرتب کی ہے اس میں ''فیض حسن واشرف'' کے نام سے اس مقالہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

الغرض اس مقالہ میں صاحب بکاء، حضرت تھانوی کے خانقاہ امدادیہ کی رونق، حضرت مفتی حسن صاحب امرتسری کے مایہ ناز شاگرد مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ کے سبق آموز احوال مذکور ہیں۔ مقالہ کا آغاز حضرت مولانا کے خاندانی تعارف، مولد و مسکن سے ہوتا ہے، ابتدائی تعلیمی حالات، امرتسر میں مفتی محمد حسن صاحب کی خدمت میں حاضری، تعلیم کی تکمیل، حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے بیعت، خانقاہ میں طویل قیام کی تفصیلات، حضرت تھانوی کی توجہ و محبت، تربیتی واقعات، واردات و کیفیات، حضرت تھانوی سے استفادہ و استفاضہ، اجازت بیعت، جہاد بالسیف، اسفار حج، لنڈی

ارباب پشاور میں مسجد و خانقاہ کی تعمیر، سلسلہ بیعت و ارشاد کی سرگرمیاں اور مساعی ضروری تفصیلات کے ساتھ آگئی ہیں۔

(۴) چوتھا مقالہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر ماہنامہ البیان پشاور کے اداریہ کے طور پر لکھا گیا۔ اس مقالہ میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے علمی مقام، تقویٰ و طہارت، نزاہت قلبی، رسوخ فی العلم، اصابت فکر، ہمہ جہتی اور تحریکی و علمی کاوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، آپ کے کارناموں میں حکمت قاسمی کی تسہیل، سو سے زیادہ تصنیفات، اصلاح و ارشاد، دعوت و خطاب اور سب سے بڑھ کر دارالعلوم کے اہتمام کی جاں گسل ذمہ داری کی باحسن وجوہ سرانجامی کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی ملاقاتوں اور نیازمندانہ تعلق کا بھی ذکر ہے۔

(۵) پانچواں مقالہ ''صدیق وقت، یوسف اقلیم دعوت و تبلیغ'' حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے احوال و آثار پر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی خصوصی اشاعت ۱۹۶۵ء کے لیے لکھا گیا۔ یہ مقالہ بقول مولانا رشید ارشد رحمہ اللہ تعالیٰ مدیر ماہنامہ الرشید لاہور، خصوصی اشاعت کے تمام مضامین میں نمایاں اور ممتاز اور اسلوب بیان و قوت و استنتاج کے لحاظ سے سب پر بھاری تھا، آپ نے حضرت جی کے اوصاف و مزایا بیان کر کے اپنا یہ مدعی مبرہن کیا کہ حضرت جی صدیق وقت تھے اور مقام صدیقیت پر فائز تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

> فقیر کے نزدیک حضرت جی قدس سرہٗ کا مقام ''صدیقیت'' ان کے باقی کمالات و جواہر کا منبع و منشا تھا، آپ کے یقین کی دولت، آپ کی ایمانی قوت، آپ کا سوز دروں، آپ کی ربانیت و للّٰہیت، آپ کی خشیت و محبت الٰہی، آپ کا زہد و ورع، آپ کا تقویٰ، آپ کی انابت الی اللہ، التجا و دعا کی کیفیت، یہ جملہ صفات اسی مقام صدیقیت کے مختلف مظاہر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جامعہ و کاملہ اپنے مختلف الوان میں اشخاص متعلقہ کے ظرف و استعداد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت جی قدس سرہٗ کی نسبت باطنی کے متعلق کلام تو کوئی دیدہ ور ہی کر سکتا ہے، اس بے بصر کے نزدیک تو آخری دور میں نسبت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یوسفی مختلف الوان نسبت کا ایک عجیب اور نہایت ہی جامع گلدستہ بن چکی تھی جو جمال وجلال ربی کی تجلیات خاصہ کا بوقلموں مرقع تھا، جن کا پورا ادراک و بیان اس کو رنگاہ کا مقام نہیں لیکن ایک بات زبان قلم پر آئے بغیر نہیں رہتی، فقیر نے قلب یوسفی پر نسبت شیخین رضی اللہ عنہما کا ترشح پایا ہے۔

آپ نے حضرت جی کے غیر متزلزل یقین، اسباب کی بے ثباتی کا ایقان، دینی غیرت وحمیت، ملی درددروں، کڑھن وتڑپ اور فنا فی اللہ ہونے کے تذکرہ کے ساتھ آپ کے علمی مقام، تصنیفی خدمات، نسبت باطنی، تصوف سلوک اور بیعت وتلقین کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ آخر میں آپ کے سب سے امتیازی وصف داعی الی اللہ کا بسط وتفصیل سے ذکر فرمایا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ آپ پر دعوت کی حقیقت اور نظام کسی ذہنی اختراع یا عقلی کاوش کے نتیجے میں منکشف نہیں ہوا بلکہ اس کی پوری ساخت نصوص پر گہرے غور وخوض کے نتیجے میں خالص اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عطا ہوئی۔ آپ نے دعوت کے اساسی فکر کی سات بنیادیں بالتفصیل ذکر فرما کر واضح کیا ہے کہ مولانا الیاس رحمہ اللہ اور ان کے فرزند حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی نے انہی بنیادوں پر کام کو اٹھایا ہے، اس اساسی فکر کی پختگی اور اس کی بنیادوں میں نصوص کی قوت ہی کا نتیجہ تھا کہ دعوت وتبلیغ کی آفاقی محنت ہند کی گلی کوچوں سے اکناف عالم میں آگ کی طرح پھیل گئی اور ایمان ویقین کی فضا پیدا کرنے کی ایسی تجدیدی شکل سامنے آئی کہ جس کی نظیر بہت کم اسلامی تجدیدی تحریکوں میں نظر آئے گی۔

(۶) چھٹا مقالہ ''علماء واولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ'' ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کے حضرت شیخ الحدیث نمبر اشاعت ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۵ء کے لکھا گیا، بعدازاں یہ مضمون ماہنامہ البیان کے حضرت شیخ نمبر میں بھی چھپا، نیز ماہنامہ بینات کراچی کی اشاعت جولائی ۱۹۸۵ تا دسمبر ۱۹۸۵ء میں بھی چھ مبسوط قسطوں میں شائع ہوا۔ ماہنامہ الفرقان کے خصوصی اشاعت کے مرتب مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی مدظلہم لکھتے ہیں:

اس شمارے کا پہلا مضمون عارف باللہ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی دامت برکاتہم کا ہے۔ پوری کوشش کے باوجود بہت تاخیر ہونے کے باعث یہ مضمون حضرت شیخ نمبر حصہ

اول میں شامل نہ ہوسکا، اب یہ امانت قارئین کی خدمت میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش ہے، اس مضمون کے بارے میں کچھ عرض کرنا میرے لیے موزوں نہیں ہے، سوائے اس کے کہ یہ ایک عارف کی کہانی ایک عارف کی زبانی ہے، اسے بار بار اور بغور پڑھنا چاہیے۔ (ص۔ ۱۲، ۱۳)

مدیر الفرقان مضمون کے سرنامہ میں رقم طراز ہیں:

پیش نظر مضمون حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی دامت فیوضہم نے حضرت شیخ الحدیث کی وفات کے کچھ ہی دن بعد الفرقان کی خصوصی اشاعت کے لیے حضرت والد ماجد مدظلہ کی فرمائش پر تحریر فرمایا تھا، لیکن مضمون کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت مولانا سخت علیل ہو گئے تھے، جس کی وجہ اس کی تکمیل میں کافی تاخیر ہوئی، ادھر یہاں پریس والوں کی طرف سے جلدی جلدی کے پیغام آرہے تھے، بالآخر آخری حد تک انتظار کے بعد نمبر اشاعت کے لیے دے دیا گیا اور یہ طے کرلیا گیا کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کا مضمون دوسری خصوصی اشاعت میں شائع کر دیا جائے گا۔ اس وقت یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کی اشاعت میں اتنی دیر ہو جائے گی۔ بہر حال اب یہ گراں قدر تحفہ قارئین کی خدمت میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ اس مضمون کے مشتملات کو چار عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تجدید واحیائے دین اور خلافت نبوی کاربانی نظام اور الف ثانی ہزارۂ دوم سے اس کا عالمی مرکز۔

۲۔ تجدید واحیائے دین کے کام میں دہلی ودوآبہ کے علاقے کا حصہ۔

۳۔ حضرت شیخ کی تربیت کے لیے توفیق خداوندی، جو تیسیر اسباب کا دوسرا نام ہے، کی مختصر تفصیل۔

۴۔ خدمت دین اور نیابت نبوت کے سلسلے میں حضرت شیخ کی ہمہ جہتی کوششوں کا تذکرہ۔

دعا ہے کہ اس مضمون سے کماحقہ فائدہ اٹھایا جائے، مخدومنا حضرت مولانا محمد اشرف صاحب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نے اپنی سخت علالت اور معذوریوں کے درمیان جس درد و کرب اور جس کیفیت میں ڈوب کر خون جگر سے یہ مضمون لکھا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا احساس اور انہیں اجر عظیم نصیب فرمائے۔ آخر میں ایک بار پھر یہ عرض ہے کہ اس مضمون کو خصوصاً اس کے ابتدائی حصے کو جس میں پہلے اور دوسرے موضوع پر کچھ نہایت اہم باتیں اشاروں کی زبان میں کہی گئی ہیں، بہت غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ ان فی ذلك لذكرىٰ لمن كان له قلب او القىٰ السمع وهو الشهيد۔ (ص۔۱۶)

اس مبسوط تعارف کے بعد بندہ کا کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

(۷) ساتواں مقالہ قاری فیوض الرحمن صاحب کی کتاب مشاہیر علمائے سرحد کا مقدمہ ہے، رجال وشخصیات کے حوالے سے اس مقدمہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے اس مجموعہ کا حصہ بنایا گیا وگرنہ کتابوں پر لکھے گئے حضرت مولانا مختصر تاثراتی مضامین یا تقریظات عام طور پر اس مجموعہ کا حصہ نہیں۔ حضرت مولانا نے اس مقالہ میں علماء کے مقام نیابت وخلافت اور ورثہ نبوت ہونے پر روشنی ڈالی ہے، پھر سرزمین پاکستان میں دور صحابہ وتابعین سے علم واہل علم کی آمد کا مدلل تدریجی تذکرہ تاریخ کے مختلف ادوار کے تناظر میں کرتے ہوئے اکابر دیوبند کی کوششوں اور کاوشوں کے تذکرے پر اسے ختم کیا ہے۔ آپ علماء امت کی دینی جہد و جہاد اور مساعی جلیلہ کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

> علماء کرام ہر دور میں نیابت نبوت کا فریضہ بخیر وخوبی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مختلف ممالک میں ان سے حفاظت دین، اشاعت علم، تبلیغ اسلام، احقاق حق، ابطال باطل اور خدمت ملت کا کام لیا۔ اسلام کی رونق انہیں کے دم قدم سے رہی اور اسلام پر بہار انہیں کے مجاہدات سے آئی، دین ہدایت اور علوم اسلامیہ کے یہ امین فقر وفاقہ اور بوریا وحصیر میں دلوں پر بادشاہی کرتے اور اسلام کے سرمایہ کی حفاظت فرماتے رہے۔ ان کی سرگرمیاں عرب وعجم اور اقطار عالم کے چپہ چپہ میں جاری وساری ہیں، کبھی انہوں نے منبر ومحراب کو زینت بخشی، کبھی دار ورسن نے ان کی جلوہ سامانیوں سے عزت پائی، کبھی طوق وسلاسل نے ان کے قدموں کو چوما، کبھی زندان کی تیرہ وتار کوٹھڑیاں ان سے منور ہوئیں،

> کبھی تلواروں کے سائے میں انہوں نے کلمہ حق بلند کیا، کبھی تخت وتاج ان کی ہیبت سے کانپے، کبھی قوت وشوکت نے انہیں خراج تحسین پیش کیا، کبھی مسند درس نے ان سے رونق پائی، کبھی مدارس ان کے قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے گونجے، کبھی خانقاہیں ان کے وجد وحال اور ذکر واشغال سے بقعہ نور رہیں، کبھی میدان وفا میں ان کی تیغ بے نیام، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے برق بن کر کوندی، کبھی جنگ گاہ میں کشور کشاؤں کے سر قلم ہو کر ان کے قدموں پر گرے، کبھی اسلام کے پرچم کو ان کے خون کی قربانی نے سربلندی بخشی، کبھی ان کی حق گوئی نے قصر امارت میں زلزلہ بپا کیا، کبھی ایوان سیاست پر ان کی حق گوئی سے کپکپی طاری ہوگئی، غرض اہل حق کا یہ قافلہ عشق الٰہی میں سرشار ہو کر عالم کے ذرہ ذرہ کو اپنی قربانیوں، جہد ومحنت وجہاد وارشاد سے پر بہار بناتا رہا۔

(۸) آٹھواں مقالہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مختصر حالات اور افادات پر مشتمل ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کی اشاعت مئی ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں حضرت شیخ کی ولادت، ابتدائی تعلیم، تربیت باطنی اور راہ سلوک کا سفر، علمی مقام، تقوی وطہارت، فیض رسانی اور اصلاح وارشاد کا ذکر ہے، نیز آپ کے متعلق اکابر اہل علم وسلف صالحین کے آراء بھی ذکر کی گئی ہے۔ یہ مقالہ دراصل ریڈیو پاکستان کی دعوت پر پیش کیا گیا، جسے بعد ازاں افادۂ عام کے لیے الحق میں بھی چھاپا گیا۔

(۹) نواں مقالہ ''حدیث ناگفتنی'' آپ کی خودنوشت تعلیمی ومطالعاتی داستان ہے۔ یہ مقالہ ماہنامہ الحق کی طرف سے ایک سوالنامے کے جواب میں لکھا گیا، مدیر الحق نے مشاہیر اہل علم کے نام چند سوالات ارسال فرمائے تھے اور ان سے اپنی علمی ومطالعاتی زندگی کی روشنی میں ان کے جوابات طلب کیے تھے۔ وہ سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

> آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟ ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیت۔
>
> آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درس گاہوں سے خاص اثرات لیے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلباء کی تعمیر وتربیت میں مدد ملے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث ونوازل کا سامنا ہے اس کے لیے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہوسکتی ہیں؟

علمی اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجدیدی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث، عقلیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرن ازم) مصروف ہیں۔ ان کے سنجیدہ علمی احتساب میں کونسی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کرسکتی ہیں؟ موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔ مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے مؤثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں۔

حضرت مولانا نے ان سوالات کے تفصیلی تجزیاتی اور گہرے جوابات رقم فرمائے، آپ کے جوابات کو مشاہیر کے اس پورے علمی ومطالعاتی سلسلہ میں سب سے زیادہ سراہا گیا، خصوصاً مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشجیع وتحسین کا خصوصی پیغام ملا۔ حضرت مولانا نے ان سوالات کے جواب میں اپنے بچپن کی علمی وتعلیمی زندگی سے آغاز فرمایا، بچپن میں آپ نے فارسی اور اردو ادب کی اخلاق پرور کتابیں پڑھیں، جنہوں نے شخصیت پر گہرا اثر ڈالا۔ بچپن میں ناول پڑھنے کا شوق بھی رہا، صادق صدیقی، عبدالحلیم شرر اور دیگر معروف ناول نگاروں کے اکثر ناول پڑھے۔ گھر کے کتب خانہ میں موجود اکابر اہل علم کی تفاسیر وتراجم سے بچپن ہی میں استفادہ کا آغاز کیا۔ غرض سکول کے زمانے میں دینیات کا اچھا خاصا ذخیرہ مطالعہ کرلیا تھا۔

ہندوستان شملہ سے پشاور واپسی کے بعد اپنی مسجد کے مکتب میں مولانا نورالاعظم باجوڑی رحمہ اللہ سے درس نظامی کی کتابیں پڑھنا شروع کیں، صرف، نحو، فقہ اور ابن ماجہ کے سوا صحاح کا ذخیرہ انہی کے ہاں مکمل کیا۔ اس دوران عربی مطالعہ کی استعداد پیدا ہوئی، عربی ادب کے علاوہ عربی تفاسیر اور شروح حدیث کے ایک بڑے حصے سے استفادہ کیا۔ اعجاز قرآنی، تاریخ، تصوف، سیرت اور فقہ وقانون کو بھی بطور خاص مطالعہ فرمایا۔

آپ کو شعر وشاعری سے بھی لگاؤ رہا، علامہ اقبال اور حالی سے بچپن میں متاثر ہوئے اور دونوں

شعراء کے محض دیوان ہی نہیں بلکہ فکر بھی اپنے اندر جذب کی۔ مولانا روم، حافظ شیرازی، سعدی سب ہی کو پڑھا اور گھول کر پیا۔

شخصیات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حکیم الامت تھانوی، مولانا سید سلیمان ندوی، شبلی نعمانی، عبدالباری ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر علامہ اقبال کی تصانیف سے بطور خاص استفادہ کیا اور موجودہ فکری وعلمی تحدیات کے مقابلے کے لیے ان شخصیات کی کتب سے استفادہ کو لازمی قرار دیا۔

آپ نے اپنے علمی ومطالعاتی سفر میں محض کتابیں نہیں گنوائی، بلکہ ہر علم وفن، اس سے متعلق اہم کتب، شروح اور حواشی تک کا تعارف بھی کروایا، ان کی خصوصیات ومزایا کی وضاحت کی اور ان کے متعلق جہابذہ علم وفن کے اقوال وآراء سے استناد فراہم کیا۔

غرض یہ عجالہ نافعہ محض آپ کی مطالعاتی سرگذشت نہیں بلکہ بہت ساری کتابوں کا جامع تعارف اور کئی شخصیات کے علمی مقام اور افادیت کی تفصیل مہیا کرتا ہے اور ایک طالب علم کے لیے اس مطالعہ دلچسپی سے قطعاً خالی نہیں۔

(۱۰) دسواں مقالہ ''جادۂ حبیب'' آپ کا تبلیغی ودعوتی سفرنامہ ہے، حضرت مولانا بمع تین رفقاء جناب ضیاء الاسلام (امیر جماعت)، مولانا ظاہر شاہ صاحب اور میاں محمد انور صاحب فیصل آباد بیرونی ممالک ایران، عراق، شام، ترکی، یوگوسلاویہ، آسٹریا اور جرمنی میں تبلیغ کے لئے ۳۱ جولائی ۱۹۵۷ء بروز بدھ کراچی سے بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوئے، یہ ایک سفرنامہ نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں دینی دعوت کے اصول، طریقہ کار ومشکلات اور غیبی نصرتوں کے علاوہ ان ممالک اور شہروں کا جغرافیہ وتاریخ، سیاسی ومعاشرتی زندگی، اسلامی ودینی حالات کا ایک جامع بیش بہا خزانہ ہے جس کو مولانا صاحب نے اپنے روزنامچے میں روزانہ کی بنیاد پر تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ یہ تفصیل ۲۰ اگست ۱۹۵۷ء تک استنبول کے قیام تک موجود ہے لیکن اس کے بعد دستیاب نہیں یا مولانا صاحب نے لکھی نہ ہو۔ معلوم نہیں۔ بہرحال مولانا صاحب نے اس کی بعد کی تاریخوں میں مختصر اشارات ویادداشتیں لکھی ہیں جن کو جوڑ کر ہم نے اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سفرنامے کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سفر سے واپسی ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔ یہ سفرنامہ جادۂ حبیب کے نام سے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں بھی چھپتا رہا اور اس کے ابتدائی آٹھ اقساط شائع ہوئی تھیں کہ بعض تبلیغی مصالح کی بنیاد پر اس کی اشاعت روک دی گئی۔

اس جلد میں یہ دس مقالات پیش خدمت ہیں۔ امید ہے اہل علم اس علمی تحفہ سے محظوظ ہوں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں قبولیت سے نوازے اور بندہ، اس کے والدین، اہل وعیال اور اساتذہ ومشائخ کے لیے اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔

محمد طفیل کوہاٹی

مدیر ندوہ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

۵ ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ

(۱)

سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ

زبان پہ نام خدا یا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لیے

موت وحیات کا سلسلہ گردش لیل ونہار کی طرح ہمیشہ سے قائم ہے۔ لیکن گاہے اس عالم کی رونق وہ ہستیاں بھی بنتی ہیں۔ جن کی آمد عہد آفرین، جن کا وجود رحمت، جن کی زندگی ملت کی متاع بے بہا، جن کا کردار و اخلاق روشنی کا مینار اور جن کی شخصیت انسانیت کا قابل فخر سرمایہ ہوتی ہے۔ ان کی دماغی کاوشیں بنی نوع انسان کی گھتیوں کو سلجھاتی، ان کی قلبی تاثیر دلوں کو گرماتی، ان کا نور دیدہ آنکھوں کو بصیرت بخشتا اور ان کے انفاس پاک مردہ نفوس کی مسیحائی کرتے ہیں۔ ان کے سینہ کے سوز سے ملت زندگی کی حرارت پاتی ہے اور ان کا آب دیدہ امت کی کھیتی کو ہریالی بخشتا ہے۔ ان کی جہد ومحنت، قربانی وایثار، بے نفسی وجیداری، خود آگہی ونفس شکنی، دور بینی وعمق نگاہی، بصیرت وفراست، دانش وفکر اور ہمت وعزم زندگی کی جملہ راہوں میں انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ ان کے قلم کی جولائی، زبان کی روانی، دل کی تابانی فرد وجماعت کے دل ودماغ، ظاہر وباطن کی اصلاح وفلاح اور تعمیر وبقا کا سامان مہیا کرتی ہے۔ ان کی انگلیاں نبض ملت اور نگاہیں ہدایت کے الٰہی خاکوں پر ہوتی ہے۔ وہ اس عالم میں انبیائے کرام علیہم السلام کے صحیح وارث وجانشین ہوتے ہیں اور خداوند قدوس ان قدسی الصفات اشخاص سے نیابت نبوت کا کام لیتا اور ملت کے تن مردہ کو ان کے ذریعہ سے حیات نو بخشتا ہے۔ ایسی یگانہ روزگار ہستیاں قرنوں میں وجود میں آیا کرتی ہیں اور ان کی آمد عالم کے لیے بہار تازہ کا پیغام لاتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سالہا در کعبہ وبت خانہ من نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

محقق جلیل، فاضل کبیر، امام شہیر، متکلم عصر، شیخ وقت، سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ انہیں نادرہ روزگار اشخاص میں سے تھے۔ ان کا وجود اپنے گوناگوں فضائل وکمالات، جامعیت و برکات، علوم ومعارف، خدمات دینی وملی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ایک مستقل نشانی اور حضور انور ﷺ کا ''اعجاز خاص'' تھا۔ آپ کی جلالت شان، عظمت دینی، فضیلت علمی، رفعت عرفانی، نزہت اخلاقی، خدمت ملی سے کون ناواقف ہے۔ عصر حاضر میں جامعیت علوم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ما رأیت مثله ولم یری مثله. علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا یہ فرہاد نہ صرف خالص دینی علوم قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ، تصوف وکلام اور سیرت میں امامت وسیادت کا مقام رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ہمہ گیری قدیم معقولات کے دفتر اور جدید معاشرتی ونظری علوم کے ایک معتدبہ ذخیرے کو اپنے پہلو میں سمیٹے ہوئے تھی وہ ژرف نگاہ مؤرخ تھے۔ لیکن ان کی تاریخ دانی خاص سیاسی، شاہی یا سلطانی حاکمانہ خانوادوں کے عزل ونصب، فتوحات، جہانبانی وجہانگیری کی داستان سرائی اور رام کہانی نہ تھی۔ بلکہ وہ علوم ملی کے دقیقہ رس، باریک بین، رمز آشنا اور وسیع النظر مؤرخ تھے۔ علوم وفنون اسلامیہ کے گوشہ گوشہ پر ان کی گہری نگاہ تھی اور ان کی ارتقائی منازل وتاریخی مدارج پر عمیق نظر تھی۔ فلسفہ تاریخ اور اس کے متعلقہ علوم پر وہ مجتہدانہ، مبصرانہ اور ناقدانہ فکر وبصیرت کے مالک تھے۔ ان کا تاریخی ذوق وشغف اپنی وسعتوں میں نہ صرف امم اسلامیہ اور جاہلی واسلامی عرب کی تاریخ کو لیے ہوا تھا، بلکہ مختلف ادیان وملل کی تاریخ خصوصاً یہودیت عیسائیت وہندومت کی عہد بعہد کے مذہبی وسیاسی تغیر وتبدل اور انقلابات واحوال پر محرمانہ واقفیت کا حامل تھا۔ تاریخ مذاہب اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور پھر ساڑھے تیرہ سو سال پر پھیلی ہوئی عالمی اسلامی تاریخ نے انہیں تاریخ عالم کی تمام اہم وقابل ذکر اقوام کی فکری وسیاسی اخلاقی ومذہبی اور علمی تاریخ کا واقف وناقد بنا دیا تھا۔ اسلامی تاریخ پر وہ ''حجت'' تھے۔ ہندوستانی تاریخ کے مختلف ادوار کا ان جیسا علم شاذ مؤرخین ہی کو ہوتا ہے۔

سید صاحب نے اسرائیلی صحف آسمانی تورات، انجیل، زبور وغیرہ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان کتابوں کی بعض شروح پر بھی نظر تھی۔ ہندوستانی مذاہب اور دگر ادیان کی کتب مقدسہ سے آشنا تھے۔

قرآن فہمی کا ملکہ خداداد تھا اور کتاب الٰہی کی ان باریکیوں اور عمیق گوشوں پر نگاہ جاتی تھی، جن کی طرف عام اذہان کا گذر بھی نہیں ہوتا۔ علوم قرآنیہ آپ کی تمام دینی تحقیقات میں روح اور بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ قرآن ہی سے دیکھتے تھے، قرآن ہی سے سوچتے تھے، قرآن میں سے کہتے تھے اور قرآنی فہم ودانش کی ضیاء پاشیوں سے عالم کو پیہم بقعہ نور بناتے رہے۔ قرآنی علوم پر ان کا مطالعہ انتہائی وسیع، گہرا، متنوع اور اچھوتا تھا۔

وہ ایک ناقد، بصیر اور تبحر محدث تھے اور علوم حدیث کی جملہ شاخوں اسماء ورجال اور جرح وتعدیل وغیرہ پر ان کی عمیق نظر تھی۔ فقہ اسلامی کے مختلف مسالک ومذاہب کا علم وفہم حیرت انگیز تھا۔ وہ بے مثل ویگانہ سیرت نگار تھے۔ فن سیرت نے ان سے جلا پائی اور ان کے جواہر سیرت پاک سے جھلکے۔ وہ اس فن کے مستقل امام ومجتہد تھے۔ آپ نے ''سیرت'' کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ، سوانح اور کام وپیام وتعلیمات اسلامی کا ہمہ گیر دائرۃ المعارف بنا دیا اور اس شرف میں پوری تاریخ اسلامی میں عملاً ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾

سید الملت متکلم وقت تھے اور عصر حاضر کے پرشور وپرکار، دوررس وجہانگیر فتنہ مغرب کے دقیقہ رس ناقد اور عمیق ودقیق علمی واستشراقی ذہنی وسیاسی دجل وفریب کے رمز آشنا مبصر۔۔۔ دار المصنفین کے اس زاویہ نشین درویش نے اسلام پر تاریخ کے سب سے زیادہ کاری ومؤثر حملوں کا جواب جس بے جگری، جرأت وہمت، دانشوری، حکمت وسنجیدگی، گہرائی اور بصیرت کے ساتھ دیا اور اسلام کے عقائد واقدار اور علوم کی حفاظت کی۔ اس کی نظیر پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ سلیمان وقت کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی وہ علمی وتحقیقی ونظری فتوحات ہیں جس نے دانش حاضر کے فریب کے تار وپود کو بکھیر کر رکھ دیا، مسلمان کی متزلزل علمی صفوں کو ثبات بخشا اور علوم اسلامیہ کے درخشندہ چہرہ سے گرد وغبار کے تو برتو پردوں کو مٹا کر ان کی تابشوں سے زمان ومکان کے لیے روشنی کا سامان پیہم پہنچایا اور ایک دور افتادہ بستی کے ایک معمولی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جھونپڑے (دارالمصنفین) کو اسلامی علم وفکر اور دین خالص کا مرکز اور سلف صالحین کے نظریات ومسلک کا ''اعظم گڑھ'' ومضبوط قلعہ (حصن حصین) بنادیا۔ جس کی تحقیقی وعلمی عظمت وشوکت کا اعتراف یگانوں اور بیگانوں نے برملا کیا، جو برس ہا برس تک سلیمانی علم کے زیر سایہ اسلامی علوم وفنون کی بےلوث ومتحیر کن خدمات بجالاتا رہا اور ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است۔ مسلمانوں اور عربوں کے جغرافیہ پر اتنا وسیع النظر عالم اور ان کی جغرافیائی معلومات واکتشافات کا جاننے والا پورے عالم اسلام میں شاذ ہی کوئی دوسرا شخص ہوگا۔ عربوں کی جہاز رانی اپنے موضوع پر منفرد اچھوتی اور کامیاب تصنیف ہے، جو مصنف کے علمی شغف اور دقیقہ رسی پر گواہ، کثرت معلومات میں اپنی نظیر آپ اور مصنف کی فن دانی پر شاہد عدل ہے۔

سید صاحب زبان دان تھے، عربی وفارسی کے وہ مستند عالم تھے، اردو کے بلند پایہ صاحب طرز ادیب اور ''سید المصنفین'' تھے، عبرانی انہوں نے سیکھی تھی، انگریزی وہ اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لیتے تھے۔ فرانسیسی سے (بقول مسعود عالم مرحوم) وہ آشنا تھے۔ بعض ہندوستانی بولیوں کی شدھ بدھ رکھتے تھے۔ ان کی عربی سلاست اور بےساختگی میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی تھی۔ وہ شاعر تھے اور اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں اچھے اشعار کہہ لیتے تھے۔ وہ مدیر تھے اور ان کی ادارت نے مختلف ادوار میں الندوہ، الہلال ومعارف کو علوم ومعارف اور تحقیق ودانش کے گوناگوں افادات سے منور بدر کامل ومہر منور بنایا۔ جس کے اثرات برصغیر ہندوپاک کی علمی وادبی تاریخ پر ان مٹ اور دائمی ہیں۔

ان کی پچاس سالہ تصنیفی زندگی نہ صرف بلند پایہ محققانہ مستقل تصانیف پر مشتمل ہے بلکہ انہوں نے پچاسوں علمی وتحقیقی، دینی وادبی، لسانی وتاریخی مقالات لکھے، خطبات پڑھے، مقدمات ترتیب دیے۔ جن میں سے ہر ایک مستقل علمی کارنامہ اور حکمت ودانش، دقت نظری، دقیقہ رسی گہراؤ اور معلومات کا گنجینہ ہے۔

حضرت الشیخ قدس سرہ پیدائشی ''صوفی'' تھے۔ بچپن میں اپنے بڑے بھائی سے اکتساب فیض کیا۔ اور یہ شرارہ نور آخری عمر میں شیخ الکل مجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے تعلق کے بعد شعلہ طور بن کر چمکا اور اس کی ضیاء پاشیوں سے بزم سلوک مطلع انوار ربی اور علم ونظر نے جن بلندیوں کی نشاندہی کرائی تھی، عمل وعرفان نے ان رفعتوں کی حقیقی لذت وچاشنی سے فیضیاب وآشنا کردیا۔

غرض سید الملت علم ودانش کے اس مقام پر فائز تھے جس کا تصور بھی بہت سے دانشوروں کی ذہنی دسترس سے بالا ہے۔ تحقیق وجامعیت اور وسعت وعمق علوم میں پورے عالم اسلام میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے ہمہ جہتی عالم تھے۔ اس صدی کے عظیم مفکر وحکیم شاعر اقبال نے سچ کہا ہے:

''آج سید سلیمان ندوی ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں۔ وہ عالم ہی نہیں امیر العلماء ہیں۔ مصنف ہی نہیں رئیس المصنفین ہیں۔ ان کا وجود علم وفضل کا ایک بہتا دریا ہے۔ جس سے سینکڑوں نہریں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں۔''

ان کے محبوب شاگرد سید مسعود عالم ندوی مرحوم لکھتے ہیں:

''سید صاحب کا علمی مقام تھا اتنا بلند کہ وہاں تک شاید بہتوں کا طائر خیال بھی پرواز نہ کرسکے۔ ان کی ''جامعیت'' تو اس دور میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ میری نگاہ میں اس دور کے تمام اہل علم واہل نظر ہیں۔ صرف ہندوستان کے نہیں بلکہ دوسرے مسلمان ملکوں کے بھی۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ کوئی شخصیت علم وفن کے گوناگوں شعبوں کی ایسی جامع نظر نہیں آئی۔'' (ماہنامہ چراغ، اپریل ۱۹۵۴ھ)

شاہ معین الدین احمد ندوی اپنے فقید المثال استاذ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''اس دور میں وہ جامعیت علوم کی تنہا مثال تھے۔ ان میں ابن رشد وابن خلدون، ابن تیمیہ وابن قیم، غزالی ورومی، شاہ ولی اللہ ومجدد سرہندی کے علمی جلووں کی جھلک یکجا نظر آتی تھی۔ اس لئے ان کی تحریروں سے مسلمانوں کو جس قدر فیض پہنچا اس کی مثال اس زمانہ میں کمتر ملے گی۔''

پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی اقلیم علم وفضل کے سلیمان اعظم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''سید صاحب جن علوم سے بہرہ مند تھے۔ ان پر ان کی نظر پیشہ ورانہ نہ تھی، محرمانہ تھی۔ وہ محض فنی اصول پر کسی مسئلہ کو ناپ تول کو ختم نہیں کردیتے تھے۔ بلکہ اس کی کوشش کرتے تھے کہ اس مسئلہ کے رد یا قبول میں دماغ ودل دونوں متفق ہوجائیں۔ سید صاحب نے اسلامی عقائد اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اسلامی مسائل (خواہ وہ معاش سے متعلق ہوں یا معاد سے) پر طرح طرح سے بحث کی ہے۔
لیکن مجھے کوئی ایسا موقع نہ ملا، جہاں یہ محسوس ہوا ہو کہ مصنف نے اپنی بات دھونس دھمکی سے یا خطابت اور شاعری کے زور یا منطق اور فلسفہ کا چکر دے کر یا جلی کٹی سنا کر یا روپیٹ کر منوانے کی کوشش کی ہو۔ جیسا کہ بعض نام کے مولوی اور اشترا کی بالعموم کیا کرتے ہیں۔''

''سید صاحب نے ہمیشہ بات متانت اور دیانت سے کہی، نپی تلی کہی اور اس طرح کہی اور اس لئے کہی کہ ان کو ایک بیش بہا بات معلوم ہوئی تھی، جس پر انہوں نے بڑی محنت، قابلیت اور وقت صرف کیا تھا اور چاہتے تھے کہ اسے ان لوگوں تک پہنچائیں جو اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ علم کا معلم سے یہی تقاضا ہے''..... ''حسب ونسب، علم وفضل، اخلاق وعادات، خدمت ملک وملت کے اعتبار سے سید صاحب کا درجہ بہت اونچا اور پورے طور پر مسلم ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں سید صاحب کی تعلیم وتربیت پرانے استادوں اور بزرگوں کے سایہ شفقت اور پرانی فضاؤں میں ہوئی تھی۔ جدید علوم وفنون سے براہ راست انہوں نے کسی سے استفادہ نہیں کیا تھا۔ لیکن نئے افکار اور نئے طور طریقوں سے انہوں نے اپنے آپ کو اس خوبی اور خاموشی سے آشنا کر لیا تھا کہ وہ کہیں اجنبی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ چاہے وہ اہل علم کا طبقہ ہو، چاہے ارباب سیاست کی مجلس، خواہ طالب علموں کی جماعت ہو، خواہ عامۃ الناس کا اجتماع، جدید افکار اور رجحانات سے کوئی کتنا ہی آشنا کیوں نہ ہوتا، سید صاحب سے تبادلہ خیالات کرنے میں اسے کبھی یہ محسوس نہ ہوتا کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے۔ جس کی معلومات روایتی ہیں یا جس کا ذہن بند ہے، ٹکے خانوں میں اسیر ہے، یا جس کے فکر ونظر کا دائرہ تنگ ہے۔ علی گڑھ میں جدید ترین افکار و اطوار سے مسلح اور مرصع نوجوانوں کو میں نے دیکھا کہ خالص علمی اور ذہنی سطح پر مولانا کی ہم سری نہ کر سکتے تھے اور ہمیشہ یہ ہوا کہ وہ سید صاحب سے کچھ سیکھ کر ہی واپس گئے۔''

ان اقتباسات سے مقصود علوم وفنون، فکر ودانش کے اس فرد یگانہ وسلیمان زمانہ کی عظمت وشوکت کی

ایک ادنی جھلک دکھانی مقصود ہے۔ ورنہ:

از جلوہ بیا دام دے کا بنہمہ سامان
در حوصلہ دیدہ بہ یک بار نہ گنجد

اس علمی شغف واشتغال اور عرفانی مزیت وکمال نے سید الملت کو ملی خدمات کے عملی میدان سے یکسو نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ اس جوان ہمت اور نادرہ روزگار مرد مؤمن (بطل جلیل) کا میدان تگ وتاز ہند سے برطانیہ وفرانس کے استعماری ایوانوں تک اور گنگا وجمنا تا پتی وکاویری کے کناروں سے رود قلزم، بحیرہ روم اور بحر ظلمات کے ساحل تک محیط تھا۔ مسجد کانپور کا خونچکان ''مشہد اکبر'' اس کے اشہب قلم کا انتہائی کارنامہ نہ تھا۔ بلکہ اس کا رہوار عزم مسجد اقصی، بیت الحرام اور حرم نبوی کی حرمت کے لیے پیہم رواں دواں رہا۔ ''خلافت اسلامیہ'' کے سقوط الغا سے عالم اسلام پر جو دور رس بپتا پڑی۔ اس کے مداوا کے لئے سلیمان ندوی کی علمی وعملی خدمات کسی سے کم نہیں۔ دینی تقاضوں اور ملی سرگرمیوں کے لئے ہمالیہ کی ترائی اور بنگال ومدراس سے لے کر افغانستان وحجاز، روم وسوئزرلینڈ اور مصر تک سفر کی صعوبتیں جھیلتے رہے۔ بیسویں صدی کے پہلے پچاس سالوں میں برصغیر ہند میں شاید ہی مسلمانوں کی کوئی مفید دینی وعلمی سیاسی وملکی تحریک اٹھی ہو۔ جس میں سید صاحب کی رہنمائی واشتراک کا حصہ کسی نہ کسی صورت میں نہ پایا جاتا ہو۔ اس بنا پر بقول پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی ان کی علمی، مذہبی، قومی، تہذیبی خدمات اس صدی میں اتنی زیادہ اور اتنی گرانمایہ تھیں کہ کسی ایک شخص کی نہ تھیں۔'' (معارف سلیمان ندوی)

حضرت سید صاحب کی مختلف الجہات اور بوقلمون خدمات کا اندازہ ان کے چالیس سالہ صدیق صاحب صدق مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی مندرجہ ذیل عبارات سے بھی ہو سکتا ہے:

''سید الملت محض ایک صوفی صافی اور مرشد طریقت کب تھے۔ دنیا کے سامنے تو وہ چالیس پینتالیس سال تک بیسوں مختلف حیثیتوں سے پیش ہوتے رہے۔ ایک عالم دین، ایک مؤرخ، ایک مقرر وخطیب، ایک ادیب، ایک مناظر، ایک معلم ومدرس، ایک سیاسی وملی کارکن، ایک معزز ماہ نامہ کے ایڈیٹر، ایک بڑی دینی درسگاہ کے ناظم، ایک بڑے تصنیفی ادارہ کے روح رواں، ایک شاعر، ایک ناقد، یونیورسٹیوں کے ممتحن،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فلاں فلاں کمیٹیوں کے ممبر، فلاں مجلس کے صدر، فلاں کے سیکرٹری وغیرہ وغیرہ اور پبلک مسائل پر ہزار ہا ہزار فقرے ان کے قلم وزبان سے ادا ہوئے ہیں۔'' (''صدق جدید لکھنؤ'' ۸ر جولائی ۱۳۹۰ھ)

''سید صاحب نرے صوفی صافی اور مرشد طریقت نہ تھے۔ ادیب، انشا پرداز، خطیب، مناظر، ایڈیٹر، مؤرخ، مدرس، معتمد دارالعلوم ندوہ، ناظم دارالمصنفین اور کتنی ہی کمیٹیوں اور مجلسوں کے صدر ناظم یا رکن رہ چکے تھے اور یہ سلسلہ آخر تک بالکل منقطع نہیں ہوا تھا۔'' (صدق جدید لکھنؤ، ج:۱، ص:۲۹)

غرض سید الملت اپنی ذات میں ایک دبستان ایک انجمن ایک امت اور ایک دور تھے اور علم وعمل کے فضائل وکمالات کا حیرت انگیز اور نادر مجموعہ ونمونہ، وہ صرف مؤرخ نہ تھے وہ خود ''تاریخ'' تھے اور مسلمانانِ ہندو پاک کے پچھلے دور کی ایک عظیم ترین شخصیت، ایک جامعہ علم، ایک دائرہ فضیلت، ایک مدرسہ فکر۔

یدل بمعنی واحد کل فاخر
وقد جمع الرحمن فیك المعانیا

و لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

حسب ونسب ومولد:

دو دمان نبوت کے اس گوہر شب چراغ اور نابغۂ وقت کا خاندانی واصل اسم گرامی ابونجیب انیس الحسن تھا۔ لیکن فضل وکمال کے ہونے والے ''سلیمان اعظم'' کے لئے ولادت کے بعد ہی حکمت الٰہی نے خاندان والوں میں ''سلیمان'' کے نام کو ایسی مقبولیت بخش کہ سید سلیمان ہی زبان زد خلائق ہوا اور اصل نام اس کی تابانی میں محجوب ہو کر رہ گیا۔

آپ کا ننہال زیدی اور دودھیال رضوی سادات کی سلسلۃ الذہب سے منسلک ہے۔ آپ کے والد صاحب کا اسم مبارک سید ابوالحسن بن حکیم سید محمد شیر عرف حکیم محمدی تھا۔ والدہ ماجدہ کا نام نامی سیدہ بی بی قطبن صاحبہ بنت حکیم سید حیدر حسین بن حکیم سید کاظم حسن تھا۔

حضرت سید سلیمان ندوی کی ولادت باسعادت عظیم آباد پٹنہ (صوبہ بہار ہند) کی ایک مردم خیز اور

پرانی بستی دیسنہ میں ہوئی۔ صوبہ بہار کا یہ علاقہ سادات کرام ور مسلمان شرفاء کی قدیم آبادیوں کی بنا پر ہمیشہ سے مشہور رہا ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے پیشتر گوتم بدھ اور جینی رہنما مہابیر بھی اس علاقے میں اپنی ریاضات میں مشغول رہے ہیں۔ سید صاحب کا مرز بوم دیسنہ (دیس نو) اور اس کے مضافات بارہ گاؤں بہار شریف وغیرہ مسلمانوں کے دور میں بھی ہمیشہ علم وفضل کا گہوارہ رہے اور یہاں بڑے بڑے علماء صوفیا، فضلا اور حکما پیدا ہوتے رہے۔ مخدوم الملک حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی آرام گاہ انہیں نواح میں ہے۔ ملا محب اللہ بہاری، غلام یحییٰ بہاری، نذیر حسین صاحب محدث اور کئی اہل کمال اس دیار میں پھلے پھولے اور یہیں آسودہ خاک ہوئے۔

سادات دیسنہ کے مورث اعلیٰ حضرت میر حسن شہید کے آباؤ اجداد (جن کا سلسلہ نسب امام علی رضا سے ملتا ہے) شہاب الدین غوری کے زمانہ میں مشہد مقدس سے ہندوستان تشریف لائے تھے اور اس سرزمین میں متوطن ہو گئے تھے۔ میر حسن شہید عہد اکبری سے پہلے وارد بہار ہوئے۔ فتنہ دین اکبری میں یہیں شہادت پائی اور دیسنہ میں مدفون ہوئے۔ ان کے صاحبزادے سید عثمان دیسنہ ہی میں بس گئے اور انہیں کے دو بیٹوں سید صدر الدین (سید سلیمان ندوی صاحب کے جد اعلی) اور حافظ میر جان محمد سے سادات دیسنہ کی نسل پھلی پھولی اور دینی سربلندی کے ساتھ دنیاوی وجاہت سے بھی ہمیشہ سرفراز رہی۔

حضرت سید صاحب کا خاندان بھی پشت ہا پشت سے علم وعمل کا سنگم اور دین ودنیا کا مجمع البحرین چلا آتا تھا۔ حضرت والا قدس سرہ کے دادا حکیم سید محمد شیر عرف حکیم محمدی (ف ۱۳۰۳) صاحب تصنیف، حاذق طبیب، عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا حکیم ابوالحسن صاحب (ف ۱۳۴۰) صوفی مرتاض اور مشہور حکیم تھے۔ آپ کے بڑے بھائی سید ابوحبیب مجددی (ف ۱۳۴۶) بھی اچھے عالم، صوفی اور طبیب تھے۔ سید صاحب نے بھی ان سے استفادہ کیا تھا۔ غرض

ع این خانہ تمام آفتاب است

سید سلیمان اس خانوادہ سیادت وعلم وحکمت کے مہر تابان تھے۔ آپ کی پیدائش صبح کے وقت جمعہ کے دن ۲۳ صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء کو ہوئی۔ صاحب بصیرت دادا حکیم محمدی نے کیا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خوب تاریخ پیدائش کہی۔

شدہ مہر تابان ز برج کمال

۱۳۰۲ھ

یہ تاریخ پیشن گوئی ثابت ہوئی اور سید سلیمان برج کمال کے مہر تابان ہی بن کر چمکے اور اپنی ضیاء پاشیوں سے عالم کو مطلع انوار بنا گئے۔

بچپن وابتدائی تعلیم:

حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی میں فطری آثار کمال وشرافت بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ خاندانی ماحول والد ماجد وبرادر بزرگوار کی تربیت وصحبت نے اسے جلا بخشی اور صحیح تعلیم نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا (اور مربی حقیقی اس جوہر یگانہ وفرید زمانہ کی تربیت کے ہمیشہ ایسے سامان بہم پہنچاتا رہا کہ آپ کی استعدادیں ابھرتی، نکھرتی اور چمکتی چلی گئیں اور عصر حاضر کے اس گوہر شب چراغ کی جلوہ سامانیوں نے ایک عالم کو بقعہ نور اور انگشت بدنداں بنا دیا۔

حضرت سید صاحب نے اردو کی کچھ ابتدائی تعلیم اپنی ہمشیرہ سے پائی۔ چار پانچ سال کی عمر ہوگئی کہ مولوی مقصود علی صاحب (ساکن موضع اوکھدی ضلع پٹنہ) کو آپ کی تعلیم کے لئے بلایا گیا۔ ایک مکتب قائم ہوا۔ اس میں مولوی صاحب موصوف سے قرآن پاک ختم کیا اور فارسی میں آمد نامہ، کریما، نسخہ تعلیمیہ، گفتگو نامہ اور گلستان باب اول ودوم پڑھا۔ اسی اثنا میں حضرت سید صاحب کے بڑے بھائی حکیم سید ابوحبیب صاحب اپنی تعلیم سے فارغ ہوکر دیسنہ تشریف لائے۔ تو حضرت نے ان سے گلستان باب ہشتم، بوستان، یوسف زلیخا اور قعات عالمگیریہ پڑھیں۔ اس زمانہ کے فارسی کے درسی نصاب میں ان کتابوں کے علاوہ اخلاق محسنی، سکندر نامہ، بہار دانش، نثر ظہوری، انشاء خلیفہ وغیرہ بھی تھیں۔ قیاس ہے کہ یہ کتابیں بھی آپ نے اس دور میں پڑھی ہوں گی۔ حکیم ابوحبیب صاحب سے ہی آپ نے عربی تعلیم کی ابتداء فرمائی۔ صرف میں میزان، منشعب، زبدہ، صرف میر، فصول اکبری اور نحو میں شرح ملا جامی تک اور منطق میں کبری، میزان منطق وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اسی زمانہ میں حکیم صاحب حج پر تشریف لے گئے اور سید

صاحب اپنے والد صاحب کے پاس اسلام پور آ گئے۔ اور ان کی تعلیم وتربیت میں چھ مہینے رہے۔ پھر پھلواری [1] شریف (پٹنہ) بھیج دیا گیا۔ جہاں ایک سال خانقاہ مجیبی میں مولانا شاہ محی الدین صاحب کی صحبت میں رہے اور ان سے شرح وقایہ اور عربی کی دوسری ابتدائی کتابوں کا درس لیا۔ حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواری سے بھی منطق کے دو چار سبق پڑھے۔ (یادرفتگاں، ص: ۱۸۲) پھلواری شریف سے ۱۸۹۹ھ میں سید صاحب بزرگوں کے ایما پر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے ہدایہ جلد اول مولانا مرتضی حسن صاحب دیوبندی سے اور تہذیب مولانا فدا حسین صاحب آروی سے پڑھی۔

---

[1] سید صاحب مولانا شاہ محی الدین کے وصال پر ارقام فرماتے ہیں:

''پھلواری پٹنہ سے چند میل پچھم ایک مردم خیز قصبہ ہے جو صدیوں سے اس صوبہ کا علمی ومذہبی مرکز ہے۔ یہاں خانقاہ مجیبی قائم ہے۔ جہاں ظاہر وباطن اور علم وعمل دونوں کے سرچشمے آکر ملتے ہیں۔ اس خانقاہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ شروع سے اب تک اس کے سجادہ نشین علم شریعت وطریقت دونوں کے جامع رہے ہیں۔ یعنی ہر صاحب سجادہ صوفی صافی ہونے کے ساتھ عالم دین بھی ہوتے آئے ہیں۔ دستار فضیلت اور فرقہ ''شخصیت دونوں یہاں ایک جسم پر آراستہ رہے ہیں۔ اب دو پشتوں سے یہاں کے صاحب سجادہ صوبہ کے امیر شریعت بھی ہورہے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے ملفوظات میں اس خاندان کے معاصر شیخ کا تذکرہ مدح کے ساتھ آیا ہے۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید نے اپنے سفر بہار وبنگال میں اس خانقاہ میں قدم رنجہ فرمایا۔ سجادہ نشین حال حضرت مولانا شاہ محی الدین ؒ خلف حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب سے مجھ ہیچمدان کو گونا گوں تعلقات حاصل تھے، میرے والد مرحوم نے ان کے والد مرحوم کے ساتھ ان کے نانا حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہ سے فیض ارادت وتکمیل باطن حاصل کی تھی، میرے والد مرحوم کی پیدائش ۱۲۵۷ھ میں ہوئی تھی اور اخذ فیض واستفادہ جوانی میں شروع کیا، جس کے معنی یہ ہے کہ اس واقعہ پر اسی نوے برس گزر چکے ہیں، میرے بڑے بھائی مرحوم کی تکمیل اور دستار بندی شاہ محی الدین صاحب کے ماموں مولانا شاہ عین الدین صاحب مرحوم کے ساتھ اسی خانقاہ پھلواری میں ہوئی، میری عمر جب تیرہ چودہ برس کی تھی غالباً ۱۸۹۹ء میں والد مرحوم کے حسب الحکم بغرض تعلیم اسی خانقاہ میں طالب علم رہا۔ اس وقت میں عربی کی ابتدائی کتابیں تھیں۔ مجھے خانقاہ میں خاص حضرت شاہ کے قریب قیام کی اور ایک ساتھ طعام کی اور زیر درس کتابوں میں شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجھے اس نسبت پر فخر اور انہیں اس پر مسرت تھی، انہیں جب دیکھتا تھا عہد اول یاد آجاتا تھا اور ان کو بھی خوشی ہوتی تھی۔ افسوس کہ اس بزرگانہ تبسم کا منظر اب ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے پنہاں ہوگیا۔ (یادرفتگان، ص: ۳۹۲، ۳۹۳)

شاہ بدرالدین صاحب قدس سرہ کی وفات پر لکھا:

خاکسار کو آغاز عمر میں ۱۸۹۸ء میں پھلواری کی خانقاہ میں چند ماہ بسلسلہ طلب علم والد ماجد مرحوم کے حسب ہدایت رہنے کا اتفاق ہوا تھا، اس وقت سے اخیر عمر تک اس ہیچمدان کے حال پر نظر عنایت تھی، کبھی کبھی مکرم ناموں سے سرفراز فرماتے تو اعز اخوان کے الفاظ سے خطاب فرماتے۔ (یادرفتگان، ص: ۵۳)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مکتبی زندگی کا یہ دور (تقریباً ۱۳۰۷ھ تا شوال ۱۳۱۹ھ) متعدد جوہ سے اہم ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں ''سلیمان'' کے فطرتی جواہر کی حفاظت وآبیاری کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا ماحول عطا فرمایا جو سید صاحب کی آئندہ دینی، علمی وعرفانی زندگی کے لئے سنگ بنیاد بنا۔ خانوادہ سلیمانی میں پشت ہا پشت سے علم وحکمت کی فراوانی اور عرفانی مزایا کی ارزانی تھی۔ آپ کے والد ماجد اور بڑے بھائی صاحب دونوں صاحب حال وارشاد صوفی تھے اور دونوں کی توجہات سید صاحب کی ظاہری تعلیم وتربیت کے علاوہ ظاہری وباطنی تزکیہ وصفائی واصلاح کی طرف مبذول رہتی تھیں۔ سید الملت اپنے آخری دور میں اپنے شیخ حضرت تھانوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''میرے والد مرحوم ابوالعلائی طریقہ کے شیخ تھے اور بھائی مرحوم مجددی حضرت شاہ ابواحمد صاحب بھوپالی کے مرید وخلیفہ تھے۔ بچپن میں ان دونوں بزرگوں نے اپنے حلقہ میں شامل کیا۔ والد صاحب ذکر جہری معروف کراتے تھے۔ بھائی صاحب مرحوم توجہ دیتے تھے اور مراقبہ کراتے تھے۔ مگر بچپن تھا، قدر اس نعمت کی نہ ہوئی۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کی شفقت وتوجہ نے جس تخم معرفت کی سلیمانی قلب میں کاشت کی تھی، وہ ضائع نہیں ہوا، وہ اپنے وقت پر معرفت کا شجر طیبہ بن کر ''اصلها ثابت و فرعها فی السماء'' کا مصداق بنا۔ وہی شرارہ نور تھا، جو آخر شعلہ طور پر بن کر چمکا۔

حکیم ابوحبیب صاحب کی تربیتی توجہ کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ حکیم صاحب اپنے گاؤں کی عادتوں کی اصلاح کی غرض سے ننھے سلیمان سے ''تقویۃ الایمان'' کی قرأت کراتے اور پس پردہ خود بیٹھ کر اس کی تشریح وتوضیح فرماتے جاتے۔ اس طرح سید صاحب بھائی صاحب کی نقشبندی توجہات سے اور تقویۃ الایمان کی ایمان قوت سے فیض پاتے رہے اور بھائی کے اس حکیمانہ طرز نے سید صاحب کو عقائد کی وہ پختگی بخشی، جسے خیالات وافکار کا کوئی سیلاب بہانہ سکا۔ سید صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''یہ پہلی کتاب تھی، جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں کہ اثنائے تعلیم ومطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں اور کتنی دفعہ خیالات کے طوفان اٹھے۔ مگر اس وقت جو باتیں جڑ پکڑ چکی تھیں، ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ علم کلام کے مسائل، اشاعرہ ومعتزلہ کے نزاعات، غزالی وابن

رشد کے دلائل یکے بعد دیگرے نگاہوں سے گزرے۔ مگر اسماعیل شہید کی تلقین بہرحال اپنی جگہ رہی۔''

اس زمانہ میں ''مکتبی زندگی'' کی ''بیت بازی'' شعروسخن کا مذاق پیدا کرنے کا سبب بنی اور بقول مولانا ابوظفر صاحب ندوی: ''اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ علامہ موصوف کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہوگیا۔ اس میں ہزاروں اشعار ان کو زبانی یاد ہوگئے۔ اس سلسلہ میں علامہ نے ایک بیاض تیار کی تھی، اس میں ہزاروں منتخب اشعار تھے۔ چونکہ بیت بازی میں حریف خود ساختہ اشعار بھی پیش کرتے تھے اس لئے علامہ موصوف کو تقطیع کی طرف خاص توجہ کرنی پڑی۔ جس سے ان کو فن عروض پر اس قدر عبور ہوگیا تھا کہ علماء میں اس کی مثالیں کم ہوں گی۔''

پھلواری شریف کے قیام اور خانقاہی قوالی اور شعروشاعری کی فضا نے سید صاحب کے شاعرانہ ذوق کو مزید جلا بخشی اور شاہ محی الدین صاحب کی صحبتوں میں ادبی شعور زندہ ہوا۔ سید صاحب کو مولانا عبدالحلیم شرر کا کوئی تاریخی ناول ملتا اسے ضرور پڑھتے۔ منصور موہنا کی تاثیر نے اشک بار کردیا۔ دربھنگہ میں بھی اپنے چند عزیزوں کی ادبی صحبت میسر آئی۔ اس زمانہ میں آپ کے ابتدائی مضمون ''تعلیم نسواں'' الپنچ پٹنہ میں اور ''وقت مخزن'' لاہور میں شائع ہوئے۔ بچپن میں ہی ''طلسم ہوشربا'' کی ضخیم مجلدات اس غور سے پڑھیں تھیں گویا ازبر کرلی ہوں۔

مولانا عبدالباری صاحب مدظلہ کی روایت ہے: ''چندہ کے ایک وفد میں کئی میل پیدل چلنا پڑا۔ اس عالم میں وہ طلسم ہوشربا اس طرح سناتے جارہے تھے، جیسے کتاب پڑھ رہے ہوں۔'' راقم سے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ والد صاحب کی ممانعت نے طلسم ہوشربا کے پڑھنے کے جرم پر آمادہ کردیا اور اشتیاق اتنا بڑھادیا کہ پوری کتاب پڑھ ڈالی۔ فرماتے تھے: مصنف طلسم ہوشربا عالی دماغ نہیں، بےفکر تھے۔

صغرسنی میں آپ کے اخلاق جواہر چمکنے لگے تھے اور آپ کے مکتبی رفقاء وعزیز آپ کی فطرتی کم آمیزی، پاک بازی، مروت، صلح کن طبیعت اور دیگر منفرد خصائل وفضائل کا مشاہدہ کرنے لگے تھے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام:

اہل بہار ندوہ کی تاسیس وحمایت میں شروع سے پیش پیش تھے۔ حضرت سید صاحب کے کئی عزیز

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ندوہ میں داخل ہو چکے تھے۔ آپ کے والد صاحب ندوہ کے اجلاس [1] پٹنہ ۱۹۰۰ھ میں شریک ہوئے۔ اور ''ندوہ'' کی ''تحریک وعزائم'' سے بہت متاثر ہوئے اور آخرش ایک قریبی رشتہ دار مولانا شاہ تجمل حسین صاحب دیسنوی کی تحریک پر آپ کو ان کے ایک دوسرے عزیز وہم مکتب رفیق نجم الہدی صاحب کو سید محمد احسن صاحب (والد مولانا محمد ہاشم ندوی) کے ہمراہ تعلیم کے لیے ندوہ بھیج دیا۔ آپ کا داخلہ ندوہ میں شوال ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ھ میں ہوا۔ (حاشیہ حیات شبلی، ص:۳۹۰)

حضرت سید صاحب کا ''ندوہ'' کا داخلہ حضرت والا کی زندگی کا اہم ترین واقعہ تھا۔ ''ندوہ'' کو آپ کی ذات میں وہ ہونہار فرزند ملا جو اس کا متخیلہ غائلہ ندویۃ کا عظیم ترین فرد اور ''ندویت'' کا فخر وامام بنا۔ اور بقول شبلی مرحوم ''ندوہ'' نے کیا کیا، کچھ نہیں کیا۔ ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے۔'' غرض ''ندوہ'' کی خوش نصیبی تھی کہ ایسا گوہر قابل اس کے آغوش میں آیا اور سید صاحب پر مربی حقیقی کا کرم واحسان تھا کہ وہ گود نصیب ہوئی جس میں ان کے ہوش وتمیز کی آنکھیں کھلیں، تعلیم وتربیت کی منازل طے ہوئیں، اور علمی وادبی صلاحیتیں چمکیں واجاگر ہوئیں اور ''ندوی'' نسبت میں دیگر جملہ نسبتیں گم ہو کر رہ گئیں اور اس طرح ندوی سید سلیمان کے نام کا جزو بن گیا۔ اس طرح ندویت کے اغراض ومقاصد تعلیم وتربیت کا کامل نمونہ سید صاحب ہی کی ''شخصیت'' بنی۔ جس سے ''ندویت'' نے فروغ وجلا پایا اور بقول مولانا عبدالباری ندوی: ''.....ان کی ہستی دارالمصنفین ہی نہیں ندوہ اور ندویت کی پوری ساٹھ سالہ تحریک وتاریخ کی ''سید الطائفہ'' نظر آتی ہے۔ ماضی میں تو ظاہر ہے کہ ندویت کے نام وکام میں اس مقام تک رسائی کسی نے نہیں پائی۔ مستقبل میں بھی امید بخش آثار وعلائم نہیں۔ زبان خلق کا یہ خدائی نقارہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلق ''علامہ ندوی'' یا ''مولانا ندوی'' سے ندویت کا یہ فرد فرید ''سید الطائفہ'' مراد ومفہوم ہوتا رہے گا۔''

جس وقت سید صاحب ندوہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت ندوہ میں صرف چار درجہ تھے جو سید

[1] سید صاحب باوجود صغر سنی کے اس جلسہ میں شریک تھے اور جلسہ کی کاروائی سے متاثر، خصوصاً سر شیخ عبدالقادر کی تقریر سے بہت اثر پذیر ہوئے۔ (دیکھئے یاد رفتگان، ص:۴۵۶-۴۵۷-۱۸۵-۱۸۶ نیز صفحہ ۲۶۵-۲۶۶)

صاحب کی فراغت تک چھ درجہ تک پہنچ گئے تھے۔ حضرت سید صاحب کا داخلہ دوسری جماعت میں ہوا۔ اس میں صرف، نحو، حساب کی تعلیم ہوتی تھی۔ تیسرے درجہ میں فقہ، منطق کے علاوہ ادب اور فلسفہ بھی تھا۔ چوتھے درجہ میں منطق، فلسفہ اور ادب کے ساتھ حدیث پڑھائی جاتی تھی۔ ندوۃ میں حضرت سید صاحب کو جن اساتذہ کرام سے شرف تلمذ نصیب ہوا ان میں سے ہر ایک اپنے فن کا ماہر وکامل تھا۔ مفتی [1] عبداللطیف صاحب جن کے متعلق درجہ دوم وسوم تھا، فقہ حنفی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ دارالعلوم کے مہتمم ومدرس اول شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب سے آپ نے معقولات ومنقولات کی کتابیں پڑھیں۔ حدیث کا درس بھی انہیں کے ذمہ تھا۔ وہ حدیث میں حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ جن کا حدیث کا سلسلہ ولی اللہی سلسلہ تاب سے متصل ومسلسل تھا۔ باوجود درس حدیث کے بقول سید صاحب مولانا مرحوم کو زیادہ تر شوق معقولات ہی کا تھا، قدیم فلسفہ ومنطق میں بڑی دسترس حاصل تھی، ساتھ ہی ریاضیات میں کمال پیدا کیا تھا۔

چاروں درجوں کا ادب کا درس مولانا محمد فاروق صاحب چڑیا کوٹی کے ذمہ تھا جو بقول سید صاحب ''ادب ومعقولات کے امام تھے۔'' موصوف دارالعلوم میں مدرس اعلی تھے۔ علامہ شبلی بھی ان کے تلمیذرہ

[1] مفتی صاحب ہندوستان کے مشہور اساتذہ میں تھے۔ دینی علوم پر ان کی نظر بڑی گہری اور وسیع تھی۔ انہوں نے طویل عمر پائی انتقال نوے سال سے زیادہ کی عمر میں ۱۳۷۹ھ میں ہوا۔ موصوف استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علیگڑھ کے شاگرد مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی کے مرید اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دور اول کے اساتذہ میں تھے۔ ندوہ کے بعد کچھ عرصہ مونگیر میں قیام وتصنیف وتالیف کے شغل میں مصروف رہنے کے بعد حجاز چلے گئے، وہاں مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں مدرس رہے۔ اس زمانہ میں مصر وشام وعراق وغیرہ کی سیاحت کی، پھر مونگیر واپس آگئے۔ مولانا شیروانی جب جامعہ عثمانیہ کے وائس چانسلر مقرر ہوئے تو انہیں جامعہ عثمانیہ میں دینیات کا لیکچرر مقرر کیا اور آخر میں وہ اس کی صدارت کے عہدہ سے وظیفہ یاب ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ کے بعد شیروانی صاحب نے مسلم یونیورسٹی کے شعبہ دینیات میں ان کا تقرر کرایا۔ مگر چند سال کے بعد ضعف و پیری کی وجہ سے اس خدمت سے سبکدوش ہو گئے اور علیگڑھ میں مستقل قیام فرمایا۔ مگر درس وتدریس کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا۔ ان کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ مفتی صاحب صاحب قلم بھی تھے۔ ان کی کئی کتابیں تاریخ القرآن، سیرت امام ابوحنیفہ اور فقہ کے چند رسائل چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی سب سے اہم تصنیف ''جامع ترمذی'' کی شرح ہے جو مکمل ہو چکی ہے۔ مگر ابھی اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ (ماخوذ از شذرات معارف، صفحہ ۴۔ از شاہ معین الدین احمد ندوی۔ نمبر ۱ جلد ۸۵)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چکے تھے اور اپنے استاد کے متعلق ان کی رائے سے مولانا چڑیا کوٹی کے علمی پایہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے معقولات کی تمام کتابیں..... ان ہی سے پڑھیں اور میری تمام تر کائنات ان ہی کے افادات ہیں، فارسی کا مذاق بھی ان ہی کا فیض ہے۔'' (حیات شبلی، صفحہ ۷۴)

سید صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں؛

''مولانا فاروق چڑیا کوٹی فلسفہ، منطق، ہندسہ، ادب عربی اور ادب فارسی میں خاک ہند کے آخری فرزند تھے۔ ان کے بعد علماء میں ان تمام فنون کے ایسے جامع شاید ہی اٹھیں، اس ہیچمدان کو بھی فخر رہے گا کہ جس طرح اس نے مولانا شبلی کے دامن تربیت میں پرورش پائی اس طرح ندوہ میں مولانا محمد فاروق کے آغوش بقلم میں بھی تین برس تک چلا ہے۔ اس نسبت سے میرا روحانی باپ روحانی بھائی بھی تھا۔''

(یادرفتگان، صفحہ۔ ۲۸/ ۱۴)

''مولانا فاروق صاحب اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم ہونے کے ساتھ فارسی کے بھی بہت بڑے ادیب و استاد تھے۔'' (یادرفتگان، صفحہ؛ ۱)

مولانا فاروق صاحب کی تعلیم نظری ہی نہیں عملی بھی ہوتی تھی۔ اس اصول سے سید صاحب اور ان کی جماعت کو تہذیب کا درس دیا تھا۔ وہ متبحر عالم تھے، عروض و ادب سے سید صاحب کو شروع سے مناسبت ہو چکی تھی۔ مولانا چڑیا کوٹی کی صحبت و تلمذ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور عربی لغت و ادب و عروض میں مہارت تامہ حاصل ہوگئی۔ مولانا موصوف اشعار جاہلیت اور کلام پاک کی آیتوں سے عربی کے طرز بیان، طرز ادا، طرز کلام کی نوعیت اور مختلف عبارات کا فرق سمجھاتے۔ اسباق میں جب کوئی محاورہ یا فعل آجاتا۔ جس کے مختلف صلات سے معنی میں تبدیلی ہوتی ہے تو مولانا ان محاورات اور افعال کی مشق کراتے۔ سید صاحب مولانا چڑیا کوٹی کے ایک ایک حرف کو لکھ لیتے اور فرصت کے اوقات میں دیکھا کرتے۔ اس طرح استاد کے علوم کو کمال ضبط و فہم کے ساتھ اپنا لیا۔ تقریباً تین سال سید صاحب مولانا محمد فاروق صاحب سے منطق، فلسفہ و ادب کی تحصیل فرماتے رہے۔ ۱۹۰۴ھ میں مولانا چڑیا کوٹی

ندوہ سے چلے گئے۔ جس کا سید صاحب کی طبیعت پر بہت اثر ہوا، لیکن جو ذوق پیدا ہو چکا تھا۔ اس کی ذاتی مطالعہ سے پیہم آبیاری فرماتے رہے۔ اس کے بعد مولانا سید علی زینی سے دلائل الاعجاز، حماسہ اور نقد الشعر پڑھیں۔ مولانا چڑیا کوٹی نے ان کے ادبی ذوق کی بنا پر ان کو دارالاصلاح و دارالاخبار کا ناظم بھی بنا دیا تھا۔ وہ عربی اخبارات کا گہرا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ اس زمانہ میں مولانا عبداللہ عمادی کے عربی ماہنامہ ''البیان'' میں مضامین بھی لکھنا شروع کر دیے تھے۔

مولانا مفتی عبداللطیف صاحب سید صاحب کے فقہ میں استاد تھے۔ ان سے سید صاحب نے کچھ منطق کے اسباق بھی پڑھے تھے۔ حدیث کا درس مولانا حفیظ اللہ صاحب سے لیا، استاد کی تقریر قلمبند کر لیتے تھے اور اپنے فطرتی اور علمی شغف کی بنا پر دورہ حدیث کے اسباق و استاد کی تقریر پر قناعت نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اس کے ساتھ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عجالہ نافعہ، بستان المحدثین، شاہ ولی اللہ کی شرح مؤطا مسوی، بخاری کی شروح میں فتح الباری اور عمدۃ القاری اور رجال میں تذکرۃ الحفاظ ذہبی کا گہرا مطالعہ از خود فرماتے رہے۔ حافظہ خداداد تھا جو پڑھا لوح دل پر ثبت ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی نگاہ ابتدا ہی سے علوم حدیث پر بہت گہری ہوگئی تھی۔ جنوری ۱۹۰۵ء میں الندوہ میں حدیث پر ان کا جو مضمون شائع ہوا اسے ہر طرف سے سراہا گیا۔

۱۹۰۴ء-۱۹۰۵ء میں کچھ وقت کے لئے مولانا حمید الدین صاحب فراہی کی صحبت بھی میسر آئی۔ اور ان کے قرآن اور فلسفہ جدیدہ کے درسوں سے مستفید ہوئے۔ (یادرفتگاں، ص؛ ۱۳۷)

ان سے الدروس الادلیہ کے چند اسباق بھی پڑھے۔ یہ اسباق بعد میں پروفیسر مرزا ہادی صاحب وسوا سے متعلق ہو گئے تھے۔ ان اسباق سے سید صاحب نے اتنی لیاقت بہم پہنچا لی تھی کہ ۱۹۰۶ میں جلسہ دستار بندی میں علوم قدیمہ و جدیدہ کے موازنہ پر ایک بسیط مضمون لکھ کر پیش کیا اور الندوہ میں ''تکوین ارض اور مسلمان اور علم ہیئت'' پر مضمون لکھے۔ (حیات شبلی ص ۴۳۲)

سید صاحب نے مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب سے مقامات حریری پڑھی تھی اور انہیں کے حکم اور حوصلہ افزائی سے اردو مضمون نویسی شروع کی تھی۔ (یادرفتگاں صفحہ ۵۰)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

موصوف بقول سید صاحب ہندوستان کے ابن خلکان وابن ندیم تھے۔ان کے علمی ذوق، تاریخی نظر، اصابت فکر، عمق ووسعت مطالعہ پر ان کی لاثانی وشاہکار تصنیف نزہتہ الخواطر شاہد ہے۔ان کے ادبی ذوق کی یادگار صحیفہ گل رعنا ہے۔ دیگر متعدد کتابیں ثقافتہ الاسلامہ فی الہند اور دہلی اور اس کے اطراف وغیرہ ان کی مقبول تصانیف ہیں۔

غرض یوں تو حضرت سید صاحب نے دارالعلوم کے سارے اساتذہ وقت سے کسب علم وفیض فرمایا۔لیکن جس کی تعلیم وتربیت اور صحبت نے سید سلیمان بہاری کو علامہ وقت سید سلیمان ندوی صدر بزم علم ودانش بنا کر چمکایا وہ علامہ شبلی نعمانی کی ذات گرامی تھی۔علامہ شبلی جیسا بے بدل مؤرخ ومتکلم، ادیب وفلسفی، مفکر وعالم، معلم اور سید صاحب جیسا ہونہار ومحنتی، جوہر قابل متعلم .....ایک طرف استفادہ کا شوق بے پایاں، دوسری طرف افادہ کا سیلان وفیضان باہمی ذوق ومناسبت، طلب ورغبت، اشتیاق ومحبت نے استاذ محترم اور تلمیذ رشید میں ایسا ربط وتعلق قائم کیا جس کی مثالیں شاذ ہی ملیں گی۔علامہ شبلی کے ندوہ کے قیام کی تاریخ کا پہلا دن تھا کہ سید صاحب ان کے دامن سے لپٹے اور ایسے لپٹے کہ پھر الگ نہیں ہوئے۔باہر رہے تو بھی دل استاد کے پاس رکھا۔خود تحریر فرماتے ہیں:

''خاکسار نے استاد مرحوم کی صحبت وتربیت میں آٹھ برس (۱۹۰۵ھ-تا۱۹۱۱ھ تک) مسلسل گزارے اور دو برس اس طرح کہ جسم کہیں اور رہا مگر روح ہمیشہ ان کے ساتھ رہی۔''

(حیات شبلی، ص؛۱)

حضرت سید صاحب نے سب سے پیشتر ۱۹۰۲ھ میں اپنے ہونے والے مربی واستاد کا آوازہ سنا اور پہلی دفعہ زیارت کی۔ اواخر ستمبر ۱۹۰۴ھ میں پہلا موقع تھا جب ''استاذ'' سے تعارف، ملاقات اور حلقہ میں بیٹھنے کا شرف نصیب ہوا۔شبلی مرحوم اس زمانہ میں عارضی طور پر تقریباً دو ماہ کے لئے ندوہ کے ''مہمات امور'' کے مشورہ کے بارہ میں لکھنؤ تشریف لائے تھے۔اس ملاقات کا ''استاد شبلی'' پر یہ اثر ہوا کہ حیدرآباد واپسی پر ایک خط میں عبدالحکیم صاحب کو لکھا؛ ''مولوی سید سلیمان چند روز تک میرے ساتھ رہتے تو اچھا ہوتا، وہ جوہر قابل ہیں۔'' اللہ تعالیٰ وہ چند روز بھی جلد لے آیا اور شبلی جون ۱۹۰۵ میں

ندوہ [1] میں مستقل قیام کی نیت سے تشریف لے آئے۔ پھر شبلی نے سلیمان کو کیا دیا اور سلیمان وقت نے کیا لیا اور استاد کا حق کیا ادا کیا، وہ دنیا جانتی ہے۔سید صاحب نے شبلی کے انتقال کے چالیس سال تک بعد تک جس طرح شبلی کے نام وکام کو زندہ رکھا، پڑھایا وچمکایا، وہ تاریخ کا ایک سنہرا ورق اور وفا شعاری کی بے مثل داستان ہے۔(کاش سید الملت کو بھی کوئی امام الاوفیاء سلیمان ندوی میسر آجاتا۔)

جب ''استاذ'' کا ورود مستقل قیام کی نیت سے دارالعلوم میں ہوا تو سید سلیمان نے استاد سے عقیدت کا اظہار اپنے فارسی قصیدہ کے ذریعہ کیا جس کا مطلع ہے؛

بدہ ساقی مۓ کو بفگند جلباب ظلمانی
خود را نور بخشد از چراگ طور ایمانی

ابتدائی دور کا یہ قصیدہ سید صاحب کی فارسی زبان وشعر پر دسترس پر شاہد ہے۔

جوہر شناس ''استاد شبلی'' نے اپنے حلقہ درس کے لئے چند ہونہار طلبہ کو چنا۔ان میں سرفہرست سید صاحب اور ضیاء الحسن علوی تھے۔علم کلام، معقولات اور اعجاز القرآن کے اسباق شروع ہوئے اور حضرت والا شبلوی خوان علم وادب سے بہرہ مند ہونے لگے۔نجی صحبتوں میں بھی شریک ہوتے تھے اور ہر روز علم کا نیا فیض حاصل کرتے تھے۔مولانا شبلی نے سید صاحب اور ضیاء الحسن علوی صاحب کو قرآن پاک کے اصول بلاغت پر بھی سبق پڑھائے اور قرآن کا عالمانہ درس بھی دیا۔

شبلی کے فیض صحبت نے سید صاحب میں علم کلام کا مذاق پیدا کر دیا اور طالب علمی کے دور میں ملل ونحل شہرستانی، الملل والنحل ابن حزم، کشف الدولہ ابن رشد اور حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتابیں پڑھیں۔یہی کلامی ذوق تھا جسے سید صاحب کی فطرتی سلامت روی وایمانی فراست نے قرآنی ونبوی طرز استدلال وبراہین کی روشنی میں نکھارا اور متکلم وقت کی حیثیت سے عصر حاضر کے شکوک واعتراضات کا کمال حکمت وبصیرت کے ساتھ جواب دیا۔

---

[1] بقول سید صاحب یہ دارالعلوم کا عجیب زمانہ تھا، ہر وقت علمی چہل پہل اور علم وادب کی گفتگو رہتی تھی۔''
(یادرفتگاں، ص؛۱۱۰)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تاریخ تو شبلی کا [1] مخصوص فن تھا۔ حضرت سید الملت کی تاریخ سے وابستگی بھی شبلی کے خوان کرم کی برکت ہے۔ تاریخ کی متداول کتابوں کے علاوہ علامہ شبلی کے ذخیرہ علمی میں سے جو نوادرات میسر آئے تھے۔ سید صاحب اسے نعمت سمجھ کر گھنٹوں ان کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ تاریخ کے متعلقہ علوم اور فن رجال کی کتابوں کی طرف بھی توجہ اسی زمانہ میں ہوئی، الفہرست ابن ندیم، کشف الظنون حاجی خلیفہ اور وفیات ابن خلکان کا مطالعہ بھی اسی دور میں فرمالیا تھا۔

۱۹۰۵ھ میں مولانا شبلی کے اصرار سے دارالعلوم میں انگریزی زبان کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ ''یہ تعلیم اتنی تھی کہ طالب علموں میں میٹرک تک کی لیاقت پیدا ہوجائے۔'' سید صاحب نے بھی ندوہ میں انگریزی پڑھی۔ تحریر فرماتے ہیں: ''میری معمولی انگریزی تعلیم ندوہ ہی کی رہین منت ہے۔ اس کا فیض ہے کہ میں ۱۹۱۰ء میں انگریزی اسکولوں میں ریڈرون سے صیغۂ اغلاط تاریخی کی رپورٹ پیش کرسکا۔ ارض القرآن لکھ سکا اور یورپین مواد سے اپنی تصنیفات میں فائدہ اٹھاسکا اور ۱۹۲۰ھ میں یورپ جاکر کچھ کام کرسکا۔'' (حیات شبلی؛۲۱۹)

حضرت سید الملت کے بھتیجے مولوی ابوظفر ندوی لکھتے ہیں:

''استاد محترم علامہ شبلی نعمانی کی تشریف آوری کے بعد ان کا رنگ ہی بدل گیا..... اب ان کا زیادہ وقت استاد محترم کی خدمت میں گذرتا۔ خصوصاً عصر سے مغرب تک اردو کی ادبی کتابوں کا شوق سر پر پڑ گیا۔ اب زیادہ تر عربی کی کتابوں کا مطالعہ ہوتا جس میں تاریخ وادب کا حصہ زیادہ تھا۔ مضامین بھی علمی و تاریخی ہونے لگے..... استاد محترم کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ ان میں تلاش وتحقیق کا مادہ پیدا ہوتا گیا اور مضامین میں گہرائی آنے لگی۔'' (معارف سلیمان نمبر)

[1] بلکہ سید صاحب تو ارقام فرماتے ہیں؛ ''مولانا کی تصنیفات کا زیادہ تر حصہ بظاہر تاریخ وسیر میں ہے۔ اس بنا پر بہت سے ناواقف لوگوں کا خیال ہے کہ مولانا نے تاریخ وادب کے سوا اور کوئی فن سرے سے پڑھا ہی نہ تھا..... لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے فلسفہ، منطق، فقہ، تفسیر، حدیث غرض تمام علوم کو بالاستیعاب پڑھا تھا اور ہمیشہ ان علوم کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ تاریخ وادب کی نسبت جس کو ان کی تمام تر کائنات سمجھا جاتا ہے مولانا خود فرماتے تھے کہ ''یہ تو ہمارے دسترخوان کی چٹنی ہے۔'' (حیات شبلی؛ ۷۸۳-۷۸۴)

گذر چکا کہ اردو ادب وشاعری کا ذوق بچپن میں پیدا ہو چکا تھا۔ ندوہ ولکھنو کے قیام نے اسے اور چمکایا اور آخرش علامہ شبلی کی صحبتوں نے اسے مزید جلا بخشی۔ اپنی ایک تحریر میں ارشاد فرماتے ہیں:

''انگریزی کی بیسویں صدی کا پہلا سال تھا۔ جب میری عمر ۱۶-۱۷ سال ہوگئی کہ میں دارالعلوم ندوہ لکھنو میں داخل ہوا۔ شعر وسخن کا چسکہ مکتبی بیت بازی کے سبب سے پہلے سے تھا۔ اب لکھنو آیا جہاں کے ذرہ ذرہ کے خمیر میں شعر سخن کا عنصر ہے۔ مدرسہ میں اس وقت طالب علم مشاعرے کرتے تھے اور غزلیں پڑھتے تھے..... یہ خاکسار اس میں پوری دلچسپی (لیتا تھا)۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امیر وداغ کے زمزموں سے ہندوستان پرشور تھا اور خاکسار کا میلان امیر مرحوم کی طرف تھا اور ان کا دیوان مرأۃ الغیب پیش نظر تھا۔''

اردو کے مسلمہ ناقد وادیب عبدالماجد صاحب دریا آبادی ۱۳ء کا ایک واقعہ نقل کرنے کے بعد سید صاحب کی سخن سنجی، ذوق شاعری، سخن گوئی کی داد ان الفاظ میں دیتے ہیں؛

''سید صاحب سے رسم وربط ایک مدت سے قائم تھا۔ ان کے علم وفضل کا سکہ کئی سال سے دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ کیا خبر تھی کہ الندوہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سنبھالنے والا اور الہلال کو وقت کی ظلمتوں میں چمکانے والا کلام امیر کا حافظ نکلے گا۔ مرأۃ الغیب [1] کا آئینہ بردار، صنم خانہ [2] عشق کا پرستار۔ یہ پہلی بار کھلا کہ یہ حضرت بہ ایں زہد وتقویٰ اردو شعر وسخن کے رسیا ہیں اور اردو غزل وتشبیب کے متوالے!

سید صاحب کے فاضل اجل اور عالم بے بدل ہونے کا ایک زمانہ قائل ہے۔ دنیا کو مسلم ہے کہ وہ فن تاریخ میں امام وقت تھے اور سیرت نگاری میں اپنی نظیر آپ! لیکن آخر تک کم ہی لوگوں نے ان کے ادبی، شعری اور تنقیدی مرتبہ کو جانا اور کمتر ہی لوگوں نے انہیں ادیب، انشاء پرداز اور سخن سنج کی حیثیت سے پہچانا۔ علم وادب کی تاریخ میں ایسی ناشناسی اور کم شناسی کی مثالیں نہ معدوم ہیں نہ غیر معلوم!

''..... جب شوق مطالعہ جوان تھا اور دن سن بھی جوانی کے تھے تو اردو کی غزلیات کیا معنی ہزلیات تک دفتر بے معنی وبامعنی ان کی انگلیوں کی نوک پر تھا۔ دیوان کے دیوان پڑھ ڈالے۔ کلیات پر کلیات

[1] [2] امیر کے دیوان اول ودوم کے نام ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ختم کر دیے..... پٹنہ سید صاحب کا وطن خود ہی اردو شعر و سخن کے حق میں گلزار اور پھر سید صاحب کا لکھنو میں سالہا سال کا قیام جو کور کسر رہ گئی تھی پوری ہوگئی۔ سید صاحب اس چمن کے ایک چہکتے ہوئے بلبل خوشنوا خود بن گئے۔ شاعر بھی تھے۔ تخلص رمزی کرتے تھے۔ کبھی قطعہ کبھی رباعی کہتے اور تفریحاً ہر بحر سخن میں شناوری کر لیتے۔ غزل بھی کبھی کبھی چوری چھپے کہہ لیتے .....ان کی شاعری پر نقد و تبصرہ کے لئے ایک مستقل مقالہ درکار ہے۔'' (معارف، ص: ۲۳۰ سلیمان نمبر)

حضرت سید صاحب کو بچپن سے عربی ادب کا شوق تھا۔ اس لئے دار العلوم میں جو عربی اخبارات المؤید اور اللواء وغیرہ آئے تھے۔ ان کے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ۱۹۰۲ھ تا ۱۹۰۳ھ تک اتنی مشق بہم پہنچالی تھی کہ جدید عربی کو اچھی طرح سمجھ لیتے تھے اور قدیم عربی پر اتنا عبور حاصل ہو چکا تھا کہ جب نواب محسن الملک مرحوم اس زمانہ میں ندوہ آئے تو ان کی شان میں عربی میں قصیدہ پڑھا اور ان کی فرمائش پر عربی اخبار پڑھ کر اس مضمون کا ترجمہ و مطلب صحیح بتایا۔ اس زمانہ میں جدید عربی کا سمجھنا خاص بات سمجھی جاتی تھی۔ اس بنا پر نواب صاحب مرحوم نے اسے ندوہ کا امتیاز گردانا اور سید صاحب کی اس لیاقت سے بہت خوش ہوئے۔

مولانا شبلی کے فیض صحبت، ان کی علمی مجالس، ان کے خصوصی اسباق و درس اور توجہات نے جہاں سید صاحب کی دیگر استعدادوں کو چمکایا و سنوارا، ان کے اس عربی ادب اور جدید عربی کے ذوق و مطالعہ کو بھی مہمیز کیا۔ علامہ شبلی کے پاس جو جدید تالیفات اور عربی اخبارات و رسائل مصر و شام سے آتے رہتے تھے۔ سید صاحب ان کا غور و فکر سے بالالتزام مطالعہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو جدید عربی زبان میں لکھنے اور پڑھنے کی پوری مشق ہوگئی۔ اور آپ عربی کے جدید اسالیب سے کما حقہ واقف ہو گئے۔ شبلی مرحوم نے سید صاحب کی اس عربی میں مہارت کو دیکھتے ہوئے ان سے جرجی زیدان کی اللغۃ العربیۃ کی تلخیص کرائی جو جنوری ۱۹۰۵ء کے الندوہ میں چھپی۔ سید الملت کی یہ عربی دانی آگے چل کر بہت مفید ثابت ہوئی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد ۱۹۰۸ء میں ندوہ میں جدید عربی تعلیم کے لئے خاص کرسی مقرر ہوئی تو اس کے لئے آپ کا انتخاب ہوا۔ شبلی مرحوم چاہتے تھے کہ مزید تعلیم کے لئے سید

صاحب کو مصر بھیجیں لیکن مصری سیاسیات کی بنا پر گورنمنٹ نے اجازت نہیں دی۔ سید صاحب نے مولانا شبلی کی تجویز کے مطابق جدید عربی الفاظ و اصطلاحات کو عام کرنے کے لئے دروس الادب کے نام سے دو ابتدائی رسالے لکھے۔ پھر ۱۹۱۰ء میں ندوہ کے اجلاس میں طے ہوا کہ جدید الفاظ و لغات کی ایک ڈکشنری ترتیب دی جائے اور یہ کام سید صاحب کے سپرد ہوا۔ آپ نے کمال حسن و خوبی سے دو برس مدت میں اسے پورا کیا اور لغات جدیدہ کے نام سے ۱۹۱۲ء کے اجلاس لکھنو میں (جس کے صدر علامہ سید رشید رضا مصری ایڈیٹر النہار تھے) پیش کیا۔ علامہ موصوف نے بھی اس کام کی داد دی اور عربی مدارس میں نئی عربی زبان کی دقتوں کے حل کرنے میں اس سے مدد ملتی رہی۔ (حیات شبلی، ص: ۴۲۲-۴۲۳)

اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس طرح اس عربی دانی اور اس میں تحریر و تقریر کی مشق نے زندگی کے مختلف مراحل میں ملت کو فائدہ پہنچایا اور سید صاحب کے گوناگوں کمالات کا اس سے اظہار ہوتا رہا۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''راقم نے جب طالب علمی میں عربی تحریر و تقریر اور نئی عربی تحریر و تقریر اور نئی عربی میں کچھ مشق بہم پہنچائی، تو خیال تھا کہ آخر واقفیت کا یہ میگزین کس میدان میں کام آئے گا۔ لیکن پردۂ غیب کے پیچھے میری زندگی کے جو واقعات چھپے تھے۔ ان کو اس علیم و حکیم کے سوا کون جان سکتا تھا۔ نظر آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بطور تمہید یا مقدمہ کے یہ سرمایہ مجھے عنایت نہ فرمایا ہوتا تو یورپ کے وفد میں اسلامی ممالک کے نمائندوں اور یورپ کے مستشرقوں سے یورپ کے مختلف ملکوں میں گفت و شنید ممکن نہ تھی۔ پیرس میں مندوبین طرابلس و مراکش و الجزائر و تونس کے سامنے ایک ضروری مذہبی مسئلہ پر جو اس زمانہ میں بے حد ضروری تھا۔ کیا ہندوستان کی طرف سے تقریر کی جاسکتی تھی۔ اس طرح ایڈنبرا میں مصری و شامی طالب علموں کے سامنے کوئی اظہار خیال کیا جاسکتا تھا۔ لندن اور پیرس میں مصر و حجازی و عراقی و شامی وفود سے خط و کتابت اور بات چیت ممکن تھی۔ یا ابن سعود کے حملہ حجاز کے زمانہ میں حجاز اور مصر میں وفد لے جا کر وزراء اور امراء اور سلطان و شریف سے سیاسی مراسلت، سیاسی گفتگو اور روبرو سیاسی مطالعہ اور سوال و جواب ممکن تھا۔ یا مؤتمر اسلامی کے مباحث میں حصہ لینے کا یا مصر جا کر علمائے مصر و از ہر سے مکالمہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ومباحثہ کا امکان تھا۔ میرے اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ فضائل تمام تر میری ذات کی طرف راجع ہیں۔ بلکہ مجھ سے ہزار درجہ بہتر لوگ موجود ہیں۔ مگر اتفاق سے یہ صورتیں مجھ ہی کو پیش آئیں۔ اس لئے بیان میں آ گئیں۔''

سید صاحب اپنی اس عربی سے آخر عمر تک دین وملت کی خدمات انجام دیتے رہے۔ گو ۱۹۱۲ء کے بعد اعجاز رقم قلم اردو کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ تاہم عربی تحریر کلیتاً موقوف نہیں ہوئی۔ الضیاء کا عربی رسالہ جب مسعود عالم مرحوم کی ادارت میں مئی ۱۹۳۲ء میں ندوہ کے آرگن کی حیثیت سے شائع ہونا شروع ہوا۔ تو سید صاحب ہی استاد ہلالی المراکشی کے ساتھ اس کے نگران تھے اور پچھلے دو سال تو کلیتاً سید صاحب کی نگرانی اور مشورے ہی مدیر الضیاء کے لئے مشعل راہ بنتے رہے۔ ''الضیاء'' کا پہلا افتتاحیہ اپنے قلم سے لکھا۔ مسعود عالم مرحوم لکھتے ہیں؛ ''ہم لوگوں کو حیرت تھی کہ بیس برس کے بعد بھی حضرۃ الاستاد کی عربی انشاء میں بانکپن باقی ہے۔'' عربی کے ادیب شہیر مخدومی مولانا ابوالحسن علی ندوی سے بھی اس مضمون کی بندہ نے تعریف سنی ہے۔ الضیاء میں اپنا عربی کلام بھی اشاعت کے لئے دیتے۔ حضرت سید صاحب کچھ نہ کچھ گو بہت ہی قلیل ہو، آخر تک عربی میں لکھتے رہے۔ احتفال علماء الاسلام (فروری ۱۹۵۲ء) کا خطبہ بھی عربی میں تھا اور خوب تھا۔ آپ کا عربی کا مذاق بہت اونچا تھا۔ حتی کہ اہل مصر کی موجودہ عربی کو معیار سے پست سمجھتے تھے۔ قدیم ائمہ ادب کی ادبی کتب کو معیار گردانتے تھے۔ آپ کی عربی دانی کی بنا پر شاید ہندو پاکستان میں آپ پہلے شخص تھے جسے مصر کی لغوی اکادمی مجمع نوادالاول نے اپنا عضو منتخب کیا۔ حضرت سید الملت نے علامہ ابن تیمیہ کی کتاب ''الرد علی المنطقیین'' کا مقدمہ اگست ۱۹۴۹ء میں انتہائی عجلت میں حج کی روانگی کے لئے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے روا روی کے عالم میں لکھا۔ لیکن یہ ''عجالہ نافعہ'' بھی حضرت کے تبحر علمی کے ساتھ آپ کی عربی تحریر کی قدرت پر گواہ ہے۔ عربی جاننے والے حضرات کے لئے اس کا ایک ٹکڑا نقل کرتا ہوں؛

''ثم جاء الغزالی من فقهاء الشافعية زمن ملوك السلاجقة من اهل السنة والباذنية فی جهالهم يحملون على شيوخ اهل السنة

بشككهم وخناجرهم وعلى شبيهتم بشكوكهم دفاترهم فتزلزل عالم الاسلام وزلت اقدام الافهام وضلت آراء حملة الاقلام فقام الغزالی احسن قيام وتسلح بسلاحهم و تدرع بدروعهم واختار حقهم ورد باطلهم فمنع ثغور الدين عن غاراتهم وكتب والف و وضع كتبا و رسائل ومجلدات فی توفيق الرأئيين فخلط بين العالمين واخی بين الحزبين فنشاء به متكلمون غرسهم زخرفة القول وعموهات العقول فتفرقوا فرقاً واختلفوا أقوالا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا.''

نجی خطوط اشاعت کے لئے نہیں ہوتے۔ لیکن سید صاحب کے مکتوبات میں بھی ادبی چاشنی وتحریر کا بانکپن وبے ساختگی موجود ہے۔ مسعود عالم کو لکھتے ہیں؛

''تسلمت بطاقتكم أما اغترارکم بما يكتبه اساتذه الجامعة العربيه امثال طه حسين فلا يهواه الا من ليس له نصيب من العلم الصحيح وحظ من الدين القويم، فانهم مارقون عن الدين مروق السهم، بل هم اعداء الاسلام والمغررون بما يجدون عليه آلهتهم الغربية كافرون بالله و مؤمنون بالطواغيت، طواغيت اوربا يكرهون آداب الشرق ويحبون كل ما عند الغرب من الفسق والفجور و يدعون الناس الى دينهم الباطل بتنميقهم وتجبيرهم وما اوتوا من البداعة والفصاحة اعاذنا الله واياكم من اباطيلهم وخزعبلاتهم.

لفظ لفظ سے غیرت ایمانی وحمیت دین ٹپکی پڑتی ہے۔

گنجائش نہیں ورنہ مختلف ادوار کی سلیمانی تحریروں کو پیش کیا جا سکتا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں سید صاحب کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آخری امتحان مولانا شبلی کی نگرانی میں ہوا۔جس میں سید صاحب امتیازی حیثیت سے پاس ہوئے۔اس سال ندوہ کا سالانہ جلسہ بنارس میں ہوا۔سید صاحب کی تقریر ہوئی اور اتنی پسند کی گئی کہ مولانا شبلی کی تحریک پر حضرت مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری نے سید صاحب کو بطور استحسان وانعام اپنی قبا دینی منظور فرمائی۔سید صاحب شاہ صاحب سے آخر عمر تک اس کا تقاضا کرتے رہے اور اس میں لطف محسوس فرماتے رہے۔

مارچ ۱۹۰۷ء مطابق محرم ۱۳۲۴ھ میں ندوہ کا جلسہ دستار بندی ہوا۔جس میں سید صاحب نے خواجہ غلام الثقلین کے دیئے ہوئے عنوان ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہو'' پر بغیر کسی تیاری کے فی البدیہہ فصیح وصحیح عربی میں ایسی پرمغز تقریر فرمائی ،جس نے جلسہ کو تماشا گاہ اور سامعین کو آئینہ حیرت بنا دیا۔لوگ پکار اٹھے کہ ''بس اب حد ہوگئی''۔استاد نے جوش مسرت میں اپنا عمامہ اپنے سر سے اتار کر سید صاحب کے سر پر باندھ دیا، جو سید صاحب کے لئے ہمیشہ طرۂ افتخار بنا رہا۔یہ ہندوستان کی عربی کی تعلیمی تاریخ میں بالکل نیا واقعہ تھا،اس لئے اس کا غلغلہ سارے ملک میں پھیل گیا اور سید صاحب کی آئندہ علمی سیادت وشہرت کا پیش خیمہ بنا۔'' (حیات شبلی،ص:۴۵۷-۴۵۸)

اب سید صاحب ''رسمی طالب علمی'' سے فارغ ہو چکے تھے۔ان کے والد ماجد، ان کے خسر اور بڑے بھائی کی خواہش تھی کہ وہ خاندانی پیشہ یعنی طب کی تعلیم حاصل کرلیں۔سید صاحب کو خود اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔علامہ شبلی کی بھی یہی رائے تھی کہ طب کی تعلیم کی بجائے وہ علمی کاموں میں مصروف ہوں۔آخرش مولانا شبلی کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔استاد شبلی نے جب سید صاحب کے والد محترم کو کہلوایا کہ ''سید سلیمان کو ہمیں دے دیں'' تو وہ مجبوراً خاموش ہوگئے اور سید صاحب کو علم و دین کی خدمت کرنے کے لئے آبائی پیشہ ترک کرنے کی اجازت دے دی۔اس طرح امت کو وہ متاع بے بہا ملی جس نے برسوں کے خزانہ عامرہ کو علم وحکمت کے موتیوں سے گرانبار کیا۔

سید صاحب نے استاد مرحوم کے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے؛

''میری حقیر ذات پر ان کے جو احسانات ہیں وہ کیف وکم کے احاطہ سے باہر ہیں اور ان کے تین

سب سے بڑے احسانات تو ایسے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔سب سے اول یہ کہ انہوں نے اس بے مایہ کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا اور اس قابل کیا کہ دو حرف لکھ پڑھ کو اپنی استطاعت کے بموجب دین وملت کی کوئی خدمت بجالا سکے۔دوسرا یہ کہ تعلیم سے فراغت کے بعد جو طالب علم کا سب سے نازک دور آتا ہے۔اس میں ایسی دستگیری فرمائی کہ حصول علم اور شوق مطالعہ کے سوا اور کسی راہ میں بہکنے نہ دیا اور خاندان کے بزرگوں سے کہہ سن کر طبابت کے خاندانی پیشہ سے ہٹا کر علم وفن کے آستانہ پر لا کر کھڑا کر دیا اور سب آخر یہ کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اور اپنی زندگی کے بعد بھی بہ شکل وصیت اس کو سرور کائنات فخر موجودات رحمت عالم سید اولاد آدم محمد رسول اللہ ﷺ کی سرکار اقدس میں جہاں وہ سب سے آخر پہنچے تھے سب سے اول پہنچایا۔یعنی حضور انور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مطالعہ، جمع وتنقید اور تالیف و تحقیق کی خدمت ابتدا ہی سے سپرد فرمائی، جو الحمدللہ یہاں اس کے لئے سعادت کا ذریعہ ہے اور ان شاء اللہ وہاں اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ ہوگی۔'' (حیات شبلی،ص:۱۱-۱۲)

الندوہ کی نائب اڈیٹری:

مولانا شبلی کے ایماء وکوشش سے ان کی اور مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کی مشترکہ ادارت میں ندوۃ العلماء کا مشہور اور اپنے زمانہ کا منفرد علمی رسالہ ''الندوہ'' اگست ۱۹۰۴ء (جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ) میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔اس کے اجراء کا مقصد ''علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق، معقول ومنقول اور علوم قدیمہ وجدیدہ کا موازنہ'' تھا۔یہ رسالہ علمی ثقاہت، مضامین کے تنوع ادبی معیار اور اپنی گوناگوں افادیت میں اپنا خاص مقام رکھتا تھا۔اس نے بقول سید صاحب؛ ''شاید سینکڑوں برس کے بعد علماء کی سطح جامد میں حرکت پیدا کی .....(ان کے) سامنے جدید مباحث کا دروازہ کھلا۔اسلام اور علوم اسلامیہ کی خدمت کے نئے طریقے ان کو نظر آئے۔زبان وبیان کے انداز اور پیرائے معلوم ہوئے..... بڑے بڑے مقدس آستانوں اور درسگاہوں کے حاشیہ نشینوں نے اس کے طرز نگارش اور پیرایہ بیان کی نقل اتاری اور اپنے اپنے دائرہ میں ناموری حاصل کی اور ان سے دین وملت کو فائدہ پہنچا۔'' (حیات شبلی،ص؛ ۴۴۰-۴۴۱)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

الندوہ کوئی معمولی رسالہ نہ تھا اور بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی ''..... ماہناموں میں بھی ایک مستقل وممتاز انفرادیت کا مالک تھا..... ہماشما کی ہمت ہی اس میں مقالہ نگاری کی نہیں پڑتی تھی۔'' سید صاحب کا اس وقت بھی علمی وادبی پایہ تھا کہ الندوہ میں سنجیدہ علمی مقالات لکھنے لگے تھے۔

اپریل ۱۹۰۹ء میں جب سید صاحب کی تعلیم کا آخری سال تھا۔ مولانا ابوالکلام مرحوم جو اس وقت ''الندوہ'' کے نائب ایڈیٹر تھے رسالہ ''وکیل'' امرتسر میں چلے گئے۔ ابوالکلام آزاد کے امرتسر چلے جانے کے بعد علامہ شبلی نے الندوہ کی نائب ادارت سید صاحب کے سپرد کردی۔ اس خدمت کو سید صاحب دو درمیانی وقفوں کے انقطاع کو چھوڑ کر مسلسل مئی ۱۹۱۲ء تک انجام دیتے رہے۔ ان دو درمیانی وقفوں میں یہ فرض مولانا عبداللہ العمادی نے اپریل ۱۹۰۸ء تا جولائی ۱۹۰۸ء اور مولانا عبدالسلام ندوی نے مارچ ۱۹۱۰ء سے جولائی ۱۹۱۱ء تک ادا کیا۔ گویا وہ الندوہ جو مولانا شبلی اور مولانا شیروانی کی مشترکہ ایڈیٹری میں اگست ۱۹۰۴ء سے مئی ۱۹۱۳ھ تک کل سات سال دس ماہ نکلا۔ اس کی عمر کی نصف سے زیادہ مدت (یعنی چار سال پانچ ماہ) نائب ادارت سید صاحب ہی سنبھالے رہے۔ (حیات شبلی، ۴۴۱ تا ۴۴۹ ملخصاً)

الندوہ جیسے وقیع و بلند پایہ علمی رسالہ کی نائب ادارت معمولی بات نہ تھی۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی اس کی ''ادرت صحافت تو برائے نام ہی تھی۔ اصل میں ایک شعبہ تصنیف وتالیف کا تھا..... (سید صاحب کی اس) نائب ایڈیٹری نے ایک طرف الندوہ میں چار چاند لگا دیئے اور دوسری طرف سید صاحب کے نام کو علمی حلقوں میں خوب چمکا دیا۔'' (صدق جدید، جلد؛ ۴، نمبر؛ ۸)

سید صاحب ''الندوہ'' کے تین مرتبہ نائب ایڈیٹر رہے۔ تیسرے دور کے متعلق کہنہ مشق ادیب وایڈیٹر مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کے تأثرات پیش کرتا ہوں؛

''اس ایک سال کی مدت میں نگاہیں جس شوق و بیتابی سے مولانا شبلی کی تحریروں کی منتظر رہتی تھیں اس سے کچھ کم اشتیاق حضرت سلیمان کے بھی علمی افادات کا نہیں رہتا تھا۔ سید صاحب کے مقالے ٹھیٹھ مذہبی عنوانات ..... پر ہونے ہی تھے، تاریخی عنوانات پر بھی ہوئے۔ مثلاً طبقات ابن سعد کا تعارف

..... یا مستشرقین یورپ پر ایک سلسلہ مضامین۔ سید صاحب بڑے اہتمام وانہماک کے ساتھ مصر وشام کے عربی رسالوں کو پڑھا کرتے تھے، خصوصاً الہلال والمقطف کو۔ یہ دونوں رسالے فرنگی معلومات سے اچھے خاصے لبریز ہوتے اور فرنچ اور برطانوی ماہرین فن کی تازہ تحقیقات برابر اپنے ہاں شائع کرتے رہے۔ سید صاحب ان سے خوب مستفید ہوتے اور ان سے چیزیں لے لے کر الندوہ میں کبھی علمی خبروں کے تحت میں شائع کرتے اور کبھی بطور مستقل مضمون کے..... یہ جدید تاریخی اور سائنسی معلومات طبقہ علماء میں صرف سید صاحب کی تحریروں میں ملتے تھے اور اس لئے لوگ انہیں بڑی رغبت سے پڑھتے تھے .....مولوی صاحبان کا تقشف اس وقت تک خوب زور شور سے قائم تھا۔ علماء میں اتنی روشن خیالی رواداری سید صاحب کو فرد فرید بنائے ہوئے تھی۔'' (صدق جدید، جلد؛ ۴، نمبر؛ ۸)

الندوہ کے اجراء کے وقت سے ہی سید صاحب کے اکثر مقالات اور تحریریں اس میں شائع ہوتی رہیں۔ جن میں علم حدیث، سوانح امام بخاری، علم ہیت اور مسلمان عربی زبان کی وسعت، طبقات الارض، برنابا کی انجیل، مسئلہ ارتقا اور حکمائے اسلام، ایمان بالغیب، مکررات القرآن، خواتین اسلام کی شجاعت، اسلامی رصدخانے، اشتراکیت واسلام، اسماء القرآن، فنائے مادہ وغیرہ کئی مضامین ہیں جو آج بھی اردو زبان کا فخر، معلومات کا ذخیرہ اور معلومات کا گنجینہ ہیں۔ ان مضامین کی قدر و قیمت کا اندازہ صرف دو مضامین پر مشاہیر کی آرا سے ہو جائے گا۔

الندوہ میں جب سید الملت کا مضمون علم حدیث ۱۹۰۵ء میں چھپا تو مولانا حالی نے اسے پڑھ کر مولانا شبلی کو لکھا؛

''سب سے زیادہ اس بات کی خوشی ہوئی کہ دارالعلوم نے اپنی تعلیم کا نہایت عمدہ نمونہ پہلی ہی بار پیش کیا ہے۔ فبارك الله فيها وفي طلبتها وفي تعليمها مجھے امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ عربی کی کامل تعلیم اور انگریزی کی بقدر ضرورت ہماری قوم میں ایسے لائق مضمون نگار اور مصنف پیدا کرے گی کہ محض انگریزی تعلیم آج تک ویسا ایک بھی نہیں پیدا کر سکی۔'' (حیات شبلی؛ ۴۴۱-۴۴۲)

مئی وجون ۱۹۱۱ء کے مشترکہ نمبر میں سید صاحب کا مقالہ ''اشتراکیت و اسلام'' کے عنوان سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سوشلزم کی تحقیق وتردید میں شائع ہوا۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں؛

''جب مضمون پڑھا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ الندوہ کی ضخامت کل ۳۲ صفحہ کی ہوتی تھی۔ خود یہ مقالہ ۳۲ صفحہ کا تھا۔ ضخامت سے قطع نظر مضمون واقعی بڑی کاوش وجامعیت کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ آج ۴۰-۴۲ سال کے بعد پڑھا جائے جب بھی ان شاءاللہ ترمیم واضافہ کی گنجائش کم ہی نکلے گی۔ سوشلزم کا حملہ اس وقت نیا نیا اسلام پر شروع ہوا تھا اور آج کے نوجوان اندازہ ہی نہیں کرسکتے کہ اس وقت سوشلزم کے حملہ کے مقابلے میں اسلام کی نصرت و دفاع کتنی اہمیت کی چیز تھی۔ سید صاحب کی علمی دھاک جو آگے چل کر موافقین ومخالفین دونوں کے دلوں پر بیٹھی اس کی ابتدائی منزلوں میں بڑا دخل اس مقالہ کو ہے۔'' (صدق جدید، جلد؛ ۴، نمبر؛ ۸)

اس طرح ان کے مضامین ایمان بالغیب اور مکررات القرآن کی داد مولانا شبلی نے دی اور ان کے تصنیفی سلیقہ کو سراہا۔

غرض سید صاحب کے معیاری اور وزنی مقالات ''الندوہ'' کو پیہم تازگی وزندگی بخشتے رہے۔ الندوہ نے ملک کی علمی زندگی پر جو دیرپا نقوش چھوڑے اور نتائج پیدا کیے، وہ کسی ماہنامہ کے لئے سرمایہ نازش وفخر ہوسکتے ہیں۔ الندوہ کا یہ کارنامہ ہے کہ اس نے اردو زبان میں علمی مباحث کا ذخیرہ بہم پہنچایا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اسلام کے مذہبی اور علمی کارناموں سے آشنا کیا۔ علماء کو جدید مسائل سے روشناس کیا۔ اسلام اور تاریخ اسلام پر محققانہ سامان فراہم کیا اور عربی خوان طبقہ میں پرانے ذخیروں سے کام لینے کا سلیقہ پیدا کیا۔ (دیکھو حیات شبلی، ص؛ ۴۴۷)

الندوہ کی یہ خدمات کو بجا طور پر مولانا شبلی کی حسنات میں شمار ہوتی ہیں کہ وہی اس کے بانی اور روح رواں تھے۔ لیکن حضرت سید صاحب نے نائب ایڈیٹر کی حیثیت سے جس طرح الندوہ کو (مختلف ادوار میں تقریباً ساڑھے چار سال تک) سنبھالا اور اسے اپنے گرانمایہ علمی مقالات اور دیگر مضامین سے اسے تابانی بخشی۔ اس نے سید الملت کو بھی اس ملی وعلمی خدمت میں نمایاں شریک بنا دیا ہے اور سید صاحب کا یہ ابتدائی کارنامہ بھولنے کے لائق نہیں، بلکہ حیات سلیمانی کا ایک قابل ستائش اور تابناک حصہ ہے جس

نے سید صاحب کے لئے آئندہ زندگی کے بلند وبالا مقام کی راہیں ہموار کیں اور سید صاحب کو ملک کے علمی حلقوں میں ایک باوقار ومحقق عالم کی حیثیت سے پہلی بار روشناس کیا۔

دارالعلوم الندوہ العلماء کی معلمی کا دور ۱۹۰۶ء تا مئی ۱۹۱۳ء:

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طالب علمی کا دور خوب نمایاں شاندار اور کامیاب تھا۔ آپ کی آئندہ علمی بلندیوں اور دینی رفعتوں کے ابتدائی آثار دکھائی دینے لگتے تھے۔ سید صاحب کو ان کی نادر فطرتی صلاحیتوں، محیر العقول حافظہ، پیہم کدوکاوش اور باکمال اساتذۂ کرام کی خصوصی توجہ وتربیت اور تعلیم ونظر نے دارالعلوم کا منفرد ویگانہ طالب علم بنا دیا تھا۔ شہرت کے بال وپر نکلنے لگے تھے، مشاہیر وقت داد دینے اور حوصلہ بڑھانے لگے تھے۔

فراغت کے بعد ''استاذ'' کی نظر کرم اور کوشش نے طب کے آبائی پیشہ سے ہٹا کر حریم علم ودین کی خدمت کے لئے عزیز شاگرد کو فارغ کرالیا اور ندوہ میں مدرس کی حیثیت سے تعینات کرادیا۔ ''الندوہ'' کی نائب ایڈیٹری بھی سپرد فرمادی۔ سید صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں؛

''میں دارالعلوم ندوہ سے فارغ ہوکر الندوہ کا سب ایڈیٹر اور مدرسہ میں مدرس تھا۔ مدرسہ کے قریب ہی گولہ گنج میں نواب مرشد آباد کے مکان کے ایک کمرہ میں رہتا تھا۔ یہ وہی مکان ہے جس میں اب اخبار حق کا دفتر ہے۔'' (یادرفتگان، ص؛ ۴۷۹)

ایک دوسری جگہ ارقام فرمایا ہے؛ اس وقت (۱۹۰۷ء میں) مدرسہ میں ادبیات کا معلم تھا۔''

(یادرفتگان، ص؛ ۶۲)

سید صاحب گو فراغت کے بعد ہی دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے مقرر ہوگئے تھے لیکن اس دوران میں (۱۹۰۸ء) میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہوئی اور بعض حالات کی بنا پر سید صاحب نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کی مدرس کے لئے مولوی سید شرف الدین صاحب جج ہائی کورٹ کلکتہ کی وساطت سے درخواست دے دی۔ مولانا شبلی مرحوم سے جب رخصت ہونے گئے تو استاد مرحوم نے جج صاحب موصوف کے نام ایک سفارشی خط لکھ کر دیا کہ وہ سر ڈینی راس صاحب سے جو ان دنوں مدرسہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عالیہ کے صدر تھے۔ سید صاحب کو ملا دے۔ اس خط میں سید صاحب کا ذکر اچھے لفظوں میں کیا گیا تھا۔ لیکن جب خط لکھ کر استاد نے شاگرد کے ہاتھوں میں دیا تو استاد کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور فرمایا ''سلیمان اگر ندوہ میں گنجائش ہوتی تو میں تم کو کہیں جائے نہ دیتا۔''

(حیات شبلی، صفحہ؛ ۷۷۹-۷۸۰ نیز ۷۵۳-۷۵۴)

استاد کی مخلصانہ تمنا بر آئی اور کارکنان قضا وقدر نے ایسے اسباب مہیا فرما دئے کہ ندوہ کی آمدنی میں نومبر ۱۹۰۸ء میں پانچ سو روپے ماہوار کا اضافہ ہو گیا اور اس رقم سے ندوہ میں ادب عربی انگریزی و ریاضی وغیرہ کی غیر مذہبی تعلیم کا بندوبست کیا گیا اور جدید عربی کی ایک خاص کرسی مقرر کی گئی اور اس کے لئے سید صاحب کا انتخاب ''جدید عربی کے معلم'' (ماڈرن عربک پروفیسر) کی حیثیت سے ہوا۔

(حیات شبلی، ص۔ ۴۷۷-۴۷۸)

پورے ملک میں عربی میں مدارس کے لئے ''جدید عربی کی خاص کرسی'' ایک نئی بات تھی، جوان سال پختہ علم سلیمان نے اس کرسی کو سچ مچ ''سلیمانی کرسی'' کی وجاہت و مرتبہ بخش دیا۔ ندوہ کی جدید عربی دانی کی ساکھ قائم ہو گئی۔

مسلمانوں اور ملک کو اس کا بڑا فائدہ پہنچا اور جو کرسی سید صاحب کی مبارک ذات سے پہلی مرتبہ پر ہوئی تھی، وہ اتنی سعید و خوش بخت رہی کہ اس کی وجہ سے دار العلوم کے طلبہ نے جدید عربی بولنے اور سمجھنے میں پوری شہرت حاصل کی، جو بحمد اللہ تعالیٰ آج تک قائم ہے۔ (حیات شبلی بغیر وحذف)

سید صاحب سے اس معلمی کے زمانہ میں بیسیوں طلبہ فیض یاب ہوئے۔ جو انمرگ عبد الرحمن ندوی نگرامی (جسے سید صاحب اپنی جماعت کا لعل شب چراغ اور ندوہ کا متخیلہ کہتے تھے) نے اسی دور میں شرف تلمذ حاصل کیا۔ حضرت مولانا شاہ عبد الباری ندوی مدظلہ نے اپنے استفادہ کا تذکرہ معارف سلیمان نمبر میں فرمایا ہے۔ بہر حال اس دور کے طلبہ سید صاحب کے علم سے خوب فیض پاتے رہے۔

سید صاحب کی معلمی کا یہ دور درس و تدریس کے لئے مختص نہیں تھا۔ اگر ایک طرف الندوہ جیسے وقیع رسالہ کی ادارت بار بار سونپی جا رہی تھی۔ تو دوسری طرف شبلی مرحوم کی زندگی کے مصروف ترین اور اہم

ترین ایام میں سید صاحب شبلی کے دست راست کے حیثیت سے دینی وملی اور علمی سرگرمیوں میں مشغول نظر آ رہے تھے۔ استاد کی ان دنوں کی رفاقت کا ذکر سید صاحب ان الفاظ میں فرماتے ہیں؛

''خاکسار نے استاد مرحوم کی صحبت و تربیت میں آٹھ برس (۱۹۰۵-۱۹۱۲ء) تک مسلسل گزارے اور دو برس اس طرح کہ جسم کہیں اور رہا مگر روح ہمیشہ ان کے ساتھ رہی۔ یہ دس برس درحقیقت ان کی بتیس برس کی علمی وقومی زندگی کے سب سے مصروف ایام تھے۔ بلکہ ان ہی کو ان کی ستاون برس کی زندگی کا حاصل کہا جا سکتا ہے۔ خود ان ہی کا شعر ہے؛

ساغر زندگیم حیف کہ جز درد نداشت
جز ہمیں جز آخر کہ بہ پایان زدہ ام

(حیات شبلی)

اس زمانے کی سید صاحب کی مصروفیات کا مختصر خاکہ یہ ہے۔ (الندوہ کی ادارت اور اس کے مضامین کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔)

۱۹۰۶ھ میں سیرت عائشہ لکھنے کا اول اول خیال پیدا ہوا۔ سید صاحب نے استاد شبلی کو لکھا۔ انہوں نے ہمت بندھائی۔ کتابوں کے نام بتائے۔ احادیث ومسانید کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ اپریل ۱۹۰۸ء میں اس کا ایک ٹکڑا ''الندہ'' میں شائع بھی ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ کے لئے یہ خیال سرد پڑ گیا تھا۔ لیکن استاد شبلی بار بار اس کی تکمیل کی طرف توجہ دلاتے رہے۔ غرض سیرت عائشہ جیسی کتاب کی جس کے ذریعے سیرت نگار نبوی کے سعید قلم نے کاشانہ نبوت کے اس نور باطن کو عالم آشکار کرنے کی سعادت پائی، بنیاد پڑ گئی اور آخرش یہ کتاب ۱۹۱۷ء میں مکمل ہوئی۔

۱۹۰۷ء میں نواب سکندر نواز جنگ پٹنہ (سابق جج ہائی کورٹ حیدر آباد دکن) نے اپنا کتب خانہ ندوۃ العلماء کی نذر کیا۔ مولانا شبلی نے عزیز شاگرد سلیمان ندوی کو ان کتابوں کے لانے کے لئے پٹنہ بھیجا اور سید صاحب نے اس کام کو بخوشی انجام دیا۔ (حیات شبلی، ص؛ ۴۲۵)

۱۹۰۸ء میں سید صاحب نے دروس الادب کے نام سے طلبہ کے لئے دو عربی کتابیں لکھیں۔ جن کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

افادیت ہنوز باقی ہے اور بعض مقامات پر پڑھائی جاتی ہیں۔

مشہور عیسائی مؤرخ و ادیب جرجی زیدان نے مستشرقین کے رنگ و اتباع میں اپنی مشہور کتاب ''تمدن اسلامی'' میں اسلامی تمدن کی صورت بگاڑ کو پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔لیکن اسلوب ایسا اختیار کیا ہے کہ ظاہر حسن نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس میں کوئی نہ کوئی عیب چھپی ہے۔علامہ شبلی اس کا رد لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔۱۹۰۸ء میں مصری فاضل ڈاکٹر محمود لیب مقیم برلن کی مکاتبت و تائید کی بنا پر اس خیال کو مزید تحریک ہوئی لیکن اس وقت مولانا کو فرصت نہ تھی۔اس لئے سید صاحب کو ارشاد فرمایا اور آپ نے ایک مختصر مضمون جرجی زیدان کی تصنیفات کی غرض وغایت و قدر و قیمت پر لکھا، جو ۱۹۰۸ء میں الندوہ میں شائع ہوا۔پھر اگست ۱۹۱۰ء کو الندوہ میں تمدن اسلامی کے اس باب کا جو کتب خانہ اسکندریہ پر ہے اور جس میں مولانا شبلی کے ''کتب خانہ اسکندریہ'' کے دلائل کا رد کیا ہے۔سید صاحب نے جواب لکھا۔آخر جب ۱۹۱۱ء میں شبلی مرحوم نے مستقل طور پر ''تمدن اسلامی'' کی سخت اور مبسوط تنقید بلکہ تردید ''الانتقاد علی التمدن الاسلامی'' کے نام سے عربی میں لکھی تو سید صاحب نے استاد کے اشارے سے اس میں بھی شرکت کی۔اس کتاب کا جو باب بنوامیہ کی علمی سرپرستی کے بارے میں ہے (طبع ہند صفحہ ۴۷ تا ۵۳) سید صاحب کا لکھا ہوا ہے۔

ندوہ کا سالانہ اجلاس جو دہلی میں ۲۶/۲۷/۲۸/مارچ ۱۹۱۰ء کو منعقد ہوا تھا۔کئی اعتبار سے اہم ہے۔

1. اس اجلاس میں علامہ شبلی کے ایما پر سید صاحب نے ایک کتب خانہ اعظم کی تجویز پر تقریر کی اور دارالمصنفین کا خاکہ پہلی دفعہ پیش کیا۔سید صاحب کی یہ تقریر ندوہ کے اجلاس دہلی کی رپورٹ اور الندوہ میں چھپ چکی ہے۔اس کے آخر میں صیغہ تصنیف و تالیف کے نیچے ہے؛ ''ندوۃ العلماء جس قسم کے علماء اپنے مدرسہ میں تیار کرانا چاہتا ہے۔وہ اس اسکیم سے ظاہر ہے کہ یہاں کے طلبہ درجۂ عالمیت یا درجہ تکمیل کے بعد تالیف و تصنیف میں مشغول ہوں اور ایک بڑے پیمانہ پر صیغہ تصنیف و تالیف قائم کیا جائے، جس سے علوم و تاریخ کا احیاء ہو۔لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ کام اس وقت پورا

ہوسکتا ہے جب ندوۃ العلماء کے احاطہ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ ہو۔جس میں تمام نادر تصنیفات موجود ہوں ..... دارالعلوم کی جدید عمارت میں اس کتب خانہ اعظم کے مناسب شان ایک بلند عمارت تیار کی جائے۔جس میں کتب خانہ کے سوا ایک وسیع کمرہ ارباب قلم و مصنفین کے لئے بنایا جائے۔جس میں قوم کی ایک جماعت تالیف و تصنیف میں مشغول ہو..... اس عمارت کا نام دارالمصنفین ہو۔'' (حیات شبلی، ص۔۹۸۹-۹۹۰ ملخصاً)

2. اس اجلاس میں انگریزی کورس کی ان غلطیوں کی اصلاح کے متعلق تجویز منظور ہوئی۔جن سے اسلام اور تاریخ اسلام کے متعلق بدگمانی پھیلتی تھی۔اس صیغہ کا نام صیغہ تصحیح تاریخ اسلام رکھا گیا اور سید صاحب اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے یہ صیغہ ۱۹۱۰ء-۱۹۱۲ء تک کام کرتا رہا، اس کام کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بات جاننی ضروری ہے کہ اس زمانہ میں تاریخ کے عنوان میں جو وسعت ہے اس کے احاطہ میں دین و مذہب، ملت کے عادات و اخلاق، معاشرت و تمدن اور پوری ملت کی ۱۳ سو سالہ زندگی کی مکمل تصویر آجاتی ہے، انگریزوں نے اپنی سیاسی و دیگر اغراض کے لیے جو تاریخیں لکھی ہیں۔ان میں مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔حضرت سید صاحب نے ہندوستان کا تخت مسلمانوں سے چھنتے ہوئے دیکھا، انگریز نے اپنے زیر درس اسلامی تاریخ کو ایسے رنگ میں لکھ کر پیش کیا کہ اس سے دو نتیجے نکلیں۔ایک یہ کہ مسلمان طلبہ ان کے بیانات کو سچ سمجھ کر اپنے اسلاف اور بزرگوں کے کارناموں سے خود شرمانے لیکن اور دوسرے یہ کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں اور مختلف قوموں کے طالب علموں میں تعصب اور بغض و عداوت کے جذبات پیدا ہوجائیں۔چنانچہ ان کو یہ دونوں نتیجے حاصل ہوئے اور وہ سب کے سامنے ہیں۔'' بہرحال مولانا شبلی نے دہلی کے جلسہ ندوہ میں ان اغلاط کی اصلاح کے لئے باقاعدہ صیغہ قائم کرنے کا ریزولیشن پیش کیا، جو منظور ہوا اور سید صاحب کو اس صیغہ کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔سید صاحب لکھتے ہیں؛ ''خاکسار نے اس کام کو شروع کیا۔مختلف یونیورسٹیوں کے مسلمان پروفیسروں سے خط و کتابت کی اور ان سے اس بارہ میں مشورہ پوچھا اور ۲۵/مئی ۱۹۱۰ء کو عام اطلاع کے لئے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اخباروں میں ایک مضمون شائع کیا۔جس میں واقف کار لوگوں سے اس قسم کے قابل اعتراض کتابوں کے نام دریافت کے گئے تھے،اس کے جواب میں متعدد لوگوں نے مختلف کتابوں کے نام لکھ کر بھیجے۔''

سید صاحب نے قابل اعتراض کتابوں خصوصاً مارسڈن صاحب کی تاریخ ہندوستان اور ڈیلافوس کی تاریخ ہند کی قابل اعتراض عبارتوں کو نقل کر کے اخبارات وغیرہ میں بھیجا اور ان کی تائید چاہی اردو اور کئی انگریزوں اخبارات نے تحریک کی حمایت کی۔جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔سید صاحب نے ۱۹۱۲ء کے اجلاس ندوہ (لکھنو) میں جس کے صدر سید رشید رضا صاحب مصری تھے۔ اس صیغہ کی رپورٹ کو پیش کیا اور بعض قابل اعتراض عبارتوں کو پیش کیا۔تو پورے جلسہ میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔سید صاحب لکھتے ہیں؛''تیسرے جلسہ میں خاکسار نے صیغہ تصحیح اغلاط تاریخی کی رپورٹ سنائی اور انگریزی کورس کی ان غلطیوں کے اقتباسات پیش کئے۔جن میں اسلام،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم،قرآن پاک اور مسلمان بادشاہوں پر الزامات لگائے گئے تھے۔مسلمان ان غلط بیانیوں کو سن کر تڑپ اٹھے۔پھر یونیورسٹیوں کے مسلمان پروفیسروں اور سرکاری محکمہ تعلیم سے اس باب میں جو مراسلتیں ہوئی تھیں،وہ پیش کیں اور آئندہ طریق کار کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا۔'' علامہ شبلی نے اس کے بعد دارالعلوم کی ضرورت پر تقریر کی اور صیغہ تصحیح اغلاط کی رپورٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سید صاحب کی ذات کی نسبت ایک ایسا فقرہ فرمایا،جو بقول سید صاحب''اس کے لئے ہمیشہ سرمایہ سعادت رہے گا''شبلی کا مذکورہ فقرہ یہ تھا؛''ندوہ نے کیا کیا کچھ نہیں کیا۔ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے۔''(تفصیلات کے لئے دیکھئے حیات شبلی،ص۔۵۰۱-۵۰۲،نیز ص۔۵۲۳ تا ۵۲۷)

3 اس دہلی کے اجلاس میں ایک تجویز جدید عربی لغت کی ترتیب کی منظور ہوئی اور یہ کام بھی سید صاحب کے سپرد ہوا اور سید صاحب نے دو سال کے عرصہ میں''لغات جدیدہ''کے نام سے چار ہزار جدید الفاظ پر مخصر تیار کیا اور اسے بھی ندوہ کے اجلاس لکھنو میں پیش کیا،یہ کتاب ایسے استناد و

افادیت میں ایک خاص شان کی حامل ہے اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

دہلی کے اجلاس ندوہ کی سب سے اہم تجویز مجلس اشاعت اسلام کی تجویز کی منظوری تھی۔مدت سے آریہ اور ہندو جس طرح نومسلم راجپوتوں،میواتیوں اور دیگر دیہاتی سیدھے سادھے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔اس کا اندازہ شبلی مرحوم کے ایک خط سے ہوسکتا ہے،جو انہوں نے مولانا شیروانی کو ۱۰ مارچ ۱۹۱۲ء میں لکھا تھا؛''سیرۃ نبوی کا کام پڑے پھیلاؤ کا ہے۔ادھر اشاعت اسلام کی یہ حالت ہے کہ بیسیوں خطوط اور رپورٹیں آرہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں نومسلم ارتداد کے خطرہ میں ہیں۔آریوں کی مقامی کمیٹیاں جابجا دیہات میں قائم ہوتی جاتی ہیں۔سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔کہاں کہاں واعظ مقرر کئے جائیں،کہاں کہاں مکتب قائم ہوں۔یہ تو سلطنت کا کام ہے۔''(حیات شبلی،ص۔۵۹۳)

گو اجلاس دہلی میں مجلس اشاعت اسلام کی تجویز منظور ہوگئی اور کچھ کام شروع بھی ہوگیا۔لیکن جتنا تقاضا تھا اس میں ندوہ کے زیر اہتمام کرنے میں بعض ناگزیر رکاوٹیں تھیں۔اس لئے شبلی نے ندوہ کے دائرہ سے الگ ہو کر ایک عام مجلس اشاعت وحفاظت اسلام کی ۱۹۱۲ء کے آغاز سال میں بنیاد ڈالی اور حضرت سید صاحب کو اس مجلس کا شریک ناظم بنا کر ہر قسم کی دفتری کاروائیوں کی ذمہ داری سپرد کی اور سفر وحضر میں برابر کام کے متعلق ہدایت کرتے رہے۔سید صاحب نے اس کام کو شبلی مرحوم کی رفاقت و سرکردگی میں جیسے سنبھالا اور نبھایا،حیات شبلی میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔(حیات شبلی؛ ۵۵۳ تا ۵۷۳) حضرت سید صاحب نے مختلف طریقوں سے ان نومسلموں کے حالات معلوم کئے۔اعلانات و اشتہارات وخطوط کے ذریعے سے مسلمانوں سے اپیلیں کی گئیں اور بقول سید صاحب؛''اور جو خطوط اور اپیل لوگوں کو بھیجے گئے تھے۔ان کے حوصلہ افزا جوابات آئے۔اس سلسلے میں سید صاحب نے گجرات،بڑودہ،اجمیر اور آگرہ وغیرہ کا سفر بھی کیا اور وہاں کے اکابر سے مل کر اشاعت وحفاظت اسلام کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا۔''(حیات شبلی،ص۔۷۰)

یہ کام شروع ۱۹۱۳ء تک ہوتا رہا اور اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حیدرآباد دکن کا پہلا سفر:

مارچ ۱۹۱۱ء میں حیدرآباد دکن کا پہلا سفر پیش آیا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ نواب عبادالملک نے اپنے کتب خانہ جس میں انگریزی وعربی کی کتابوں کا بڑا سرمایہ تھا۔ ندوہ کے حوالے کیا، مولانا شبلی نے سید صاحب کو اس کتب خانے کے لانے کے لئے حیدرآباد دکن بھیجا۔ سید صاحب لکھتے ہیں؛ ''یہ میرا حیدرآباد کا پہلا سفر تھا اور نواب عبادالملک سے میری ملاقات کا پہلا ذریعہ تھا۔ ایک مہینہ کے قریب مولوی عبدالغنی وارثی (مددگار صدر محاسب سرکار عالی) کے یہاں مقیم رہا اور روزانہ نواب صاحب کے یہاں جاکر نواب صاحب کے ساتھ مل کر کتابیں الگ کرتا رہا۔ نواب صاحب مرحوم اپنے ہاتھ سے کتابیں چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتے جاتے تھے اور میں رکھتا جاتا تھا۔ (حیات شبلی، ص-۴۳۹)

اس سفر میں سید صاحب نے کتب خانہ لانے کے کام کے علاوہ حیدرآباد کے اصحاب علم وفضل سے بھی رابطہ پیدا کیا اور بعض کتب خانوں کو بھی دیکھا۔

بمبئی کا سفر اور سیرت کے کام میں استاد کی رفاقت:

مئی ۱۹۱۲ء میں شبلی گرمیوں کے ڈر اور سیرت کے خیال سے یکسوئی اور تنہائی کی تلاش میں بمبئی روانہ ہوگئے اور سید صاحب کے کام کے سلسلہ میں رفاقت بخشی۔ سید صاحب کو استاد مرحوم نے ابن اسحاق، ابن سعد اور طبری کے رجال چھانٹ کر الگ کرنے کا کام سپرد کیا۔ چونکہ عام طور سے ان کے رجال نہیں ملتے، اس لیے بڑی دقت سے سید صاحب نے رجال ابن اسحاق، رجال ابن سعد اور رجال طبری پر الگ الگ رسالے پیش کئے۔ (حیات شبلی۔ ۵۷۰)

مدراس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت اور جنوبی ہند کا سفر:

بمبئی کے زمانہ قیام کے دنوں میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مدارس کا بنگلور میں اجلاس تھا۔ مولانا شبلی کو کیونکہ ڈھاکہ کا سفر درپیش تھا اس لئے اپنے شاگرد رشید سید صاحب کو اپنی جگہ کانفرنس کی شرکت کے لئے ۲۵/جولائی ۱۹۱۲ء کو روانہ کیا۔ سید صاحب نے ۱۵/اگست ۱۹۱۲ء کے بمبئی کے ایک خط میں لکھتے ہیں؛ ''۲۵/جولائی کو یہاں سے روانہ ہوا اور ۸/اگست کو واپس آیا۔ یہ سفر میرے تمام سفروں میں

سب سے زیادہ مفید و پراز معلومات رہا''..... اس کانفرنس میں (مولانا) شوکت علی اور خواجہ کمال الدین نے سید صاحب کے علاوہ شمالی ہند سے شرکت فرمائی تھی۔ کانفرنس کا اجلاس تین دن رہا۔ مختلف تعلیمی ضرورتوں پر لیکچر ہوئے۔ تعلیمی تجاویز منظور ہوئیں۔ سید صاحب نے دو تقریریں کیں۔ ایک تعلیم نسواں پر، دوسری مذہب پر۔

ختم اجلاس پر سید صاحب نے بنگلور کا مشہور عجائب خانہ دیکھا۔ سلطان ٹیپو وحیدر علی کے بعض آثار کو سید صاحب نے محبت سے دیکھا اور بقول ان کے ''دل میں ایک درد اٹھا، بے اختیار ہوگیا اور جی چاہا کہ اس افق کو دیکھتا جہاں ہندوستان کا آخری ستارہ طلوع ہوا۔ اور ڈوبا'' غرض سرنگا پٹن دیکھنے کا ارادہ فرمایا۔ میسور کی سیر کرتے ہوئے سرنگا پٹن پہنچے۔ سلطان شہید ٹیپو سلطان حیدر علی وغیرہ کے مزارات دیکھے۔ سلطان کے رہنے کی عمارت اور اس میں مختلف حیرت انگیز واقعاتی تصاویر دیکھیں۔ سرنگا پٹن کے علاوہ سید صاحب نے اس سفر میں کولار کی سونے کی کانیں وانمباڑی کا قصبہ اور گڑام پور کا تاریخی مقام بھی دیکھا۔ اس کے بعد ڈیڑھ دن کے لئے مدراس تشریف لے گئے اور وہاں کے عجائبات اور تاریخی وتعلیمی مقامات واداروں کو دیکھا۔ سید صاحب نے اس سفر کا حال ایک دلچسپ اور مفصل خط میں لکھا ہے جو ادبی، علمی اور تاریخی ہونے کے لحاظ سے اہم ہے اور سید صاحب کے حساس ودردمند دل کی کیفیات کا آئینہ ہے۔ (دیکھو معارف، ص۔ ۳۰۳ تا ۳۱۲ جلد ۹ نمبر ۲)

بمبئی سے ۱۹۱۲ء کے اواخر میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں سفر کرتے ہوئے لکھنو واپسی ہوئی۔ ۱۹۱۳ء کے شروع میں مولوی عبدالکریم صاحب کی معطلی کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا۔ جس نے شبلی کو ندوہ سے آخرش مستعفی ہونے پر مجبور کردیا۔ سید صاحب بھی استاد مرحوم کی علیحدگی پر دل برداشتہ ہوکر مدرس وغیرہ ذمہ داریوں سے علیحدہ ہوکر وطن چلے آئے اور وہاں سے الہلال کلکتہ کے اسٹاف میں شامل ہوگئے۔

(حیات شبلی، ص۔ ۵۷۲-۵۷۳)

سید صاحب ''الہلال'' کلکتہ کے عملہ ادارت میں:

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی زیر ادارت جولائی ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے ''الہلال'' نکلنے لگے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ابوالکلام شبلی کے صحبت یافتہ تھے اور ندوہ میں ان کی خلوت وجلوت کی مجالس میں شریک ہوکر ان سے مستفیض ہو چکے تھے۔لکھنو کے دوران قیام ۱۹۰۵ء-۱۹۰۶ء میں استاد شبلی کے ہونے والے جانشین سلیمان ندوی سے ان کی شناسائی ہو چکی تھی۔اس شناسائی نے آزاد مرحوم کے دل میں سید صاحب کی قدر ومنزلت پیدا کر دی تھی۔یہی واقفیت سید صاحب کی الہلال میں شمولیت کا ایک سبب بنی۔ ۱۹۱۲ء کے اوائل میں جب سید الملت ندوہ کی اندرونی سیاست سے دل برداشتہ ہوکر وطن چلے گئے۔تو ابوالکلام نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور سید صاحب کو الہلال کی ادارت میں شرکت پر مصر ہوئے۔''الہلال'' اس وقت علم وسیاست ومذہب کی یکجائی کا نقیب تھا۔سید صاحب کا بھی اس وقت یہی نظریہ تھا۔مزید برآں شبلی اور الہلال کا سیاسی مسلک بھی ایک تھا۔اس اتحاد مذاق اور ابوالکلام صاحب آزاد کے مسلسل اصرار نے سید صاحب کو الہلال کی ادارت میں شرکت پر آمادہ کر دیا۔آپ مئی ۱۹۱۳ء میں الہلال کے عملہ ادارت میں شریک ہوئے۔سیدار قام فرماتے ہیں:

''۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام کی ادارت میں جب کلکتہ کے افق سے ہلال (الہلال) نمودار ہوا۔تو چند ماہ کے بعد میں الہلال کی ادارت میں شامل ہوا اور میرے کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا عمادی بھی وہیں آ گئے اور کچھ مہینوں تک میں اور وہ دونوں ایک ہی ساتھ ایک جگہ الہلال کے دفتر میں رہے اور کام کئے۔'' (یادرفتگاں،ص؛۴۰۰)

ادارتی شمولیت کے علاوہ سید صاحب نے الہلال میں ایسے بلند پایہ اور وقیع پراز معلومات وسنجیدہ مضامین لکھے۔جس نے الہلال کے کم وکیف کو نئی تازگی بخشی اور اس کی مقبولیت وشہرت کو چار لگا دیئے۔ بقول عبدالماجد دریا آبادی؛''سید صاحب جب الہلال میں پہنچے ہیں۔تو نام کا تو یہ اب بھی ''ہلال'' ہی رہا۔لیکن اہل بصیرت دیکھ رہے تھے کہ ہلال بدر بن گیا اور اس کی نور افشانی کلکتہ کے مطلع سے شروع ہو کر شرق وغرب،شمال وجنوب سب کو مطلع انوار بنا رہی ہے۔خود عربی کے قدیم وجدید دونوں طرح کے ماخذوں کی مدد سے مسلمانوں کے لیے دینی،تمدنی،سیاسی،تاریخی ہر عنوان سے متعلق بہترین معلومات پیش کرنا یہ کام تو سید صاحب کا تھا ہی۔باقی خود ہندوستان کی سیاسیات حاضرہ پر مقالہ لکھنے میں سید

صاحب اپنے چیف ایڈیٹر سے پیچھے نہ رہے۔'' (صدق جدید جلد ۴ نمبر ۸ صفحہ ۴)

الہلال میں مضامین مضمون نگار کے نام کے بغیر شائع ہوتے تھے۔اس وجہ سے ناواقف حضرات نے بغیر تحقیق کے تمام مضامین ابوالکلام صاحب کے نام منسوب کر دیئے۔سید صاحب رسالہ ''اسلامی نظریہ سیاست'' کے مقدمہ میں ارقام فرماتے ہیں؛''الہلال میں چونکہ مضمون نگاروں کے نام نہیں لکھے جاتے تھے۔اس لئے الہلال کے مضمونوں کے مجموعوں کے شائع کرنے والوں نے بلاتحقیق ہر مضمون کو مولانا ابوالکلام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔حالانکہ یہ صحیح نہیں۔الحریۃ فی الاسلام،تذکار نزول قرآن،حبشہ کی تاریخ کا ایک ورق،قصص بنی اسرائیل،مشہد اکبر نمبر اول مضامین ہیں..... فات کل ذی فضل فضلہ (رسالہ معارف ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ صفحہ ۲۴۸ حاشیہ)

یہ تحریر اس وقت شائع ہوئی جب ابوالکلام مرحوم عبارت کے وزیر تعلیم اور سید صاحب بھوپال میں مقیم تھے۔مولانا ابوالکلام صاحب کا سکوت اعتراف حقیقت کا ثبوت ہے۔

الہلال میں سید صاحب کی ''اقلیم ادب'' کی فرمانروائی اور اسالیب تحریر پر دسترس وکمال کا ایک انوکھا اور اچھوتا مظاہرہ ہوا۔سید صاحب کا اپنا خاص اسلوب نگارش ہے۔جس کی خوبی ایجاز،بلاغت، سادگی وبرجستگی اور سنجیدگی ہے۔اس میں شبلی کے طرز کا تاثر ہے۔اس کے مقابلہ میں سحر طراز ابوالکلام کا آتش وبزقلم شوکت ورنگینی،الفاظ کی فراوانی،جوش بیان،تحدیانہ طرز میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔حق یہ ہے کہ ابوالکلام اپنے الہلالی طرز انشاء کے خود ہی موجد اور خود ہی خاتم تھے۔ان کے طرز کا اپنانا ونبھانا نہ آسان تھا نہ ہما شما کا کام۔اس لئے اس کا اتباع کسی سے نہ ہوسکا۔یہاں سے سید الملت کے ایجاز رقم قلم کا یہ اعجاز ملاحظہ ہو کہ الہلال کے ادارہ میں شرکت فرمائی تو کلک سلیمانی ابوالکلامی انشاء کی وہ سحر طرازیاں دکھانے لگا کہ ابوالکلام آزاد اور ''ابونجیب'' سلیمان ندوی کی تحریر میں فرق کرنا مشکل ہوگیا۔ آج بھی الحریۃ فی الاسلام،مشہد اکبر وغیرہ مقالات پڑھ کر دیکھئے۔حیرت ہوتی ہے کہ سید القلم کی ترکتازیاں کس طرح کشور ادب اور اقلیم نگارش کی ہر سرزمین کو زیر نگین کئے ہوئے ہیں۔

سید مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:''وہاں (الہلال میں) ان (سید صاحب) کے قلم کی گلکاریوں نے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کچھ اور رنگ دکھایا۔ کہاں شبلی کا عالمانہ سنجیدہ اور دل نشین (اور سید صاحب کی زبان میں ماقل و دل) اسلوب تحریر اور کہاں کا تحدیانہ زور بیان اور وہ سیل رواں کے رکنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مگر سید صاحب نے دکھایا کہ ان کا اشہب قلم ہر میدان میں جولانیان دکھا سکتا ہے۔ مدیر ''الہلال'' کے رنگ میں وہ لکھنے لگے۔ تو اس طرح کہ دونوں کی تحریروں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ یقین نہ آئے تو الہلال کا مقالہ ''مشہد اکبر'' پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ وہ مشہور مقالہ جو مسجد کانپور کی شہادت پر لکھا گیا ہے اور جس کا آغاز خاص ڈرامائی انداز میں ہوتا ہے۔ زمین پیاسی ہے کسی کی؟ مسلمانوں کے خون کی، الخ۔ ہاں وہ مشہور مقالہ جس نے سینکڑوں دلوں کو گرمایا اور ہزاروں آنکھوں کو اشکبار کیا اور جس سے ایوان حکومت میں تہلکہ مچ گیا۔ وہ تاریخی مقالہ سید سلیمان ہی کے قلم کا مرہون منت تھا۔'' (ماہنامہ چراغ راہ کراچی اپریل ۱۹۵۴ء صفحہ ۹)

اردو کے ادیب شہیر و صحافی کبیر مولانا دریا آبادی ارقام فرماتے ہیں:

''اس وقت کہنا صرف یہ ہے کہ مولانا شبلی اور مولانا ابوالکلام دونوں اگرچہ اپنے اپنے رنگ میں اردو ادب کے لئے باعث ناز ہیں لیکن بڑا فرق دونوں کے رنگ میں ہے۔ شبلی کے ہاں یہ احتیاط اور رکھ رکھاؤ کہ بلاضرورت دو لفظ بھی قلم سے نہ ٹپکیں اور ہر تکرار کا حشو و زوائد میں شمار پھر تشبیہ اور استعارے اگر ہلکے پھلکے قسم کے کبھی دبے پاؤں آ بھی جائیں تو بس ایسے کے سلامت کلام میں ذرا بھی مخل نہ ہوں۔ ابو الکلام کے ہاں وہ فیاضی کہ نئی نئی تشبیہیں اور حسین و جمیل استعارے جیسے ابلے پڑتے ہیں اور الفاظ کے تکرار و مترادفات کا وہ ریلا کہ پڑھنے والا ان میں گم ہو کر رہ جائے۔ سید صاحب کے اسلوب بیان میں اگرچہ انفرادیت شروع ہی سے تھی اور وہ مقلد محض کسی کے بھی نہ تھے۔ پھر بھی مولانا شبلی کا رنگ ان پر اچھا خاصا چھایا ہوا اور شبلیت قدرتاً ان کے قلم کا ایک جزو اس وقت تک بن چکی تھی۔ لیکن اب جب وہ الہلال میں آئے تو گویا دوسرے ابوالکلام بن گئے۔ ان کے رنگ میں اس طرح ڈوب کر اور اس درجہ ان کے ہم رنگ ہو کر لکھنا شروع کیا کہ اچھے اچھے اہل نظر کو بھی امتیاز دشوار ہو گیا اور سماں من تو شدم تو من شدی کا بندھ گیا۔ ابوالکلام کے طرز بیان کی تقلید آسان نہیں۔ بڑے بڑوں نے جب اس روش پر چلنا چاہا تو راہ میں پیر پھسل گئے ہیں۔ یہ کمال سید صاحب ہی کا تھا کہ شبلیت سے الگ ہو کر ابوالکلامیت

اختیار کر لی اور پھر اس رنگ کو جب چھوڑنا چاہا۔ اوراق دھر پر نقش سلیمانی کی مہر لگا کر دکھا دی۔

۱۹۱۳ء میں جب کانپور کی ایک مسجد کے غسل خانے کا سرکاری حکم سے گرانے کا ہنگامہ پیش آیا ہے اور پولیس کی گولیوں سے کچھ مسلمانوں کی جانیں گئی ہیں۔ اس وقت الہلال میں ایک بڑے طنطنہ کا مقالہ افتتاحیہ ''مشہد اکبر'' کے عنوان سے نکلا تھا۔ جس نے نہ معلوم کتنوں کو سسکیوں بھرے غم کے ساتھ رلایا اور کتنوں کو غیض و غضب کے جوش کے ساتھ اکسایا۔ اسے آج بھی اٹھا کر دیکھیے کہیں سے پتہ بھی نہ چلنے پائے گا کہ یہ مضمون ابوالکلام کا نہیں۔ ان کے ادبی ہم زاد کے قلم کا ہے۔ سید مرحوم داستان بزم کے تو بادشاہ تھے۔ بقول شخصے:

قلم میرا ابر گوہر بار

لیکن جب رزمیہ لکھنے پر آتے جب بھی ان کی شخصیت زبان حال سے پکار اٹھتی۔

ہے زبان میری تیغ جوہر وار

(صدق جدید ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء صفحہ ۳)

محولہ بالا مقالہ ''مشہد اکبر'' کی عظمت و تاریخی اہمیت کا اندازہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب اس زمانے کے حالات پیش نظر ہوں۔ (تفصیلات حیات شبلی صفحہ ۶۰۰ تا ۶۰۷ میں دیکھی جا سکتی ہیں) مسلمانان ہند کی سیاسی بیداری میں طرابلس اور بلقان کی لڑائیوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ لیکن یہ اس وقت کی مسلمانوں کی بین الاسلامی سیاست کا نتیجہ تھا۔ جن کا اصل میدان ہندوستان سے باہر تھا۔ ہندی مسلمانوں کے لئے جس مقامی حادثہ نے مذہبی و قومی جوش و خروش کا طوفان پیش کر دیا۔ وہ مسجد کانپور کا ہنگامہ (اگست ۱۹۱۳ء) تھا۔ بقول سید الملت: ''یہ عین اس وقت رونما ہوا، جب جنگ بلقان کی آگ ایک طرف ہندوستان سے ہزاروں میل دور بھڑک رہی تھی اور مسلمانوں کے دل برطانوی وزارت خارجہ کی سیاسی روش سے سخت مشتعل تھے۔ دلوں کا یہ بخار نکلنے نہ پایا تھا کہ صوبہ متحدہ کے گورنر سر جیمس مسٹن اور ان کے ماتحت حکام کانپور کی غلط کاریوں نے خود ہندوستان میں اس کا ایک موقع بہم پہنچا دیا۔'' واقعہ یہ ہوا کہ حکام نے کانپور کی مسجد کا ایک حصہ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف زبردستی منہدم کر دیا اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سڑک میں ملا دیا۔ مسلمانان کانپور نے احتجاجی جلسہ کیا۔ پر جوش مسلمان جن میں بچے بھی تھے۔ جلسہ کے بعد مسجد کی طرف پڑھے۔ منہدم دیوار پر چن چن کر اینٹیں رکھنے لگے۔ ڈپٹی کمشنر ہٹلر کے حکم سے فوجی پولیس نے ان نہتے مسلمانوں پر بے رحمی سے گولیاں برسائیں، برچھے مارے، شہیدوں اور زخمیوں میں ننھے ننھے بچے بھی تھے۔ بقول سید صاحب؛ ''اس خونی سانحہ نے تمام ہندوستان کو خونیں بنا دیا۔ آتش بیاں مقرروں، شعلہ افشاں محرروں اور شعلہ نفس شاعروں نے مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ یہ واقعہ مسلمانان ہند کی سیاسی جدوجہد اور آزادی کے سلسلۂ تاریخ کی ایک اہم کڑی ہے۔'' سید صاحب نے اس دوران میں ''مشہد اکبر'' کے عنوان سے اس خونیں واقعہ پر الہلال میں اپنے خون شدہ دل وجگر کے ٹکڑے بکھیر کر رکھ دیئے۔ مقالہ کا ایک ایک حرف جہاں سلیمانی غیرت وحمیت دینی کا مظہر تھا۔ وہاں اس نے اپنی تاثیر سے دلوں کو شق اور آنکھوں کا خونبار کر دیا۔ برطانوی استعمار جو اس وقت اپنے عروج پر تھا۔ اس حق کی آواز کو برداشت نہ کر سکا اور الہلال کے اس پرچہ کو ضبط کر لیا۔

کانپور کا یہ خونیں ہنگامہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تحریک آزادی میں متعدد حیثیتوں سے قابل ذکر ہے۔ سید صاحب کے اس مقالہ کا اس سانحہ کو ملی تحریک بنانے میں خاص حصہ ہے۔ اس وجہ سے حضرت سید صاحب کی قومی خدمات میں اس کی اہمیت کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

حضرت سید الملت ''الہلال'' کو کئی مہینے تک اس طرح ضیاء بار فرماتے رہے۔ لیکن زیادہ عرصہ ادارہ الہلال میں منسلک نہ رہ سکے اور بعض مجبوریوں کی بنا پر اس سے علیحدہ ہونا پڑا۔ آپ الہلال سے علیحدہ ہو کر کچھ دن پٹنہ میں مقیم رہے۔ مولانا شبلی دسمبر ۱۹۱۳ء میں لکھنو آئے تو سید صاحب بھی لکھنو تشریف لے گئے اور پھر استاد شبلی کے حکم پر دکن کالج پونہ میں اسسٹنٹ پروفیسر فارسی کے عہدہ پر تشریف لے گئے۔ (حیات شبلی، ص؛۹۵۱)

گو سید صاحب کا الہلال کے عملہ ادارت میں چھ سات مہینہ ہی رہے لیکن الہلال آپ کی ضو فشانیوں سے اس طرح روشن ہوا کہ ایک عالم کی آنکھیں خیرہ تھیں۔ جب آپ الہلال سے علیحدہ ہو گئے تو مولانا ابوالکلام مرحوم کو اس گوہر شب چراغ کے چلے جانے کا انتہائی صدمہ افسوس واحساس ہوا اور سید

صاحب کو الہلال میں واپس لانے کی پوری کوشش کی۔ ابوالکلام مرحوم ۹/جنوری ۱۹۱۴ء کے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں؛

''بہر حال میں آج اپنے شورش قلبی سے مجبور ہو کر ایک بار اور کوشش وصل کرتا ہوں لیکن ہجر مقدر ہو چکا ہے۔ تو غیر از صبر چارہ نہیں۔ معلوم نہیں اس خط کا نتیجہ کیا نکلے..... تاہم خدائے علیم وبصیر میرے دل کو دیکھ رہا ہے کہ اس وقت ہر حرف جو لکھ رہا ہوں۔ کس عالم میں لکھ رہا ہوں۔ خدارا یقین کیجئے کہ سچائی و صداقت، محبت وحداد اور ایک گہرے حزن وملال کے سوا اور کوئی چیز اس وقت میرے دماغ میں نہیں۔ واللہ علی ما اقول شهید وانه لقسم لو تعلمون عظیم. آپ نے پونا میں پروفیسری قبول کر لی۔ حالانکہ خدا نے آپ کو درس وتعلیم مدارس سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے۔ خدا کے لئے میری سنئے اور مجھے اپنا ایک مخلص بھائی تصور کیجئے۔ میں آپ کی عزت کرتا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ میں خود غرض ہوں اور میری غرض میری خواہش میں عنصر اصلی ہے۔ تاہم میری خود غرضی آپ کے لئے مضر نہیں، بلکہ بہتر ہے۔ کیا حاصل اس سے کہ آپ نے چند طالب علموں کو فارسی وعربی سکھلا دی۔ آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی سکھلا سکتے ہیں..... آپ آ کر الہلال بالکل لے لیجئے۔ جس طرح جی چاہے اسے ایڈٹ کیجئے۔ مجھے سوا اس کے وہ اصول و پالیسی کے (جس میں آپ مجھ سے متفق ہیں) اور کسی بات سے تعلق نہیں۔ میں بالکل آپ پر چھوڑ دیتا ہوں اور خود اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ صرف اپنے مضامین دے دیا کروں گا اور کچھ تعلق نہ ہوگا..... آپ معاً وہاں استعفا دیں اور کلکتہ تشریف لے آئیں اور اس خط کا جواب لاونعم میں بذریعہ تار دے دیں۔ مجھ کو پوری امید ہے کہ میری یہ سعی بیکار نہ جائے گی۔ کیونکہ میں سچے دل سے آپ کا طالب ہوں۔ مجھ کو پوری امید ہے کہ میری یہ سعی ومحنت ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ اگر مولانا شبلی کا خیال ہو کہ ان کے ذریعہ سے پونا تشریف لے گئے ہیں وہ مصر تھے۔ اب ناراض ہوں گے تو میں خود ان معاملہ کو صاف کر لوں۔ تاہم جو کچھ ہو وہ جلدی ہو۔'' (مکتوبات سلیمانی حاشیہ صفحہ ۱۷ تا ۱۹)

اس خط کا لفظ لفظ مولانا ابوالکلام مرحوم کی طلب وخواہش پر گواہ ہے۔ لیکن جن اسباب کی بنا پر سید

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صاحب نے مجبوراً الہلال کو چھوڑا تھا۔ ان کا تاثر کچھ ایسا قوی تھا کہ سید صاحب ابوالکلام مرحوم کی پیہم کوششوں کے باوجود الہلال میں واپس نہ آ سکے۔ تاہم اپنا دائمی نقش ابوالکلام مرحوم کے اس عظیم مجلہ پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر گئے۔ الہلال اور اس کے مدیر جلیل و شہیر مولانا ابوالکلام مرحوم کی خدمات کا جب تک اعتراف کیا جاتا رہے گا۔ سید صاحب کی ''الہلالی'' خدمات کو بھی نہیں بھلایا جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی روحوں پر اپنے انوارات کی ہمیشہ بارش برساتا رہے۔

❀❀❀

(۲)

حکیم الامت تھانوی کے علمی جانشین

۱۸۵۷ء کے جہاد و معرکہ حریت سے لے کر استقلال و آزادیٔ برصغیر تک کا عہد مسلمانانِ ہندو پاک کی دینی و فکری تاریخ کا اس لحاظ سے ایک نہایت ہی اہم، تابناک اور درخشندہ باب ہے کہ اس دور میں برکو چک خصوصاً دہلی و دوآبہ (گنگ وجمن) اور خاص کر سرزمین دیوبند۔ دارالعلوم دیوبند سے دین و دانش، علم و عمل، اخلاص و تقویٰ، زہد و ورع، دعوت و ارشاد، سلوک و تصوف، جہاد و جانسپاری کی وہ بے مثال نابغۂ روزگار اور جہاں تاب ہستیاں پیدا ہوئیں جن کی نظیر قرونِ متاخرہ میں شاذ ہے، ان ائمہ و اکابر کے بے شمار خصائص و مزایا میں ان کی جامعیت، علوم منقولہ کی وسعت و عمق، علوم معقولہ کی مہارت اور گہرائی، علوم قرآنی میں بصیرت، علوم حدیث کا شغف اور بے نظیر تدریسی و تصنیفی خدمات، فقہ حنفی کا اشتغال اور فتاویٰ نویسی میں حقیقت بینی و دقیقہ رسی، حوادث مسائل و ضروریات جدیدہ کے شرعی حل کی عظیم الشان کاوشیں، فتنہ مظلمہ و الحاد و زندقہ کا کامیاب تعاقب و مقابلہ، طریق باطن کی علمی و تحریری، تجدیدی و عملی بے مثال مساعی اور شریعت و طریقت کی وحدت کا برملا اعلان و عملی ثبوت و نظائر، بدعات و رسوم باطلہ سے واضح برأت و مجادلہ، احقاق حق و ابطال باطل کے لئے پیہم جہد و کوشش، اسلام کی سرفرازی، اعلاء کلمۃ اللہ، مسلمانوں کی بقا و حفاظت اور ملک و ملت کی آزادی کے لیے جہاد مسلسل کے ساتھ للّٰہیت و خشیت، محبت الٰہی، طہارت و تقویٰ، زہد و ورع، عشق نبوت و اتباع سنت، خلق سے استغنا و بے خوفی، لومۃ لائم کی مدح و ذم سے بے نیازی، ہمت و جرأت، تدبر و ذہانت، قربانی و فدائیت، فتوۃ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وبطالت ایسے بدیہی کمالات ہیں جن کا انکار کوئی ذی ہوش اور منصف مزاج شخص نہیں کرسکتا کہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گرد لیلت باید ازوے رو متاب
أولئك آبائی فجئنی بمثلهم
اذا جمعتنا یاجریر المجامع

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ:

اس علمائے ربانین وائمہ ہدایت و بلانوشانِ محبت کے قافلہ کے ایک فرد فرید، گوہر یگانہ، سیدی و مولائی شیخ الکل حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نور اللہ مرقدہ ہیں۔ جن کے بارے میں فرید العصر سندی ومطاعی حضرت الشیخ سید الملۃ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

''حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و دینی فیوض و برکات اس قدر مختلف الانواع ہیں کہ ان سب کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں نہیں ہوسکتا اور یہی ان کی جامعیت ہے، جو ان کے اوصاف ومحامد میں سب سے اول نظر آتی ہے۔ وہ قرآن پاک کے مترجم ہیں، مجود ہیں، مفسر ہیں، اس کے علوم وحکم کے شارح ہیں، اس کے شکوک وشبہات کے جواب دینے والے ہیں۔ وہ محدث ہیں، احادیث کے اسرار ونکات کے ظاہر کرنے والے ہیں۔ وہ فقیہ ہیں، ہزاروں فقہی مسائل کے جوابات لکھے ہیں، نئے سوالوں کو حل کیا ہے، نئی چیزوں کے متعلق نہایت احتیاط کے ساتھ فتوے دیے ہیں۔ وہ خطیب تھے، خطبہ ماثورہ کو یکجا کیا ہے۔ وہ واعظ تھے، ان کے سینکڑوں وعظ چھپ کر عام ہو چکے ہیں۔ وہ صوفی تھے، تصوف کے اسرار وغوامض کو فاش کیا ہے، شریعت وطریقت کی ایک مدت کی جنگ کا خاتمہ کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کیا ہے۔ ان کی مجلسوں میں علم ومعرفت اور دین وحکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے اور یہ موتی جن گنجینوں میں محفوظ ہیں وہ ملفوظات ہیں، جن کی تعداد بیسیوں تک پہنچتی ہے۔ وہ ایک مرشد کامل تھے، ہزاروں مسترشد ومستفید

ان کے سامنے اپنے احوال وواردات پیش کرتے تھے جن کا مجموعہ تربیت السالک ہے۔ انہوں نے بزرگوں کے احوال وکمالات کو یکجا کیا اور اس ذخیرہ سے سب کو آشنا کیا۔ انہوں نے حضرات چشت کے احوال واقوال میں سے بظاہر اعتراض کے قابل باتوں کی حقیقت ظاہر کی اور اس کی تاویلات کیں، ان کی کتابوں کے خلاصے اقتباسات اور تسہیلات ان سے الگ کی ہیں، جن کی ترتیب ان کے مسترشدین نے دی ہے۔ وہ مصلح امت تھے، امت کے سینکڑوں مصائب کی اصلاح کی۔ رسوم وبدعات کی تردید، اصلاح رسوم اور انقلاب حال پر متعدد تصانیف کیں۔ وہ حکیم الامت تھے، مسلمانوں کے علاج اور نشاۃ واحیاء پر حیوۃ المسلمین وغیرہ رسائل تالیف فرمائے۔ غرض ان کی زندگی میں مسلمانوں کی کم کوئی ایسی مذہبی ضرورت ہوگی جس کا مداوا اس حکیم الامت رحمہ اللہ نے اپنی زبان اور قلم سے نہیں فرمایا اور جس کی وسعت کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر میں آسکتا ہے۔ ان کی تصنیفات ہندوستان کے پورے طول وعرض میں پھیلیں اور ہزاروں مسلمانوں کی فلاح وبہبود کا باعث ہوئیں، اردو اور عربی کے علاوہ، مسلمانوں نے اپنے ذوق سے ان کی متعدد تصانیف کا ترجمہ غیر زبانوں میں بھی کیا۔ چنانچہ ان کی متعدد کتابوں کے ترجمے انگریزی، بنگالی، گجراتی اور سندھی میں شائع ہوئے۔ ان کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں، آٹھ سو کے قریب ہے۔

علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں، جن کی تصانیف کے اوراق اگر ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیے جائیں۔ تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے ..... اس سلسلہ کا آخیر نام حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا ہے۔ تصانیف کا بیشتر حصہ اسلامی اور فقہی ہے اور کم تر کتب درس کے متعلق۔ تاہم دو چار درسی کتابوں پر بھی رسائل ہیں، مذہبی تصانیف میں علوم القرآن، علم الحدیث، کلام وعقائد، فقہ وفتاویٰ اور سلوک وتصوف اور مواعظ اکثر ہیں اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ ہے یعنی قرآن پاک، مولانا نے اس کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی۔ وہ بجائے خود ان کی ایک علمی کرامت ہے۔ کانپور کے زمانۂ قیام میں مطبع انتظامی میں تشریف رکھتے تھے۔ وہاں حبر امت، اولین مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا۔ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللّٰھُمَّ علمه الكتاب کی دعا دی تھی اور بشارت سنائی تھی، مولانا فرماتے تھے کہ اس رؤیا کے بعد سے میری مناسبت قرآنی بہت بڑھ گئی تھی اور یہ رؤیا اسی کی طرف ارشارہ تھا۔

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی بلکہ لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے۔'' (معارف اعظم گڑھ، ج: ۵۳، نمبر: ۲، ص: ۸۵ تا ۸۸)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلفاء:

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ان علوم بے کراں و فیوض حق رساں سے لاکھوں افراد بہرہ مند، ہزاروں فیضیاب، سینکڑوں باکمال بن کر نکلے۔ سو (۱۰۰) سے اوپر وہ خوش نصیب ہیں جو قبائے خلافت سے سرفراز ہوئے۔ بارگاہ اشرفیہ کے یہ مہر و ماہ اور تارے، ایک سے بڑھ کر ایک درخشندہ و روشن ہیں۔ ہر ایک اپنی شان علمی و عرفانی، محبوبی و دلستانی اور ظاہری و باطنی تابانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی علمی و ذہنی، اخلاقی و قلبی رفعتوں اور بلندیوں تک اس شکستہ بال و کوتاہ نظر کے خیال اور ادراک کے پر پرواز کی رسائی بھی ممکن نہیں۔ ان میں سے ہر ایک ہر رخ سے عربی کے اس شعر کا مصداق ہے:

يزيدك وجهه حسنا
اذا ما زدته نظرا

اس بزم کے بیسیوں باکمال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں دائرۂ علم، جامع فنون، مرکز فضیلت، منبع معارف و برکات، علوم عقلیہ و نقلیہ کے بیک وقت امام، ظاہر و باطن کے مجمع البحرین، تقویٰ و ورع کے آفتاب، مجمع الفضائل اور قدوۂ عالم ہیں جن کے بارے میں برملا کہا جا سکتا ہے:

ليس على الله بمستنكر
ان يجمع العالم فى واحد

اسی لیے ان میں سے کسی ایک کا حکیم الامت قدس سرہٗ کی علمی جانشینی کی طرف انتساب و انتخاب ایک ذوقی معاملہ ہے جس سے آسمان ولایتِ اشرفیہ کے کواکب نیرہ میں باہمی تفاضل و ترجیح مقصود نہیں صرف علمی مآثر و خدمات کی بنا پر ایک کو دگر نادان کی رائے کا اظہار ہے جس سے ہر ذی علم کو اختلاف کا حق و گنجائش ہے کہ

وللناس فيما يعشقون مذاهب

چنانچہ کتابوں کی کثرت، تصانیف کے تنوع، موضوعات و مضامین کی مماثلت، ذوق علمی کی ہم رنگی، میدان تحریر کی وحدت، مذاق و فکر کی طبعی مناسبت، بعض تالیفات میں اشتراک و تدوین نو کی خدمت، بعض میں ایسی تصنیفی نیابت کہ بے مہا! کہا جا سکے:

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد راگفت ہماں می گویم
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اس وجہ سے اس کم سواد و ہیچ مدان کی نگاہ میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی علمی جانشینی کی سعادت فقیہ الامت مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہٗ کے حصہ میں آئی ہے۔ اس شرف یابی و سعادت اندوزی کے سمجھنے کے لئے جو سراسر موہبت الٰہی و عطیہ ربانی ہے۔ حضرت مفتی رحمہ اللہ کا علمی پس منظر و ماحول، فکری نشوونما، حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے تعلقات وغیرہ کا جاننا ضروری ہے۔ اس لیے آپ کی کتابوں پر گفتگو کرنے سے پیشتر اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ابتدائی ماحول اور دینی نشوونما و تعلیم:

دنیا میں کم ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ جنہیں ماں کی گود اور بچپن میں ایسا پاک ماحول مل جائے جیسا حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو میسر آیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے اپنے الفاظ میں ہی اسے نقل کر دیا جائے۔ ارقام فرماتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''اسلام کے قرن اول سے لے کر آج تک ہر زمانے میں خلق اللہ کی تعلیم و تربیت اور اصلاح اعمال و اخلاق کے لیے علماء وصلحاء اور اولیاء اللہ کی مجلسیں نسخہ اکیسر ثابت ہوئی ہیں۔ احقر ناکارہ کو حق تعالیٰ نے ایک ایسے ماحول میں پیدا فرمایا جہاں شروع ہی سے ان مجالس کے تذکرے سنے، والدِ ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے مرید خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد اور سبھی اکابر دیوبند کی خدمت سے فیض یافتہ اور ان بزرگوں کا زندہ تذکرہ تھے۔''

اسی ماحول میں آنکھ کھولی، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے تذکرے سنے اور بچپن کے لاشعوری دور کی یہ باتیں بھی یاد ہیں کہ جب گھر میں کوئی فکر و پریشانی کی بات ہوئی تو گنگوہ کو دعا کے لئے خط لکھا جا رہا ہے۔ حضرت کے دعائیہ کلمات جواب میں آئے، تو سنائے جا رہے ہیں۔ یہ بھی سنتا تھا کہ میرا نام محمد شفیع بھی حضرت ہی کا تجویز فرمایا ہوا نام ہے اور جب قرآن مجید پڑھنے کے لیے مجھے مکتب میں بٹھایا گیا تو حضرت کو دعا کے لیے خط لکھا گیا۔ اس وقت حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی مجالس مرجع خلائق تھیں۔ مگر ان میں حاضری کا کوئی موقع ہی نہیں تھا۔ میری عمر آٹھ نو سال کی ہوگی جب ۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی وفات ہوگئی۔

بچپن دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں گزرا، جہاں ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر سے ''بڑے مولوی صاحب'' کا نام سنا کرتا تھا۔ اس وقت حضرت اور مولانا کے پُرتکلف الفاظ کا کہیں رواج نہ تھا۔ بزرگوں کی عظمت و محبت جان نثاری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ مگر شیخ الحدیث شیخ الکل حضرت شیخ وغیرہ القاب کا زبانی جمع خرچ جو بزرگوں کی عظمت و محبت کم ہونے کے زمانے میں شروع ہوا۔ اس وقت اس کا کہیں نام نہ تھا۔ بس ساری عمر عقیدت مندی کے صلہ میں ان کو بڑے ''مولوی صاحب'' کہا جاتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کا اسمِ گرامی حضرت مولانا محمود حسن ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ عرصہ کے بعد شیخ الہند کا لقب معروف ہوگیا۔

ایک روز سنا کہ آج بڑے مولوی صاحب کے ہاں بخاری شریف کا درس شروع ہو رہا ہے۔ تبرکاً

سب علماء وطلبا اس میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔ ہم بھی ساتھ لگ لئے اور بخاری شریف کا باب بدأ الوحی اور پہلی حدیث کا بیان سنا۔ اسی طرح ختم بخاری پر اجتماع ہوا۔ تو آخری حدیث کا بیان سنا اور اب یہ چسکا لگ گیا کہ ہر سال بخاری شریف کے شروع اور درس میں حاضری نصیب ہوتی، بچپن کا حافظہ تھا آج تک بعض بعض کلمات یاد ہیں۔ حالانکہ اس وقت حدیث تو کیا کسی بھی فن کا شعور نہیں تھا۔ فارسی، اردو، حساب، ریاضی کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان بڑے مولوی صاحب کی مجلس میں جو بعد عصر اپنے مکان پر ہوا کرتی تھی کبھی کبھی حضرت والد صاحب کے ساتھ حاضری ہونے لگی۔ اکابر علماء وصلحاء کا عجیب وغریب مجمع ہوتا تھا۔ ان کی باتیں تو کچھ پلے نہیں پڑتی تھیں مگر اس مجلس میں بیٹھنے کا ایک شوق بلا کسی سبب کے دل میں پیدا ہوگیا اور اب والد صاحب کی معیت اور بعد عصر کی قید بھی رخصت ہوگئی۔ جب منہ اٹھا وقت بے وقت حاضر ہوگیا۔ اکابر کی شفقت جو بچوں پر ہوا کرتی ہے، مجھے بھی نصیب ہونے لگی اور طالب علمی کے ابتدائی دور میں فارغ اوقات کھیل اور تفریح کے بجائے حضرت کی مجلس میں گذرنے لگے۔ [1] رمضان المبارک میں حضرت کا یہ معمول تھا کہ تمام رات نوافل یا تراویح میں قرآن شریف سنتے تھے۔ دو سال حق تعالیٰ نے اس میں بھی حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ میری عربی تعلیم کا ابتدائی دور جو ۱۳۳۰ھ میں شروع ہوا۔ اس وقت دارالعلوم کے ناظمِ تعلیمات بھی حضرت ہی تھے۔ اس لئے تعلیمی معاملات میں بھی آپ سے ہی مراجعت کی نوبت آنے لگی اور حضرت کی شفقت وتوجہ اور بڑھ گئی۔ ۱۳۳۰ھ میں میری تعلیم متوسط درجہ تک پہنچی تھی، ہدایہ وغیرہ کے اسباق تھے۔

۱۳۳۳ھ میں میں نے کوشش کر کے مشکوٰۃ وجلالین وغیرہ کے وہ اسباق پورے کر لیے جن کے بعد دورۂ حدیث کا نمبر آتا ہے۔ تمنا یہ تھی کہ اگلے سال حضرت شیخ کی قربت میں صحیح بخاری پڑھنے کا موقع مل

[1] ایک دوسری جگہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:
میرے والد محترم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ دارالعلوم کے مدرس تھے میں نے جب سے ذرا ہوش سنبھالا۔ والد صاحب مجھے مدرسہ لے جاتے تھے۔ اس طرح کھیل کود کا زمانہ بھی دارالعلوم ہی کے صحن میں گزرا ہے (مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱۰ ص ۵) یہ اس دارالعلوم دیوبند کا صحن تھا۔ جس کے بارے میں ایک بار خود راقم نے حضرت مفتی صاحب سے سنا کہ ہمیں دارالعلوم کا وہ زمانہ یاد ہے جب مہتمم سے لے کر ادنیٰ چپراسی تک صاحب نسبت بزرگ ہوا کرتا تھا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جائے گا۔مگر اسی سال رمضان سے یہ خبر سنی جانے لگی کہ حضرت کا ارادہ سفر حج کا ہے۔رفتہ رفتہ اس کی تیاریاں سامنے آگئیں،کوئی کہتا تھا کہ ہجرت کر کے جارہے ہیں،کسی کا خیال تھا کہ ترکی حکومت کی امداد کے لیے سفر ہے،ہم بڑی حسرت کے ساتھ یہ منظر دیکھتے رہے۔بالآخر حضرت ؒ حج کے لیے روانہ ہوئے اور عالمگیر جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ۱۳۳۴ھ پورا حضرت ؒ کا حجاز میں صرف ہوا۔احقر نے اس سال اپنا دورۂ حدیث اس امید پر ملتوی کیا کہ حضرت واپس آجائیں گے تو دورۂ حدیث ان کے سامنے ہوگا۔اس سال فنون کی بقیہ کتابیں لے لیں۔مگر بحکم قضاء وقدر ۱۳۳۵ھ میں اسیر ہوکر مالٹا جیل بھیج دیے گئے اور ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ۱۳۳۵ھ میں احقر کا دورۂ حدیث حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب ؒ کے سامنے ہوا۔ ۱۳۳۵ھ میں احقر کا دورۂ حدیث مکمل ہوکر تقریباً درس نظامی پورا ہوگیا۔چند فنون کی کتابیں باقی تھیں جو ۱۳۳۶ھ میں پوری ہوئیں۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تعلیم وتدریس،علمی تحقیقات کا شوق،کتب بینی سے دلچسپی،بحث ومباحثہ سب کچھ تھے۔مگر نظریں اس مجلس کو ڈھونڈتی تھی،جہاں دل کو سکون واطمینان ملتا ہے،جس کا ذوق حضرت شیخ الہند ؒ کی خدمت میں چند روزہ حاضری سے پیدا ہوگیا تھا۔اس وقت تھانہ بھون میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کی مجلسیں مرجع خلائق ہوگئی تھیں۔

حضرت ؒ کے علمی کمالات تصانیف کے ذریعہ اپنے علمی حوصلے کے مطابق کچھ معلوم تھے۔ہمارے گھر بہشتی زیور سب لڑکیاں پڑھ سکتی تھیں۔خانقاہ تھانہ بھون اور وہاں کی مجالس کا حال والد محترم سے سنا کرتا تھا۔حضرت کے دیوبند تشریف لانے کے وقت مجالس وعظ میں بڑی رغبت واعتقاد سے شریک ہوتا تھا۔والد صاحب ؒ نے ایک مرتبہ ہمارے گھر میں آپ کا وعظ کرایا تھا جس کے بعض کلمات ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔والد صاحب اگرچہ حضرت ؒ کے ہمعصر اور ہم سبق تھے۔مگر آپ کی بزرگی اور تقدس وتقویٰ کے بہت معتقد تھے۔والد ماجد دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔شعبان کے آخر میں آٹھ دس دن کی تعطیل ہوتی تھی۔ان کا معمول یہ تھا کہ یہ تعطیل حضرت گنگوہی ؒ کی خدمت میں گزارتے تھے۔

۱۳۲۳ھ میں ان کی وفات کے بعد بھی معمول یہ رہا کہ گنگوہ میں مزار پر حاضری اور پھر زندہ بزرگوں کی زیارت کے لیے رائپور تھانہ بھون وغیرہ کا سفر کرتے تھے۔ایک مرتبہ دونوں جگہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔رائپور میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہٗ کی پہلی زیارت حضرت والد صاحب ؒ ہی کی معیت میں ہوئی۔اسی طرح ایک مرتبہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری اسی لاشعوری دور میں والد صاحب کی معیت میں ہوئی۔اس حاضری میں حضرت کی زیارت اور بچوں پر شفقت کا دھندلا سا نقشہ نظروں میں ہے۔مگر اس وقت کی نہ کوئی بات یاد ہے نہ سنہ اور تاریخ۔(مقدمہ مجالس حکیم الامت)

ظاہر ہے کہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ جیسے ذہین اور سلیم الطبع بچہ نے ان نورانی مجالس، اقطاب زمانہ اور اولیاء اور ائمہ وقت علماء کے فیضان سے کیا کچھ نہیں اخذ کیا ہوگا۔جب کہ بزرگ ہمہ تن شفقت تھے اور بچہ کھیل کود کے فطری تقاضہ کو بھی چھوڑ کر انہیں کی مجالس کو اپنا ٹھکانہ بنائے ہوئے تھا۔وہ پاکیزہ اور پرانوار اثرات حضرت مفتی صاحب ؒ کے دل ودماغ میں رچ بس گئے اور وہی نقوش ان کے روحانی،قلبی اور علمی وذہنی ہیولیٰ پر مرتسم ہوگئے۔جس نے ان کی باقی زندگی کو تقویٰ وطہارت، اخلاص وبے نفسی اور علم وعمل کا قابلِ دید تقلید نمونہ بنادیا۔اس دینی اور روحانی ماحول میں آنکھیں کھولنے کے بعد جب تعلیمی سلسلہ شروع ہوا تو علم وفن کی ان نادرۂ روزگار ہستیوں سے شرفِ تلمذ نصیب ہوا جن کی شاگردی ہر باکمال اور دیدہ ور شخص کے لیے قابلِ فخر سرمایہ ہوسکتی ہے جو نہ صرف اپنے علم وفن میں امام تھے بلکہ ظاہر وباطن کے جامع اور مجموعہ فضائل وکمالات تھے۔جن فضلائے زمانہ اساتذہ سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے اکتساب واستفادہ علوم وفیوض فرمایا ان میں امام العصر رأس المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری ؒ،مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانی ؒ،حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ،حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب ؒ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب ؒ،سابق مہتمم حضرت مولانا محمد احمد صاحب بن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ،حضرت علامہ رسول خان صاحب ؒ،حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب ؒ دیوبندی،حضرت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ جیسی عظیم المرتبت اور پاکیزہ شخصیتیں شامل ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ابتدائی عربی صرف ونحو اور فارسی کی تمام مروجہ کتابیں اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ سے، قرآن شریف حافظ محمد عظیم صاحب سے، فن تجوید کے قواعد ضروریہ قاری محمد یوسف صاحب میرٹھی سے، حساب وفنونِ ریاضی اپنے چچا جناب مولانا منظور احمد صاحب سے دارالعلوم میں حاصل کئے تھے۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخلہ لیا اور ان علماء سے جملہ علوم وفنون میں سندِ فراغ حاصل کی جن کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے حدیث کے اساتذہ اور ان کی سندات کا مفصل تذکرہ اپنی عربی تصنیف "الازدیاد السنی علی الیانع الجنی" میں کیا ہے۔ (ص: ۳۴-۳۸) حضرت مفتی صاحب نے اطراف سنا کر حضرت حکیم الامت سے بھی صحاح ستہ اور مؤطا میں سند حدیث لی ہے۔

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے اساتذہ جس مقام کے تھے اور ان کے ساتھ جو تعلقات تھے اس کا اندازہ ذیل کے ایک اقتباس سے ہوجائے گا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ پر ایک مضمون کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

"احقر ناکارہ محمد شفیع نے عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں اپنے والد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمہ اللہ سے پڑھنے کے بعد ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخلہ لیا۔ تو جن اساتذہ کرام سے استفادہ کا شرف حق تعالیٰ نے عطا فرمایا، ان کی علمی قدر ومنزلت سے تو بہت بعد میں واقفیت ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے فن کا امام تھا۔ انہیں بزرگوں میں حضرت الاستاد العلامہ مولانا رسول خان صاحب بھی ہیں جن کی خدمت میں حاضری اور مختلف فنون کی بہت سی کتابوں میں تلمذ واستفادہ کا شرف حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ سلم العلوم، میر زاہد رسالہ مع غلام یحییٰ اور حمد اللہ شرح سلم منطق میں اور میبذی فلسفہ میں آپ ہی سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ حمد اللہ کا ابتدائی کچھ حصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ سے پڑھا تھا، پھر بقیہ حضرت علامہ سے مکمل کیا۔ ہدایہ اولین کا سبق

شروع میں حضرت قاسم العلوم والخیرات کے صاحبزادے اور دارالعلوم کے صدر مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں شروع ہوا تھا، پھر ان کو حیدرآباد کا سفر پیش آ گیا، تو کچھ حصہ کتاب الحج کا حضرت شیخ الاسلام مولانا عثمانی قدس سرہٗ سے پڑھا۔ پھر ان کو دوسرے مشاغل نے فرصت نہ دی تو بقیہ ہدایہ اولین بھی حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی۔ اصول فقہ میں حسامی احقر نے خصوصیت کے ساتھ مدرسہ کے اسباق کے علاوہ حضرت علامہ رحمہ اللہ سے ان کے مکان پر روزانہ حاضری دے کر پڑھی۔ حضرت علامہ کو اس ناچیز شاگرد پر بے حد شفقت وعنایت تھی۔ ضابطہ کی طالب علمی سے فارغ ہونے کے بعد انہیں اکابر اساتذہ کے آغوش میں رہنے سے کچھ اسباق تعلیم کے لیے احقر کے سپرد ہو گئے۔ انہیں کی شفقتوں وعنایتوں کے زیر سایہ درس وتدریس میں حق تعالیٰ نے ترقی عطا فرمائی۔ حضرت علامہ رسول خاں صاحب رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے ہر فن میں ایسا کمال عطا فرمایا کہ ان کے درس سے انسان فن کی حقیقت کو سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر علم وفن کی کتابیں گویا ازبر یاد تھیں، جب کسی کتاب کے کسی مسئلے میں آپ سے پوچھا گیا تو اس کا علم مستحضر اور جواب شافی پایا گیا۔ ان تمام کمالات کے باوجود مواضع شہرت سے بیگانہ، گوشہ نشینی کے عادی اور تواضع کے پیکر تھے۔" (سوانح حضرت مولانا رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی طبعی ذہانت، مسلسل محنت اور تعلیم کے انہماک نے ان کو اپنے ان بے مثل اساتذہ کی توجہ کا مرکز بنا دیا تھا۔ ان کی شفقت ومحبت خاص تھی۔ ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت مولانا حبیب الرحمان نے جو اس زمانہ میں دارالعلوم کے مہتمم تھے۔ انہیں ابتدائی تعلیم کے لیے استاد مقرر کیا۔ پھر بہت جلد درجۂ علیا کے استاد ہوئے۔ تقریباً ہر علم وفن کی کتابوں اور جماعتوں کو پڑھایا، دارالعلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک رہا۔ اس عرصہ میں ہزاروں اشخاص ان سے مستفید ہوئے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے تعلقات:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی وفات کے بعد حضرت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تھانوی ؒ قدس سرہٗ کی طرف رجوع کیا اور آپ کے دست مبارک پر تجدید بیعت کی، اس کا تذکرہ خود آپ کی اپنی زبانی سنیے:

''یوں تو احقر کو حکیم الامت سیدی مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ سے عقیدت ومحبت کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ احقر نے پوری طرح ہوش بھی نہ سنبھالا تھا۔ طفولیت کے لہوولعب موسمی مقاصد بنے ہوئے تھے، کیونکہ میرے والد ماجد ؒ حضرت گنگوہی ؒ کے مخصوص مرید اور تمام موجودہ بزرگوں کے بے حد معتقد تھے۔ بچپن ہی سے بزرگوں کے حالات اکثر سنایا کرتے تھے جس نے دل میں بزرگوں کی عظمت ومحبت کا نقش غیر محسوس طور پر کندہ کر دیا تھا۔ بالخصوص سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ساتھ چونکہ حضرت والد ماجد ؒ شریک درس اور اہم سبق رہے تھے اور بے تکلف تعلقات نوعمری کے زمانے سے تھے ان کے حالات وفضائل ومناقب اکثر بیان فرمایا کرتے تھے.....''

الغرض بچپن ہی سے حضرت کے حالات وفضائل سن کر دل میں عظمت ومحبت بحمد اللہ تعالیٰ قائم تھی۔ پھر کچھ ہوش سنبھالا تو گھر میں ''بہشتی زیور'' ''اصلاح الرسوم'' وغیرہ حضرت کی تصانیف پڑھیں اور دیکھیں ان سے اور بھی زیادہ عقیدت پیدا ہوگئی۔

احقر کی درسیات ۱۳۳۵ھ میں پوری ہوگئیں۔ درسیات سے فراغت کے بعد اب پھر یہ ولولہ دل میں تازہ ہوا کہ کسی شیخ سے تعلق قائم کرنا چاہیے۔ حضرت اقدس شیخ الہند کی اسارت ومفارقت اس وقت اور بھی زیادہ شاق وشدید محسوس ہوئی تھی مگر کوئی امر اختیار میں نہ تھا۔ اوقات خالی ضائع ہو رہے تھے۔ حضرت والد ماجد ؒ نے مشورہ دیا کہ بالفعل تم اس سلسلے میں حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہٗ سے تربیت وتعلیم حاصل کرو، پھر بیعت اپنی خواہش کے مطابق شیخ الہند کی واپسی کے بعد ان سے کر لینا۔

یہی قصد کر کے احقر سب سے پہلے بسلسلۂ تربیت ۱۳۳۶ھ میں تھانہ بھون میں حاضر ہوا اور بے کم وکاست یہی مضمون عرض کیا کہ میں نے حضرت شیخ الہند ؒ سے بیعت کی درخواست

کی تھی۔ حضرت نے فراغت از طالب علمی کے بعد وعدہ فرمایا مگر اب مالٹا میں تشریف رکھتے ہیں اور وقت خالی گذر رہا ہے۔ آپ سے اصلاح وتربیت چاہتا ہوں اس میں اگر بیعت ہونا ضروری ہو تو مجھے بیعت فرمالیں ورنہ جیسی رائے ہو۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بیعت تو حضرت کی واپسی پر انہیں سے کرنا، البتہ اصلاح واجبات میں سے ہے، اس میں دیر نہ کرو۔ مجھ سے جو کام ہوسکتا ہے میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ پھر فرمایا: اب میں بتلاتا ہوں کہ اس سلسلہ میں تمہارے ذمہ کیا کام ہوگا اور میرے ذمہ کیا۔ تمہارے دو کام ہیں: ایک اپنے حالات کی اطلاع، دوسرے اس پر جو مشورہ دوں اس کا اتباع۔ اور میرا کام یہ ہوگا کہ حالات کے مناسب جو عمل تمہارے لیے سمجھ میں آئے اس کا مشورہ دے دوں۔ پس خلاصہ تمہارے عمل کا دو لفظ ہیں: اطلاع واتباع۔ پھر حضرت اقدس نے کچھ تسبیحات اور معمولات کی تلقین فرمائی اور ضروری نصائح کے بعد رخصت فرمایا۔ واپس آکر کچھ روز اسی سلسلہ میں حضرت اقدس ؒ سے خط وکتابت رہی مگر بہت کمی کے ساتھ کہ اس وقت تک اس طرز سے کچھ دلچسپی کم تھی۔ کچھ تعلیم کا سلسلہ مدرسہ میں شروع کر دینے کے سبب اوقات زیادہ مشغول ہوگئے۔ اس کے بعد تھوڑے عرصہ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ تعالیٰ مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے۔ اب تو اپنی خواہش اور حضرت والا کی تجویز کے موافق حضرت کی خدمت میں رہنے لگ گیا۔ بیعت کے لیے درخواست کی تو فرمایا کہ جلدی ہی کر لیں گے، پھر ایک روز چند حضرات کی بیعت حضرت نے منظور فرمالی تھی اور بعد مغرب ان کو وقت دیا تھا، مجھے اطلاع ہوگئی میں بھی اس وقت پہنچ گیا۔ مسکرا کر فرمایا: تم بھی آگئے، بہت اچھا اور ناکارہ کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا.....

یہاں تک کہ رمضان ۱۳۳۹ھ میں حضرت اقدس (شیخ الہند) نور اللہ مرقدہٗ اس عالم ہی سے رحلت فرما گئے۔ حضرت کی وفات کا جو غم ساری دنیا کو تھا مجھ جیسے غلام کو زیادہ ہونا ناگزیر تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا غم یہ تھا کہ میں استفادہ سے محروم رہا۔ وفات کے بعد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک مدت تک تو طبیعت پر ایسی افسردگی رہی کہ کسی کام میں جی تھا، نہ کسی کام کی ہمت۔ اس کے بعد جب یہ حالت کچھ کم ہوئی تو اپنی فکر دامن گیر ہوئی اور اب پھر تھانہ بھون کا عزم کیا۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور حضرت حکیم الامت (قدس سرہٗ) سے میرے بارے میں توجہ فرمانے کی سفارش کردیں۔ والد صاحب کے ساتھ تھانہ بھون حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تصوف کا شوق تو مثل طبعی کے ہے لیکن کام کرنے کی فرصت نہ قوت۔ کیونکہ کچھ تو خلقۃً ضعیف ہوں کچھ کثرتِ مشاغل تعلیم وغیرہ سے گھرا ہوا ہوں، اس لیے میں اپنے سے مایوس ہوں کہ اس طریق میں کوئی قدم رکھ سکوں۔ حضرت والا نے بڑی شفقت سے فرمایا کہ تم سے یہ کس نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ صرف اقویا کے لیے ہے۔ ضعفاء کے لیے نہیں۔ پھر فرمایا کہ بزرگوں کا مقولہ ہے: ''طرق الوصول إلى الله تعالىٰ بعددانفاس الخلائق'' اور یہ بھی فرمایا کہ بحمداللہ کسی عطائی کی دوکان نہیں کہ ایک ہی دوا سب کو دے، ہم تم کو ایسے چیز بتلادیں گے جس میں نہ فرصت کی ضرورت نہ قوت کی۔ وہ صرف دو چیزیں ہیں: ایک تقویٰ کی پابندی، دوسرے لایعنی سے بچنا، خواہ لایعنی کام ہو یا کلام یا کوئی مجلس وغیرہ۔ پھر فرمایا: بتاؤ اس میں کون سا وقت خرچ ہوگا۔ بلکہ میرا مشاہدہ اور تجربہ یہ ہے کہ بہت سا وقت بچ جائے گا اور کچھ قوت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ فرائض وواجبات تو کوئی مشکل کام نہیں۔ نوافل تم پر میں لازم نہیں کرتا البتہ معاصی سے بچنا لازم ہے، سو اس میں کچھ تکان نہیں ہوتی اور نہ کسی فرصت کی اس میں ضرورت ہے۔ ایک دو روز احقر نے قیام کیا، بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ اس طرز تعلیم ومعاملہ شفقت نے میرے قلب کے گوشہ گوشہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محبت سے بھر دیا۔ یہ واقعہ غالباً ۱۳۴۲ یا ۱۳۴۳ھ کا ہے۔ اس کے بعد مسلسل خط وکتابت اور آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور تقریباً بیس سال حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری اور صحبت میں رہنے کی دولت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ مگر حضرت افسوس ہے کہ اپنی مثال وہی ہوگئی کہ

بارہ برس (بلکہ بیس برس) دلی میں رہے بھاڑ ہی جھونکا۔ حضرت کے کمال اور اس پر کمال شفقت میں کوئی تردد نہیں ہوسکتا لیکن اس کو کیا کہیے کہ

ما نداریم مشامے کہ توانست شنید
ورنہ ہر دم و زداز گلشن وصلت نفحات

(بزم اشرف کے چراغ، ص: ۹ تا ۱۴)

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے اپنے تعلقات کے بارے میں جو کچھ مجالس حکیم الامت کے مقدمہ میں لکھا ہے، وہ بھی قابل دید ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ملاقات:

آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد انہی کو اپنے شیخ کا قائم مقام سمجھتے اور ہر شعبان کے اواخر میں ان کی زیارت کے لیے تھانہ بھون تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ۱۳۲۳ھ میں آپ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے، یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی پہلی ملاقات تھی، جو نو سال کی عمر میں ہوئی۔

دوسری ملاقات اور یونانی فلسفہ پڑھنے کے لیے مشورہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آپ کی دوسری حاضری زمانہ طالب علمی میں ایک مشورہ کے لیے ہوئی جس کی تفصیل آپ نے ''مجالس حکیم الامت'' میں خود ہی قلم بند فرمائی ہے، فرماتے ہیں کہ:

''۱۳۳۲ھ میں جب احقر کی تعلیم میں یونانی فلسفہ کی کتاب میبذی کا نمبر آیا تو مجھے والد محترم سے سنی ہوئی بات یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مدارس عربیہ میں یونانی فلسفہ کی تعلیم کے خلاف تھی اور غالباً کسی وقت اس کے درس کو دارالعلوم کے نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا، اس وقت مجھے بھی تردد ہوا کہ یہ فن پڑھوں یا نہیں؟''

والد محترم حالانکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت رکھنے والے تھے مگر اس وقت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک دانشمندانہ فیصلہ یہ فرمایا کہ حضرت گنگوہی ؒ تو اس وقت دنیا میں نہیں۔ ان کے بعد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ کو آپ کا قائم مقام سمجھتا ہوں، اس لیے مناسب یہ ہے کہ تمہارے بارے میں ان کے مشورہ پر عمل کیا جائے، اسی مقصد سے مجھے ساتھ لے کر تھانہ بھون کا سفر کیا۔ میں اس طالب علمی کے دور میں حضرت حکیم الامت سے مکمل اعتقاد کے باوجود وہاں کی حاضری سے اس لیے ڈرتا تھا کہ دور دور سے یہ سنا کرتا تھا کہ حضرت کے یہاں بڑے قواعد وضوابط ہیں۔ خلاف ورزی پر ناراضی کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ والد صاحب ؒ کے حکم کی بنا پر ساتھ جانے کی ہمت کر لی۔''

آگے فرماتے ہیں:

''چونکہ والد صاحب ؒ حضرت کے ہم سبق تھے۔ بے تکلف ملاقات دیکھنے کے قابل تھی۔ والد صاحب ؒ نے پہلی ہی ملاقات میں فرمایا کہ اس وقت میرے آنے کا سبب یہ لڑکا ہے۔ میں آگے بڑھا، حضرت ؒ نے نہایت شفقت سے مجھے سینہ سے لگا کر سر پر ہاتھ رکھا۔ والد صاحب ؒ نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہاں آتا ہوا اس لیے ڈرتا تھا کہ یہاں ہمت قواعد وضوابط ہیں ان کی پابندی کیسے ہوگی۔''

حضرت ؒ نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ ''بھائی مجھے تو خواہ مخواہ لوگوں نے بدنام کیا ہے میں از خود کوئی قاعدہ ضابطہ نہیں بناتا۔ لوگوں کی غلط روش نے مجھے مجبور کر دیا کہ آنے والوں کو کسی وقت اور قاعدہ کا پابند کراؤں، ورنہ یہ تو مجھے کسی وقت ایک دفعہ اللہ کا نام بھی لینے نہ دیں۔ دوسرے کام اور آرام کا تو ذکر کیا۔ پھر فرمایا کہ ''تم تو میری اولاد کی جگہ ہو، تمہیں کیا فکر ہے جب چاہو آیا کرو اور میرے یہاں جو قواعد وضوابط ہیں ان سے مستثنیات اتنے ہیں کہ مستثنیٰ منہ سے بڑھ جاتے ہیں، تم بے فکر رہو۔''

حضرت کی اس شفقت اور لطف وکرم نے پہلی ہی مرتبہ میرے دل میں ایسا گھر کر لیا کہ وہاں سے لوٹنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ اس وقت تو نماز کا وقت تھا اور نماز ظہر کے بعد عام مجلس کا، اس

میں اللہ تعالیٰ نے شرکت نصیب فرمائی، شام کو حضرت والا نے خصوصی ملاقات کا موقع عنایت فرمایا تو والد صاحب ؒ نے میرے آنے کی غرض کا ذکر فرمایا۔

حضرت ؒ نے فرمایا: ہاں مجھے معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حضرت نانوتوی ؒ اور حضرت گنگوہی ؒ کی رائے میں اختلاف تھا، حضرت نانوتوی ؒ یونانی فلسفہ پڑھنے پڑھانے کے اس لیے حامی تھے کہ اسلامی عقائد سے دفاع انہی اصول وقواعد کی رُو سے کیا جا سکے، جو یہ فلسفہ پیش کرتا ہے اور حضرت گنگوہی ؒ کی نظر اس پر تھی کہ اس فلسفہ کے بہت سے نظریات اسلامی عقائد کے خلاف ہیں ان کو دینی مدارس میں درس کے طور پر پڑھنا دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا سبب ہو سکتا ہے۔

فلسفہ پڑھنے کی تلقین:

پھر فرمایا کہ ''دونوں بزرگ ہمارے متقدار اور پیشوا ہیں، ان میں سے جس کی رائے پر بھی کوئی عمل کر لے خیر ہی خیر ہے، لیکن تمہارے متعلق میرا مشورہ یہ ہے کہ تم ضرور اس فن کو پڑھو اور محنت سے پڑھو تا کہ اس کا بطلان تم پر خود واضح ہو جائے، مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ تمہیں وہ ضرر نہ ہوگا جس کا خطرہ حضرت گنگوہی ؒ کے پیش نظر تھا۔''

پھر فرمایا کہ ''ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اس وقت تمام مدارس اسلامیہ میں اس فن کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، اگر تم نے یہ فن نہ پڑھا تو فلسفہ جاننے والے علماء کے سامنے ایک مرعوبیت کا اثر تم پر رہے گا اور سمجھ کہ پڑھ لیا تو یہ مرعوبیت بھی نہ رہے گی اور ان شاء اللہ اس کے غلط نظریات کا بطلان تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا۔

''عمر کی یہ پہلی تعلیم تھی جو حضرت سے حاصل کی اور واپس آ کر میبذی کا سبق شروع کیا۔ پھر صدرا، شمس بازغہ وغیرہ فلسفہ کی تمام درسی کتب پڑھیں۔'' (مجالس حکیم الامت، ص: ۱۳ تا ۱۵)

حضرت مفتی صاحب ؒ نے ''احکام القرآن الحزب الخامس'' کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ احکام القرآن کا حصہ سورۃ الشعراء سے سورۃ حجرات تک میرے حصہ میں آیا کہ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خواہش کے مطابق قرآن کریم سے مذہب حنفیہ کے مسائل اجتہادیہ کے دلائل کو جمع کردوں۔ احکام القرآن، ج:۵، ص:۲ (افتتاحیہ ملخصاً) حضرت مرشدی ومولائی سید الملۃ نور اللہ مرقدہ احکام القرآن (دلائل القرآن علی مسائل النعمان) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا (تھانوی) رحمہ اللہ کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید شغف تھا وہ ظاہر ہے، ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن جصاص، رازی اور تفسیرات احمدیہ ملا جیون کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوق قرآنی سے ان آیات اور ان کے متعلق مباحث ودلائل کو یکجا کردیں، جن سے فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط واخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پاسکا۔ آخر میں یہ خدمت [1] انہوں نے اپنے مسترشد خاص مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ ان کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں۔ چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہوگئے۔ ابھی حال ہی میں جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے تو خانقاہ امدادیہ میں جاکر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے۔ مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکتے ان کو یاد آجاتے تھے۔ بیان فرماتے اور جناب مفتی صاحب رحمہ اللہ اس کو اپنے مقام پر آکر قلم بند فرمالیتے۔ مولانا عبدالباری صاحب ندوی ..... مفتی صاحب موصوف کے حافظہ کی تعریف کرتے تھے کہ مولانا سے سن کر اپنے مستقر پر پہنچ کر اسی طرح قلمبند کرلیتے تھے، جس طرح مولانا رحمہ اللہ نے اس کی تقریر فرمائی تھی۔ (معارف اعظم گڑھ، نمبر:۴، ج:۵۳، ص:۹۴-۹۷)

قرآنی علوم میں حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے استفادہ کے بارے میں مثالاً یہ اقتباس نقل کردیا گیا۔ حدیث کی سند ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ کو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ سے اطراف صحاح ومؤطا سنا کر حاصل کی۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کی سند کے الفاظ تبرکاً نقل کرتا ہوں:

بسم الله الرحمن الرحيم وبعد الحمد والصلوة فان اخى فى الله البصير السميع المولى الفاضل محمد شفيع اوصله الله من كل خير الى المقام الرفيع، قد عرض على أطراف الصحاح والمؤطا

[1] سورۂ شعراء سے سورۃ حجرات تک (اشرف)

برواية يحيىٰ ورواية محمد ليفوز ببركات السنه، وهو مفصل منى الى الجامعين فى رسالتى السبع السيارة التى هى احدى رسائلى الطيارة، ثم لما رأيته اهلاً لتقرير مبانى الاحاديث وهو فن التحديث والروية والتحرير معانيها وهو فن الفقه الدراية اجزته لتدريس تلك الصحف، ليحوم به حولها من الطلبة من لم يطف وادعو الله له وأطلب منه الدعاء ان يوفقنا لخدمة الشريعة البيضاء الى ان يعترينا الفناء وكان هذا السبع وعشرين من ذى القعدة سنة ١٣٤٨ من هجرة سيد الانام صلى الله تعالىٰ عليه وعلى اله الكريم واصحابه العظام، مادارت الليالى والايام وأنا احقر عباد الله العلام اشرف على التهانوى الحنفى حط عنه الآثام.

حضرت فقیہ الملۃ رحمہ اللہ کی تصنیفات، ان کے مزایا اور ان کا فقہی کمال:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد دوسو سے متجاوز ہے، جو تفسیر و حدیث، فقہ وتصوف، ادب وکلام، اصلاح معاشرت وغیرہ مختلف علوم پر مشتمل ہیں، بعض کتابیں ہزار ہا ہزار صفحات پر محیط ہیں اور بعض چند صفحات کی ہیں جنہیں موجودہ اصطلاح میں مقالہ یا مضمون کہا جاسکتا ہے۔ ہر کتاب مصنف کے عمق علم، معلومات کی وسعت، علمی دیانت وثقاہت واحتیاط کا نمونہ ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا قلم متین وسنجیدہ ہونے کے باوجود سبک رو، شگفتہ، سہل اور علمی گیراؤ وگہراؤ اور معلومات کا گنجینہ ہے۔ جس سے ہر سلیم الطبع قاری اپنے ذوق کی آبیاری کرسکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی تحریر میں نہ تو تھکا دینے والا اطناب پایا جاتا ہے، نہ تشنگی باقی رکھنے والا ایجاز، آپ کا کلک محتاط موضوع کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر ممکن مواد کو سمیٹتا ہوا علم وحکمت کا نور بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ آپ الفاظ کی شان وشوکت، مرصع ومسجع عبارت کے قائل نہیں لیکن جو کہنا چاہتے ہیں سلجھی اور نتھری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوئی پاکیزہ معیاری اور سہل زبان میں کہتے چلے جاتے ہیں۔ قاری اکتانے نہیں پاتا اور مصنف کا حسنِ اخلاص، مضمون سے لگن، موضوع سے وفاداری، علم کا گہراؤ، پیشکش کا سلیقہ اور وسعت مطالعہ اس کے دل و دماغ کو متاثر کرتا چلا جاتا ہے۔ آپ کی نگارشات سادہ اور سہل ہونے کے باوجود ادبی چاشنی سے خالی نہیں اور بعض مقامات پر سہل ممتنع کا حکم رکھتی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فطرتاً فقیہ النفس تھے۔ اس پر حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہٗ اور مجدد الملۃ حضرت تھانوی اعلی اللہ مقامہ جیسے نادرۂ روزگار اور فقید المثال فقہا اور صاحب فتویٰ بزرگوں کی صحبت و تعلیم و تربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔

اس وجہ سے دگر جملہ علوم متداولہ پر عبور اور تبحر رکھنے کے باوجود آپ کے اصل جواہر اور کمالات فقہ و فتاویٰ کی صدر نشینی میں کھلنے اور ان کے نام کا سابقہ لقب ہی تقدیر الٰہی اور زبانِ خلق نے ''مفتی اعظم'' بنا دیا۔ جو اس فقیہ کبیر و جلیل کے لیے عین حقیقت تھا۔ فقاہت دینی کے لیے جس وسعت علم (کتب فقہ کے جزئیات تک پر گہری نگاہ) دقت نظر، سلامتی ذہن، اصابتِ رائے، احتیاط و تیقظ، اساتذہ فن کی صحبت و تربیت، تقویٰ و طہارت، اخلاص و بے نفسی، عدل و انصاف، راست گوئی و حق کوشی، غیر جذباتی ٹھنڈی طبیعت، مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ سے واقفیت، ضروریات زمانہ اور احوال متعلقہ سے باخبری کی ضرورت ہے۔ وہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ ''فتوی نویسی'' کہنے کو ایک فن ہے لیکن یہ فتوی نویسی بغیر فقاہت کے ممکن نہیں اور فقاہت میں مہارت جملہ علوم پر گہری نگاہ اور تمام علوم دینیہ پر عبور کے بغیر ممکن نہیں۔ مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم حنفی بحر الرائق کے مقدمہ میں قدسی کی الحاوی سے نقل کرتے ہیں:

اعلم ان معنی الفقه فی اللغه الوقوف و الاطلاع وفی الشریعة الوقوف الخاص و هو الوقوف علی معانی النصوص واشاراتها دلالاتها ومضمراتها ومقتضیاتها والفقیه اسم للواقف علیه.

(بحر الرائق، ص:۷ مقدمہ)

تَرجَمَة: جاننا چاہیے کہ لغت میں فقہ کے معنی واقف ہونے اور اطلاع پانے کے ہیں اور

شریعت میں وہ ایک خاص واقفیت ہے جس سے نصوص شرعی کے معنی، اس کے اشاروں، جن باتوں پر وہ دلالت کرتے ہوں اس کے مضمرات اور جو ان کا اقتضا ہو، ان سب سے واقف ہونا ''فقہ'' کہلاتا ہے اور ان جملہ امور سے جو واقف ہو اسی کا نام فقیہ ہے۔

گویا ''فقاہت'' نصوص شریعت یعنی قرآن کریم جس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''لا تنقضی عجائبه'' (اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔) اور کنوز حدیث جن کے بارے میں دہانِ نبوت گویا ہے: ''بعثت بجوامع الکلم'' (مجھے جامع کلمات کے ساتھ مبعوث کیا گیا۔) کے نہ صرف ظاہری معنی پر ''وقوف'' ضروری ہے بلکہ اس کے اشارات، دلالات، مضمرات اور مقتضیات کا بھی گہرا اور وسیع علم ضروری ہے۔ نصوص شرعیہ سے استنباط اور مسائل کا استخراج ہر کہ و مہ کا کام اور ہمہ شما کی وسعت و دسترس میں نہیں۔ علوم قرآنیہ، علوم حدیث اور ان کے متعلقہ جملہ علوم کا گہرا علم ضروری ہے جس میں ادب و بلاغت اور جملہ علوم آلیہ آجاتے ہیں کہ اس کے بغیر تو قرآن و حدیث کے ظاہری معنی بھی کسی کے بس کی بات نہیں۔ پس مفتی کے لیے فقیہ ہونا ضروری ہے اور فقیہ کامل کے لیے علوم اسلامیہ کی وسعتوں اور گہرائیوں کو سمیٹنا ضروری ہے۔ حدیث شرف میں آتا ہے:

لا یقوم بین الله الا من احاط من جمیع جوانبه.

(کنز العمال، ج:۲، ص:۲۰ بحوالہ ابونعیم عن علی)

تَرجَمَة: ''دین کو وہی شخص (کاملا) قائم رکھ سکتا ہے جو اس کے تمام جوانب کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔''

پس فقیہ کامل کے لیے مفسر، محدث اور جملہ ''علوم اسلامیہ'' کا ماہر ہونا اور فقہ، اصول فقہ اور اس کے محتویات اور جزئیات کا گہرا علم رکھنا ضروری [1] ہے۔ ورنہ ہر قدم پر لغزش پا کا اندیشہ ہے۔ یا یوں کہیے

[1] روزمرہ کے عام فتاویٰ کا انحصار جن کتب فقہ و فتاویٰ پر ہے۔ عامی مفتی کے لیے وہ کفایت کر سکتا ہے۔ لیکن ایک ماہر و حاذق کامل مفتی و فقیہ کے لیے فقیر نے جو بات عرض کی ضروری ہے۔ (اشرف)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''کہ علوم قرآن وحدیث وفقہ توأمین ہیں۔ایک کے بغیر دوسرے کا عبور ناممکن ہے اور ایک میں بصیرت کے بغیر دوسرے میں حذاقت مشکل، قرآن وحدیث اصول ومنابع ہیں اور فقہ ان کے ثمرات ونتائج بلکہ قرون متاخرہ میں تو فقہ کے بغیر حدیث کا سمجھنا مشکل ہے۔اور حدیث میں مہارت کے بغیر قرآن دانی واہمہ ہے اور ان علوم تک رسائی کے لیے دگر متعلقہ علوم (ادب وبلاغت وکلام وغیرہ) کی ضرورت ہے۔ غرض فتویٰ نویسی وفقاہت کے لیے ایک کامل مفتی اور ماہر فقیہ کو جملہ علوم اسلامیہ پر عبور کی ضرورت ہے۔

مزید برآں موجودہ دور میں جب کہ نئے نئے مسئلے نئے نئے سوال سامنے آرہے ہیں۔ بقول حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہ مغربی تمدنی قوانین اور اسلامی فقہ اور احکام کے درمیان تطبیق اگر ممکن ہو اور قانون اسلامی کی ترجیح اگر تطبیق ناممکن ہو حد درجہ نازک لیکن ساتھ ہی حد درجہ ضروری کام ہے، اس کے لیے ایسے وسیع النظر اور محتاط مفتی اور دیندار علماء کی ضرورت ہے جو اس جوئے شیر کا حصول ممکن کردیں اور اسلامی قانون کی فوقیت، ابدیت، وسعت وآفاقیت کا دنیا سے اقرار کروالیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ جو طویل ہوگیا۔عرض کررہا تھا کہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ میں ''فقاہت'' اور فتویٰ نویسی کی صلاحیتیں کما حقہ موجود تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موصوف سے فقہ اور فتاویٰ کی جو محیر العقول خدمت لی اس کا اندازہ اس سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ دیوبندی مدرسۂ فکر کے فتاویٰ کا جو عظیم [1] الشان ذخیرہ منصۂ شہود پر آیا۔اس کے دو بڑے جلیل القدر فتویٰ نگاروں یعنی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس روحہ اور مولانا عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی تبویب وترتیب نو اور تدوین جدید حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ہوئی۔ دوسری طرف فتاویٰ کا ایک عظیم ذخیرہ جو دو لاکھ فتوؤں سے متجاوز ہے، حضرت کے قلم کا رہین منت ہے۔ اس میں بعض فقہی مسائل مستقل کتابچوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کا مجموعہ جواہر الفقہ کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوگیا ہے۔''حوادث ونوازل'' مسائل پر جس اصابت رائے، علمی دیانت، فقہی دقیقہ رسی، حالات حاضرہ سے باخبری، طریق سلف اور بزرگوں کی روش کی

[1] کاش یہ عظیم حنفی فتاویٰ کا عظیم ذخیرہ عربی میں منتقل ہوجاتا تو فتاویٰ عالمگیریہ کی طرح عالم اسلام بھی اسی سے مستفید ہوتا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے جانشینوں کے مقاصد میں یہ بات بھی رہے تو ان کا کارنامہ ہوگا۔(اشرف)

پیروی کا نمونہ پیش کیا ہے۔اور نصوص دینی اور شرعی تقاضوں کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے وقتی مصلحتوں پر ترجیح دی ہے۔ وہ سلف کی یاد تازہ کرتی ہے۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے جن فتاویٰ کو تبویب وترتیب جدید کے ساتھ شائع فرمایا ہے وہ امداد الفتاویٰ کے نام سے تین ہزار چار سو پینتالیس (۳۴۴۵) صفحات پر مشتمل چھ (۶) ضخیم جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہٗ کے فتاویٰ (عزیز الفتاویٰ) ترتیب جدید کے ساتھ مبوّب فتاویٰ دیوبند کی پہلی دو جلدوں پر محیط ہیں اور ''صفحات کی تعداد آٹھ سو سولہ (۸۱۶) ہے۔فتاویٰ دیوبند کی دو آخری جلدیں (امداد المفتین) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ان فتاویٰ کے ایک حصے پر مشتمل ہیں جو انہوں نے ۱۳۴۹ھ تک تیرہ سال میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کی حیثیت سے دیے۔ (کل فتاویٰ تقریباً چالیس ہزار تھے) یہ فتاویٰ آٹھ سو پچیس (۸۲۵) صفحات پر مشتمل ہیں۔

برادر مکرم جناب مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دام ظلہ امداد المفتین (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند آخرین) کے ان فتاویٰ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ آپ (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) کے قلم سے نکلے ہوئے قدیم وجدید تقریباً ایک لاکھ فتاویٰ میں سے تقریباً ایک ہزار کا مجموعہ ہے، جو منظر عام پر آیا ہے۔ باقی بہت بڑا ذخیرہ دارالعلوم دیوبند کے دفاتر میں، اسی طرح ایک عظیم ذخیرہ دارالعلوم کراچی کی پچیس جلدوں میں محفوظ ہے۔'' ان فتاویٰ کی حیثیت کے بارے میں تو کیا عرض کرسکتا ہوں صرف اتنا لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ اکابر علماء دیوبند اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے ان پر اعتماد فرمایا ہے اور ان فتاویٰ کی اشاعت سے پہلے حضرت مفتی صاحب نے اپنی تواضع اور احتیاط کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی سہارنپور اور بعض دیگر علماء سے بھی نظر ثانی کرائی اور ان کے مشوروں سے بعض اصلاحات بھی فرمائی ہیں۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ترجمہ المصنف، ص:۴۱)

آگے بڑھنے سے پیشتر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے قلم ہی سے پہلے عزیز الفتاویٰ اور پھر امداد المفتین کی تدوین کے متعلق کچھ سن لیجئے۔ارقام فرماتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یہ کتاب عزیز الفتاویٰ اس ذخیرہ فتاویٰ کی پہلی قسط ہے جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی استاذ العلماء، عمدۃ الاولیاء استاذ محترم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب عثمانی دیوبندی قدس سرہٗ کے قلم سے نکلے اور دارالعلوم کے رجسٹروں کی چودہ (۱۴) ضخیم جلدوں میں مدون ہوئے ہیں جن میں سے دو جلدوں کے فتاویٰ بحذف مکررات اس مجموعہ میں آئے ہیں۔ یہ فتاویٰ پہلی دفعہ ماہنامہ المفتی دیوبند میں ۱۳۵۳ھ سے ۱۳۶۱ھ تک قسط وار آٹھ جلدوں میں شائع ہوئے۔ احقر ہی نے اس کی ترتیب واشاعت کا اہتمام کیا تھا۔

(حضرت مفتی عزیز الرحمن کے قلم سے) ۱۳۱۰ھ ۱۳۴۵ھ تک پینتیس سال کی طویل مدت میں ہر باب کے متعلق تمام ضروریات اسلامیہ پر مشتمل ہزار ہا فتاویٰ تحریر میں آئے۔ دارالعلوم دیوبند کی مرکزیت وشہرت کی وجہ سے مہمات ومشکلات کا رجوع اس طرف ہوا اور جن مسائل کو علماء وارباب فتویٰ لاینحل سمجھتے یا باہمی اختلاف کی بناء پر طے نہ ہوسکتے وہ یہاں بھی بھیجے جاتے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا ہر جواب خداداد علمی قابلیت اور تفقہ فی الدین کا ایک خاص مظہر ہوتا تھا۔ اس لیے یہ مجموعہ فتاویٰ نہ صرف عوام کے لیے بلکہ علماء وارباب فتویٰ کے لیے بھی ایک نہایت مکمل رہبر ورہنما ہے جو دارالافتاء کی تیرہ چودہ ضخیم جلدوں میں محفوظ ومدون ہے لیکن چونکہ اندراج فتاویٰ کا حسب ترتیب سوال کیا جاتا ہے اور ابواب وفصول کی ترتیب اس میں قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کسی خاص فتویٰ کا اس عظیم الشان ذخیرہ سے نکالنا اور اس سے فائدہ اٹھانا متعذر ہوگیا تھا اور اسی بناء پر یہ علمی جواہرات کا دفینہ تقریباً بیکار رکھا ہوا تھا اور ضرورت تھی کہ اس کی ابواب فقہی پر ترتیب دی جائے تاکہ بوقت ضرورت ہر مسئلہ کا استخراج آسان ہوسکے۔

نیز کثرت سے مشاغل کی بنا پر اس نقل کی مطابقت اصل کے ساتھ نہ ہوسکنے کی وجہ سے تمام فتاویٰ، اغلاط کتابت سے لبریز ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس پر نظر ثانی کرکے تصحیح کی جاوے۔ اس ناکارۂ خلائق کو مدت سے یہ خیال تھا کہ استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عمر بھر کی کمائی جو گراں قدر علمی ذخائر پر مشتمل ہے اگر اس طرح مبوب اور مہذب ہوکر شائع ہوجاوے، تو اکابر دارالعلوم کی تجویز مطبوعہ روئیداد ۱۳۰۴ھ کے مطابق

عام اہل اسلام اور علماء واہل فتویٰ کے لیے ایک نہایت پیش بہا مفید ذخیرہ ہوجاوے اور حضرت ممدوح کا یہ صدقہ جاریہ کام میں لگ جاوے۔ اس کام کی اہمیت وکثرت اور ادھر اپنی علمی بے بضاعتی اور ہجوم مشاغل ہمیشہ اس پر اقدام کرنے سے روکتے تھے۔ تا آنکہ حق تعالیٰ نے المفتی کے نام سے ایک ماہوار رسالہ کے اجراء کی صورت بعض اکابر اور بہت سے احباب کے دل میں ڈالی۔ جس میں کام کی تدریج پر نظر کرکے ہمت بڑھی، تو بنامِ خدا تعالیٰ اس کام کو شروع کیا اور اس اشاعت میں جو امور بطور اصول موضوعہ زیر نظر رہے۔ وہ یہ ہیں:

1. جس قدر جلدیں موجود ہیں۔ ان کو ابتداء سے بترتیب سنین شروع کیا۔
2. ترتیب ابواب فقیہ پر رکھی جس کی فہرست ہر جلد کے شروع میں لگادی گئی۔
3. بالفعل ہر جلد کی ترتیب جدا جدا رکھی گئی۔ مثلاً ایسا نہیں کیا گیا کہ ابتداء سے ۴۵ھ تک کے تمام رجسٹروں سے کتاب الطہارت کے مسائل کا انتخاب کرکے ایک جگہ لکھا جائے۔ پھر اسی طرح کتاب صلوٰۃ وزکوٰۃ وغیرہ کیونکہ اس صورت میں طول بہت ہے۔ بلکہ ایک جلد سے طہارت کے مسائل کا انتخاب کرکے لکھ دیا گیا۔ پھر اسی جلد کے مسائل صلوٰۃ وزکوٰۃ وغیرہ لکھ کر مکمل کردیا گیا۔ اس کی تکمیل کے بعد دوسرے رجسٹر کو اسی طرح مرتب کیا گیا۔
4. ایک ہی مسئلہ اگر مکرر کئی جگہ آیا ہے تو مکررات کو حذف کردیا گیا۔
5. اغلاط کاتب کی اصلاح اگر بسہولت بدرجہ یقین ہوسکی تو صحیح کرکے شائع کردیا گیا اور جس مسئلہ میں صحت مشکل ہوئی اسے ترک کردیا گیا۔
6. بعض جگہ حسب ضرورت فوائد وحواشی کا اضافہ بھی احقر کی طرف سے ہوا۔
7. اگر کسی مسئلہ میں احقر کو علمی طور پر کوئی شبہ ہوا تو دوسرے اکابر کے مشورے کے بعد اس کی اشاعت یا عدم اشاعت کا فیصلہ کیا گیا۔

اصول مذکورہ کے تحت صرف دو رجسٹروں کے فتاویٰ ماہنامہ المفتی دیوبند کی آٹھ جلدوں میں شائع ہوئے تھے مگر ان میں تبویب وترتیب کا پورا اہتمام نہ ہوسکا اور قلت وسائل کے سبب تصحیح بھی پوری نہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوسکی، اغلاط کتابت سب رہ گئے۔ اب جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ میں اس کی طبع ثانی کے وقت برخوردار عزیز مولوی محمد رفیع مدرس دارالعلوم کراچی سے اس کی مکرر تصحیح کرادی گئی۔ وہ اس طرح کہ المفتی کی پوری آٹھ جلدوں کے سب فتاویٰ کو ابواب فقہیہ پر یکجا مرتب کردیا گیا اور کہیں کہیں حواشی کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

الغرض جب مفتی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ کی اشاعت کا خیال آیا۔ حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ سے بطور مشورہ عرض کیا۔ حضرت نے بہت پسند فرمایا اور اشاعت کی ترغیب دی۔ ساتھ ہی یہ مشورہ دیا کہ اپنے فتاویٰ کا ایک سلسلہ اس کے ساتھ شائع ہوتا رہے تو بہتر ہے اور میرے تحریر کردہ فتاویٰ کا نام بھی حضرت قدس سرہٗ نے امداد المفتین تجویز فرمادیا۔ کیونکہ خود حضرت رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا نام امداد الفتاویٰ رکھا جاچکا تھا، اور پھر خانقاہ تھانہ بھون میں جب فتاویٰ کا کام حضرت مولانا ظفر احمد مدظلہم کے سپرد ہوا تو ان کے فتاویٰ کا نام حضرت نے امداد الاحکام تجویز فرمایا، پھر مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلی نے جب خانقاہ میں فتاویٰ کا کام شروع کیا۔ تو ان کے سلسلہ فتاویٰ کا نام امداد المسائل رکھا۔ اسی سلسلہ امدادیہ کے تفاول کے ساتھ احقر کے محررہ مسائل کا نام امداد المفتین رکھا گیا اور ۱۳۵۴ھ میں بنام خدا تعالیٰ کے دونوں سلسلوں کی اشاعت شروع ہوگئی۔ حضرت الاستاذ مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ بنام عزیز الفتاویٰ اور احقر کے محررہ مسائل بنام امداد المفتین شائع ہونے لگے۔ آٹھ سال بحمداللہ یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں سلسلوں کی آٹھ آٹھ جلدیں تیار ہوگئیں۔ اس تمام سعی میں عزیز الفتاویٰ کی اشاعت تو اصل مقصود تھی اور اپنے فتاویٰ کو شائع کرنے سے میرا مقصود یہ تھا کہ اہل علم کی نظر سے گزریں گے تو اصلاح ہوجائے گی۔ چنانچہ اب جلد اول و دوم کی طبع ثانی کے وقت یہ دونوں جلدیں حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلی مفتی تھانہ بھون اور مولانا محمد سعید صاحب مدظلہم مفتی مظاہر العلوم سہارنپور کے لیے پیش کیں، حضرت مولانا محمد سعید صاحب مدظلہم نے کرم فرما کر بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا اور چند مواقع میں اصلاحی مشورے تحریر فرمائے۔ جو اپنی اپنی جگہ بطور حواشی کے ثبت کردیے گئے اور بعض مواقع میں ان کے مشوروں کے موافق اصل کتاب میں ترمیم کردی گئی اور یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ احقر کے کثیر التعداد

فتاویٰ پر حضرت (میاں جی) مولانا اصغر حسین محدث دارالعلوم بھی نظر فرماتے رہے اور اہم فتاویٰ میں سید حکیم الامت قدس سرہٗ کی نظر و اصلاح کا بھی شرف حاصل ہوا، مگر افسوس کہ کام کرنے کے وقت اس کا اہتمام نہ ہوسکا کہ ایسے سب فتاویٰ پر ان حضرات کے دستخط یا کم از کم ان کی نظر سے گزرنے کی کیفیت لکھ دی جاتی۔ بعض پر لکھی گئی بعض پر نہیں۔ بہرحال اب ان حضرات اکابر کی نظر و اصلاح کے بعد امید ہوگئی کہ یہ مجموعہ بھی ایک مفید مجموعہ ہوجاوے گا۔

"وما ذالك على الله بعزيز."

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی خدمات و تعداد و فتویٰ کی کثرت کے بارے میں مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب یہ تحریر بہت اہم ہے:

"آپ کے فتاویٰ کی جو چار جلدیں شائع ہوئی ہیں، وہ بارہ سال (جب کہ آپ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند تھے) کے مجموعی فتاویٰ کا پندرہواں حصہ بھی نہیں۔ اگر وہ سب فتاویٰ شائع کئے جائیں جو آپ نے اس تیرہ سالہ دور میں تحریر فرمائے تو وہ ساٹھ ضخیم جلدوں میں سما سکیں گے اور جو فتاویٰ اس زمانہ میں درج رجسٹر نہیں ہوئے (جن کی تعداد بہت ہے) وہ ان کے علاوہ ہیں۔ یہ سب اعداد و شمار تو صرف ان فتاویٰ کے ہیں جو آپ کے صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی حیثیت سے تحریر فرمائے ہیں۔ پھر اس کے بعد ۱۳۶۲ھ میں جب آپ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے، تو عوام و خواص کے بکثرت رجوع کے باعث اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ہدایت کی بنا پر افتاء کا سلسلہ اب بھی برابر جاری رہا، تحریری بھی اور زبانی بھی۔ افسوس ہے کہ ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۷۱ھ تک (نو سال کے عرصہ میں) جو فتاویٰ جاری کئے گئے، ان کی نقل رجسٹروں میں باقاعدہ محفوظ نہ جاسکی، نہ ان کی تعداد کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔"

۱۹۵۲ھ سے ۱۹۵۹ء تک آٹھ سال کی مدت میں دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے (حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے قلم سے) ستر ہزار نو سو بارہ فتوے جاری ہوئے، ان کے علاوہ مجلسی فیصلوں اور زبانی فتووں کی تعداد بے شمار۔ (بحوالہ جائزہ مدارس عربی مغربی پاکستان، فتاویٰ دیوبند، ج:۱، ص:۱۳-۱۴)

اس سے پہلے نو سال اور بعد کے سترہ سال کے فتاویٰ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وصال سے چند

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گھنٹے پیشتر تک یہ عالی خدمت جاری تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

مفتی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ کی اہمیت وقدر اکابر کی نظر میں:

حضرت مجدد الملۃ نور اللہ مرقدہ اس زمانے کے رئیس الفقہاء اور امام المفتین تھے۔ جس پر آپ کی فقہی کتابیں شاہد عدل ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کو فتاویٰ کے بارے میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا اعتماد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ کے لیے اس دور میں سب سے بڑی سند ہے۔ بارہا آپ نے متعدد خلفاء کی فقہی تحریروں اور فتاویٰ میں سب سے زیادہ پسند حضرت مفتی صاحب کی علمی تحقیق کو فرمایا۔ کئی بار اپنے ذاتی معاملات میں ان سے استفتاء فرمایا اور اس پر عمل فرمایا۔ ایک بار اس قسم کے ایک ذاتی معاملہ کے استفتاء کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ ملنے پر انہیں خط میں ارقام فرمایا: ''آپ کا فتویٰ ملا، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے، پڑھ کر دو خوشیاں ہوئیں: ایک تو اس کی کہ علم حاصل ہوا، دوسری اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔'' حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے فتاویٰ اور فقہی رسائل پر تصویب اور تعریف کی عبارات کئی مقام پر ملتی ہیں۔ تطویل کا اندیشہ ہے اس لیے مختصر تین عبارتیں نقل کرتا ہوں:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ ''نہایات الادب فی غایات النسب'' پر مستقلاً تقریظ ''عمل السبب فی فضل النسب'' کے نام سے تحریر فرمائی، اس کے صرف چند جملے فخر ومباہات کے لیے کافی ہیں۔ ارشاد ہے: ''چنانچہ مولوی صاحب نے یہ رسالہ لکھ کر میرے پاس بھیج دیا۔ مطالعہ سے اس کی نافعیت کا مشاہدہ کر کے بے حد مسرت ہوئی اور دعا دی۔ ہر چند کہ رسالہ کے کافی ووافی ہونے کے بعد کچھ لکھنے کی حاجت نہ تھی مگر چونکہ عنوان کے تفاوت سے بھی بعض اوقات نفع میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے چند سطریں بصورت فوائد متفرقہ کے لکھ کر اس وعدہ کو پورا کرتا ہوں کہ آپ رسالہ کو پورا کر لیں پھر میں اس کا تتمہ لکھ دوں گا۔ (جواہر الفقہ، ج:۲، ص:۱۸)

سمت قبلہ کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ایک فتویٰ کی تصدیق وتصویب پر یہ الفاظ رقم فرمائے: ''بعد الحمد والصلوٰۃ، میں نے اس فتویٰ کو دیکھا، مسئلہ زیر بحث میں کافی ووافی پایا، جس سے

میں حرفاً حرفاً متفق ہوں اور سہولت تعبیر کے لیے اس کو تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال ملقب کرتا ہوں۔''

آپ کے رسالہ ''وصول الافکار الی وصول الاکفار'' پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

''مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع ومانع ونافع رسالہ لکھا بعض اجزاء میں میں بھی الجھا تھا مگر ان کی تقریر وتحریر سے قریب مسئلہ صاف ہو گیا وہ عنقریب چھپ جائے گا۔ میں نے اس کا نام رکھا ہے: ''وصول الافکار الی وصول الاکفار''۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس فقہی بصیرت اور فتاویٰ پر اعتماد کی وجہ سے حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے بارہا کسی تصنیف کی ضرورت محسوس فرمائی اور مشاغل یا ضعف کی وجہ سے یہ کام نہ کر سکے تو اس تصنیف کا کام حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے سپرد فرمایا: مثلاً نہایات الادب، آلہ مکبر الصوت اور حیلۂ ناجزہ وغیرہ، اسی طرح احکام القرآن کا کام بھی دیگر علماء کے ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے حوالے فرمایا اور تھانہ بھون میں بلا کر اپنے پاس رکھا اور اپنی نگرانی میں یہ کام شروع کروایا اسی طرح بعض دیگر تصانیف میں ان کو کسی درجہ میں شریک فرمایا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ کی جلالت شان اور علمی مقام سے کون ناواقف ہے باوجود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے استاذ ہونے کے فتاویٰ کے بارے میں ان پر بھروسہ کرتے اور اس کام کو ان کے سپرد کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اگرچہ احقر کے استاد اور مربی تھے، مگر غایت تواضع سے فتویٰ کا کام احقر کے سپرد فرماتے تھے۔ اوزان شرعیہ پر آپ کا رسالہ شائع ہوا تو حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے تقریظ وتصدیق فرماتے ہوئے ارقام فرمایا: ''برادر محترم جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا یہ رسالہ میں نے پڑھا بے حد محظوظ ومستفید ہوا، اس قدر تحقیق وکاوش آپ ہی کا حصہ تھا۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دے، مجھے اس کے مضمون سے اتفاق ہے۔

سیدی وسندی حضرت سید الملہ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ اتفاقی سفر سے پاکستان تشریف لائے، قیام پاکستان کے سلسلہ میں کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا تھا، دونوں ملکوں کے عمائد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور مسلمان اپنے ملک میں اسی متاع گرانمایہ کو رکھنا چاہتے تھے، اس کشاکش اور کشمکش کا فیصلہ اس طرح ہوا کہ ایک دن فقیر اپنے حضرت والا قدس سرہ کی خدمت میں حاضر تھا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے، باتوں میں آپ کی ہجرت اور ہندوستان واپسی کا تذکرہ چل نکلا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: دارالاسلام آکر پھر ہندوستان جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ حضرت مفتی صاحب کی اتنی سی بات پر آپ کو پاکستان میں مستقل قیام اور ہجرت کے بارے میں شرح صدر ہوگیا اور پاکستان میں مستقلاً ٹھہرنے کا ارادہ فرمالیا۔ حضرت سید والا قدس سرہٗ کی نظر میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی فقہی رائے کی جو قدر تھی اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ اس طرح بندہ کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت والا رحمہ اللہ سے جمعیت علماء اسلام کی صدارت قبول کرنے کے لیے فرمایا۔ حضرت والا رحمہ اللہ نے اولاً انکار فرمایا۔ حضرت موصوف رحمہ اللہ کے اصرار پر فرمایا کہ جمعیت فلاں شخص کی ہر رائے کو خواہ صواب ہو یا خطا (اس کے اثر کی وجہ سے) قبول کرے گی، اس لیے صدارت قبول کرنا مشکل ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے اکابر کا مسلک یہ ہے کہ حق بات قبول کریں اور غلط کو رد۔ اس پر حضرت والا رحمہ اللہ خاموش ہوگئے گویا صدارت قبول فرمالی۔

رسالہ ''اوزان شرعیہ'' کی تقریظ وتصدیق کے سلسلہ میں رقم فرمایا:

''رسالہ مقادیر شرعیہ نظر سے گذرا، بڑی ضروری تحقیق فرمائی۔ آپ اجازت دیں تو اس کی تلخیص معارف میں شائع کردوں، میں خود اس میں بہت تردد میں تھا مگر چونکہ حساب سے مجھے فطرۃ لگاؤ نہیں اس لئے کبھی ادھر کبھی اُدھر میلان ہوتا تھا۔ مولانا سجاد صاحب مرحوم کی بھی تحقیق مولانا عبدالحئ صاحب فرنگی محلی سے مختلف تھی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے علاوہ دو بزرگوں کی رائے نمونۃً لکھ دی، ورنہ اس دور کے جملہ اساطین فقہاء اور مفتیان عظام حضرت مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ کی فقاہت اور فتاویٰ نویسی کی مہارت وکمال

پر متفق تھے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ غرض فقہ وفتاویٰ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت مفتی صاحب کے لئے جانشینی میں تو کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔

چونکہ بات چل پڑی ہے اس لیے فقہ وفتاویٰ نویسی کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض اہم اور ضروری تصانیف و رسائل کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اس فن شریف کی جس قدر خدمت کی توفیق عطا فرمائی تھی، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ عصر حاضر کے ایسے مسائل جو موجودہ معاشرتی، نظریاتی، تمدنی، سیاسی واقتصادی وغیرہ ضروریات نے پیدا کردیے اور جن کی تفصیلات کتب سلف میں نہیں ملتیں، ان پر آپ نے خامہ فرسائی فرمائی ہے اور بعض مضامین پر بار بار لکھا ہے، اگر نئی تحقیق سامنے آئی یا علماء نے توجہ دلائی تو علمائے ربانین کی طرح اپنی رائے سے رجوع فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ کے بے شمار فتاویٰ کے علاوہ آپ کی مستقل تصانیف، تحقیقی چند صفحات اور رسائل ہیں۔ صرف فقہ پر آپ کی تصانیف ایک سو کے قریب ہیں۔ جن میں سے بعض چند صفحات پر مشتمل ہیں تو بعض سینکڑوں صفحات سے متجاوز ہیں۔ شاید ہی زمانہ حاضرہ کا کوئی مسئلہ ہو جس پر فقیہ الملت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بصیرت کے مطابق اپنی رائے کا اظہار فرما کر دینی اور فقہی رہنمائی نہ فرمائی ہو۔ حق یہ ہے کہ بڑی بڑی اکادمیاں اس کام کے کرنے سے قاصر ہیں جو اس زاویہ نشین درویش بے گلیم نے اکیلے کر کے دکھادیا۔ ﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝﴾ [سورۃ یوسف] کاش امت مسلمہ کے تمام طبقات اور خصوصاً جدید طبقہ ان جواہر پاروں کو جانتا اور قدر کرتا۔ تو آج بعض نام نہاد زعماء اور زائغین کی کتابوں کی تلمیع انہیں حق صریح سے دور نہ کردیتی۔ و الی اللہ المشتکی وھو المستغاث.

یوں تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی فقیہانہ افتادِ طبیعت کی بناء پر ان کی اکثر کتابوں میں ان کا یہ رنگ جھلک پڑتا ہے لیکن جو کتابیں اور رسائل فتاویٰ دیوبند (امداد المفتین) کے علاوہ اہم ہیں ان کا اجمالی تذکرہ کرتا ہوں تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس بوریانشین فقیر نے امت کے خزائن علمی وفقہی کو کتنا گراں بار کیا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

② **احکام القرآن عربی:** حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کو مذہب حنفی سے جو شغف واشتغال تھا اس کا تقاضا جسے بعض ابنائے زمانہ کے حنفی مسلک کے بارے میں بے جا اعتراضات نے شدید کر دیا تھا، فقہ ومسلک حنفی کے ادلہ کو قرآن وحدیث سے مزید مدلل اور منقح کیا جائے، اس کے لیے حضرت نوراللہ مرقدہ نے علمائے کرام کی ایک جماعت کو مقرر فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تخصیص یہ تھی کہ انہیں اپنے ہاں بلوالیا اور سورۂ الشعراء سے سورۂ الحجرات تک کام سپرد کیا اور مسائل کے دلائل وغیرہ خود بھی بیان فرماتے تھے اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی جگہ پر آ کر انہیں ہو بہو قلمبند کر لیتے تھے۔ (کما قال مرشدی رحمہ اللہ) مزید برآں اپنی تحقیقات کے ساتھ انہیں ہر آیت کے ذیل میں جمع کرتے جاتے تھے۔ اس سے احکام القرآن کا وہ کارنامہ انجام پایا جس کو دیکھ کر انسان استعجاب وحیرت ومسرت کے جذبات میں گم ہو جاتا ہے۔ بعض آیات کے ذیل میں تحقیق کا استیفاء واستیعاب، مراجع کی کثرت، مصنف کی احتیاط وانصاف، فقیہانہ ژرف نگاہی ودقیقہ رسی، مواد کو سمیٹے ہوئے مستقل رسائل کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس کی داد وہی لوگ دے سکتے ہیں جن کا ان مباحث میں وقت گذرا ہو۔ مثلاً وَمِنَ النَّاس من یشتری لھو الحدیث کی تفسیر السعی الحثیث فی تفسیر لہو الحدیث کے عنوان سے ۴۸ صفحات پر دو مختلف فصلوں میں کی گئی ہے۔ پہلی فصل کا نام ''الناہی عن الملاہی'' اور دوسری فصل کا نام کشف العناء عن وصف الغناء رکھا۔ ان فصلوں کی وسعت وعمق، مذاہب اربعہ کے ادلہ کا استیعاب اور قول فیصل مصنف کے علم ووقوف و فقاہت کے بارے میں قاری کو مسرت آمیز حیرت میں ڈال دیتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ شاید اب کوئی مصنف اس پر اضافہ نہیں کر سکے گا۔ یہ علمی اعجوبہ پورے سو گھنٹے میں مکمل ہوا۔ (احکام القرآن، ج:۵، ص:۱۶۳ حاشیہ)

طوالت کا خوف قلم کو روکتا ہے ورنہ اس عجیب کتاب کے بعض ''روائع'' کو نقل کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ احکام القرآن جلد خامس وسادس (سورۂ شعراء سے سورۂ حجرات تک) میں تقریباً چار سو

[1] فقہی کتابوں میں پہلا نمبر فتاویٰ دیوبند وامداد المفتین کو دیا ہے۔

عنوانات کے تحت علوم ومعارف کا خزانہ جمع کر دیا گیا ہے جس کا اندازہ کتاب کے پڑھنے ہی سے ہوتا ہے۔ مثلاً سلیمان علیہ السلام کے بلقیس کو خط بھیجنے کی آیتوں کے تحت جن فوائد کی سرخیاں قائم کی ہیں ان سے کتاب کے مباحث کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے:

1. الحظ معتبر فی الدیانات۔
2. جواز ارسال الکتب الی المشرکین۔
3. رعایۃ الادب مع الملوک مندوب۔
4. من ادب الکتاب ان یختم اولیف فی لفافۃ۔
5. فائدۃ فی ان کتاب سلیمان فی ای لسان کان وفی ای خط۔
6. من السنۃ تقدیم اسم الکاتب علی اسم المکتوب الیہ فی الکتاب۔
7. السنۃ تقدیم بسملۃ علی مضمون الکتاب۔
8. یجوز دفع کتاب فیہ بعض آیات القرآن الی المشرک۔

(احکام القرآن، ج:۵، ص:۲۱۹)

حقیقت ہے کہ یہ کتاب اسلام کے فقہی وعلمی خزانہ کا ایک بیش بہا موتی ہے۔

③ **جواہر الفقہ:** دو جلدوں میں ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور اسم با مسمیٰ ہے، اس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے چوالیس نادر فقہی رسائل کو جمع کر دیا گیا ہے جو وقت کے اہم مسائل کے بارے میں عجیب وغریب محققانہ فقہی مباحث اور ان کے دینی احکام پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب کی فقہی بصیرت ودقیقہ رسی، علمی عمق اور وسعت فنی، وقوف وسمجھ پر دلیل قاطع وشاہد ساطع ہے۔ ہر رسالہ میں مسئلہ کو دلائل قویہ سے منقح ومدلل فرما کر اس کے شرعی حکم کو انتہائی وضوح کے ساتھ بیان فرمایا۔ شواہد اتنے واضح اور زبان اتنی شگفتہ ہے کہ قاری کے سامنے سے شک وریب اور اشکالات کے پردے اٹھ جاتے ہیں اور مسئلہ اپنی حقیقت کے ساتھ اپنے اصلی حکم میں جلوہ گر ہو کر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تسلی وتشفی کر دیتا ہے اور دل گواہی دیتا ہے:

ادھر وہ کہتا گیا ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

طوالت کا اندیشہ ہے، ورنہ ایک ایک موضوع پر تفصیلی بات کر کے اس کے مزایا کو بتایا جاتا۔ مجبوراً عنوانات اور مختصر تعارف پر اکتفا کرتا ہوں۔ قارئین عنوانات کے تنوع اور بوقلمونی ہی سے ''مجموعہ'' کی اہمیت اور وسعت ورنگارنگی اور مصنف کی جامعیت علم وفن پر عبور کا اندازہ کر لیں گے۔

1. **رسالہ وصول الافکار فی اصول الاکفار یعنی تکفیر کے اصول:**

اس رسالہ میں افراط وتفریط سے بچ کر کفر واسلام کا معیار بتایا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کیا کسی مسلمان کہلائے جانے والے شخص کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جاسکتا ہے؟ اور وہ کونسی گمراہیاں ہیں جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ مزید برآں اس ضمن میں چکڑالوی، مرزائی اور آغاخانی فرقوں کی صحیح دینی حیثیت بتائی گئی ہے۔ فقیر کے نزدیک امام العصر حضرت شیخ علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی اکفار الملحدین کے بعد اپنے موضوع پر دور حاضر کا انتہائی جامع مانع اور نافع بصیرت افزا رسالہ ہے جسے قدیم کے علاوہ جدید طبقہ کے ہر اس شخص کو پڑھنا چاہیے کہ جو کفر واسلام کی حدود اور تکفیر کا مسئلہ سمجھنا چاہتا ہے۔

2. تحذیر الانام عن تغییر رسم الخط من مصحف الامام **یعنی قرآن کا رسم الخط اور اس کے احکام:**

اس رسالہ میں مصحف عثمانی کے اتباع کے متعلق تمام ضروری احکام جمع کر دیے گئے ہیں۔ مزید برآں موجودہ دور میں مغربیت کے زیر اثر یا مقامی ان بولیوں کی وجہ سے جو بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں ان سوالات کے جوابات بھی آ گئے ہیں۔ کیا متن عربی جو مصحف عثمانی کے مطابق ہے، اسے اور کسی زبان کے رسم الخط میں وہ ٹال ہو یا ہندی رومن ہو یا کوئی

اور لکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا ایک صفحہ یا ایک کالم پر عربی متن قرآن کریم اور بالمقابل ترجمہ لکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ان امور میں یہ رسالہ موجودہ دور کے جہت سے اشکالات کا شافی جواب ہے۔

3. صیانة القرآن عن تغییر الرسم واللسان **کیا قرآن مجید کا صرف ترجمہ شائع کیا جاسکتا ہے؟**

اس مسئلہ کے بارے میں جو غیروں کی تقلید سے بعض مسلمانوں کے ذہن وعمل میں آنے لگا ہے، ائمہ اربعہ کے مذاہب کی روشنی میں وافی کلام کیا گیا ہے۔ رسالہ اپنے موضوع پر قابل دید ہے۔ آخر میں ''تنبیہ'' کے عنوان سے مضمون کا عطر ومغز پیش کر دیا ہے اور متجددین کے لیے سرمہ بینش اور آیت عبرت ہے۔

4. **مسئلہ تقلید شخصی:** گذشتہ سو ڈیڑھ سو سال سے یہ مسئلہ مقلدین اور غیر مقلدین میں معرکۃ الآرا نوعیت اختیار کئے ہوئے ہے، سلف سے اس کے بارے میں مستقل رسائل لکھے جانے کا اہتمام رہا ہے۔ اپنے استاذ حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ کے تقلید کے بارے میں چند پیش کردہ سوالات کا جواب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں دیا تھا۔ طالب علمی کی یہ تحریر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ''استاذی'' اور ''پختہ کاری'' کی دلیل یا ہدایت ''نہایت'' کی طرف مشیر ہونے کا واضح ثبوت ہے، چند بعد کی تحریریں اور حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ایک خط اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے چند افادات علمیہ بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔ رسالہ بڑا دلچسپ اور بصیرت افزا اور تقلید کی اہمیت پر برہان ساطع ہے۔

5. اتمام الخیر فی الافتاء بمذهب الغیر **دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کے حدود**

اصل میں اہل علم اور اہل فتویٰ کی رہنمائی کے لیے اس موضوع پر عربی میں ایک یادداشت ہے جس کے آخر میں مراجع کے حوالے دے دیے گئے ہیں کہ اگر کوئی متدین اور راسخ العلم عالم اس نہایت نازک اور اہم موضوع پر لکھنا چاہے۔ تو حدود قیود کی رعایت کے ساتھ وہ اس مسئلہ کی شرائط کو واضح

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کر سکے۔اہل علم کے لیے یہ یاداشت بہت کارآمد ہے۔کاش اہلِ علم میں سے کوئی شخص اس کام کو سنبھالے اور آگے بڑھائے،بانی اول کے لیے صدقہ جاریہ کے ثواب کے ساتھ ''نوازل و حوادث'' کے اس دور میں امت کی صحیح رہنمائی کرے۔

6 **فتویٰ جماعت اسلامی:** جناب مودودی صاحب اوران کی جماعت کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا آخری فتویٰ ہے۔مودودی صاحب کے عقائداور کتب پر پچھلے چالیس سال سے مختلف علمائے محققین نے لکھا ہے۔مودودی صاحب نے انبیاء علیہم السلام صحابہ کرام اور سلف صالحین کو جس طرح اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔وہ ہر دردمند مسلمان کا سینہ چھلنی کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہمارے حضرت الاستاذ علامہ سید محمد یوسف البنوری نوراللہ مرقدہ کے آخری عمر کے رسالہ ''الاستاذ المودودی'' اس بارے میں حرفِ آخر ہیں۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنے انتہائی نرم ومصالحانہ مزاج ومحتاط رویہ کے باوجود اپنے قلبی کرب کو روک نہیں سکے اور اپنی آخری فقہی رائے کا اس فتویٰ میں اظہار فرمادیا۔کاش مودودی صاحب عمر کے اس آخری دور میں کسی ''ناصح مشفق'' کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی غلطیوں کا اعتراف اور اعلانِ حق کردیتے کہ وَالْحَقّ احق ان یتبع.

7 **پیرومرشد کا فقہی اختلاف:** یہ ایک خط اور اس کا دیباچہ ہے جس میں حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ایک مسئلہ کے بارے میں ایک دوسرے کی رائے سے علمی وجوہ کی بنا پر شرح صدر نہ ہونے،حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی بے نفسی اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا شیخ کے آداب کی رعایت کے ساتھ مسئلہ میں اختلاف کا تذکرہ ہے جو آج کل کے زائغین اور ناقدین کے لیے سرمہ بصیرت ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ ادب واحترام کی جملہ حدود قیود کو باقی رکھتے ہوئے بھی اہل علم کے درمیان اختلاف ہوسکتا ہے۔

8 تعدیل الهادی فی تقبیل الایادی: **دست بوسی اور قدم بوسی**

اس رسالہ میں پہلے حضرت شیخ محمد عابد سندھی کے ایک مقالہ جو اس عنوان پر ہے کی تلخیص کی گئی ہے،پھر نصوص اور اقوال فقہا سے اس بارے میں اقتباسات جمع فرما کر بے نظیر تحقیق کی گئی ہے،رسالہ کا

سبب کتابت بھی عجیب ہے اور رسالہ بھی عجیب وغریب اور مسئلہ میں قول آخر واحوط۔

9 **مروجہ سیرت کمیٹی اور اس کی شرعی حیثیت:** موجودہ دور میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ''سیرت'' کے نام پر بدعات کا جو شیوع ہورہا ہے،اس بارہ میں قابلِ دید رسالہ ہے۔

10 **مروجہ صلوٰۃ وسلام کی شرعی حیثیت:** یہ ایک استفتاء کا جواب ہے جس میں بعض طبقات کے گھڑے ہوئے درود وسلام کے طریقوں کی نکیر اور اس بارے میں صحیح عقیدہ اور طریقہ بتایا گیا ہے،بڑا مفید رسالہ ہے۔

11 **مساجد کی نئی شکلیں اور ان کے مفاسد:** اس رسالہ میں ایک استفتاء کا جواب ہے جس میں مساجد کی اسلامی ہیئت کے باقی رکھنے اور یہود ونصاری کے معابد اور دیگر ایسی ہیئتوں سے روکا گیا ہے جو مفاسد پیدا کرنے والی ہوں۔

12 تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال **سمت قبلہ:**

سمت قبلہ کی شرعی حیثیت اور سمت معلوم کرنے کے طریقے کے بارے میں ایک معرکۃ الآرا مقالہ ہے جن کے ساتھ بعض دیگر حضرات کی تحریریں بھی شامل ہیں۔مشرقی صاحب کے قبلہ کے بارے میں مغالطوں کا بھی خوب رد آگیا ہے۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی ریاضی وہیئت دانی کا بھی بہترین نمونہ ہے،ضمیموں کے ساتھ اسی صفحات پر مشتمل ہے۔

13 رفع الملامة عن القیام عند اول القیامة:

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟اقامت نماز کے وقت امام اور مقتدی شروع اقامت کے وقت کھڑے ہوں یا بعد میں مؤذن کے کس کلمہ پر؟ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے،دونوں طریقے شرعاً جائز ہیں،افضل اور اولیٰ ہونے میں اختلاف ہے بعض حلقوں نے اس مسئلہ کو بھی مابہا النزاع بنالیا۔حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ادلہ حدیث وفقہ سے اس کا محققانہ ومنصفانہ فقہی فیصلہ لکھا ہے جو ہر طبقہ کے دیکھنے اور عمل کرنے کے لائق ہے۔

14 رفع التضاد عن احکام الضاد: **حرف ضاد کا صحیح مخرج اور اس کے احکام**

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حرف الضاد کا صحیح مخرج کیا ہے؟ ظاء کے مشابہ ہے یا ''دال'' کے، اہل عجم کے لیے چونکہ اس کا تلفظ خاصا مشکل ہے اس لیے یہ مسئلہ صدیوں سے بحث کا موضوع بنا رہا ہے کہ کیا اہل عجم اگر صحیح تلفظ نہ کریں یا نہ کرسکیں تو اس کا کیا حکم ہے اور کیا صحیح مخرج کے ادا نہ کرنے سے نماز ہوگی یا نہیں۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے علامہ آلوسی کا روح المعانی سے ایک فتویٰ نقل کرنے کے بعد اپنے معلوم تفقہ اور ژرف نگاہی سے اس پر سیر حاصل اور مدلل بحث کی ہے اور آخر میں خلاصۂ فتویٰ نقل کر دیا ہے۔ چونکہ ہر نماز میں ضاد کا تلفظ ہوتا ہے اور اس کی ضرورت شدیدہ ہے، اس لیے اسے نقل کئے دیتا ہوں تحریر فرماتے ہیں:

خلاصۂ فتویٰ: الغرض صرف ضاد اپنے مخرج وصفات کے اعتبار سے ظاء خالص اور دال پُر دونوں سے بالکل جدا اور ایک مستقل حرف ہے، اس کو جس طرح دال سے بدل کر (عوام کی طرح) پڑھنا غلطی ہے اسی طرح ظاء خالص سے بدل کر (بعض قراء زمانہ کی طرح) پڑھنا بھی غلطی صریح ہے لیکن فساد نماز کے بارے میں فتویٰ اس پر ہے کہ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے باوجود قادر بالفعل ہونے کے ایسا تغیر کرے کہ ضاد کی جگہ دال یا ظاء خالص پڑھے تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر بوجہ ناواقفیت اور عدم تمیز ایسا سرزد ہوجائے اور وہ اپنے نزدیک یہی سمجھے کہ میں نے حرف ضاد پڑھا تو نماز صحیح ہوجائے گی جس کا حاصل یہ ہوا کہ عوام کی نماز تو بلا کسی تفصیل وتنقیح کے بہرحال صحیح ہوجاتی ہے خواہ ظاء پڑھیں یا دال زاء وغیرہ کیونکہ وہ قادر بھی نہیں اور سمجھتے بھی یہی ہیں کہ ہم نے اصلی حرف ادا کیا ہے اور قراء مجودین اور علماء کی نماز کے جواز میں تفصیل مذکور ہے کہ اگر غلطی قصداً یا بے پروائی سے ہو تو نماز فاسد ہے اور سبقت لسانی یا عدم تمیز کی وجہ سے ہو تو جائز وصحیح ہے۔ (تنبیہ) لیکن نماز کے جواز وعدم فساد سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بے فکر ہوکر ہمیشہ غلط پڑھتے رہنا جائز ہوگیا اور پڑھنے والا گناہ گار بھی نہ رہے گا، بلکہ اپنی قدرت وگنجائش کے موافق صحیح حروف پڑھنے کی مشق کرنا اور کوشش کرتے رہنا ضروری ہے ورنہ گناہ گار ہوگا۔ اگرچہ نماز فاسد نہ ہو (جواہر

الفقہ، ج:۱، ص:۲۳۸، ۲۳۹) یہ رسالہ دگر علماء کے فتاویٰ کے ساتھ ۲۰ صفحہ پر مشتمل ہے۔

15 **الاعجوبہ فی عربیۃ خطبۃ العربیہ۔ خطبہ جمعہ عربی زبان میں کیوں ہے؟**

جدید طبقے کے ژولیدہ دماغ کی ایک سوچ یہ بھی ہے کہ خطبہ جمعہ ملکی زبان میں ہونا چاہیے، اس رسالہ میں اس کا کافی وشافی جواب ہے۔ رسالہ کی اہمیت کے لیے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی تقریظی الفاظ کافی ہیں: ''بعد الحمد والصلوٰۃ میں نے رسالہ مؤلفہ جامع کمالات علمیہ مولانا محمد شفیع صاحب مدرس ومفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند دام فیضہ، نہایت شوق ورغبت سے دیکھا، بے حد پسند کیا، بلاتکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع پر بے نظیر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور شبہات کا دافع فرمادے۔

16 **قنوت نازلہ، دعا کا طریقہ اور متعلقہ مسائل:**

17 **احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ:** مختصر رسالہ دس صفحات پر مشتمل ہے اور عامۃ الناس کے فائدہ کے لیے لکھا گیا ہے۔

18 **حکم الاسقاط فی حیلۃ الاسقاط:** میت کی فوت شدہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے واجبات کی ادائیگی یا کفارہ کس طرح ادا کیا جاسکتا ہے جس سے وہ گناہ سے سبکدوش ہوجائے، اس سلسلہ میں بعض علاقوں میں مروجہ حیلہ اسقاط کا مدلل شرعی رد کیا گیا ہے اور فدیہ نماز وروزہ وغیرہ کے صحیح مسائل واحکام درج کیے گئے ہیں۔ صوبہ سرحد کے دیہی علاقوں میں اس رسالہ کی اشاعت کی بہت ضرورت ہے۔

19 **رؤیت ہلال کے شرعی احکام:** یہ مختصر رسالہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، علامہ محمد یوسف بنوری رحمہما اللہ اور مفتی رشید احمد صاحب کے اشتراک سے امت کو اس مسئلہ کے بارے میں انتشار سے بچانے کے لیے لکھا گیا، حکومت اور عامۃ الناس سب کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہے۔

20 ارجح الأقاویل فی الموازین والمکائیل. **اوزان شرعیہ:**

۳۸ صفحات کا یہ مقالہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی کاوش، تحقیق وفقاہت کا ایک عظیم و

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اہم اور قابل فخر شاہپارہ ہے، جس کی واداساطین نے دی ہے۔ اس مقالہ میں درہم، دینار، صاع، مد، ذراع، میل وغیرہ کی مکمل تحقیق اور مروجہ اوزان و پیمانوں کے مطابق ان کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔ ہمارے جدید ریاضی دان کاش ہمارے ان بور یانشین فضلاء کی ان محنتوں کو جانتے اور قدر کرتے۔

21 **احکام عیدالاضحیٰ وقربانی:** یہ مختصر سا رسالہ ہے جو عوام الناس کے فائدے کے لیے عشرۂ ذی الحجۃ کے فضائل، تکبیر تشریق، نماز عید، قربانی کے وجوب واحکام وغیرہ پر لکھا گیا ہے۔

22 **رفع التلاحی عن جلود الاضاحی:** چرم قربانی کے احکام اور بعض بریلوی علماء کے اس فتویٰ کے جواب میں ہے کہ چرم قربانی فروخت کردینے کے بعد بھی اغنیاء کو دینا جائز ہے۔ دلائل قویہ سے ثابت کیا ہے کہ چرم قربانی فروخت کرنے سے پہلے تو خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اغنیاء کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے اور فقراء ومساکین پر صدقہ بھی کرسکتا ہے لیکن اگر روپیہ پیسوں کے عوض فروخت کردیا تو خواہ کسی نیت سے فروخت کیا ہو، اس کو صدقہ کردینا واجب ہوجاتا ہے اور اس کا مصرف صرف فقراء و مساکین ہیں، اغنیاء کو دینا یا ملازمین ومدرسین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں۔'' ج:۱، ص:۴۵۷

23 اليواقيت فى أحكام المواقيت. **یعنی مواقیت احرام اور ان کے مسائل:**

اس رسالہ میں مواقیت کے بارے میں علمی وفقہی دلائل کے ساتھ حدود حرم میں داخل ہونے والوں کے لیے احرام باندھنے کے مقام کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشرق (ہندو پاک) سے ہوائی جہاز میں آنے والوں کو تو جہاز پر سوار ہوتے ہی احرام باندھ لینا چاہیے۔ بحری جہاز والے اگر یلملم کے محاذات سے باندھ لیں تو بہتر ہے۔ حضرت الاستاذ علامہ بنوری نور اللہ مرقدہٗ کی بھی یہی رائے ہے اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بھی احتیاط اسی میں ہے، تفصیلات رسالہ میں دیکھی جاسکتی ہیں، رسالہ اپنے موضوع پر خوب ہے۔

24 منهج الخير فى الحج عن الغير. **حج بدل اور اس کے احکام:**

اس رسالہ کا اصل موضوع یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا قران یا تمتع کرسکتا ہے یا نہیں؟ ذیل میں دوسرے مسائل بھی جمع کردیے گئے ہیں۔ حاصل فتویٰ ایک کلیہ ہے جہاں تک ممکن ہو حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے۔ بعض مجبوریوں میں تمتع کی بھی گنجائش ہوسکتی ہے۔

25 **عائلی قوانین پر تبصرہ:** یہ رسالہ صدر ایوب مرحوم کے دور اقتدار میں نافذ ہونے والے ان غیر شرعی عائلی قوانین پر دینی اور فقہی لحاظ سے ہمدردانہ گرفت ہے جس میں یتیم کے پوتے کی میراث، تعداد ازواج، طلاق، صغرسنی کا نکاح، نکاح کا رجسٹریشن وغیرہ پر بڑی علمی، فقہی اور عقلی بحثیں آگئی ہیں اور ان رسوائے زمانہ قوانین کی شناعت واضح ہوگئی ہے اور پھر متبادل تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ کاش اہل حکومت علمائے ربانین کی انہی مخلصانہ سفارشات کو مان کر امت کو غیر دینی قوانین کے ظلم سے بچاتی۔ رسالہ ہر قانون دان اور موضوع سے دلچسپی رکھنے والے کے لیے پڑھنے کے لائق ہے۔

26 **نابالغہ کے نکاح میں سوء اختیار:** یہ فتویٰ اس مسئلہ کے بارے میں ہے کہ باپ نے بچی کے مصالح کا خیال رکھے بغیر نکاح کردیا ہو تو اس کے فسخ کی کیا صورت ہے۔

27 نهايات الارب فى غايات النسب: **اسلام اور نسبی امتیازات:**

یہ نسبی احکام کے بارے میں ایک اہم رسالہ ہے جس میں تین عنوانات پر علمی اور دینی بحث کی گئی ہے: ① نسباً مساواتِ اسلام کی حقیقت اور انساب اور پیشوں میں تفاضل۔ ② نسب پر تفاخر۔ ③ دوسرے انساب کی طرف جھوٹی نسبت کرنا۔ رسالہ موضوع پر عجیب و مفید معلومات کا ذخیرہ ہے، بعض کوتاہ فہموں نے رسالہ کے بعض عبارات کو نہ سمجھ کر شکایت کی تھی۔ اس کا جواب حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے ''رفع الغلط لدفع الشطط'' کے نام سے لکھا، وہ رسالہ کے ضمیمہ کے طور پر ملحق کردیا گیا ہے۔

28 **حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج۔ مختلف المذہب زوجین کے احکام:**

یہ مقالہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تالیف ''الحیلۃ الناجزۃ'' کا ضمیمہ ہے جو ان کے ارشاد پر لکھا گیا۔ زوجین

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اگر مختلف المذہب ہوں یا ان میں کوئی مرتد ہوجائے۔ان کی مختلف صورتوں کے احکام بتائے گئے ہیں۔

29 اعلام السئول عن أعلام السئول **علم نبوی ﷺ کی تحقیق:**

حضور انور ﷺ کے جھنڈے کے بارے میں بعض عصری سوالات کا جواب اور جھنڈے کی تحقیق ہے۔

30 طريق السداد فی عقوبة الارتداد. **مرتد کی سزا اسلام میں:**

اس محققانہ رسالہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیوں کے اس غلط دعویٰ کی تردید کی ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔

31 **شریعت اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات:**

اس رسالہ میں متحدہ ہندوستان کے حالات کے پیش نظر غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کی شرعی نوعیت اور حدود قیود بتائے گئے ہیں۔رسالہ بہت نافع وجامع ہے۔

32 وقاية المسلمين عن ولاية المشركين **ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی حدود شرعیہ:**

یہ رسالہ تحریک پاکستان کے زمانہ میں لکھا گیا،لیکن غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے سیاسی تعلقات میں جن فقہی مباحث پر مشتمل ہے اور جس تحقیق سے لکھا گیا،اس بنا پر دائمی اہمیت کا حامل ہے۔حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی عظمت کے علاوہ ان کی سیاسی بصیرت کا بین ثبوت ہے۔

33 نور السراج فی احکام العشر والخراج **عشر وخراج کے احکام:**

یہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب ''اسلام کا نظام راضی'' کا چھٹا باب ہے لیکن عشر وخراج کی حقیقت ومسائل کے بارے میں مستقل حیثیت رکھتا ہے،اپنی نوعیت میں خاصہ کی چیز ہے اور اس عنوان پر اسلامی اقتصادیات سے ہر دلچسپی رکھنے والے کے مطالعہ

کے قابل ہے۔

34 **انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت:** اپنے موضوع پر جامع ومانع اور نہایت مفید مباحث اور احکام پر مشتمل قابلِ دید مضمون ہے۔

35 **قانونِ اسلامی بابت پٹہ دوامی:** دوامی اجارہ کے بارے میں علامہ شامی اور دیگر فقہاء کی عبارتوں جو کہ اکثر مضطرب ہیں، کے مطابق کلام وتحقیق کرنے کے بعد اس مسئلہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔موروثی زمینداریوں اور پٹہ دوامی کے بارے میں خوب رسالہ ہے۔

36 **زمیندارہ بل:** غیر منقسم ہندوستان میں حکومت برطانیہ کی طرف سے زمینوں کی شخصی ملکیت کے خلاف ایک بل پیش ہوا تھا۔اس پر تنقید کے لیے یہ مقالہ لکھا گیا۔اس میں شخصی ملکیت کے بارے میں اسلام کے موقف کو واضح کیا گیا تھا۔دیگر علماء کے فتاویٰ بھی ضمیمہ میں شامل ہیں۔حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے یہ مختصر الفاظ آج بھی ہر مسلمان کے لیے اشتراکیت کے حوالے سے سرمہ بصیرت ہیں:

''افسوس اس کا ہے کہ مسلمان جن کے ہاتھ میں قرآن مبین کا وہ روشن نظام ہے بلاخوف و تردد کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کا امن چین اور ہر باشندۂ ملک کا اطمینان اگر ہوسکتا ہے تو صرف اسی کے ماتحت ہوسکتا ہے۔وہ بھی اس رو میں بہہ رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اشتراکیت کا اصول قرآن شریف اور تعلیمات نبی کریم ﷺ سے کھلی بغاوت ہے، جب شخصی ملکیت ہی کو جرم کہہ دیا تو پھر زکوٰۃ وصدقات اور حج واوقاف جن کا مدار ہی شخصی ملکیت پر ہے اور جن سے قرآن وحدیث بھرا پڑا ہے ان کا قصہ ہی ختم ہوجاتا ہے۔عبادات مالیہ کا سوال ہی پیدا نہیں رہتا۔اس اصول کی حمایت خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے کھلی بغاوت ہے۔

37 إباحة التطفيف من شراة الصنعة والتأليف: **حق تصنیف اور حق ایجاد کی شرعی حیثیت:**

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس مختصر رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اپنی کسی تصنیف، یا ایجاد کو کسی سے رجسٹرڈ کرا کر دوسروں کو اس کی اشاعت یا صنعت سے روکنا جائز نہیں۔ ضمناً سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت پر بھی مختصر ومفید تنقید آئی ہے۔ ۱۳۶۴ھ کی تحریر ہے۔

38 **أحكام القمار:** موجودہ دور میں معاملات میں طرح طرح کا جوا اور قمار کی صورتیں رواج پا گئی ہیں۔ اس رسالہ میں ان کی تشریح وتوضیح اور کتاب وسنت وفقہ کے مطابق ان کے شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں، گھوڑ دوڑ وغیرہ کے بارے میں بھی فتویٰ آ گیا ہے۔

39 تفصيل الأحكام للارباح الفاسدة والمال الحرام: **ناجائز معاملات پر تصنیف کا ایک خاکہ:**

حضرت مفتی صاحب کے دردمند دل نے مسلمانوں کی معاملات میں خلافِ شرع کوتاہیوں اور اسلامی قانون کے بارے میں غفلت کوششیوں کو دیکھتے ہوئے ایک نہایت مفید کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا جو اعذار کی وجہ سے مکمل نہ ہوسکا۔ مجوزہ کتاب کے عنوانات بہت اہم ہیں، کاش کوئی اہل علم اس خاکہ میں رنگ بھر سکے اور سب سے اُحق حضرت مفتی صاحب کے لائق صاحبزادے جناب مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب ہیں۔

40 **اسلامی ذبیحہ:** اسلامی ذبیحہ اور اس کے احکام کے بارے میں ایک نہایت ہی مفید، جامع و نافع مقالہ ہے جو موجودہ دور کے اسلامی ذبیحہ کے بارے میں اٹھائے ہوئے سوالات کا شافی جواب ہے۔

41 احكام الخضاب فى بعض أحكام اللحى والخضاب: **داڑھی کے خضاب اور کترانے وغیرہ کے احکام:**

داڑھی کے رکھنے، کترانے، اس کی مقدار اور مختلف رنگ کے خضاب کے بارے میں ایک شافی ونافع رسالہ ہے جو کہ ہر ایک کے دیکھنے کے قابل ہے۔

42 تفصيل الكلام فى مسالة الاعانة على الحرام:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے احکام القرآن (جلد خامس وسادس) کے ذیل میں آیت قرآنی ﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝﴾ ظلم ومعصیت کی اعانت اور اس اعتبار سے معاملات میں فساد کے بارے میں فقہاء کے تفصیلی احکام اس نام سے جمع کیے تھے۔ بعد میں اس کا خلاصہ "الاستبانة بمعنى السّبّب والاعانة" تو احکام القرآن میں شائع ہوگیا، لیکن اصل رسالہ شائع نہ ہوا۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے شائع کر دیا گیا ہے۔

43 **ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت:**

مذکورۃ الصدر عربی رسالہ کا اردو خلاصہ ضرورت کی وجہ سے شائع فرمایا ہے۔ بڑی مفید تحقیقات اور خیال افزا باتوں پر مشتمل ہے۔

44 **آداب الاخبار۔ اخبارات وجرائد کی مذہبی ضرورت، اسلامی اخباروں کے لیے شرعی دستور العمل:**

موجودہ دور میں اخبار بینی جس طرح گھر گھر عام ہوگئی ہے اور اس کے مفاسد ہر جگہ پھیل گئے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے اخبارات کی خرابیوں پر "اخبار بینی" کے نام ان مفاسد کی نشاندہی فرمائی تھی اور صحیح اخبار نویسی کے اصول وضوابط بتائے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی عبارت میں ان کو دوبارہ مرتب کیا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے نظر ثانی کروائی اور دس زریں اصول بیان فرمائے۔ بڑا مفید رسالہ ہے۔ کاش ہمارے اخبارات ان آداب کی کچھ رعایت کر لیتے۔

45 القول السديد فى تحقيق ميراث الحفيد الملقب بارغام العنيد. **پوتے کی میراث:**

موجودہ دور کے متجددین نے اسلام کے متفقہ قوانین میراث کے خلاف ورزی کرتے ہوئے نام نہاد ہمدردی کے نام پر یتیم پوتے کی میراث کا فتنہ اٹھایا۔ حضرت مفتی صاحب نے ان تمام غلط دعاوی اور مغالطوں کا دینی اور فقہی اور عقلی لحاظ سے مسکت اور شافی جواب لکھا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے۔آخر میں دیگر علماء کی تصدیقات شامل کردی گئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی فقہی تصانیف کا ایک تعارف نامہ جناب برادر مکرم مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے جواہر الفقہ کے آخر میں شائع فرمایا ہے۔موضوع کی مناسبت اور افادیت کی وجہ سے اپنے مضمون میں شامل کرتا ہوں۔گو اس کج مج رقم کی تحریر کے ساتھ اس کی شمولیت ٹاٹ کے ساتھ ریشم کا پیوند ہوگا۔پہلی تین کتابوں میں سے دو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور احکام القرآن عربی کا تذکرہ گذر چکا ہے۔تیسری کتاب ''اسلام کا نظام اراضی'' کا ذکر مستقلاً آرہا ہے اس لیے مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلّہ کی فہرست میں سے چوتھی کتاب سے ہی شروع کررہا ہوں اور ترتیب کی سہولت کی وجہ سے وہی نمبر برقرار رکھا ہے۔حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب کا عنوان ہے: ''حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی فقہی تصانیف جو الگ کتابی شکل ہوچکی ہیں'' پھر ❶ فتاوی دارالعلوم دیوبند۔ ❷ احکام القرآن عربی۔ ❸ اسلام کا نظام اراضی کا ذکر ہے پھر تعارف حسب ذیل ہے:

❹ **آلات جدیدہ:** اس میں لاؤڈ سپیکر، گراموفون، فوٹو گرافی، ہوائی جہاز، ریڈیو، ایکسرے، انجکشن وغیرہ آلات جدیدہ سے متعلق پیدا ہونے والے جدید مسائل کا شرعی، نیز مریض کے بدن میں خون پہنچانے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

❺ **آلۂ مکبر الصوت:** لاؤڈ سپیکر کو اذان، خطبہ اور نماز میں استعمال کرنے کے متعلق شرعی احکام، علمائے دیوبند، تھانہ بھون، سہارن پور اور دہلی وغیرہ کی قدیم وجدید تحقیقات کا خلاصہ اور آخری فیصلہ۔پہلے یہ رسالہ الگ شائع ہوا تھا، اب آلاتِ جدیدہ کا جزو بن کر شائع ہوا ہے۔

❻ **رؤیتِ ہلال:** پاکستان اور دوسرے ممالک میں یہ مسئلہ عرصہ سے معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل شرعی اصول کے مطابق لکھی ہے۔ چاند کے معاملے میں شرعی حیثیت اور متعلقہ شرعی احکام کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

❼ **مسئلہ سود:** سود کی شرعی تعریف، قدیم طرز کے مہاجنی سود اور جدید قسم کے تجارتی بنکوں کے سود کی

مفصل تحقیق اور عام شبہات کا جواب، قرآن مجید کے اندر سات آیتیں جو سود کے متعلق آئی ہیں ان کی مفصل تفسیر، اور حرمت سود کے متعلق ۴۰/ احادیث، سود کی دینی و دنیاوی خرابی و بربادی کا مفصل بیان، اس موضوع پر نہایت شافی وکافی تصنیف ہے۔

❽ **بیمۂ زندگی:** اس مسئلہ کی مکمل تحقیق شرعی اصول پر کی گئی ہے، آخر میں دیگر علماء کرام کی تصدیقات ہیں۔

❾ **پراویڈنٹ فنڈ:** پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق اور اس فنڈ پر سود کے نام سے ملنے والی رقم کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔

❿ **اسلام کا نظام تقسیم دولت:** سرمایہ داری اور کمیونزم کے درمیان اسلامی نظام کا اعلیٰ و بہتر ہونا اور دونوں نظاموں پر نئی حیثیت سے بحث، اس موضوع پر بہترین مقالہ ہے۔

⓫ اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہوں گی؟ اسلامی کا معاشی نظام کیا ہے اور اس سے موجودہ معاشی مسائل کیوں کر حل ہوجائیں گے؟ حضرت مفتی صاحب نے اس سوال کا سادہ، عام فہم اور دلنشین جواب اس رسالہ میں دیا ہے، اس کے مطالعہ سے عام پڑھا لکھا انسان ایک نظر میں یہ جان سکتا ہے کہ اسلام موجودہ نظام معیشت میں کیا بنیادی تبدیلیاں لائے گا اور سوشلزم کے برخلاف ان کے ذریعہ سرمایہ داری کی خرابیوں کا انسداد کس طرح ہوسکے گا؟

⓬ **قرآن میں نظام زکوٰۃ:** زکوٰۃ کے متعلق آیاتِ قرآنی کی تفسیر، زکوٰۃ کن اصول پر قائم ہے اور اس کے نصاب اور مصارف کی تعیین اور شبہات کا جواب۔اس کتاب کے دوسرے حصہ میں احقر محمد رفیع عثمانی نے زکوٰۃ کے مفصل احکام درج کئے ہیں۔

⓭ **اعضائے انسانی کی پیوندکاری:** سرجری کے ذریعہ ایک انسان کا عضو دوسرے انسان کے جسم میں لگانے کی شرعی حیثیت کی مفصل اور مدلل تحقیق۔

⓮ **ضبط ولادت:** اس کی شرعی حیثیت اور مروجہ خاندانی منصوبہ بندی پر شرعی اور اقتصادی حیثیت سے مکمل بحث ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

15 **تصویر کے شرعی احکام:** تصویر کشی اور استعمال تصاویر سے متعلق قرآن وحدیث کے ارشادات اور مفصل احکام، فوٹو کی تصویر اور چھوٹی چھوٹی تصویروں اور آدھے سے دھڑ کی تصویروں کے احکام مع جواب شبہات۔

16 **ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں:** کفر اور اسلام اور مسلم وکافر کی شرعی حیثیت تعریف، کسی مسلمان کو اسلام سے خارج کہنے میں کیا احتیاط لازم ہے اور اس کے کیا اصول ہیں؟ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کی مکمل تشریح اور اہل قبلہ کے معنی، قرآن وحدیث کے دلائل اور صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کی تصریحات نہایت تفصیل سے لکھی گئی ہیں، درحقیقت یہ رسالہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی ضخیم کتاب اکفار الملحدین کا اردو میں خلاصہ ہے۔

17 **آدابِ سفر مع اَحکام سفر:** سفر شرعی کی تعریف، مسافر اور سفر کے احکام، آداب اور دعائیں جو اَحادیث اور کتب فقہ سے جمع کی گئی ہیں۔

18 **آدابِ مساجد:** اس میں مساجد کے فضائل وآداب، احکام اور ان کاموں کا مفصل بیان ہے جو مسجد میں ناجائز ومکروہ ہیں۔

19 **احکام دعا:** حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی عربی تصنیف یعنی ''استجاب الدعوات'' کا اردو ترجمہ ہے، جس میں نمازوں کے بعد دعا مانگنے کا مسنون طریقہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے اس میں مزید اضافے بھی فرمائے ہیں۔

20 **شبِ برأت:** اس میں شبِ برأت کے فضائل وبرکات اور احکام کا مفصل بیان اور غلط رسموں کی تردید ہے۔

21 **احکامِ حج:** تمام ضروری احکامِ حج مختصر اور آسان طرز میں لکھے گئے ہیں۔ نہایت مفید اور کارآمد رسالہ ہے۔

22 **تاریخِ قربانی:** اس میں قربانی کی مکمل تاریخ، آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک ہر دور میں اس کی مختلف صورتیں اور اسلام میں واجب ہونے کی اور اس کے بدلے میں قیمت

کا صدقہ کافی نہ ہونے کی مفصل تحقیق قرآن وسنت کے دلائل سے بیان کی گئی ہے۔ نیز متجددین کے اعتراضات کا کافی جواب دیا گیا ہے۔

23 **جہاد پاکستان ۱۹۶۵:** اس میں جہاد کے فضائل اور مفصل احکام بیان کئے گئے ہیں۔

24 **بسم اللہ کے فضائل وبرکات اور مسائل:** اور آخر میں اس کے خواص اور اس کے ذریعہ دینی ودنیوی فوائد، بیماریوں اور پریشانیوں کا علاج لکھا گیا ہے۔

25 **گناہ بے لذت:** اس رسالے میں ایسے گناہوں کا بیان ہے جن میں نہ کوئی ظاہری لذت ہے نہ کوئی معاشی مجبوری، محض غفلت وبے پروائی سے لوگ ان میں مبتلا ہیں۔ اگر ذرا بھی فکر کریں تو ان گناہوں کو فوراً چھوڑ سکتے ہیں۔ اس رسالے میں قرآن وحدیث سے ان گناہوں کے سخت عذاب ووبال کو بھی بیان کر دیا گیا ہے اور آخر میں ایک دوسرا رسالہ صغائر گناہوں کی فہرست کا لگا دیا گیا ہے۔

وہ فقہی رسائل جو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا جزو بن کر شائع ہوئے ہیں

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (طبع جدید چار جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی دو جلدوں کا نام ''عزیز الفتاویٰ'' اور آخری دو جلدوں کا نام ''امداد المفتین'' ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے مندرجہ ذیل رسائل امداد المفتین کا جزو بن کر شائع ہوئے ہیں:

۱/۲۶۔ الافصاح عن تصرفات الجن والأرواح.

جنات اور ارواح کے تصرفات کے متعلق تحقیق۔ (امداد المفتین کتاب الایمان والعقائد)

۲/۲۷۔ روع الناس عن محدثات الأعراس مروجہ عروس مزارات کے شرعی احکام۔

(امداد المفتین۔ کتاب الایمان والعقائد، رد بدعات)

۳/۲۸۔ مامول القبول فی ظل الرسول ﷺ: رسول اللہ ﷺ کا سایہ پڑتا تھا یا نہیں؟ اس کی تحقیق (امداد المفتین کتاب السیر والمناقب)

۴/۲۹۔ موزوں پر مسح ''یعنی رسالہ نیل المآرب فی المسح علی الجوارب۔ جس میں کپڑے کے موزوں پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چمڑہ چڑھا کر مسح کرنے کے متعلق مفصل تحقیق ہے کہ کس صورت میں مسح جائز ہے کس صور میں جائز نہیں۔(امداد المفتین، کتاب الطہارۃ)

۵/۳۰۔ احکام الاعلام بالتکبیر والاعلام. جھنڈوں، ترانوں اور نعروں وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لیے اٹھانا۔اس کے متعلق شرعی۔(امداد المفتین، کتاب الصلوٰۃ)

۶/۳۱۔ تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال: اس میں سمت قبلہ سے متعلق علامہ مشرقی کی پیدا کردہ تشکیکات کا واضح جواب بھی ہے اور اس مسئلہ کی مثبت انداز میں مکمل تحقیق بھی۔فتاویٰ دارالعلوم میں اس کا صرف وہ حصہ درج ہے جو حضرت مفتی صاحب کا تحریر فرمودہ ہے اور جواہر الفقہ میں اس حصہ کے علاوہ بعض دیگر علماء کے مقالات بھی اسی کے ساتھ شامل کئے گئے ہیں۔

۷/۳۲۔ القول القریب فی اجابۃ الاذان بین یدی الخطیب.

جمعہ کی اذان کا جواب دینا اور بعد کی دعا پڑھنی چاہیے یا نہیں؟اس مسئلہ کی مفصل تحقیق۔

(امداد المفتین، باب الجمعۃ والعیدین)

۸/۳۳۔ اماطۃ التشکیک فی إناطۃ الزکوٰۃ بالتملیک. رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کی رقم تملیک کے بغیر خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور ادا زکوٰۃ کے لیے تملیک ضروری ہے۔ اس مسئلہ کی مفصل اور مدلل بحث اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے اور شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

(امداد المفتین، کتاب الزکوٰۃ)

۹/۳۴۔ انجکشن سے روزہ فاسد نہ ہونے کی تحقیق۔اس مسئلہ پر سیر حاصل مدلل بحث ہے۔

(امداد المفتین، کتاب الصوم)

۱۰/۳۵۔ خیر الأمور فی قدر المھور. عورتوں کے مہر کی مقدار کے متعلق مکمل تحقیق۔

(امداد المفتین کتاب النکاح باب الجہاز والمہر)

۱۱/۳۶۔ اقامۃ العرف مقام الثبوت فی سقوط بعض الحقوق بالسکوت. عورت کے سکوت سے مہر معاف ہوگا کہ نہیں؟اس مسئلہ کی تحقیق کے ضمن میں یہ بحث بھی آ گئی ہے

کہ دین کی معافی کے لیے دائن کا سکوت بیان کے قائم مقام کب ہوگا، کب نہیں۔

(امداد المفتین، کتاب النکاح باب الجہاز والمہر)

۱۲/۳۷۔ رفع الجور فی حکم یمین المؤبد و الفور. اگر طلاق کسی کام کے نہ کرنے پر معلق کیا تو کب تک نہ کرنے سے طلاق واقع ہوگی۔اس مسئلہ کی مکمل تحقیق۔

(امداد المفتین، کتاب الطلاق)

۱۳/۳۸۔ حکم الانصاف فی الطلاق الغیر المضاف. شوہر نے جس طلاق کی اضافت بیوی کی بجائے اپنی طرف کی ہو، وہ واقع ہوگی کہ نہیں؟اس کا مفصل و مدلل حکم، یہ رسالہ درحقیقت حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔حضرت مفتی صاحب نے اسے تبرک وافادہ کے لیے امداد المفتین کا جزو بنایا ہے۔(امداد المفتین، کتاب الطلاق)

۱۴/۳۹۔ نیل المرام فی حکم المسجد المبنیٰ بالمال الحرام. مالِ حرام مسجد کی تعمیر میں لگانے کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم۔(امداد المفتین، کتاب الوقف)

۱۵/۴۰۔ الأحری بالقبول فی وقف العمارۃ علی ارض النزول. لاوارث زمین پر حکومت قبضہ کر کے کسی کو دے دے، اس کو وقف کرنے کے احکام۔(امداد المفتین، کتاب الوقف)

۱۶/۴۱۔ توضیح کلام اھل اللہ فی ما أھل بہ لغیر اللہ: بتوں یا قبروں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کے متعلق شرعی احکام۔(امداد المفتین۔کتاب الصید والذبائح)

۱۷/۴۲۔ سجدۂ تعظیم یعنی "المقالۃ الرضیۃ فی سجدۃ التحیۃ" سجدۂ تعظیمی کے متعلق مفصل بحث وتحقیق۔(امداد المفتین۔کتاب الحظر والاباحۃ)

۱۸/۴۳۔ اشباع الکلام فی مصرف الصدقۃ من المال الحرام. مال حرام کو صدقہ کرنے کے متعلق مفصل تحقیق۔(امداد المفتین، باب اُرباح فاسدہ ومال حرام)

وہ فقہی رسائل جو احکام القرآن عربی کا جزو بن کر شائع ہوئے ہیں:

یہ رسائل عربی زبان میں ہیں، ان کا ترجمہ اگر اردو میں ہو جائے تو ان شاء اللہ افادیت کا دائرہ اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وسیع ہوجائے گا۔

۱/۴۴۔ تفصیل الخطاف فی تفسیر آیات الحجاب. عورتوں کے پردے سے متعلق جتنی آیتیں قرآن کریم میں آئی ہیں، ان سب کی تفسیر اس رسالے میں یکجا کردی گئی اور پردۂ شرعی سے متعلق چالیس سے زیادہ روایات حدیث اور صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے ارشادات جمع کرکے پردے کے احکام مدلل ومفصل بیان کئے گئے ہیں اور مخالفین کے شبہات کا شافی جواب دیا گیا ہے۔

۲/۴۵۔ السعی الحثیث فی تفسیر لھو الحدیث. آیت قرآنی ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ کی مبسوط تفسیر ہے۔ جس میں گانے بجانے اور سماع کی مفصل بحث ہے۔

۳/۴۶۔ کشف الریب عن علم الغیب: یہ علم غیب کے مسئلہ پر آیات قرآنی، ارشادات نبوی اور ائمہ فقہاء وصوفیاء کی تحقیقات کا بہترین مجموعہ ہے۔

۴/۴۷۔ تکمیل الحبور بسماع اھل القبور: اس میں سماع موتی کے معرکۃ الآراء مسئلہ پر قرآن وسنت اور ائمہ دین کے ارشادات کی روشنی میں تحقیقی بحث کی گئی ہے۔

۵/۴۸۔ کشف العناء عن وصف الغناء: اس میں غناء ومزامیر اور موسیقی کے بارے میں قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیث کی تشریح کرکے مسئلہ کو مدلل کیا گیا ہے۔

۶/۴۹۔ اِماطة الشغب فی کراھة اللھو واللعب: اس میں مختلف کھیلوں کے احکام قرآن وسنت کی روشنی میں جمع کئے گئے ہیں۔

۷/۵۰۔ تنقیح الکلام فی أحکام الصلوٰۃ والسلام: یہ رسالہ آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ کی مبسوط تفسیر ہے۔ جس میں درود وسلام کے احکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

یہ کل پچاس فقہی تصانیف ہیں۔ علاوہ ازیں پینتالیس فقہی رسالے ''جواہر الفقہ'' میں آگئے ہیں۔

اس طرح صرف فقہی موضوعات پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تصانیف کی کل تعداد پچانوے ہوگئی اور یہ بھی موجودہ تلاش وجستجو کا نتیجہ ہے، ہوسکتا ہے کچھ اور رسائل بعد میں مل جائیں جن تک اس وقت احقر کی نظر نہ گئی ہو۔

یہ سب تصانیف حضرت والدِ ماجد رحمہ اللہ کی فقیہانہ بصیرت کا ناقابلِ فراموش کارنامہ اور اس صدی کا عظیم علمی سرمایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ طالبانِ علم وعمل کو ان سے بیش از بیش استفادہ کی توفیق بخشے اور احقر کو بھی ان طالبان علم وعمل میں شامل فرمالے، وما ذلك على الله بعزيز.

اسلام کا نظام اراضی مع فتوح الہند واحکام اراضی پاکستان وہند:

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی عظیم کتابوں میں اس کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ خود ایک بار فقیر سے فرمایا تھا کہ اس کتاب پر مجھے بہت زیادہ محنت کرنی پڑی ہے۔ مسلمانوں کے عہد کی ہندوستان کی پوری تاریخ، مسلمان فرمانرواؤں کے فرامین وغیرہ تلاش کرنے اور پڑھنے پڑے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایک فاضل محقق بھی ایسی کتاب پر فخر کرسکتا ہے۔ علامہ مناظر احسن گیلانی کے یہ الفاظ اس کتاب کی فضیلت وافادیت کے لیے کافی ہیں کہ اراضی کے متعلق اسلامی وثائق میں جو منتشر معلومات پائے جاتے ہیں، مولانا نے دین اور علم دونوں کی بڑی خدمت ان معلومات کو اس کتاب میں جمع کرکے انجام دی، جہاں تک خاکسار کی رسائی ہے اس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو ہری معلومات تقریباً اس کتاب میں سمٹ گئے ہیں، مجھے اس کی بھی خوشی ہوئی کہ قرآن وسنت اور فقہی کتابوں کے ساتھ ساتھ مولانا نے تاریخ اور معاشیات کی کتابوں کی معلومات سے مسائل کے حل کرنے میں بجائے احتراز کے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اراضی کے متعلق جس استیعاب سے کام لیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ چھ ابواب پر مشتمل ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب ذیلی سرخیاں ہیں۔ ابواب یہ ہیں:

باب اول: تمام دنیا کے لیے اسلام کا فرق اراضی۔

باب دوم: مشترکہ ہندوستان کے اراضی واحکام۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

باب سوم: انگریزی عہد میں اراضی ہند کی ملکیت وغیرہ سے متعلقہ احکام۔

باب چہارم: تقسیم ہند کے بعد اراضی پاک و ہند کے احکام۔

باب پنجم: اراضی اوقاف۔

باب ششم: عشر وخراج کے احکام۔

دوسرا حصہ فتوح الہند پر مشتمل ہے، اصل کتاب ''احکام اراضی'' کے لکھنے کے سلسلے میں حضرت مفتی صاحب کو جن تاریخی کتب کے ذخیرہ کو کھنگالنا پڑا اور اسلامی دور کی فتوحات کی تاریخ سامنے آئی، اسے مفتی صاحب رحمہ اللہ کے قلم فیض رقم نے ''فتوح الہند'' کے نام سے جمع فرما دیا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ بھی مفید وعجیب ودلچسپ معلومات پر مشتمل ہے۔ گو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مقصود تاریخ نگاری نہ تھا لیکن فتوحاتِ اسلامی کے سلسلہ میں ایسی نایاب تفصیلات آ گئی ہیں، جن سے معاصر تاریخیں خالی ہیں۔

اسلام کا نظامِ اراضی ہماری فقہ وقانون کے جاننے والوں، تاریخ دان طبقہ اور اقتصادی ماہرین کے لیے بھی معلومات علمی اور فوائد متفرقہ کا ذخیرہ ہے۔ کم فقہی کتابیں اسی قدر دلچسپ ہوں گی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دیگر اہم تصنیفات:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دیگر سوا سو سے زائد تصنیفات میں چند اہم تصنیفات کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے:

تفسیر بیان القرآن:

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے جامع العلوم اور مجمع المعارف والفضائل بنایا تھا۔ آپ ہر دینی علم وفن سے فطری مناسبت اور اس میں مہارت وکمال کا درجہ رکھتے تھے، تاہم آپ کو جن علوم میں خاص الخاص تنوع وفضیلت حاصل تھی، وہ فقہ وتفسیر اور حدیث وتصوف تھا۔

آپ کا تفسیر کا ملکہ اللہ تعالیٰ کی خاص موہبت اور عطا تھی۔ آپ کے چار سو (۴۰۰) سے اوپر مواعظ اور ملفوظات کے بے پایاں دفاتر، تفسیری فوائد کے بیش بہا جواہر سے مالا مال ہیں اور ان میں بعض ایسے قیمتی اور نایاب افادات ہیں، جن سے بڑی بڑی ضخیم تفاسیر خالی ہیں۔ آپ کے بعض

مستفیدین اور ان کے تلامذہ نے ان میں سے بعض ''افاضات'' کو مستقلاً جمع بھی کیا ہے۔ لیکن ہنوز وہ کام تشنۂ تکمیل ہے اس سلسلہ میں آپ کا بڑا کارنامہ اردو کی اشرف التفاسیر ''تفسیر بیان القرآن'' ہے جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے اردو ترجمہ وتفسیر کے علاوہ ''حل اللغات'' کے نام سے اہل علم کے لیے فصاحت و بلاغت اعجاز وغیرہ کے نکات مستقلاً شامل ہیں۔ اس تفسیر کی تعریف امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور حضرت سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ جیسے اساطین کر چکے ہیں۔ لیکن یہ تفسیر اپنی بلندی پرواز کی وجہ سے عامۃ الناس کے استفادہ سے اونچی ہے۔ علماء کو اس کی افادیت خاصہ کو عام کرنے کا خیال رہا۔ فقیر کے مربی اول اور شیخ قیم حضرت سید الملۃ ندوی نور اللہ مرقدہ نے بندہ کی آخری حاضری کے اگست ۱۹۵۳ء میں فرمایا تھا کہ اگر کوئی اسسٹنٹ میسر آ جائے تو جی چاہتا ہے کہ ''بیان القرآن'' کو عام لوگوں کے افادہ کے لیے آسان زبان میں املا کرادوں اور اس کا نام ''تسہیل البیان'' رکھوں۔ فقیر نے آمادگی کو سعادت سمجھا اور عرض کیا کہ اگلے سال ایم-اے سے فارغ ہو کر حاضر ہو جاؤں گا لیکن تقدیر الٰہی کو منظور نہ تھا، حضرت کے وصال نے اس منصوبہ کو پورا ہونے نہ دیا۔ لیکن کارکنانِ قضا وقدر کو کچھ اور ہی منظور تھا اور اس عظیم کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے خواجہ تاش حضرت مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ کو منتخب فرما لیا تھا جن سے قدرت نے بغیر کسی پہلے طے کردہ منصوبہ کے یہ کام لے لیا اور ظاہری صورت یہ پیش آئی کہ ریڈیو پاکستان والوں نے جمعہ ۳ شوال ۱۳۷۳ھ مطابق ۲ جولائی ۱۹۵۴ء کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے التماس کی کہ وہ ہر جمعہ کو ریڈیو پاکستان پر قرآن کریم کی خاص خاص آیات کی تفسیر ''معارف القرآن'' کے نام سے کر دیا کریں۔ یہ سلسلہ شروع ہوا اور تقریباً دس سال تک جاری رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسی کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس عظیم الشان اور شہرۂ آفاق تفسیر کی تمہید وپیش خیمہ بنا دیا ہے، جواب اردو کی ''حسن التفاسیر'' ''تسہیل بیان القرآن'' ہونے کے علاوہ بے شمار ایسے مستند فقہی مسائل القرآن پر مشتمل ہے، جن کی نظیر دوسری متداول تفاسیر میں نہیں ملتی۔

بحمد اللہ تعالیٰ! اللہ تعالیٰ نے مفسر علام کی بابرکت زندگی میں ہی اس تفسیر کی تکمیل آٹھ ضخیم مجلدات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں کرادی جو ۵۶۶۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی حیات ہی میں اسے خواص وعوام میں قبولیت بخشی۔ نمونہ کے لیے صرف اُخص الخواص میں سے ایک شخص کی رائے پیش کرتا ہوں۔ ہمارے استاذ نابغۃ الدھر محدث العصر سید محمد یوسف البنوری نور اللہ مرقدہ ''یتیمة البیان فی شئ من علوم القرآن'' کے جدید ایڈیشن میں نئی تفاسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے معارف القرآن کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

الأول: معارف القرآن للأستاذ الكبير المفتى الاكبر مولانا الشيخ مفتى محمد شفيع الديوبندى طالت حياته المباركة فى عافية فى ثمانى مجلدات مأخذه، ''بيان القرآن'' لحكيم الأمة الشيخ التهانوى رحمه الله فلخصه فى عبارات واضحة وزاد عليها مسائل أبحاثا يحتاج إليها العصر الحاضر، ولنا نحتاج الثناء على الكتاب، فأصبح خير تفسير يستفيد منه، عالم وغير عالم. (يتيمة البيان ص ٦٩)

تَرجَمَة : پہلی تفسیر ان جدید تفاسیر میں استاذ کبیر مفتی اعظم مولانا شیخ محمد شفیع دیوبندی کی آٹھ جلدوں میں ہے جس کا ماخذ حکیم الامت شیخ مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر بیان القرآن ہے جسے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے واضح عبارت میں ملخص کردیا ہے اور اس میں ان مباحث اور مسائل کا اضافہ کردیا ہے جس کی عصر حاضر کو ضرورت ہے اور یہ کتاب ہماری تعریف کی محتاج نہیں۔ اب یہ بہترین تفسیر ہے جس سے عالم اور غیر عالم استفادہ کرسکتا ہے۔

اس ہیچمدان اُبجد خوان کے نزدیک ''تفسیر معارف القرآن'' کئی اعتبار سے مفید ترین تفسیر ہے جس کے مطالعہ کی سفارش بے خوف وخطر ہر جدید وقدیم، عامی وعالم سے کی جاسکتی ہے۔ ہماری موجودہ فضاء میں جب کہ اردو دان طبقہ کو ''تفہیم وتدبر'' کے نام پر قرآن پاک کے ذریعے بے شمار مہلک عقائد اور

اغلاط میں پھنسایا جارہا ہے۔ یہ تفسیر تریاق کا حکم رکھتی ہے۔ اپنی سہولت اور وضوحِ بیان کی وجہ سے گنجلک سے گنجلک اور عمیق سے عمیق مسئلہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ وہ مسائل جنہیں دور حاضر کے ملاحدہ و زائغین اور اباحت مزاج زنادقہ، نیز مغرب زدہ دینی علوم سے بے بہرہ نام نہاد تعلیم یافتہ طبقہ نے الجھادیا ہے ان کا شافی ووافی، سہل وسادہ، جامع ومانع اطمینان بخش جواب اس تفسیر میں مل جاتا ہے۔ سود، حجاب، تعدد ازواج وغیرہ بے شمار ایسے مسائل ہیں جن کی تسلی بخش توضیح کردی گئی ہے۔ طوالت دامن گیر ہے ورنہ قلبی تقاضا یہی تھا کہ چند نمونے پیش کئے جاتے۔ اس تفسیر کا وہ حصہ جو معارف ومسائل کے نام سے ہے۔ اگر اکٹھا کرکے علیحدہ کتابی شکل میں شائع کردیا جاتا۔ تو یہ بھی ایک مفید دینی خدمت ہوتی۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے شیخ اول حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے محتاط الہامی ترجمہ کو اپنی تفسیر میں ترجمہ قرآنی کے طور پر لے کر اپنے شیخ اول سے جہاں اپنی عقیدت کا حق ادا کیا ہے۔ وہاں اس ترجمہ کی مسلمہ افادیت کا اظہار اور اس کی تعلیم کا سامان مہیا کیا ہے۔ اپنے مربی وشیخ ثانی کی تفسیر ''بیان القرآن'' کی تسہیل وتلخیص اس تفسیر کا دوسرا کارنامہ ہے۔ معارف ومسائل کے عنوان سے تفاسیر ماقبل کا راجح قول نادر إفادات اور ضروری معلومات نقل کردی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی فقاہت اور دینی مسائل سے شغف ہر جگہ ان کا ساتھ دیتا ہے۔ جس کا بین ثبوت اس تفسیر کے وہ بیان کردہ مسائل ہیں جو ہر آیت کے ذیل میں مندرج ہیں۔ غالباً حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی یہ دینی وقرآنی خدمت جس کے لیے مرض الوفات کے زمانے میں جو افاقوں کے ساتھ کئی سالوں پر ممتد رہا، تکمیل کی مہلت طلب فرماتے رہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی مقبول ومبارک زندگی کے عظیم ترین کاموں میں شمار ہوگی اور شاید ان کی تصنیفات میں سے امت کو سب سے زیادہ نفع اور دائمی فائدہ اسی تصنیف کا پہنچے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اس کارنامہ کو ان کے درجات کی بلندی کا سبب اور ابدالآباد تک صدقۂ جاریہ فرمائے اور اس سے استفادہ کی امت کو توفیق دے۔ اردو کا دینی کتب خانہ اس عظیم ومفید اور سہل ومفید تفسیر سے مالا مال اور ایک بے بہا کتاب سے گرانبار ہوگیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

التصريح بما تو اترفی نزول المسيح:

برطانوی استعمار کے مبعوثہ و پروردہ ''متنبیٔ'' مسیلمہ کذاب مرزا غلام احمد قادیانی کے بلند بانگ دعاوی باطلہ، دجل وتلبیس، احقاق باطل وابطال حق اور تحریفات نے علمائے امت اور دردمندان ملت کے قلوب کو بے چین اور بے قرار کر دیا تھا۔ مختلف اوقات میں اس کے مختلف دعویٰ، کبھی ظلّی نبوت کبھی بروزی نبوت، کبھی نبوت کاملہ، کبھی مرسل، کبھی افضل الرسل، کبھی مسیح موعود، کبھی مہدی معہود، غرض مرزا صاحب کے متلون مزاج کی رنگارنگی ان کے دعووں سے ظاہر ہوتی جاتی تھی اور ساتھ ہی وہ امت کو مسلمہ عقائد، ختم نبوت، نزولِ مسیح، ظہور مہدی کا انکار اور اس پر دلائل فاسدہ کا طومار جمع کرتے جاتے تھے، مرزا صاحب کے ان غلط اور جھوٹے دعوے جن کی حقیقت علمی سطح پر ہزلیات وہذیان سے زیادہ نہ تھی۔ انگریز کی سرپرستی میں جاہل اور دنیا پرست اشخاص کی گمراہی کا سبب بننے لگی اور یہ تلمیع ودجل بہت سے سادہ لوح انسانوں کی گمراہی کا سبب بن گیا۔ ان حالات میں امت کا جو طبقہ مقابلہ کے لیے علماً وعملاً میدان میں آیا اور ''مرزائی اوہام'' کے ''تارعنکبوت'' کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا اس کی صفِ اول کے زعماء میں امام العصر محدث جلیل علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ جنہوں نے کئی کتابیں قادیانیت کی رد میں لکھیں۔ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پا چکے ہیں اور ان کا نزول دوبارہ نہیں ہوگا۔ اس بارے میں حضرت کشمیری نور اللہ مرقدہٗ نے پہلے ایک کتاب ''عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام'' رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ میں لکھی۔ اس کتاب میں انہوں نے حیاۃ مسیح علیہ السلام اور ان کے نزول کے بارے میں قرآن کریم کی آیات اور ان سے استنباط اور اشارات قرآنیہ پر گفتگو فرمائی۔ احادیث کا استیعاب نہیں کیا گیا، نہ انہیں بنیاد بنایا گیا۔ استطر ادا احادیث مبارکہ ذیلی طور پر آ گئیں۔ اس کے ساتھ آپ نے ایک دوسری کتاب کا مواد اکٹھا فرمایا، جس کے متعلق ارشاد فرمایا: وأفردت جزؤ آخر لسدد الأخبار والاثار مستوعبة محصاة'' (نفحة العنبر جديد، ص: ٤١١)

اس رسالہ کا نام ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' رکھا، اس کے بارہ میں حضرت الاستاد علامہ محمد

یوسف البنوری نور اللہ مرقدہٗ ارقام فرماتے ہیں:

''التصريح بما تواتر فی نزول المسيح'' رسالة الطيفة كملت فی ٤٤ صفحة جمع الشيخ احاديث نزول عيسىٰ عليه السلام من جميع المظان من كتب الحديث مما انتهى اليه نظره الوسيع و فكره الغائر، وطالع لتخريجها مجلدات كثيره من المسانيد و الجوامع و الصحاح و المعاجم مستوعبة حتى جمع سبعين حديثاً فی هذا الباب بين الصحاح وحسان وقد زاد قدراً كثيراً علىٰ من سلف من الأمة ممن حاولوا فيه التأنف، حتى ان القاضی الشوكانی لم يقدر فی رسالته التوضيح فيما تو اترفی المنتظر المهدی والمسيح بأن يجمع أكثر من تسعة وعشرين حديثاً من سعة إطلاعه وكثرة الذخائر القيمة من كتب الحديث فی بلاده وضم إليها من آثار الصحابة رضی الله عنهم فی هذا الباب ما أطلع عليها وهی نحو ثلاثين أثراً فجادت رسالة ملية حافلة فی بابها يتيمة بين أترابها رتبها أحد أصحابه مفتی دارالعلوم الديوبندية محترمنا ومولانا محمد شفيع الديوبندی دام فضله'.

(نفحة العنبر، ص: ١١٧ طبع جديد)

تَرجَمَة: ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' ایک لطیف رسالہ ہے جو ۴۴ صفحات میں مکمل ہوا ہے۔ جس میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حدیث کی کتابوں سے ہر گوشہ وسمت سے وہ تمام احادیث جمع فرمادی ہیں جن تک ان کی وسیع نظر اور گہرا فکر پہنچا ہے، اور اس کی تخریج کے لیے انہوں نے مسانید وجوامع اور صحاح ومعالم کی کثیر مجلدات کا بھرپور اور استیعاب کے ساتھ مطالعہ فرمایا اور اس باب میں صحاح وحسان ستر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حدیثیں جمع کردیں۔آپ سے پہلے امت کے جو بزرگ اس عنوان پر جو احادیث جمع کر چکے تھے،اس پر مزید ایک کثیر تعداد کا اضافہ فرمادیا۔یہاں تک کہ قاضی شوکانی اپنی وسعتِ اطلاع اور کتبِ احادیث کے مستند ذخائر کی ان کے ہاں موجودگی کے باوجود اس بارے میں انتیس (۲۹) احادیث سے زیادہ جمع نہ کرسکتے تھے۔علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ان احادیث کے ساتھ ان تیس آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی جمع فرمادیا تھا،جس پر وہ مطلع ہوسکے۔پس اب یہ رسالہ نصوص حدیث وآثار پر مبنی ہے،اپنے باب میں کافی ووافی اور اپنے جیسے رسائل میں بہترین ہے،اس کو ان کے ساتھیوں میں سے ایک ہمارے بزرگ مولانا مفتی محمد شفیع الدیوبندی دام فضلہ مفتی دارالعلوم دیوبند نے ترتیب دیا ہے۔''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ بھی ''التصریح'' کے مقدمے میں علامہ کشمیری کی کتاب ''عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

إلا انه لم يسرد فيه أحاديث الباب بأسرها روما للإختصار و تخفيفاً على النظار- ولما كان فى جمع هذه الأحاديث فائدة جيمه، ومنفعة للناس عظيمة، جعلها جزءًا برأسه جمع جميع ما انتهى إليه النظر فى الكتب الحديثية التى يمكن الاطلاع عليها و استوعب سائر المجلدات مسند احمد فى المطالعه لتخريج هذا الباب فجاد بحمد الله منها عدد لم يطلع عليه كثير من العلماء المتقدين فضلاً عن الأقرن والأقراب حتى أن القاضى الشوكانى- من علماء القرن الثانى عشر لما ضف فى هذا الباب رسالة سماها التوضيح فيما تواتر فى المنتظر والدجال والمسيح لم يتيسر له' إلاَّ تسعة وعشرون حديثا! مع كثرة إطلاعه بعيينة قد حوت سبعين حديثاً صريحا فى الباب وكلى الله سبحانه التوكل و إليه

ماب. (التصريح ،ص ٥٤، ٥٥)

تَرجَمَة :''لیکن علامہ قدس سرہٗ نے اس کتاب (عقیدۃ الاسلام) میں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور پڑھنے والوں پر بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے اس ''عنوان'' کے بارے میں احادیث کا تذکرہ مقصوداً نہیں کیا لیکن چونکہ اس سلسلے کی احادیث کا اکٹھا کرنا ایک بڑا فائدہ اور لوگوں کے لیے عظیم منفعت رکھتا ہے۔اس لیے اسے موصوف نے ایک مستقل رسالہ بنادیا اور ان تمام احادیث کو جمع فرمادیا جن تک ان کی نظر جملہ کتب حدیث میں پہنچنی ممکن تھی اور اس بارے میں مسندِ احمد کی جملہ مجلدات کا استیعاباً مطالعہ فرمایا تاکہ اس باب کی احادیث کی تخریج کرسکیں اور اس میں بحمد اللہ تعالیٰ اتنی کثیر تعداد میں احادیث کو جمع فرمالیا کہ متقدمین علماء میں سے بھی بہت سے اس سے آگاہ نہ ہوسکے تھے۔ہم عصروں اور ہم عمروں کی تو بات ہی نہیں، یہاں تک کہ قاضی شوکانی جو بارھویں صدی ہجری کے عالم ہیں جب انہوں نے اسی عنوان پر ''التواضیح فی تواتر فی المنتظر والمسیح'' رسالہ لکھا تو تیس حدیثوں سے زیادہ جمع نہ کرسکے۔باوجود یہ کہ وہ احادیث پر بڑے واقف تھے اور ان کے زمانے میں کتب حدیث بھی زیادہ تھیں۔پس یہ رسالہ جو ستر صریح وواضح احادیث پر مشتمل ہے اس باب میں پیش کیا جاتا ہے۔

مشہور شامی عالم علامہ عبدالفتاح ابوغدۃ نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ

أنَّ هذا الكتاب فريد فى موضوعه ص ٣ وقد الف الإمام الكشميرى هذا الكتاب ''التصريح'' خاصة للعلماء الباحثين ليكون بيدهم سيفاً باترا للقاديانية وضلالالتها.(التصريح، ص: ٢)

تَرجَمَة :''یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد ہے اور امام کشمیری نے یہ کتاب ''التصریح'' مناظر علماء کے لیے خاص کر تالیف فرمائی تھی تاکہ ان کے ہاتھ میں ہلاک کن تلوار قادیانیوں اور ان کی گمراہیوں کے مقابلے میں آجائے۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس کتاب کا مواد گو حضرت علامہ کشمیری کی محنت کا رہین منت ہے لیکن اس کی ترتیب انہیں کے ارشاد پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ کتاب جہاں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں احادیث اور آثارِ صحابہ کا سب سے کثیر ذخیرہ مہیا کرتی ہے، وہاں اپنی ترتیب، فوائد، مختلف تنبیہات میں اپنے موضوع پر حرفِ آخر، برہان قاطع اور دلیلِ ساطع ہے اور حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے امت مرزائیہ کو جو تحدی فرمائی ہے وہ قادیانیوں کے لیے دائمی چیلنج ہے جس کا جواب ان شاء اللہ وہ تا قیام قیامت نہیں لاسکیں گے۔ مقدمہ کے آخر میں حضرت لکھتے ہیں:

”والآن ننادی بعون الله القوی العزیز بأ علی نداءٍ: أن الخصم الشقی إن ادّعیٰ خلاف هذا فلیأت بشئ من الآیاتِ القرآنیه مع تفسیرها بمثل هذة الأحادیث لا برأیه السخیف والتصحیف والتحریف! ولن یأتوا منه نقیراً ولا قطمیراً ولو کان بعضهم لبعض ظهیراً.

تَرجَمَة: ”اللہ تعالیٰ کی توفیق سے، ہم اب بانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ اگر کم بخت دشمن (مرزا غلام احمد اور اس کے حواری) اس سے خلاف دعویٰ کرتا ہے تو قرآنی آیات میں سے کوئی آیت مع اس کی ایسی تفسیر کے جو ایسی احادیث سے ہو جو ہم نے پیش کی ہیں، لائے اور وہ اپنی گھٹیا رائے پیش نہ کرے، نہ قرآن وسنت تصحیف وتحریف کے ساتھ مقابل میں لائے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کا ادنیٰ ترین جزو بھی ہرگز پیش نہیں کرسکیں گے۔ گو وہ سب اس کام کے لیے ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔“

حضرت مفتی صاحب نے کتاب مذکور (طبع حلب ص: ۸۷) پر فائدہ جلیلہ کے تحت ایک عجیب اور قادیانی دعاوی کے خلاف ایک مسکت بات لکھی ہے، جس کا افادۃ عامہ کے لیے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

اس (مقدمہ) میں کچھ پہلے کہا جاچکا ہے۔ اس سے آپ نے یہ جان لیا ہوگا کہ تقدیر الٰہی نے اس

امت میں کسی جدید نبی کی بعثت کو قطعاً طے نہیں فرمایا، بلکہ نبوت کے نام سے جو چیز بھی موسوم ہوا اُسے سید الرسل خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر کلیتاً ختم فرمادیا گیا اور اس کی سب سے بڑی دلیل ہدایۃً یہ ہے کہ اگر کسی نئے نبی کا آنا مقدر ہوتا تو قرآنِ کریم اور نبی الامین ﷺ نے اسے نہایت بلیغ اور انتہائی واضح الفاظ میں اس سے بڑھ کر بیان فرمایا ہوتا جیسا کہ قرآن وحدیث نے سیرۃ مسیح علیہ السلام کو بیان کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو لوگوں میں اسلام سے پہلے اور اسلام میں زیادہ معروف شخصیت تھی۔ بخلاف المتنبی الجدید مرزا غلام احمد قادیانی کے، کہ مرزا صاحب ایک غیر معروف شخصیت تھی۔ پس لازماً اس کی احتیاج اور ضرورت تھی کہ اس کا نام، اس کے والدین کا نام، اس کی پیدائش، وقت پیدائش، اس کی عمر اور اس کا حلیہ وہیئت ورنگ اور اس کے افعال واخلاق اور اس کے زمانے میں لوگوں کے احوال، اس کا وقت وفات اور جائے مدفن وغیرہ کو سیرۃ المسیح علیہ السلام کے ذکر سے زیادہ شدومد کے ساتھ بیان کیا جاتا۔ پھر جب ان میں سے کوئی چیز بیان نہیں کی گئی بلکہ اس کا اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے خلاف نصوص کثرت وتواتر سے وارد ہوئے اور نبوت ورسالت کے قطعی انقطاع اور نبوت ورسالت کے داعی کے کفر پر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ نے ہمیشہ کے لیے فیصلہ کردیا اور باوجود اس کے نصوص قرآن وسنت نے ان تمام امور جن کی امت قیامت تک (شرعاً) محتاج ہوگی، کا احاطہ کرلیا ہے اور جملہ امتوں کی فلاح کی قیامت کفیل ہوگئی ہے، تاہم کسی نبی جدید کے آنے کا کوئی معمولی اشارہ یا ادنیٰ نشان تک نہیں بتایا، اس وجہ سے ہمیں یقین کامل کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ حضور انور ﷺ کے بعد کوئی نبی اصلاً آ ہی نہیں سکتا۔

کتاب کے فوائد جلیلہ کا صرف اس مختصر اقتباس سے اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ کتاب صرف نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہی تحقیقات نادرہ اور معلومات بدیعہ اور نصوص ساطعہ پر مشتمل نہیں بلکہ قیامت کی دس بڑی علامات کے بارے میں بھی مصدقہ ومستند معلومات کا گنجینہ ہے۔ جدید ایڈیشن جسے علامہ عبدالفتاح ابوغدہ نے بہترین حواشی وتعلیقات اور طباعت کی جملہ خوبیوں کے ساتھ شائع کیا ہے جو ۳۵۵ صفحات پر مشتمل ہے، ہر لائبریری میں پہنچنے کے قابل ہے۔ کتاب کے آخر میں حضرت مفتی صاحب کے نہایت مفید اردو رسالہ مسیح موعود کی پہچان کا عربی میں ترجمہ برادرِ عزیز ومحترم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مولانا محمد تقی عثمانی زادت معالیہ کے قلم سے ''جدول ماثبت بالقرآن والسنۃ من امارات المسیح الموعود عیسیٰ علیہ السلام'' جو بیس (۲۰) صفحات پر مشتمل ہے ضمیمہ کے طور پر لگا دیا گیا ہے۔ جس کی طرح عیسیٰ علیہ السلام اور المتنبی الکذاب مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد لعنہ اللہ کا امتیاز و تضاد روز روشن کی طرح نمایاں ہو جاتا ہے۔ کاش تحفظ ختم نبوت پاکستان اس عظیم کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ کر لیتی تو اس کی خدمات عظیمہ میں اضافہ ہو جاتا۔

ختم نبوتِ کامل

جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ مرزا غلام احمد کے بے سروپا دعاوی اور اس کے باطل دلائل اور دین اسلام میں رخنہ اندازی کی مکروہ کوششوں نے علما حق کو عقیدہ ختم نبوت اور دیگر مسلمہ دینی عقائد کی علمی و عملی حفاظت کے لیے مجبور کر دیا۔ دفاعِ عقائد اسلامیہ اور نظریۂ ختم نبوت کی حفاظت کا کام اللہ تعالیٰ نے جن عظیم و پاک ہستیوں سے لیا۔ ان میں ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ بھی ہیں۔

ایک بار تحفظ ختم نبوت کے امیر کاروان حضرت علامہ محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کی عیادت کے لیے حاضری ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب، عارضہ قلب میں مبتلا تھے۔ قادیانیت کے خلاف اس وقت کی کوششوں میں عدم شرکت پر تحسر و افسوس کا اظہار فرمایا۔ ہمارے علامہ بنوری صاحب نور اللہ مرقدہ نے جواباً کہا: ''آپ حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے ساتھ اس راہ میں جو کچھ کر چکے ہیں، ہمیں وہ سعادت اب کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔'' او کما قال۔

ردقادیانیت اور تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں آپ کی جو کتابیں ہیں اس میں ایک بے نظیر کتاب ختم نبوت کامل ہے۔ فقیر سمجھتا ہے کہ جو بھی سلیم الطبع قاری اس کتاب کا مطالعہ کرے گا۔ اسے مرزا غلام احمد اور مرزائیت کے دعاوی کے جھوٹ ہونے میں ادنیٰ شک بھی نہیں رہے گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر اعتبار سے خاتم النبیین ہونا اظہر من الشمس ہو جائے گا۔ ختم نبوت کا مسئلہ اتنا بدیہی اور اجماعی ہے کہ بقول حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر دلائل جمع کرنا اور اس کا ثبوت پیش کرنا ایک بدیہی کو نظری اور کھلی ہوئی حقیقت کو پیچیدہ بنانے کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ اس مسئلہ کا ثبوت پیش کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ

کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے لا اِلٰہ الا اللہ کا ثبوت پیش کرے۔'' (ختم نبوت، ص:۱۱)

تاہم مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین نے اس قطعی اور اجماعی مسئلہ میں خلاف و شقاق کا دروازہ کھولا اور عوام کی جہالت اور مغربی تعلیم سے متاثر دینی تعلیم سے بیگانہ افراد کی ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور اس مسئلہ میں ان میں سے بعض کے دلوں میں طرح طرح کے اوہام و شکوک پیدا کر دیے اور ان کی نظر میں اس بدیہی مسئلہ کو نظری بنا دیا۔ اس لیے اہل علم و اہلِ دین کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا کہ ان کے شبہات و شکوک دور کیے جائیں اور قرآن و حدیث کی صحیح روشنی ان کے سامنے لائی جائے۔ اس وجہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو یہ کتاب لکھنی پڑی۔ چونکہ تصنیف کتاب کا سبب مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ اور ان کے مختلف ادوار کے متضاد اقوال ہیں، اس لیے کتاب کے شروع میں مرزا غلام احمد قادیانی کے تینوں ادوار کے مختلف دعاوی کو پیش کیا گیا ہے۔ پہلا دور وہ جس میں وہ ختم نبوت کے عقیدہ میں جمہور مسلمانوں کے ساتھ متفق ہے۔ دوسرا وہ جب کہ انہوں نے ختم نبوت کے معنی میں تحریفات شروع کیں اور اپنے مزعومہ اقسام نبوت سے بعض کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہونا بتا دیا اور جاری رہنے والی نبوت کے مدعی بن گئے۔ تیسرا دور جب کہ وہ کھلے بندوں تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کے سلسلے کو جاری قرار دینے لگے اور خود کو صاحبِ شریعت نبی بتلا دیا۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے تین عنوانات کے تحت میں دلائل قویہ پیش کیے۔

پہلا حصہ: ختم النبوۃ فی القرآن صفحہ: ۱۶۷ ہے۔ اس حصہ کے شروع میں پہلے تفسیر قرآن کے صحیح معیار اس کے صحیح طریق پر کلام کیا ہے، پھر ننانویں آیت کریمہ سے ''ختم نبوت'' کے ہر پہلو کو ثابت فرمایا ہے۔ صرف پہلی آیت:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝﴾

تَرجَمَة: ''نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا۔''

پر دلائل و شواہد کا جو عظیم ذخیرہ جمع فرمایا ہے، وہ ہر منصف مزاج کے لیے اس موضوع کے بارے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں کفایت کرتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے اس آیت کی تفسیر قرآن کریم سے اور احادیث مبارکہ و آثار صحابہ وتابعین سے اور پھر آئمہ مفسرین کے اقوال سے کی ہے۔

ایک جگہ خاتم النبیین میں جمہور کے بیان کردہ معنی کی تائید میں متعدد صحابہ کا نام لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: چونسٹھ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ختم نبوت کے وہی معنی بالفاظ مختلفہ منقول اور ثابت ہیں جو مکرر عرض کئے گئے یعنی آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا، اگر قلب میں کوئی احساس اور دماغ میں سمجھنے کا کچھ مادہ ہے تو کوئی مسلمان بلکہ کوئی منصف مزاج کافر بھی ان چونسٹھ حضرات صحابہ کی شہادتوں کے بعد ہمارے دعویٰ کے ثبوت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کرسکتا۔ ورنہ پھر ہدایت وضلالت کسی بشر کے قبضہ میں نہیں۔

بَلِ الْاَمْرُ بِيَدِ اللهِ يُصَرِّفُ كَيْفَ يَشَآءُ (ص: ۱۹۷)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ائمہ تفسیر کے ایسے جامع، مسکت اور شافی ووافی تفسیری کلمات نقل فرمادیے ہیں جسے اگر کافر معاند بھی نظر انصاف سے دیکھے تو حضور انور ﷺ کی اس آیت سے آخری نبی ہونے اور نئے نبی کے نہ آنے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں کرے گا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا ہر نقل کردہ اقتباس دیکھنے کے قابل ہے، جس کی جامعیت وخوبی کا اندازہ کتاب کے پڑھنے سے ہوسکتا ہے۔

اس کے آخر میں قادیانی شبہات کا مفصل جواب دینے کے بعد انہیں چیلنج کیا ہے کہ اے مرزائی جماعت اور اس کے متقدر ارکان! اگر تمہارے دعویٰ میں کوئی صداقت کی بو اور قلوب میں کوئی غیرت ہے تو اپنی ایجاد کردہ تفسیر کا کوئی شاہد پیش کرو اور اگر ساری جماعت مل کر قرآن کے تیس پاروں میں سے کسی ایک آیت میں، احادیث کے غیر محصور دفتر میں سے کسی ایک حدیث میں، اگرچہ ضعیف ہی ہو۔ صحابہ وتابعین کے بے شمار آثار میں سے کسی ایک قول میں یہ دکھلا دے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی مہر سے انبیاء بنتے ہیں..... لیکن میں بحول اللہ وقوتہ اعلاناً کہہ سکتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب اور ان کی ساری امت مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگائیں، تب بھی ان میں سے کوئی ایک چیز پیش نہ کرسکیں گے۔

ولو كان بعضهم لبعض ظهيراً.

اس حصہ میں حضرت مفتی صاحب نے کل ۹۹ آیتیں تفسیر کے ساتھ ختم نبوت کی دلیل پیش کی ہیں اور پھر ارشاد فرمایا ہے: ''مسئلہ ختم نبوت کا ہر پہلو قرآن مجید کی روشنی میں واضح ہو چکا۔ اس کی ننانوے آیتوں نے ہر سوتے ہوئے کو بیدار اور بیدار کو ہوشیار کر کے خدا کی حجت اہلِ عالم پر تمام کردی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی ختم نبوت پر ایمان نہ لائے تو اس کی قسمت ''فبای حدیث بعده یؤمنون'' اس کے بعد وہ کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔''

دوسرا حصہ: ختم النبوۃ فی الحدیث ہے۔ اس حصہ میں مفتی صاحب نے دوسو دس احادیث کو پیش کیا ہے اور آپ کی ختم نبوت کو ثابت کیا۔ اس حصہ کے شروع میں یہ ثابت کیا ہے کہ ''احادیث'' ختم نبوت کے متواتر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔'' بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تواتر بھی اس درجہ کا تواتر ہے جس درجہ کا آنحضرت ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کے معجزات اور قرآن مجید کا تواتر ہے۔ (ص: ۲۳)

پھر یہ ثابت کیا ہے کہ صحابۂ کرام کا سب سے پہلا اجماع مسئلہ ختم نبوت پر اس کے منکر کے مرتد واجب القتل ہونے پر ہوا ہے۔ (ص: ۳۲۶) اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان اسی جلیل القدر صحابہ کے اسمائے گرامی نقل کئے ہیں، جو ختم نبوت کے شاہد ہیں۔ اجماع صحابہ کے بعد محدثین کرام، مفسرین عظام، فقہائے علام، صوفیائے اعلام، متکلمین فہام کے اقوال اور شہادتوں سے پوری امت کا روزِ اول سے آج تک اس متفقہ اور مسلمہ عقیدہ پر جمع ہونا ثابت کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی یہ کاوش حیرت انگیز علمی اور دینی خدمت ہے جس کے بعد کوئی منصف مزاج شخص ختم نبوت کا انکار نہیں کرسکتا۔

امت کے اس عظیم دینی، علمی دلائل کے ذخیرہ کے پیش کردینے کے بعد کتب قدیم تورات، انجیل وغیرہ سے ختم نبوت کے ثبوت پیش کئے ہیں۔ ان جملہ منقول دلائل کے بعد عقلی دلائل سے مرزا کے اکاذیب و دعاوی کا قلع قمع اور ختم نبوت کا اثبات کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں مرزائیوں سے دردمندانہ اپیل ہے کہ ان آفتاب کی طرح روشن بینات ونصوص اور براہین کو بغیر تعصب اور خودغرضی کے دیکھیں تاکہ ان پر واضح ہوجائے کہ اسلامی روایات کے عظیم دفاتر میں کسی بھی غیر تشریعی یا ظلی یا بروزی یا لغوی یا مجازی یا جزوی یا غیر مستقل نبوت کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے اور نبوت کی ہر قسم کا کلی انقطاع آفتاب کی طرح واضح ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چار سو صفحات کی اس کتاب کے مندرجات کو یہ خاطی وقاصر رقم کیسے سمیٹے۔ چند لفظوں میں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ رد قادنیت اور اثباتِ ختم نبوت پر اردو میں ایک نہایت ہی قابلِ قدر، عظیم و مستند لائق ستائش و مطالعہ کتاب ہے، جو مصنف علام کی فضیلت کی ''آیات بینات'' میں شمار کی جاسکتی ہے۔

ہدیۃ المہدئین فی آیۃ خاتم النبیین

یہ کتاب حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کا جوانی کی عمر کا ۱۱۵ صفحات کا ردِ قادیانیت میں وہ لاجواب رسالہ ہے جو امام العصر حضرت محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے ارشاد [1] پر لکھا گیا ہے اور جسے نابغۃ الدہر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری عمر میں ایک لاکھ چھپوا کر ممالک عربیہ میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بنایا اور جس پر حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ، مولانا محمد رحیم اللہ بجنوری رحمہ اللہ جیسے اساطین علم وفضل کی ستائش سے پر تقاریظ موجود ہیں۔ حضرت کشمیری قدس سرہٗ انقطاع نبوت اور ابطال قادیانیت کے بارے میں کتاب کے فوائد کا تذکرہ کرنے کے بعد اپنی تقریظ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

و هاك رسالة تفسيرية حديثية كلامية فقهية و بعد ذلك كله ادبية يسرى الفاظها سراية الروح فى البدن ويقع فى قلب المؤمن كحلاوة الايمان ويجرى فى العروق كمحض اللبن. (ص : ١١٦)

تَرجَمَة: ''آپ کے سامنے یہ ایک رسالہ پیش ہے (جو انقطاع نبوت اور رد قادیانیت) کی تفسیری، حدیثی، کلامی دلائل پر مشتمل ہے۔ مزید برآں یہ رسالہ ادبی ہے۔ اس کے الفاظ (دل ودماغ) میں ایسے سرایت کر جاتے ہیں جیسے بدن میں روح اور ایمان والے کے دل میں اس کا مزہ ایمان کی حلاوت کی طرح محسوس ہوتا ہے اور اس کے اثرات رگوں میں خالص دودھ کی طرح دوڑنے لگتے ہیں۔''

ان بزرگوں کی ان پیش بہا تقاریظ کے بعد اس کتاب کے بارے میں اس ناکارہ کا کچھ لکھنا

[1] کتاب کے شروع میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے ارشاد پر مرزا صاحب کے دعاوی باطلہ بھی نقل کر دیے ہیں۔

جسارت وتحصیل حاصل ہے۔ تاہم تعارف کے چند باتیں عرض کئے دیتا ہوں:

1. ابتدا میں مرزا صاحب کی کتابوں سے اس کے نبوت وغیرہ کے دعوؤں کا اتنا تذکرہ اجمالاً کر دیا گیا ہے کہ جو اس متنبی کبیر کے دجل ودعاوی باطلہ اور تلمیع وفریب سے قاری کو معتد بہ حد تک آگاہ کر دیتا ہے۔
2. پہلے باب میں ختم نبوت کا اثبات قرآن عظیم کی آیات کریمہ سے ہے۔ تینتیس آیتیں نقل کر کے ان کی شرح کی گئی ہے جس میں آیت ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ کی تفسیر سب سے زیادہ شرح وبسط سے ہے جو کتاب کے چالیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور جس میں قرآن کی صحیح تفسیر کا معیار بیان کرنے کے بعد آیت کی تفسیر ① لغۃ عرب ② قرآن مجید ③ احادیث مبارکہ ④ آثار صحابہ وتابعین ⑤ اقوال آئمہ مفسرین سے کی گئی ہے اور آخر میں ازالۃ الشبہات کے عنوان سے مرزائیوں کے شبہات باطلہ وتحریفات واہیہ کا مثبت ومسکت جواب دیا ہے۔
3. دوسرا باب ختم نبوت کا اثبات احادیث مبارکہ سے ہے اور پھر ان احادیث کی شرح اور فوائد متعلقہ لکھے گئے ہیں۔ اس باب کی تمہید ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

لا يخفى على المتدرب ان الاحاديث الواردة فى هذا الباب اكثر من ان تحصى ولا شك فى تواترها المعنوى [1] بل بعضتها كادت تبلغ

[1] حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس میں بھی ص ۹ پر حدیث لا نبی بعدی کو معنوی لحاظ سے متواتر کہا ہے اور اس کے منکر کو کافر قرار دیا ہے۔ (خیال رہے کہ دجاجلہ قادیاں ور بوہ حضرت موصوف کی اس کتاب کی بعض عبارتوں کو سیاق وسباق سے کاٹ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ العیاذ باللہ حضرت مولانا موصوف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے نبوت کے قائل تھے۔ فلعنة الله على الكاذبين. .....آپ کی عبارت کا متعلقہ حصہ درج ذیل ہے۔ سو اگر (لفظ آیت وخاتم النبیین میں) اطلاق اور عموم ہے تب تو خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت ذاتی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے اور تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (اوکما قال) جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون تواتر تک پہنچ چکا ہے۔ پھر اس میں اجماع منعقد ہو گیا۔ گو الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر باوجود تواتر معنوی ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض، وتر وغیرہ۔ باوجود یکہ الفاظ تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی حدیث لا نبی بعدی کا منکر بھی کافر ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مبلغ التواتر اللفظی ایضاً حتی قال ابن حزم الاندلسی ان تواترها کتواتر القرآن العظیم و نبوته علیه الصلوٰة والتسلیم حیث صرح فی العلل ص: ۷۷، ج ۱،وقد صرح عن رسول الله علیه وسلم بنقل الکراف التی نقلت نبوته و اعلامه و کتابه انه اخبر انه لانبی بعدی الخ. و قال ابن کثیر مامر تفصیله هذا بعض الفاظه وبذلك وردت الاحادیث المتواترة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من حدیث جماعة من الصحابة رضی الله عنهم فهذه اعلام الحدیث وحفاظ قد صرحوا بکونها متواترة یجب الایمان به ولذا کفروا منکره فقد قال السید الآلوسی ما نصه وکونه صلی الله علیه وسلم خاتم النبیین ما نطقت به الکتاب وصدعت به السنة واجمعت علیه الامة فیکفر مدعی خلافه و یقتل ان اصر.

(روح المعانی، ج: ۷، ص: ٦٥، هدیة المهدبین، ص: ٦٤)

تَرْجَمَة : محقق ومشتاق فن شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ختم نبوت کے باب میں احادیث اس کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ شمار سے زیادہ ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ احادیث معنوی تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض تواتر لفظی تک پہنچ چکی ہیں۔ یہاں تک کہ علامہ ابن حزم الاندلسی نے کہا کہ ان کا تواتر ایسا ہی واضح اور روشن ہے جیسا کہ قرآن عظیم اور آپ ﷺ کی نبوت کا۔ جیسا کہ انہوں نے علل ص ۷، ج ا پر تصریح کی ہے۔ کہ یہ صراحت حضور انور ﷺ سے ان کثیر التعداد حضرات نے نقل کی ہے۔ جن کثیر التعداد حضرات نے آپ کی نبوت، معجزات اور کتاب کو نقل کیا ہے۔ انہوں نے آپ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور ابن کثیر نے جو کہا ہے، اس کی تفصیل گزر

چکی ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں: ''آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے احادیث متواترہ وارد ہیں، جو صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے نقل کی گئی ہیں۔ پس مذکورہ بالا علمِ حدیث کے وہ اعلام وحفاظ ہیں، جنہوں نے ختم نبوت کی احادیث کے متواتر ہونے کی صراحت کی ہے، جس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس لیے ختم نبوت کے منکر کو کافر کہا جائے گا۔ جیسا کہ علامہ سید آلوسی رحمہ اللہ نے کہا ہے جس کی عبارت یہ ہے: ''حضور انور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسی بدیہی بات ہے۔ جس کے بارے میں قرآن مجید نے تصریح فرمائی اور احادیث نبویہ نے صاف طور سے ان کو بیان فرمایا۔ اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اس لیے اس کے منکر کو کافر سمجھا جائے گا اور اگر اصرار کرے تو قتل کر دیا جائے گا۔''

اس کے بعد سترہ احادیث صحیحین سے، آٹھ باقی صحاح ستہ سے اور ۱۲۷ دگر حدیث کی کتب معتبرہ سے کل ۱۶۲ احادیث نقل کی ہیں جن میں سے ۱۴۹ احادیث ایسی ہیں، جن سے ختم نبوت کے معنی مستنبط ہوتے ہیں۔

۴: تیسرا باب: ختم نبوت کا اثبات اجماع امت سے ثابت کیا ہے۔ اس باب میں شروع میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

فاعلم ان الامة الامیة من لدن عهد النبی الکریم صلی الله علیه وسلم الی یومنا هٰذا قد اجمعت علی ان کل نبوة بعد نبینا صلی الله علیه وسلم مختتمة ومنقطعة وکل من ادعی ذلك کافر دجال باجماعهم اجمعین وقد مضت الدهور وانقضت القرون و هم علی ذلك ص: ۱۰۱

تَرْجَمَة : جان لو کہ امت امیہ (محمدیہ مرحومہ) نبی کریم ﷺ کے عہد سے آج دن تک اسی بات پر متفق ومجتمع ہے کہ نبوت کی ہر قسم ہمارے نبی ﷺ کے بعد قطعاً ختم اور کلیۃً منقطع ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور جس نے بھی (کسی قسم کی) نبوت کا دعویٰ کیا۔ وہ ان سب کے اجماع کے مطابق کافر دجال ہے اور اسی متفقہ عقیدہ پر زمانے اور صدیاں گزر گئیں کہ وہ قائم ودائم اور متفق ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس کے بعد شواہد مبینہ سے صحابہ کا اجماع مدعی نبوت کے ارتداد وقتال پر نقل کیا۔ یہ پوری تمہید قابل مطالعہ ہے، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

فعلم من امر المسيلمة ومقاتلة الصحابة على ان دعوى النبوة و لو من غير كتاب وشريعة مع تسليم نبوة خاتم الانبياء عليه الصلوٰة والسلام ارتداد و كفر يقتل مدعيه.

تَرجَمَة: ''مسیلمہ کے واقعہ سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس سے قتال (اور اس کے قتل کرنے سے) معلوم ہوتا ہے کہ اگر نبوت کا دعویٰ بغیر کتاب وشریعت کے خاتم الانبیاء علیہم السلام کی نبوت کے ماننے کے ساتھ بھی کیا جائے، تو یہ دعویٰ ارتداد وکفر ہے اور اس کا مدعی قتل کیا جائے گا۔''

اس تمہید کے بعد چونسٹھ اعیان وکبار صحابہ کے اسمائے گرامی نقل کئے گئے ہیں۔ جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اختتام نبوت کی تصریح فرمائی ہے اور نبوت کے نام کا اطلاق جس بات پر بھی ہو سکے انقطاع قطعی کو بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد اعیان امت واکابر علما وفقہا مفسرین اور صوفیہ کے اقوال اس کی تائید میں نقل کئے ہیں۔ جو ہر انصاف پسند شخص کے لیے حجت قاطع، برہان ساطع ہیں اور اس کی تسلی وتشفی کا سامان ہیں۔ آخر میں کتب امم سابقہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کو ثابت کیا ہے۔ کتاب ۱۳۴۲ھ میں تصنیف ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر منفرد، مفید، نافع اور پڑھنے پڑھانے کے لائق ہے۔ اس ایک سو پندرہ صفحات کی کتاب میں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس عنوان پر قرآن وسنت اور اسفار وکتب آئمہ امت کا عطر وخلاصہ پیش کیا ہے۔ بندہ سمجھتا ہے کہ جو شخص بھی خلوئے ذہن اور حق کوشی کی نیت سے اس رسالہ کو پڑھے گا، اس کے لئے یہ کافی ووافی ثابت ہوگا۔ والہدایۃ بیداللہ۔

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم

حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک ہستیاں انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کا خلاصہ وسرا امتیاز، رشد و

ہدایت کا مینار اور خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ نگاہِ کرم کی پروردہ اور آپ کی زندگی کا کارنامہ ہیں۔ یہی قدسیوں کی جماعت آپ کے علم وعمل کی حامل وامین وداعی اور ان کی زندگی کی شاہد و گواہ ہے۔ نصوص دینیہ، قرآن کریم واحادیث نبویہ کے پہلے راوی صحابۂ کرام ہی ہیں۔ اگر ان کی دیانت وثقاہت کو مجروح کر دیا جائے تو اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الف الف تحیہ وسلام پر سے (العیاذ باللہ) اعتبار کا سب سے محکم ذریعہ ساقط ہو جاتا ہے اور دین قویم کی عظیم ترین سند ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کی ذوات عالیہ نری تاریخی شخصیات نہیں۔ بلکہ ان کی حیثیت ''دینی'' ہے اور دین کی اسناد کی سب سے مضبوط اور سنہری کڑی وہی ہیں۔ امت کے نزدیک یہ مسلمہ اور متفقہ امر ہے کہ اسناد دین ہے۔ اس لیے صحابہ نہ صرف دین کے راوی ہیں، بلکہ خود دین اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مثنی اور نظیر ہیں اور حقیقتاً اسلام کی برتری وحقانیت کا ثبوت ہیں جن کی فضیلت پر نصوص قرآنیہ اور ارشادات نبویہ کافی ہیں۔ یہی تو قدسیوں کی وہ جماعت ہے جن کا تذکرہ امم سابقہ سے صحف کی زینت بنا، جو کبھی فاران کی چوٹیوں سے اتری اور کبھی تورات وانجیل کے اوراق کی زینت بنی۔ اس لیے ان کی زندگی کو امت نے ہر دور میں اجماعی طور پر تنقید سے بالا سمجھ کر انہیں ''عدول اور ثقہ'' قرار دیا اور ان کے اسوہ اور نمونہ کا اپنے کو محتاج سمجھا اور ان کی زندگیوں کے نقش ونگار کو ان کی مجموعی زندگی کے حسین چوکھٹے میں اس طرح سجایا کہ ان کی ہر ادائے دلبرانہ پر دل نے مرحبا کہا۔ ان کے اجتہادی ''مشاجرات'' کو اخلاص ونیک نیتی پر محمول کر دان کرا سے حوالہ خدا کیا۔ سکوت اور حسنِ ظن کو اپنا شیوہ بنایا اور ان کی مشاجرات میں بھی راہنمائی کے ایسے نمونے تلاش کیے جس کے پیش کرنے سے باقی لوگ قاصر ہیں۔ ان کی زندگیوں کو صرف تاریخی روایات کے رطب ویابس سے نہیں پرکھا گیا بلکہ انہیں قدوہ، اسوہ اور ائمہ ہدیٰ سمجھ کر ان کی زندگیوں اور ان کے نقوش قدم کی جستجو ویافت محدثانہ انداز سے کی گئی۔ اہل سنت والجماعۃ کا ہمیشہ یہ مسلک رہا کہ انہوں نے زائغین، روافض وناصبیہ اور فرق ضالہ بلکہ تاریخ تک کی عام مجروح، غیر معتدل، موضوع وباطل روایات سے صحبت خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حاملین صحابہ کے اس مجتبیٰ ومختار طبقہ پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ اور ان کے متعلق ہر بات کامل احتیاط سے کہی اور ہر قدم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پھونک پھونک کر رکھا اور معرفت صحابہ کو ایک خاص علم قرار دے کر اس پر بے شمار بیش بہا کتابیں لکھیں اور حقیقت یہ ہے کہ سید الانبیاء حضور انور ﷺ پر نازل شدہ کتاب قرآنِ کریم اور آپ کی احادیث مبارکہ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپ کے تربیت یافتہ (جنہیں کتاب اللہ نے ''والذین معہ'' کے الفاظ سے نواز کر تورات وانجیل میں بھی سراپا ستائش قرار دیا ہے۔) صحابہ کے بارے میں انتہائی حزم واحتیاط کی جائے کہ حضور انور ﷺ نے تنبیہ فرمائی تھی:

الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضاً من بعدی فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابعضهم فببغضی ابغضهم ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله فیوشك ان یاخذه. (جمع الفوائد، ص: ٤٩١، ج ٢)

تَرجَمَة: ''اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں۔ خبردار رہو، میرے بعد انہیں اپنے طعن وتشنیع، ملامت وتنقید کا نشانہ نہ بناؤ کہ اصل بات یہ ہے کہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو (اصلاً) میرے بغض کے سبب سے ہی ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں پکڑے۔''

حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حضرت الاستاذ نابغۃ الدہر علامہ محمد یوسف البنوری نور اللہ مرقدہٗ نے عقبات کے مقدمہ میں خوب لکھا ہے:

اذا قلنا لرجل انه صحابی او انه صحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فناهیك به مزیة وفضیلة فی قوة ایمانیه وشدة یقینه وکمال اخلاصه وعمق علمه وحسن عمله وجهاد فی سبیله وایثار لما عند الله و زهد فی الدنیا فکاننا اثبتا کل کمال وجمال

وکل فضل ونبل فاذن ذلك ابلغ تعبیر و اوجزه لاثبات فضل و کمال قال سیدنا عبدالله بن مسعود رضی الله عنه ذلك الصحابی الجلیل الذی قال فیه سیدنا الفاروق رضی الله عنه: ''کهنف ملئی علما وفقها'' فی اصحاب سیدنا الرسول الله صلی الله علیه وسلم أُولٰئك اصحاب محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرها قلباً اعمقها علما واقلها تکلفا اختارهم الله لصحبة نبیه صلی الله علیه وسلم ولاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علی اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم و سیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم.[1] (طبقات)

تَرجَمَة: جب ہم کسی شخص کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ صحابی ہے یا اس نے حضرت محمد ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے تو صحابہ کی قوت ایمان، شدت یقین، کمال اخلاص، علمی گہراؤ، حسن عمل، جہاد اور اللہ تعالیٰ کی مرغوبہ چیزوں کی ترجیح اور دنیا سے بے رغبتی میں فضیلت و کمال سمجھنے کے لیے یہ لفظ (صحابی) تیرے لیے کافی ہے۔ گویا (جب ہم کسی شخص کو صحابی یا اس کے لیے صحبت رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں) تو اس شخص کے لیے ہم ہر کمال وحسن، فضیلت وشرافت کو ثابت کر دیتے ہیں۔ (کہ لفظ صحابی میں یہ سب کچھ موجود ہے۔) اس طرح صحابی کے لفظ کا استعمال فضل وکمال ثابت کرنے کے لیے بلیغ ترین اور مختصر ترین تعبیر ہے۔ صحابی جلیل سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جن کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ علم وفقہ سے بھرپور تھیلی ہیں۔ ان (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) کا ارشاد ہے: وہ اصحاب محمد ﷺ اس امت میں سب سے افضل تھے، جن کے دل سب سے پاکیزہ جن کا علم

[1] حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ نے عبارت تکلفاً تک نقل کر کے الخ کا اشارہ کر دیا۔ راقم نے باقی عبارت جمع الفوائد ج:۱ سے نقل کر دی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سب سے گہرا ہے، جو سب سے کم تکلف کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چنا تھا تا کہ وہ ان کے دین کو قائم کریں، پس ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو اور جس قدر ممکن ہو ان کے اخلاق اور سیرت کو مضبوطی سے پکڑو کہ وہ سیدھے راستے پر تھے۔

''صحابہ کا مقام'' کوئی کیا بیان کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سرتاج خلائق، زبدۂ کائنات اور ذروۂ فضائل بشریت تھے۔ زمانے کا کلیجہ نہ تھا کہ ان قدسی ہستیوں کو ایک قرن سے زیادہ سنبھال سکتا:

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخِ زیبا لے کر

امت ہمیشہ اس سرجلوہ خیر الامم طبقہ کی انتہائی قدر و منزلت کرتی رہی اور ہمیشہ اسے ایک ''مقام خاص'' کا حامل سمجھ کر ان نجوم ہدایت سے فیض پاتی رہی اور اپنی ''زبان و قلم'' کی تنقید و اعتراض سے ہمیشہ اسے بالا سمجھا اور اہل سنت والجماعت کا ایک خصوصی امتیاز ہی یہ سمجھا گیا کہ وہ ''حاملانِ صحبت نبوت'' اور ''والذین معہ'' کے اس زمرۂ مقربین کو قدوہ و رہنما سمجھتی ہے۔ ان سے راہ پاتی ہے اور اپنے کو ''راہ بین'' جان کر ان نفوسِ قدسیہ کی جانچ و تنقید اپنے ''ذہنی و خود ساختہ'' پیمانوں سے نہیں کرتی اور نہ ہی تاریخی روایات و حکایات کے ''رطب و یابس'' کو معیار بنا کر ان خاصان خدا کو ہدف جرح بناتی ہے۔ ''مشاجرات صحابہ'' کے بارے میں ان کا عمل رئیس التابعین حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے اس زرین ارشاد پر کف لسان اور سکوت ہے:

وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال قتال شهده اصحاب محمدصلی الله علیه وسلم وغبنا وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا. (تفسیر قرطبی سوره الحجرات)

تَرْجَمَة: ''حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے صحابہ کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو

جواباً ارشاد فرمایا اس قتال میں اصحاب محمد ﷺ حاضر تھے۔ اس لیے وقت کی ضروریات دینی سے واقف تھے اور ہم غائب تھے، اس لیے حقیقت حال کو پورا نہیں جانتے۔ اس لیے جس چیز پر ان کا اتفاق ہوا۔ اس میں ہم نے ان کی پیروی کی اور جس چیز میں ان کا اختلاف ہوا۔ اس میں ہم نے توقف اور سکوت اختیار کیا۔''

کیا قیامت ہے کہ اہل سنت والجماعت اور جمہور علما امت کے متفقہ مسلک کے خلاف اس دور کے بعض ''اہل قلم وزعما'' نے جو ''تجدید ملت'' اور ''اصلاح امت'' کے داعی ہیں اور طریقہ سلف اور اہل سنت والجماعت کے زمرہ میں اپنے کو شمار کرتے ہیں۔ خیر القرون کے ان خیار امت اور ﴿السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ کے بعض ممتاز افراد کو خصوصاً اور باقی اصحاب کو عموماً اپنی تنقید کا تختہ مشق بنایا ہے اور ان کا العیاذ باللہ ''محاسبہ'' عام اعیان اور رجال تاریخ کی طرح عمومی معیار تاریخ پر کیا ہے اور اسے عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت قرار دے کر اپنے ایک دینی فریضہ کی ادائیگی قرار دیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صحابہ بھی تاریخ انسانی کے عمومی رجالِ منصب و جاہ تھے، جن کا کوئی دینی مقام خاص نہ تھا اور نہ ہی ''اسلامی جرح و تعدیل'' کی ''حدود و قیود'' اور ''مشاجرات صحابہ'' کے بارے میں کفِ لسان کی پابندیاں کوئی اہمیت رکھتی تھیں۔ کاش شیخ شیرازی رحمہ اللہ کا یہ حکیمانہ قول ان کے سامنے ہوتا:

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

تو وہ صحبت نبوت کے ان تاجداروں اور خدائی مغفرت و غفران اور رضائے حق کا صلہ پانے والے اس مرحوم و مغفور گروہ پر اپنی زبان دراز کرتا، نہ ہی ان کے بارے میں جمہور امت کے چودہ سو سالہ کف لسان کے زرین اصول کو توڑتا۔ امت کے اساطین علماء، فقہاء، مفسرین اور متکلمین ﴿فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ کے بارے میں دفاع کے جن اصولوں کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ روافض و ناصبین اور ہر دور کے ملاحدہ کا شافی و کافی جواب دیتے رہے ہیں۔ وہ بھی امت کے مسلمہ عقیدہ، جمہور امت کے دینی جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے وہ طرز اختیار کرتے۔ لیکن واحسرتا!

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تکیہ جن پتوں پہ تھا وہی ہوا دینے لگے

اس کے سوا کیا کہا جائے:

غنی روزِ سیاہ پیر کنعان را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

قرآن کریم کی یہ آیتیں کاش مشعلِ راہ ہوتیں:

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ [سورة البقرة: 133]

تَرجَمَة :وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی۔ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کاموں کی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب ''مقامِ صحابہ'' اپنوں کے بھڑکائے ہوئے اس فتنہ مضلہ پر ایک دردمند دل کی کربناک پکار ہے جسے حضرت مفتی صاحب نے مسئلہ کی انتہائی اہمیت ونزاکت کے پیش نظر اپنی عمر کے آخری دور میں بیماری کی حالت میں لکھا۔

چنانچہ اپنی اس وقیع کتاب کی تمہید میں ارقام فرماتے ہیں:

''زیر نظر مقالہ کا نام ''مقام صحابہ'' رکھا ہے تاکہ پہلے ہی معلوم ہوجائے کہ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب کی کتاب نہیں۔اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں بحمد اللہ ہر زبان میں موجود ہیں اور تمام کتب حدیث میں اس کے ایک نہیں، بہت سے ابواب موجود ہیں۔اسی طرح ..... یہ کوئی تاریخ کی کتاب بھی نہیں جس میں افراد ورجال کے اچھے برے حالات درج ہوتے ہیں۔

''مقام صحابہ'' میں مجھے یہ دکھلانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس معاملے میں تمام دنیا کے افراد ورجال کی طرح نہیں کہ ان کے مقام کا فیصلہ نری تاریخ اور اس کے بیان کردہ حالات کے تابع کیا جائے بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک ایسے مقدس گروہ کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ اور عام امت کے درمیان اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ایک واسطہ ہے۔اس واسطے کے بغیر نہ امت کو قرآن ہاتھ آسکتا ہے،

نہ قرآن کے وہ مضامین جن کو قرآن نے رسول اللہ ﷺ کے بیان پر چھوڑا ہے۔ ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ نہ رسالت اور اس کی تعلیمات کا کسی کو اس واسطے کے بغیر علم ہوسکتا ہے۔یہ رسول اللہ ﷺ کے زندگی کے ساتھی آپ کی تعلیمات کو تمام دنیا اور اپنے زن وفرزند اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے آپ کے پیغام کو اپنی جانیں قربان کرکے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلانے والے ہیں۔ان کی سیرت رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ایک جزؤ ہے۔یہ عام دنیا کی طرح صرف کتب تاریخ سے نہیں پہنچانے جاتے بلکہ نصوص قرآن وحدیث اور سیرت رسول اللہ ﷺ سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ان کا اسلام اور شریعت اسلام میں ایک خاص مقام ہے۔میں اس مقالہ کو ''مقام صحابہ'' کے عنوان سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اس کی ضرورت واہمیت تو بہت زمانہ سے پیش نظر تھی۔مگر اس کے لکھنے کا ایسا قوی داعیہ جو دوسرے کاموں کو مؤخر کرکے اس میں لگادے۔اس وقت جب کہ یہ ناکارہ اپنی عمر کا چہتر ویں منزل سے گزر رہا ہے،قویٰ جواب دے چکے ہیں،مختلف قسم کے امراض کا غیر منقطع سلسلہ ہے.....ان حالات میں یہ داعیہ قوی ہونے کا سبب موجودہ زمانے کے کچھ حوادث ہیں۔یہ تو سب کو معلوم ہے کہ امت کے گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ جو عہدِ صحابہ ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخی سے پیش آتا ہے اور اسی بناء پر عام امت محمدیہ اس سے منقطع ہے۔مگر امت کے عام فرقے خصوصاً جمہور امت جن کو اہل السنۃ والجماعت کے لقب سے ذکر کیا جاتا ہے۔وہ سب کے سب صحابہ کرام کے خاص مقام اور ادب واحترام پر متفق اور ان کی عظیم شخصیتوں کو اپنی تنقیدات کا نشانہ بنانے سے گزر کرتے رہے اور اس کو بڑی بے ادبی سمجھتے رہے،مسائل میں اختلاف صحابہ کے وقت دو متضاد چیزوں پر ظاہر ہے عمل نہیں ہوسکتا،ان میں سے ایک کو اجتہاد شرعی کے ساتھ اختیار کرلینا اور بات ہے۔وہ کسی شخصیت کو ہدف تنقید بنانے سے مختلف چیز ہے۔

لیکن اس زمانے میں یورپ سے جو اچھی بری چیزیں اسلامی ملکوں میں درآمد کرلی گئی ہیں۔ان میں ہر چیز کی تحقیق وتنقید (ریسرچ) بھی ہے،تحقیق وتنقید فی نفسہٖ کوئی بری چیز نہیں.....لیکن اسلام نے ہر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چیز اور ہر کام کے کچھ حدود مقرر کئے ہیں۔ان کے دائرے میں رہ کر جو کام کیا جائے وہ مقبول ومفید سمجھا جاتا ہے۔حدود واصول کو توڑ کر جو کام کیا جائے وہ فساد قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن یورپ سے درآمد کی ہوئی ریسرچ وتحقیق نام ہی بے قید اور آزاد تنقید کا ہے۔ادب واحترام اور حدود کی رعایت اس میں ایک بے معنی چیز ہے۔

افسوس ہے کہ اس زمانے کے بہت سے اہلِ علم بھی اس نئے طرزِ تنقید سے متاثر ہوئے۔بغیر کسی دینوی ودنیوی ضرورت کے بڑی بڑی شخصیتوں کو آزاد جرح وتنقید کا ہدف بنالینا ایک علمی خدمت اور محقق ہونے کی علامت سمجھی جانے لگی۔اسلاف امت اور آئمہ دین پر تو یہ مشقِ ستم بہت زمانے سے جاری تھی۔اب بڑھتے بڑھتے صحابہ کرام تک بھی پہنچ گئی۔اپنے آپ کو اہل السنۃ والجماعت کہنے والے بہت سے اہل قلم نے اپنی ریسرچ وتحقیق وعلمی توانائی کا بہترین مصرف اسی کو قرار دے دیا کہ صحابہ کرام کی عظیم شخصیتوں پر جرح وتنقید کی مشق کی جائے۔

بعض حضرات نے ایک طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید کی تائید وجماعت کا نام لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد بلکہ پورے بنی ہاشم کو ہدف تنقید بناڈالا اور اس میں ادب و احترام تو کیا اسلام کے عادلانہ اور حکیمانہ ضابطہ تنقید کی بھی ساری قیود وحدود کو توڑ ڈالا۔اس کے بالمقابل دوسرے بعض حضرات نے قلم اٹھایا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر اس طرح کی جرح وتنقید سے کام لیا۔نئی تعلیم پانے والے نوجوان جو علوم دین اور آداب دین سے ناواقف، یورپ سے درآمد کی ہوئی نئی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔وہ ان دونوں سے متاثر ہوئے اور ان حلقوں میں صحابہ کرام پر زبان طعن دراز ہونے لگی اور صحابہ کرام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کے درمیانی واسطہ ہیں، ان کو دنیا کے عام سیاسی لیڈروں کی صف میں دکھایا جانے لگا، جو اقتدار کی جنگ کرتے ہیں اور اپنے اپنے اقتدار کے لیے قوموں کو گمراہ اور تباہ کرتے ہیں۔صحابہ کرام پر تبرآ کرنے والا گمراہ فرقہ تو ایک خاص فرقہ کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔عام مسلمان ان کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتے، بلکہ نفرت کرتے ہیں۔مگر اب یہ فتنہ خود اہل سنت والجماعت کہلانے والے مسلمانوں میں پھوٹ پڑا اور یہ ظاہر ہے کہ خدانخواستہ اگر

مسلمان صحابہ کرام ہی کے اعتماد کو کھو بیٹھے تو پھر نہ قرآن پر اعتماد رہتا ہے، نہ حدیث پر، نہ دینِ اسلام کے کسی اصول پر، اس کا نتیجہ کھلی بے دینی کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔یہ سبب ہوا، جس نے ان حالات میں اس موضوع پر قلم اٹھانے کے لیے مجبور کردیا۔ انه المستعان وعليه التكلان.''

اسی قسم کے خیالات کا اظہار کتاب کے اختتام پر ایک دردمندانہ گذارش کے نام سے کیا ہے۔ (دیکھو، ص: ۱۴۱ تا ۱۴۳) اس گذارش کی ابتدا میں یہ شعر بھی نقل کئے ہیں:

گریہ شام سے بھی کچھ نہ ہوا
ان تک اب نالۂ سحر جائے
دل مجروح کی صدا ہے یہ
کاش دل میں ترے اتر جائے

''مقام صحابہ'' ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں پچیس عنوانات کے تحت ''مقام صحابہ'' کے بارے میں جملہ وبنیادی مسائل پر مؤثر سیر حاصل بحث ہے۔اہم عنوانات یہ ہیں:

صحابہ اور مشاجرات صحابہ کا مسئلہ۔صحابہ کرام کی چند خصوصیات، نصوص قرآن کریم۔صحابہ کرام کا خصوصی مقام احادیث نبویہ میں۔قرآن وسنت میں مقام صحابہ کا خلاصہ اس پر امت کا اجماع۔الصحابۃ کلھم عدول کا مفہوم۔مشاجرات صحابہ کے معاملہ میں امت کا عقیدہ اور عمل کہ صحابہ کرام معصوم نہیں بلکہ مغفور ومقبول ہیں۔مستشرقین اور ملحدین کے اعتراضات کا جواب۔مشاجرات صحابہ اور کتب تاریخ۔یہ حق وانصاف کا فیصلہ ہے یا تحقیق حق سے فرار۔

کتاب میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ مقامِ صحابہ کے بارے میں اس مہلک غلط فہمی کا بڑا سبب حضرات صحابہ کو عام رجال امت کی طرح صرف تاریخی صحیح وسقیم روایات کے آئینہ میں دیکھنا ہے اور قرآن وسنت کی نصوص اور امت کے اجتماعی عقیدہ نے جو امتیاز صحابہ کرام کو عطا کیا ہے وہ نظر انداز کردیا گیا ہے۔وہ امتیازی خصوصیات حضرات صحابہ کی یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان سب کے بارے میں رضی اللہ عنہم و رضوعنہ کہا اور ان کا مقام جنت ہونے کا اعلان کردیا اور جمہور امت نے ان کی ذات وشخصیات کو اپنی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جرح وتنقید سے بالاتر سمجھا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی تاریخ کی اہمیت کی وضاحت فرمانے کے باوجود یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں روایات تاریخی خواہ کہیں بھی ہوں فروتر ہیں۔ اس نئے دین اور شخصیات صحابہ جو کہ ''دین ہیں'' ان کی بنیاد نری تاریخ پر رکھی نہیں جاسکتی۔ اس بارے میں عجیب مباحث آگئے ہیں۔ تاریخ، رواۃِ تاریخ، احادیث ورواۃ حدیث پر مباحث قابل دید ہیں۔ صحابہ اور مشاجرات صحابہ کے مسئلہ کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کی معرفت، ان کے درجات اور ان میں پیش آنے والے باہمی اختلاف کا فیصلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ معرفت صحابہ تو علم حدیث کا اہم جزؤ ہے جیسا کہ مقدمہ اصابہ میں حافظ ابن حجر اور مقدمہ استیعاب میں حافظ عبدالبر نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرام کے مقام اور باہمی تفاضل ودرجات اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کے فیصلہ کو علماء امت نے عقیدہ کا مسئلہ قرار دیا اور تمام کتب عقائد اسلامیہ میں سے ایک مستقل باب کی حیثیت کے لکھا ہے۔ ایسا مسئلہ جو عقائد اسلامیہ سے متعلق ہے اور اس مسئلہ کی بنیاد پر بہت سے اسلامی فرقوں کی تقسیم ہوئی۔ اس کے فیصلے کے لیے بھی ظاہر ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص اور اجماع امت جیسی شرعی حجت درکار ہے۔ اس کے متعلق اگر کسی روایت سے استدلال کرنا ہے تو اس کو محدثانہ اصول تنقید پر پرکھ لینا واجب ہے۔ اس کو تاریخی روایتوں میں ڈھونڈنا اور ان پر اعتماد کرنا اصولی اور بنیادی غلطی ہے۔ وہ تاریخیں کتنے ہی بڑے ثقہ اور معتمد علماء احادیث ہی کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہوں، ان کی فنی حیثیت ہی تاریخی ہے۔ جس میں صحیح وسقیم روایات جمع کردینے کا عام دستور ہے۔''

صحابہ کی معرفت کی اس بحث میں اختصار واجمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے تو قرآنی آیتوں سے صحابہ کرام کی بین اور ممتاز خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں اور ان کے ذیل میں اعیان مفسرین وعلماء امت کے اقوال سے ان کے اس خصوصی امتیاز وفضیلت کو مبرہن کیا ہے۔ پھر احادیث نقل کرکے ان سے صحابہ کے

مقتدا، مختار ومجتبیٰ اور افضل الناس بعد الانبیاء (علیہم السلام) وغیرہ ہونے کو مستنبط فرمایا ہے اور دلائل واضحہ سے انہیں مدلل فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''مذکور الصدر آیات قرآنی اور روایات حدیث میں نہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا اور ان کو رضوان الٰہی اور جنت کی بشارت دی گئی، بلکہ امت کو ان کے ادب واحترام اور ان کی اقتدا کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ان میں سے کسی کو برا کہنے پر سخت وعید فرمائی ہے، ان کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ان سے بغض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کا یہی وہ درجہ اور منصب ہے جس کو زیر نظر مقالہ ''مقام صحابہ'' میں پیش کرنا ہے۔ ایک دو گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر باقی امت محمدیہ کا ہمیشہ سے صحابہ کرام کے بارے میں اسی اصول پر اجماع واتفاق رہا ہے، جو اوپر کتاب وسنت سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس اجماع کا عنوان عام طور پر کتب حدیث اور کتب عقائد یہ ہے کہ ''الصحابۃ کلہم عدول'' حاصل مفہوم اسی جملہ کا وہی ہے، جو اوپر کتاب وسنت کے حوالوں سے صحابہ کرام کے درجہ ومقام کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ ص:۶۱-۶۲

اس کے بعد صحابہ کے باہمی جنگوں کو ان کا ''اجتہاد'' قرار دے کر ایک گروہ کے عمل کو صواب اور دوسرے کے عمل کو خطاء اجتہادی قرار دیا ہے اور اس بارے ''کف لسان'' اور سکوت کو ہی اسلم قرار دیا ہے۔ اس کے بعد علامہ قرطبی کی تفسیر سے ایک عبارت نقل کی ہے جس میں سلف صالحین کے اقوال سے مشاجرات صحابہ پر بہترین تحقیق کی گئی ہے۔ بعد ازاں دیگر ائمہ سلف کی کتابوں سے اس بحث میں نہایت مفید عبارات نقل کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کے عدل وثقہ ہونے پر اجماع واتفاق ہے اور اس پر بھی کہ ان کے درمیان پیش آنے والے مشاجرات میں خوض نہ کیا جائے یا سکوت اختیار کیا جائے۔ یا پھر ان کی شان میں ایسی بات کہنے سے گریز کریں، جس سے ان میں سے کسی کی تنقیص ہوتی ہو۔ حضرت مفتی صاحب نے علامہ سفارینی کی کتاب سے دو اچھے شعر نقل کئے ہیں:

واحذر من الخوض الذی قد یزری بفضلهم مما جری لو تدری
فانه عن اجتهاد قد صدر فاسلم اذل الله من لهم هجر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تَرجَمَة :''اور پرہیز کرو صحابہ کرام میں پیش آنے والے جھگڑوں میں دخل سے جس میں ان میں سے کسی کی تحقیر ہو۔''

کیوں کہ ان کا جو عمل بھی ہوا، اپنے شرعی اجتہاد کی بنا پر ہوا ہے، تو سلامتی اختیار کرو۔ اللہ ذلیل کرے اس شخص کو جو ان کی بدگوئی کرے۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''صحابہ کرام معصوم نہیں مگر مغفور و مقبول ہیں'' کے عنوان کی تحت میں صحابہ کرام کے سات خصوصی امتیازات نقل کی ہیں، جن کی وجہ سے ان کے بارے میں امت کا یہ عقیدہ قرار پایا کہ ان کی طرف کسی عیب و گناہ کی نسبت نہ کریں۔ ان کی تنقیص و توہین کے شائبہ سے بھی گریز کریں کہ سلف صالحین نے عموماً ان معاملات (مشاجرات صحابہ) میں کف لسان اور سکوت کو ایمان کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ص: ۱۱۳-۱۱۴

کتاب کے خاتمہ سے پہلے اس سلسلے میں مستشرقین اور ملحدین کے مسکت اور مدلل جواب دیے گئے ہیں۔ غرض ''مقام صحابہ'' لکھ کر حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا اور ایک ایسے فتنہ کی بیخ کنی کا علمی سامان بہم پہنچایا جس کے شروع ہونے سے پوری دینی عمارت العیاذ باللہ منہدم ہو سکتی ہے۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر الامة خیر الجزاء.

سیرت خاتم[1] الانبیاء ﷺ

مسلمانوں کے علوم خاصہ میں ''سیرت'' کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس امت کا ''دین'' حضور

[1] راقم نے یہ سیرت سب سے پہلے ''اوجز السیر'' کے نام سے اپنے لڑکپن میں جب بندہ نویں جماعت میں تھا انجمن اسلامیہ شملہ کے بنا کردہ اسلامیہ ہائی اسکول کے نصاب میں پڑھی تھی۔ اس کے دھندلے نقوش اور تعداد ازواج اور جہاد پر مؤثر تحریر کا ہلکا سا خاکہ دماغ میں اب بھی کچھ تھا۔ کتاب تقسیم ہند کی وجہ سے شملہ میں رہ گئی تھی۔ اس وقت جو کتاب ہاتھ آئی وہ کتب خانہ مدرسہ رفیع الاسلام بھانہ ماڑی پشاور کی مملوکہ تھی۔ جواب پشاور یونیورسٹی لائبریری کا حصہ ہے۔ اس کتاب مطبوعہ ۱۳۴۵ھ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حضرت الاستاد علامہ محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کے مطالعہ میں رہی ہے۔ ایک جگہ ص ۶۰ کے حاشیہ پر رسالہ الشاریخ فی علم التاریخ پر یہ الفاظ لکھے ہیں:
واظن ان الصحیح الشماریخ فی علم التاریخ (سید محمد یوسف بنوری م-۱)

انور ﷺ کی حیات طیبہ کے نقوش ظاہری و باطنی اور آپ کا اسوۂ کاملہ ہے جو قرآن عظیم کی مجسم و مجسد تصویر اور نبوت کبریٰ کی جہاں تاب تمثال اور کاشانۂ عالم کا سراج منیر ہے جس کی ہر کرن دلوں کا نور، ہر شعاع چراغِ طور اور جس کا ہر عمل جاذبِ رحمت، ہر خلق آیت قرآنی، ہر گفتہ دلیل فرقانی، ہر قدم دستورِ نجات انسانی اور ہر طریقہ کاشف رضائے ربانی اور ہر ادا موجب حب صمدانی ہے۔ دانائے شیراز نے خوب کہا ہے:

کریم السجایا جمیل الشیم نبی البرایا شفیع الامم
امام رسل پیشوائے سبیل امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوری خواجہ بعث ونشر امام الہدیٰ صدر ایوانِ حشر
کلیمے کہ چرخ فلکِ طور اوست ہمہ نور ہا پر تو نور اوست
شفیع مطاع نبی کریم قیم جسیم نسیم وسیم
یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت بشت

حضور انور ﷺ کی محبت اور دینی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر امت نے ہر دور اور ہر ملک میں سیرت پاک سے اشتغال رکھا اور الحمد للہ محقق و محتاط سیرت نگاروں نے اس فریضہ کو کمال خوبی سے ادا کیا اور ہر زبان میں سیرت پر بڑی چھوٹی اور منجھولی کتابیں مہیا فرما کر نبی الانبیاء سید الرسل ﷺ کے جمال جہان آراء سے عالم کو روشنی بخشی۔ اردو میں بھی سیرت النبی (شبلی رحمہ اللہ و سلیمان ندوی رحمہ اللہ) رحمۃ اللعالمین ﷺ (سلیمان منصور پوری) وغیرہ کی ضخیم مجلدات سے لے کر اوسط کتابوں اور دو چار صفحات کے رسائل تک ایک بڑا ذخیرہ سیرت پاک پر مہیا ہو چکا ہے۔ خوش نصیب و سعادت مند ہیں وہ حضرات جو اس قدسی الصفات ذاتِ گرامی ﷺ کی سیرت نگاری کے شرف سے ممتاز ہوئے۔ انہیں خوش بخت مصنفین میں ہمارے ممدوح حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ ہیں جن کی مختصر سیرت اوجز السیر یا سیرت خاتم الانبیاء ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کتاب کے مقدمہ میں سیرت کی اہمیت اور اس کی کتابوں کی ہر زبان میں کثرت پر ارقام فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

''اردو زبان میں بھی قدیم و جدید بہت سی سیرتیں موجود ہیں جو اہلِ ہند کی طرف سے اس فریضہ کو ادا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کر چکی ہیں لیکن میری نگاہ عرصہ سے ایسی مختصر سیرت کو ڈھونڈ رہی تھی، جس کو ہر کاروباری مسلمان مرد وعورت دو تین مجلسوں میں ختم کر کے اپنا ایمان تازہ کر سکے اور اسوۂ نبویہ کو اپنا رہنما بنا سکے اور جو اسلامی انجمنوں اور مدارس کے ابتدائی نصاب میں درج ہو سکے اور جس میں اختصار کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا اجمالی نقشہ مکمل طور سے پیش کر دیا گیا ہو۔ مگر ایسا کوئی رسالہ اردو زبان میں میری نظر سے نہ گزرا، اسی عرصہ میں بعض احباب شملہ نے اپنی اسلامی انجمن کے لیے ایسے رسالہ کی ضرورت محسوس کر کے احقر سے فرمائش کی۔ تو باجود اپنی کم علمی اور پھر اس کے ساتھ مشاغل تعلیم وتعلم کے اس خیال سے قلم اٹھایا کہ جس وقت سید الکونین ﷺ کے سیرت نگاروں کے نام پیش ہوں تو شاید کسی گوشہ میں اس سیہ کار کا نام بھی آ جائے:

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ست

اس لیے بنام خدا قلم اٹھایا اور امور ذیل کا التزام کرتے ہوئے سیرت کی معتبر کتابوں کا لب لباب اس رسالہ میں پیش کر دیا۔

1. اس کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا کہ رسالہ طویل نہ ہو جائے اور اسی وجہ سے ملک عرب کے جغرافیائی حالات اور عرب وعجم کی حالت قبل از اسلام وغیرہ جو سیرت کا جزؤ سمجھے جاتے ہیں اور ایک حد تک مفید بھی ہیں، ان سے قطعِ نظر کر کے صرف ان حالات پر اکتفا کرنا پڑا جو خاص آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے متعلق ہیں اور اسی اختصار کی وجہ سے پہلی طباعت میں اس کا نام اوجز السیر لخیر البشر رکھا تھا یعنی نہایت مختصر سوانح عمری۔ لیکن چونکہ یہ نام عام فہم نہ تھا اور کتاب عوام ہی کے لئے لکھی گئی ہے اس لیے طبع ثانی میں اصلی نام کو برقرار رکھتے ہوئے عام شہرت کے لیے سیرت خاتم الانبیاء ﷺ نام رکھا گیا۔
2. اختصار کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھا گیا کہ جامعیت ہاتھ سے نہ جائے اور بحمد اللہ تمام ضروری واقعات تقریباً اس رسالہ میں لے لئے گئے ہیں۔
3. مسائل جہاد، تعداد ازواج وغیرہ پر جو مخالفین کے اوہام ہیں۔ ان کے بھی موٹے موٹے مگر شافی جوابات درج کئے گئے ہیں۔

4. رسالہ کا ماخذ کل معتبر اور مستند کتابیں ہیں۔ جن کے حوالے بھی ہر موقع پر بقید صفحات لکھ دیے گئے ہیں ..... خدا تعالیٰ کا ہزاروں ہزار شکر کہ اس نے ناچیز کو قبولیت عطا فرمائی اور سب سے پہلے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اس کو پسند فرما کر خانقاہ امدایہ کے نصاب درس میں داخل فرمایا اور خانقاہ کے ماہوار رسالہ النور بابت ماہ شوال ۱۳۴۴ھ میں بضمن وصیت اس کا اعلان فرماتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی طرف رغبت دلائی اور بہت جلد طبع ثانی کی نوبت آئی۔ والحمد للہ فی اولہ اخرہ۔'' (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ)

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے کتاب کے تقریباً تمام خصائص اپنے قلم سے لکھے دیے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اردو کی مختصر ''سیرت'' کی کتابوں میں یہ کتاب اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ سہولت، تاثیر وایجاز کے ساتھ جامعیت کا اچھوتا نمونہ ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے اسکول ومدارس ہر کہ ومہ کی رطب ویابس سے بھری ہوئی عام کتابوں کی بجائے اسے اپنے نصاب میں داخل کرائیں۔

کتاب کے مضامین کے تنوع وجامعیت کا سرسری اندازہ عنوانات پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تعارف کے لیے عنوانات نقل کرتا ہوں:

1. آنحضرت ﷺ کا نسب شریف۔
2. ولادت سے پہلے آپ کی برکات کا ظہور۔
3. آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت۔
4. آپ ﷺ کے والد ماجد کی وفات۔
5. رضاعت وزمانہ طفولیت۔
6. آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کی وفات۔
7. عبدالمطلب کی وفات۔
8. آپ ﷺ کا سفر شام۔
9. دوبارہ سفر شام بغرض تجارت۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

10. حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح۔
11. آپ ﷺ کی اولاد حضرت خدیجہ کے بطن سے۔
12. آپ ﷺ کی چاروں صاحبزادیاں۔
13. باقی ازواج مطہرات۔
14. تعداد[1] ازواج کے متعلق ضروری تنبیہ۔
15. آپ ﷺ کے چچا اور پھوپھیاں۔
16. آپ ﷺ کے موالی۔
17. آپ ﷺ کے پہرہ داری کرنے والے۔
18. بناء کعبہ اور قریش کا آپ ﷺ کو باتفاق امین تسلیم کرنا۔
19. عطاء نبوت۔
20. دنیا میں اشاعت اسلام۔
21. اعلاناً دعوت اسلام۔
22. تمام عرب کی مخالفت وعداوت اور آپ ﷺ کی استقامت۔
23. تمام قبائل عرب کے مقابلہ میں آپ ﷺ کا جواب۔
24. کفار کا لوگوں میں نفرت پھیلانا اور اس کا الٹا نتیجہ۔
25. قریش کا آپ ﷺ کو ہر قسم کی طمع دینا اور آپ ﷺ کا جواب۔

[1] حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ''تعداد ازواج'' پر اس مختصر مضمون میں معترضین کے اعتراضات کے نہایت جامع، شافی ومؤثر جوابات دے دیے ہیں جن کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ چالیس سال پہلے لڑکپن میں پڑھے ہوئے یہ دلائل آج تک ذہن کی تشفی کا سامان ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے خود لکھا ہے، اس مختصر رسالہ میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ ورنہ دکھلایا جاتا کہ آپ ﷺ کے یہ متعدد نکاح کس قدر اسلامی اور شرعی ضرورتوں پر مبنی تھے۔ نیز اگر یہ نہ ہوتے تو بہت سے احکام جو عورتوں ہی کے ذریعہ سے امت کو پہنچ سکتے تھے، وہ مخفی رہ جاتے۔ کس قدر بے حیائی اور حق کشی ہے کہ حضرت رسالت ﷺ کے اس تعدد ازواج کو نفسانی خواہشوں پر محمول کیا جائے۔ اگر باطل پرستی نے عقل وحواس کو نہیں کھالیا تو کوئی کافر بھی ایسا نہیں کرسکتا۔''

26. قریش کی ایذا رسانی اور آپ ﷺ کی استقامت۔
27. آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ اور آپ ﷺ کا بین معجزہ۔
28. صحابہ کے لیے ہجرت حبشہ کا حکم۔
29. طفیل بن عمر دوسی کا مشرف باسلام ہونا۔
30. ابوطالب کی وفات۔
31. ہجرت طائف۔
32. اسراء ومعراج۔
33. اسراء نبوی پر عینی شہادتیں۔
34. خود کفار قریش کی چشم دید شہادتیں۔
35. مدینہ طیبہ میں اسلام۔
36. سب سے پہلا مدرسہ مدینہ طیبہ میں۔
37. ہجرت کی ابتدا۔
38. نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ۔
39. غار ثور کا قیام۔
40. غار ثور سے مدینہ کی طرف روانگی۔
41. رسول اللہ ﷺ کا معجزہ۔
42. ام معبد اور ان کے خاوند کا اسلام۔
43. سراقہ بن مالک کا راستہ میں پہنچنا اور اس کے گھوڑے کا زمین میں دھنسنا۔
44. سراقہ کی زبان سے آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف۔
45. نزولِ قبا۔
46. حضرت علی کی ہجرت اور قبا میں آپ ﷺ سے ملنا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

47 اسلامی تاریخ کی ابتداء۔

48 مدینہ طیبہ میں داخل ہونا۔

49 مسجد نبوی کی تعمیر ۱ھ

50 مشروعیت[1] جہاد۔

51 سریہ حمزہ اور سریہ عبیدہ۔

52 اسلام اپنی اشاعت میں تلوار کا محتاج نہیں۔

53 وہ مذہب بھی کامل نہیں جس میں سیاست نہ ہو۔ وہ سیاست بھی مکمل نہیں جس کے ساتھ[2] تلوار نہ ہو۔

54 نقشہ غزوات وسرایا۔

55 اہم غزوات وسرایا اور واقعات متفرقہ ۲ھ

56 تحویل قبلہ۔

57 غزوۂ بدر۔

58 سریہ عبداللہ بن جحش۔

59 غزوہ بدر کے واقعات متفرقہ۔

60 اسیران جنگ بدر کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک، تہذیب کے مدعی یورپینوں کے لیے سبق۔

---

1 اس عنوان کے تحت جہاد کی حکمت واہمیت پر عمدہ بحث ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔ اکبر نے کہا ہے:

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ تو ارشاد ہو توپ سے کیا پھیلا ہے

2 بقول اقبال:

رشی کے روزوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ نے جہاد اسلامی کے بارے میں جو کلام فرمایا ہے۔ یوں تو سب قابل مطالعہ ہے تاہم نمونۃً چند جملے نقل کرتا ہوں: اسلام میں جس طرح بغرض تحفظ مدافعانہ جہاد کو فرض کیا گیا ہے۔ اسی طرح حفظ ماتقدم اور موانع تبلیغ کو راستہ سے ہٹانے کے لیے جارحانہ جہاد بھی قیامت تک کے لئے ضروری کیا گیا ہے۔

61 اسلامی مساوات۔

62 ابوالعاص کا اسلام۔

63 اسلامی سیاست اور ترقی تعلیم۔

64 غزوہ غطفان اور آپ ﷺ کے خلق عظیم کا معجزہ۔

65 حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح۔

66 غزوۂ احد (واقعات متفرقہ)

67 ۴ھ سریہ منذر بجانب بیر معونہ۔

68 قریش اور یہود کی متفقہ سازش اور غزوۂ احزاب۔

69 غزوۂ احزاب اور واقعہ خندق۔

70 واقعاتِ متفرقہ۔

71 ۶ھ صلح حدیبیہ، بیعت رضوان۔

72 سلاطین دنیا کو دعوتی خطوط۔

73 حضرت خالد ابن ولید اور عمرو ابن عاص کا اسلام۔

74 ۷ھ غزوہ خیبر، فتح فدک۔

75 عمرۂ قضا۔

76 سریہ موتہ۔

77 فتح مکہ معظّمہ۔

78 فتح مکہ کے بعد قریش کے ساتھ مسلمانوں کا حسنِ سلوک۔

79 نبی کریم ﷺ کا خلقِ عظیم اور ابوسفیان کا اسلام۔

80 غزوہ حنین۔

81 غزوۂ طائف۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

82 عمر جعرانہ۔

83 غزوہ تبوک اور اسلام میں چندہ کا رواج۔

84 چند معجزات۔

85 مسجد ضرار کو آگ لگانا۔

86 وفود کی آمد اور جوق در جوق اسلام میں داخلہ۔

87 صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا امیر حج ہونا۔

88 حجۃ الاسلام۔

89 خطبہ عرفات۔

90 سریہ اسامہ۔

91 مرض وفات۔

92 صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کی امامت۔

93 آخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ۔

94 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات۔

95 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وخصائص ومعجزات۔

ان ۱۱۲ صفحات میں سے اتنے عنوانات کو سمونا اور ضروری مؤثر و دل نشین زبان میں پیش کرنا حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کا کارنامہ ہے۔ آخر میں مبتدیوں کے لیے جوامع الکلم کے نام سے چہل حدیث جمع فرمادی ہے جو مختصر احادیث کے جملوں پر مشتمل ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی اس مختصر وجامع سیرت کا تعارف کما حقہ یہ بے بصر کیا کرے گا۔ فقیر کے نزدیک حضرت حکیم الامت مجدد تھانوی قدس سرہٗ کا مکتوب گرامی اس کتاب کی وقعت واہمیت کے لئے سب سے بڑی ممکن شہادت ہے۔ اس لئے اس اثر مبارک کو نقل کرتا ہوں۔

از اشرف علی عفی عنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

القاب اس لئے نہیں لکھا کہ سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ کے والد ماجد صاحب کے تعلقات اخوت پر نظر کر کے تو عزیزم لکھنے کو دل چاہتا تھا۔ مگر آپ کے کمالات دیکھ کر اس لکھنے کو بے ادبی سمجھا اور اگر کمالات پر نظر کر کے اس سے بڑھا کر لکھوں تو حضرت استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کا ملفوظ مبارک اس سے روکتا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ زیادہ تعظیمی الفاظ اپنے مخصوصین کو لکھنا موہم اجنبیت ہے۔ اس کو بھی دل گوارا نہ کرتا تھا۔ آخر سلام ہی کو القاب سے مغنی سمجھا۔ اب اصل مدعا عرض کرتا ہوں:

آپ [1] کا رسالہ مع محبت نامہ پہنچا، جس میں دو درخواستیں ہیں: ایک اصلاح۔ یہ درخواست تو ایسی ہے جیسے اعرج سے مشمی کو کہا جائے۔ نظر وحافظہ پہلے بھی برائے نام تھا اور اب تو وہ بھی رخصت ہو گیا۔ البتہ بعض جگہ تو سہو کاتب نظر آیا۔ مثلاً ابوطلحہ ہی باپ کا نام اور ابوطلحہ ہی بیٹے کا نام نظر آیا۔ بعض جگہ [2] روایات میں ایسا یاد پڑتا ہے کہ راجح کو کسی اتفاق سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری درخواست تقریظ کی علی سبیل التخییر ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ حقیقی تقریظ میں خود مقرظ کی مہارت فی الفن شرط ہے جس کا فقدان مجھ میں بین ہے اور عرفی تقریظ رسم پرستی اور محض دل جوئی ہے مستدعی کی، جو طبعاً پسند نہیں۔ اس لیے بجائے تقریظ کے ان واقعات کا ذکر کر دوں جو رسالہ کے مطالعہ تفصیلیہ کے وقت پیش آئے جو بالکل سچے اور سادے ہیں۔ اشتراک اثر یا غرض کے اعتبار سے خواہ اسی کو تقریظ خیال فرما لیا جائے، ورنہ پریشان خیالات کو کالائے بد بریش خاوند کی فہرست میں داخل کر کے نظر انداز کر دیا جائے اور بھی بہت سے وجدانی امور ذوقاً مطالعہ سے پیدا ہوئے۔ جن میں سے بعضے اس وقت مستحضر نہیں رہے اور بعض کی تعبیر میں تکلف ہوتا ہے۔

---

1 اوجز السیر .....اشرف

2 اس مرتبہ (طبع ثانی میں) حضرت نے مکرر نظر فرما کر ان سب امور کی اصلاح فرمادی ہے اور اس کے مطابق طبع کیا گیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہاں ایک بات اور یاد آ گئی کہ مؤلف سلمہ سے محبت بڑھ گئی اور ایسے نظر آنے لگے کہ پہلے سے ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ خصوص عبارات کا انداز جس سے واقعات اصلی حالات پر جاندار نظر آنے لگے۔ نہ ایسا پرانا کہ جس کو اس وقت چھوڑنے کی رائے دی جاتی ہے۔ نہ ایسا نیا جو حقیقت کو ملتبس کر دیتا ہے۔

بہر حال رسالہ ہر پہلو سے محبوب اور دل کش اور اپنے مؤلف کے کمالات کا آئینہ ہے۔ اس کو ختم کر کے جازم رائے دیتا ہوں کہ اس کے درس سے کسی کو خالی نہ چھوڑا جائے اور میرے مشورہ سے جو اس رائے کو قبول کریں گے، اس سب سے پہلے میں مؤلف سلمہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کی دس جلدوں کا ویلو میرے نام کر دیں تا کہ میں اپنے خاندان کے بچوں اور عورتوں کو پڑھنے کے لیے دوں۔ والسلام۔ اس کے ساتھ ہی علیحدہ پرچہ پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ

جواب میں دیر اس لیے ہوئی کہ اگر شروع کر کے چھوڑنے کو جی نہ چاہا اور فرصت ہوتی نہیں، اس لیے جب سب دیکھ لیا، اس وقت جواب لکھا۔ رسالہ دیکھ کر جیسی خوشی ہوئی ہے اس کی حد تو کیا بیان کروں۔ بجائے حد بیان کرنے کے یہ دعا دیتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ ایسی ہی خوشی اس کی جزا سے آپ کو دے۔ میں نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا۔ اس میں ایک حرف تکلف سے نہیں لکھا، اس سے زائد میرے مذاق کے خلاف ہے، اگر پسند ہو شائع کرنے کی اجازت ہے اور پھر اپنی خانقاہ کے ماہوار رسالہ النور بابت ماہ شوال ۱۳۴۴ھ بضمن تتمہ وصیت اعلان فرمایا کہ او جز السیر للخیر البشر مصنفہ مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی خانقاہ کے ابتدائی نصاب میں درج کر لی گئی اور دوسروں کو بھی یہی رائے دیتا ہوں۔

از تھانہ بھون۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ

(سیرت خاتم الانبیاء، ص: ۱۱۸، ۱۱۹ مطبوعہ ۱۳۴۵ھ)

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کو اس سعی مشکور کی جزائے خیر دے اور اللہ ہم سب کو

اس کتاب مستطاب سے مستفید فرمائے۔ آمین۔

ثمرات الاوراق یا کشکول

ہمارے بہت سے قدیم علما کا دستور تھا کہ دوران مطالعہ جو مفید بات نگاہ سے گزرتی، اسے اپنے استفادہ یا عمومی افادہ کے لیے بلا ترتیب مضامین اپنے پاس نقل کر لیتے تھے۔ عموماً جس کراسہ یا کاپی پر یہ ''نوادرات'' اور ''قیمتی جواہرات'' لکھے جاتے تھے اسے ''بیاض'' کہتے تھے۔ ایسے مجموعوں میں بڑے کام کی باتیں مل جاتی تھیں، جو ان حضرات کے ہزار ہا ہزار صفحات کے مطالعہ کا حاصل اور ثمرہ ہوتی تھیں۔ اس قسم کا ایک مجموعہ ہمارے ممدوح علمی، فقہی، تاریخی، ادبی، اصلاحی فوائد مضامین اور جواہر پارے کتابوں سے جمع کر دیے گئے ہیں۔ یہ ''کشکول'' نثر و نظم کے جن کارآمد حکیمانہ پر لطف مضامین و عبارات پر مشتمل ہے اس سے ہر ذوق کا قاری اپنے مذاق کے مطابق متمتع اور مستفید ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب ۲۹۳ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ۲۲۴ صفحات نثر کے باقی نظم کے ہیں۔ شعر و سخن کا حصہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاکیزہ ذوق شعری کا نمونہ ہے۔ اس میں حضرت رحمہ اللہ کے اردو، فارسی اشعار بھی شائع فرما دیے گئے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کے اشعار کا ہلکا سا نمونہ ذیل کے اشعار سے لگایا جا سکتا ہے۔

فارسی۔ مناجات

آمد بدر تو رو سیاہے — نگذاشتہ در جہان گناہے
گر عفو کنی وگر بگیری — کسی نیست بجز درت نپاہے
جان فدئیہ ان نگاہ لطفت — یکبار دگر بمن نگاہے

ہر کجا باشی وباہر کہ نشینی ہمہ وقت
خفیہ چشم ودل خود سوئے دل آرام کنی
خوش درس علم وشغل فتاوی دیوبند
لیکن شبے بخانقہ تھانہ خوشتر است
مصلحت دید نست ارشاد شیخ تھانوی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہیں بروزیں غم آزاد باید زیستن

نمونہ اردو

یہ زمین میرے لیے آسمان میرے لیے
اور ہے مصروف خدمت کل جہان میرے لیے
میری ہستی میں ہے مضمر، ہستی عالم کا راز
ہے یہ سب ایجاد وشور کن فکان میرے لیے
کیوں نہ ہو روز اول میں ہوچکی تقسیم کار
میں ہوں مالک کے لئے اور کل جہان میرے لیے
یہ راز عشق دیکھ آئے چشم تر افشا نہ ہوجائے
ذرا تھم جاکہیں یہ پارسا رسوا نہ ہو جائے

دل میں الفت کا داغ رکھتے ہیں ظلمتوں میں چراغ رکھتے ہیں
شکر صد شکر ہم بغیض جنون الجھنوں سے فراغ رکھتے ہیں
تم بدلتے ہو روز قول وقرار مجھ کو یہ دل لگی نہیں آتی
لوگ دل دادہ ہیں بہت لیکن تم کو خود دلبری نہیں آتی
ہوچکی ہے جو غفلتوں میں بسر پھر کے وہ زندگی نہیں آتی
عمرِ رفتہ کا مرثیہ پڑھ لوں اس سے بہتر حدی نہیں آتی
دارِ احزان ہے یہ دنیا سب اس میں ممکن نہیں غموں سے نجات
وقتِ رحلت قریب ہے غافل گن غنیمت یہ عمر کے لمحات
در توبہ کھلا ہے غفلت کیش اب بھی کرلے تلافی مافات
یاد رکھ قول سرورِ دوعالم
اکثر وا ذکر ہاذم اللذات

حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے اشعار کے بعد فارسی، اردو قدیم وجدید شعراء کے کلام کا انتخاب حکمت الاشعار کے نام سے ہے۔ یہ انتخاب بقولِ مرتب موصوف علم وحکمت، وعظ یا بلاغت کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ خوب ہے۔

حصہ نثر میں تقریباً ڈھائی سو عنوانات کے تحت عجیب وغریب پر اثر و پر حکمت مضامین نقل کیے۔ ایک مختصر اقتباس نمونہ نقل کرتا ہوں:

''کثرت وقلت''.....آج کل دنیا میں کثرت رائے کی حکومت ہے، لوگوں نے دنیوی امور سے گزر کر دینیات میں بھی یہی اصول بنالیا ہے۔ مگر اسلاف امت اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ وہ اس جملہ سے بوضاحت معلوم ہوجاتی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں:

اتبع طرق الهدى.ولا يضرك قلة السالكين واياك وطرق الضلالة ولا تغتر بكثرة الهالكين.

تَرجَمَة: ''تم راہِ ہدایت کا اتباع کرو۔ اگر اس پر چلنے والے کم ہوں تو وہ تمہارے لیے مضر نہیں اور گمراہی کے راستے سے بچو اور ہلاکت میں پڑنے والوں کی کثرت سے دھوکہ مت کھاؤ۔''

اور علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

وهذه سنة الله فى الخلق ان اهل الحق فى جنب اهل الباطل قليل لقوله تعالىٰ:''وما اكثر الناس ولو حرصت بمؤمنين'' و قوله ''وقليل من جهادى الشكور.'' (الاعتصام، ج:۱،ص:۱۱)

تَرجَمَة: ''اور اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے بارے میں یہی سنت ہے (عادت جاریہ) کہ اہل حق (ہمیشہ) بمقابلہ اہل باطل کے تعداد میں کم رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ اگرچہ آپ اس پر حریص ہوں اور ارشاد ہے: اور میرے بندوں میں شکرگزار بہت کم ہیں۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اسلكو سبيل الحق ولا تستوحشوا من قلة اهله.(اعتصام،ج:۱،ص:۲۹)

تَرجَمَة : ''تم حق کے راستے پر چلو۔اوراس سے نہ گھبراؤ کہ اہلِ حق تعداد میں کم ہیں۔

(کشکول،ص:۴۳-۴۴)

یہ کشکول اس قسم کے علمی جواہرات کا خزینہ اور نہایت قیمتی اقتباسات کا مرقع ہے، جو اپنی افادیت کے ساتھ دلچسپ اور پرلطف بھی ہے۔مزید برآں بہت سی ایسی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جو عام علماء کی دسترس اور مطالعہ میں نہیں ہیں، اس لیے یہ کتاب عامی اور عالم ہر ایک کے فائدہ کی ہے۔ بصائر اور عبر کا اچھا ذخیرہ ہے۔

اسلام کا نظام تقسیم دولت

حضور انور ﷺ کا ارشاد ہے: ''فتنة امتي المال'' میری امت کا فتنہ مال ہے۔یوں تو ہر زمانہ میں اس ارشاد نبوی کی تصدیق کرتا رہا۔تاہم موجودہ دور میں امت، اجابت ہو یا امت دعوت، اس مالی فتنہ کی لپیٹ میں کچھ ایسی آئی ہے کہ زمن سابقہ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔مغرب کے ہاتھ میں اس وقت اقوامِ عالم کی ذہنی قیادت ہے اور اس کے مالی نظام پورے عالم کو اپنے پنجۂ استبداد میں جکڑے ہوئے ہے۔ایک طرف یہودیت کے اصلی مزاج ﴿وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ [سورة بقرة] (ان کے دلوں میں سونے کے بچھڑے کی محبت پلا دی گئی ہے) کا ظہور سرمایہ داری (قارونیت) کے ظالمانہ نظام کی صورت میں ہوا اور دوسری طرف اس نظام کا ردعمل یہودی ذہن ہی سے اشتراکیت و اشتمالیت کے غیر فطری نظام کی صورت میں ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ افراط وتفریط عمل وردعمل کے ان دونوں ظالمانہ نظاموں کا مبنی اور منشا اصلاً حب مال ہی ہے اور اس وقت پورا عالم ان دونوں ہی نظاموں کی لپیٹ میں ہے جس نے انسانی جواہر کو ختم کر کے مالی استحصال اور ظلم وعدوان کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ان دونوں نظاموں کے درمیان اعتدال کی راہ جو اسلام نے بتائی تھی، اپنے اور پیرائے سب کی نگاہ سے اوجھل ہو چکی ہے۔اس وقت دنیا اس معاشی مسئلہ کا حل چاہتی ہے اور اس رہنمائی کی طالب ہے جس میں مال کا کسب وصرف، ملکیت وانتفاع حدودِ الٰہی کا پابند ہو کر افراط وتفریط کے ان دونوں ظالمانہ نظاموں

سے بنی آدم کو نجات بخشے جس نے انسانیت کو طبقاتی جنگ اور زیادتی وظلم کا جہنم بنا رکھا ہے۔حضرت مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ ''اسلام کا نظامِ تقسیمِ دولت'' میں اس عادلانہ نظام کے خط وخال کی کامیاب اور موجز نشان دہی فرمائی ہے۔یہ مقالہ سہولت فہم اور مقصود کی رہنمائی میں اپنی مثال آپ ہے۔گو فن کی اصطلاحات کا استعمال نہیں تاہم اسلامی معاشیات کا محتاط اور مستند خاکہ پیش کر دیا۔

بقول حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ:

''طریق تفہیم بالکل علامہ تھانوی رحمہ اللہ کے رنگ کا سادہ وسلیس عبارت میں، بغیر مصطلحات فن کے بوجھل کئے ہوئے اسلامی معاشیات کو پانی کی طرح حل کر دیا ہے۔''

رسالہ کی افادیت اور دلچسپی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ہماری جامعہ پشاور کے اس وقت کے رئیس شعبۂ معاشیات نے (جو امامیہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں) بندہ سے اس رسالہ کی تقریباً تین سو کے قریب اردو وانگریزی کے نسخے منگوا کر طلبہ اور معاشیات سے تعلق رکھنے والوں میں تقسیم کرائے۔

یہ رسالہ اصلاً حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا وہ مقالہ ہے جو انہوں نے فروری ۱۹۶۸ء میں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس راولپنڈی میں پڑھا تھا اور جس میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک پورے عالم اسلام کے بہت سے علما ومفکرین جمع تھے اور اس منتخب مجلس میں یہ مقالہ دلچسپی سے سنا گیا اور پسند کیا گیا۔مقالہ کے ذیلی عنوانات سے اس کی محتویات اور فکر انگیزی اور جامعیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔گویا دریا بحباب اندر اور بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے۔تمہید میں اسلامی معاشی نظریہ اور دگر نظریات کے مابین فرق نمایاں کر دیا گیا ہے، پھر عنوانات کی ایک لمبی فہرست کی تحت میں اختصار سے مہم مسائل کو لیا گیا ہے۔عنوانات یہ ہیں:

1. معاشی مسئلہ کا مقام۔
2. حق کا حقدار کو پہنچانا۔
3. دولت وملکیت کی حقیقت۔
4. تقسیم دولت کے اسلامی مقاصد۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

5. ایک قابلِ عمل نظام معیشت کا قیام۔
6. ارتکاز دولت کی بیخ کنی۔
7. تقسیم دولت کا اسلامی نظام۔
8. تقسیم دولت کا سرمایہ دارانہ نظام۔
9. تقسیمِ دولت کا اسلامی نظریہ۔
10. دولت کے اولین مستحق۔
11. اشتراکیت اور اسلام۔
12. سرمایہ داری اور اسلام۔
13. آجر سرمایہ اور محنت سے الگ نہیں۔
14. انفرادی کاروبار۔
15. شرکت۔
16. مضاربت۔
17. سود کا کاروبار۔
18. کرایہ اور سود کا فرق۔
19. حرمت سود کا اثر تقسیم دولت پر۔
20. ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔
21. اجرتوں کا مسئلہ۔
22. تقسیم دولت کے ثانوی مدات۔
23. زکوٰۃ۔
24. عشر۔
25. کفارات۔

26. صدقہ فطر۔
27. نفقات۔
28. وراثت۔
29. خراج وجزیہ۔
30. پیشہ ورانہ گداگری کا انسداد۔

آج جب کہ معاشی مسئلہ کا حل وقت کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ یہ مختصر مقالہ اہل فکر علماء اور معاشیین کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوسکتا ہے۔

حضرت فقیہ الملۃ نوراللہ مرقدہٗ کی دوسو کے قریب کتابوں میں سے یہ بے بصیرت چند کے بارے میں اپنی کم سوادی کو پیش کرسکا۔ مضمون طویل سے طویل تر ہوگیا۔ نہ ان تمام کتابوں کی کما حقہٗ ''نقاب کشائی'' ہوسکی، نہ دیگر کتابوں پر لکھنے کا موقعہ باقی رہا، اس سے اندازہ ہوگا کہ معدن کتنا قیمتی، زمین کتنی زرخیز، منبع کس قدر صافی و پُرآب تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے اس علمی جانشین صادق نے دینی اعتبار سے شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو جس پر اپنا گوہر بار قلم نہ اٹھایا ہو۔ یہ حقیقت اس وقت معلوم نہیں ہوگی، جب تک حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علمی آثار پر گہری نظر نہ ڈالی جائے۔ کاش ہم اس خزانۂ عامرہ وثمینہ کی کما حقہ قدردانی کر پائیں۔ [1]

کتابوں کی کثرت، مضامین کے تنوع، عنوانات کے انتخاب سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے وفور علمی، سیلان قلم، جودتِ طبع اور سلامتی فکر کا انداز ہوتا ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کتاب، رسالہ ومقالہ بلکہ چند صفحات کا عجالہ بھی گہرے علم، وسعتِ نظر، دقیقہ رسی، نکتہ سنجی اور اصابت رائے کا نمونہ ہے۔

---

1. آج جدید طبقے کے لئے ضرورت ہے کہ علمائے حق کی کتابوں کی تشہیر واشاعت بغیر کسی گروہی تعصب کے کی جائے۔ اپنا اندازہ ہے کہ شاید کوئی ایسا جدید موضوع ہو جس پر ہمارے بزرگوں نے نہ لکھا ہو۔ لیکن عدم واقفیت کی بناء پر دنیا ان علمی جواہر کے استفادہ سے محروم ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اس دور کے اعظم المصنفین تھے جس کا دائرہ تحریر دینی علوم کی ہر صنف پر محیط تھا اور ہر علم میں آپ سند اور حجت و امامت کا مقام رکھتے تھے۔ ظاہری علوم میں آپ کے علوم خاصہ، تفسیر، فقہ وفتاویٰ تھے جن سے آپ کی فطری مناسبت تھی اور ان سے خاص شغف تھا۔ اردو کی اشرف التفاسیر، تفسیر بیان القرآن اور ہر وعظ ومجلس میں تفسیری مضامین اور نکات اس بات پر شاہد عادل ہیں۔ فقہ وفتاویٰ سے اشتغال پر آپ کی فقہی کتابیں اور فتاویٰ کا دفتر دلیل قاطع و برہان ساطع ہے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی تفسیر معارف القرآن اگر ایک طرف اشرفی تفسیری علوم کی صحیح جانشینی کی دلیل ہے تو حضرت مفتی صاحب کے فقہی اسفار اور فتاویٰ کے دفاتر فیضِ اشرفی ونیابت کا زندہ ثبوت ہے۔

سیرت میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نشر الطیب رسالت کی عطر بیزیوں سے مشام جان کو اگر معطر کر رہی ہے تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سیرت پاک کا مؤثر، اچھوتا، مستند اور اوجز مجموعہ ہے۔ سلوک میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی بعض کتابوں کی تسہیل، مجالس اشرف رحمہ اللہ وغیرہ خلافت اشرفی کا حق ادا کر رہی ہے۔ غرض مختلف حیثیتوں سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی جانشین کا ذوق حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے آثار علمیہ میں نظر آتا ہے۔ اس کوتاہ نظر کے نزدیک علم وتقویٰ کے اس صدر نشین کے لیے مسند تھانوی رحمہ اللہ کی علمی نیابت کی صداقت کو ثابت کر دیتا ہے۔

جیسا پہلے عرض کیا گیا۔ یہ فقیر کی رائے ہے جس سے اختلاف کی گنجائش ہر ذی علم کو حاصل ہے۔

وللناس فيما يعشقون مذاهب

یہ کوتاہ نظر اپنی ناکارگی اور ہجوم مشاغل کی وجہ سے مضمون کو جیسا چاہتا تھا نہ لکھ سکا۔ تاہم ماہنامہ البلاغ کے ''مفتی اعظم نمبر'' میں شرکت کی سعادت بندہ کے لئے حضرت نور اللہ مرقدہ کی شفقتوں کی یاد میں طمانیت ومسرت کا سبب ہے۔ یہ شفقتیں بندہ پر تقریباً تیس سال رہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے بندہ کی پہلی ملاقات ۱۹۴۷ء میں اس وقت ہوئی تھی جب آپ تقسیم برکو چک سے پیشتر سرحد میں ریفرنڈم کے سلسلہ میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس

سرہٗ کی معیت میں تشریف لائے اور فقیر کے بہنوئی جناب عنایت اللہ جان صاحب مرحوم کے مکان پر ان مقدس مجاہدین کا قافلہ فروکش ہوا۔ بندہ اس وقت مسلم لیگ پشاور کا سیکرٹری تھا۔ کئی مناسبتوں اور منصبی فرائض کی بنا پر ان بزرگوں کی خدمت میں حاضری رہی اور معلوم ہوا کہ خاصانِ خدا کی سیاست بھی کس قدر پاک، کتنی بے لوث اور کتنی اخلاص، دینی ہمدردی، ملی درد وفکر اور بے نفسی پر مبنی ہوتی ہے [1]

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کا متین و پُر وقار چہرہ، تقویٰ و دیانت، علمی متانت، درویشانہ تواضع و مسکنت ومؤمنانہ فراست سے چمکتا ہوا آج بھی آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ یہ پہلی ملاقات تھی جس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی شفقت ومحبت نے نوازا اور تادم آخر اس میں کمی نہ آئی۔ اس سفر میں بندہ کو دو رسالے مرحمت فرمائے، جو مسلم لیگ اور اسلامی سیاست کے بارے میں تھے۔ پھر تو کوئی کتاب حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی شاید ہی چھپی ہو جو بندہ کو ہدیۃً مرحمت نہ فرمائی ہو۔ ایک بار معارف القرآن کی پہلی جلد بازار سے خریدی۔ کراچی کی حاضری کے وقت تذکرہ آیا تو فرمایا۔ آپ نے بازار سے کیوں خریدی، آپ پر جرمانہ ہو گیا اور پھر وہی جلد منگوا کر اپنے دستخط فرما کر ہدیۃً عنایت فرمائی۔ آج وہ عنایتیں اور شفقتیں یاد آتی ہیں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے اور آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں۔ ایسی فرشتہ صفت اور شفیق شخصیتیں اب کہاں سے میسر آئیں گی۔ جب تک صحت تھی جب کبھی کراچی حاضری ہوتی۔ یہ بندہ ابھی خدمت میں پہنچنے کے لیے کار سے اترتا نہ تھا کہ مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ مسند سے اٹھ کر ننگے پاؤں سڑک پر تشریف لے آتے اور محبت وشفقت کے وہ کلمات فرماتے، جو اس ہمچیرز کے لیے یہاں سرمایہ سعادت اور ان شاء اللہ آخر میں ذریعۂ نجات ہوں گے۔

ایک بار گھر پر حاضری ہوئی کوئی خادم موجود نہ تھا۔ پلنگ سے خود اٹھے۔ مٹھائی اور کیلے الماری سے

[1] یہاں ایک بات برملا زبان پر آتی ہے کہ علمائے دیوبند کا ایک کثیر طبقہ اگر حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی صاحب اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں اگر مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا حمایت نہ کرتا تو شاید ہی یہ تحریک کامیاب ہوتی خصوصاً صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کا فقیر خود عینی شاہد وشریک سفر کی حیثیت سے گواہ ہے۔ اس دیوبندی قافلہ جہاد حریت اور پیر صاحب مانکی صاحب مرحوم ہی نے سرحد میں عبدالغفار خاں صاحب کی قیادت اور کانگریس کے طلسم کو توڑا۔ آج ان بندگانِ خدا کو کون جانتا ہے۔ والی اللہ المشتکی.

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نکال کر لائے اور بندہ کے سامنے رکھ دیئے، جسے بندہ نے کمال ندامت سے سعادت سمجھ کر کھایا اور اس تکلیف فرمائی پر معذرت کا اظہار کیا تو فرمایا: اس میں کوئی ایسی بات نہیں، آپ تو بڑے دور کے پیارے مہمان ہیں۔ ہر مہمان کا حق ہوتا ہے۔ آپ خجالت محسوس نہ کریں (اوکما قال) ان واقعات سے حضرت رحمہ اللہ کی کمال بے نفسی اور تواضع، رعایت حقوق اور پابندی شریعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان پُر کیف و دقیع ملاقاتوں کے واقعات وکوائف بہت ہیں۔ اس دلکش و ذیشان داستان کے لئے مستقل مضمون چاہیے۔ اپنی بات اپنی آخری حاضری کے ایک واقعہ پر ختم کرتا ہوں:

بندہ جولائی ۱۹۷۶ء میں آخری بار حاضر ہوا۔ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ قدیم عارضہ قلبی میں صاحب فراش تھے۔ بندہ کر دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے۔ فرمایا: آپ کو دیکھتے ہی جان پڑ جاتی ہے۔ تھوڑی سی مٹھائی ہدیۃً پیش کی۔ فرمایا: ''آپ خود مٹھائی ہیں۔ مٹھائی لانے کی کیا ضرورت تھی۔'' بندہ کے ساتھ عزیز گرامی قدر سید محمد صاحب بنوری سلمہ صاحبزادہ حضرت علامہ محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ تھے۔ ان کے لیے عرض کیا کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے والد محترم کی میراث ظاہری، باطنی، علمی و عرفانی کا وارث بنائے۔ رقت سے دعا فرمائی۔ اس ضمن میں بندہ نے جب برادر گرامی جناب مولانا تقی عثمانی سلمہٗ اور جناب مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہٗ کی دینی و علمی خدمات کا تذکرہ کیا تو تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کہ بحمد اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بندہ کی زندگی ہی میں ان دونوں نے میرے کاموں کو سنبھال لیا۔ مولوی محمد رفیع صاحب نے فتویٰ وفقہ کا کام لیا ہے اور دیگر کاموں کو مولوی تقی سلمہ کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا: یوں تو میرے چاروں بیٹے ماشاء اللہ خوب ہیں۔ لیکن میرے علمی کام سنبھالنے کے اعتبار سے یہ دونوں بیٹے خاص ہیں اور سب بیٹوں کے لیے دعا فرمائی۔ آخری مجلس میں باوجود ضعف و نقاہت کے ڈیڑھ گھنٹے تک تھم تھم کر ارشاداتِ عالیہ سے نوازتے رہے۔ یہاں تک کہ نڈھال ہو گئے۔ برادم مولوی تقی میاں نے دوائی کی گولی دی، تو لیٹ گئے۔ بندہ نے رخصت چاہی تو انتہائی پُر تاثیر الفاظ میں دعائی کلمات ارشاد فرمائے اور مصافحہ و نگاہِ شفقت اس آخری ملاقات کی پُر تاثیر رخصتی تھی جو شاید مرتے دم تک نہ بھولے گی۔ فرحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة.

علوٌ فی الحیاۃ وفی الممات لحقٌ انت إحدی المعجزات
علیه تحیة الرحمات تسری برحمات غوادٍ رائحات

دل گرفتہ ہیچ میرزو ہیچمدان
محمد اشرف
صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی
۲۷/ذی قعدہ ۹۸ھ

❀❀❀

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۳)

مولانا فقیر محمد پشاوری رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃ والسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لاَ نَبِی بَعْدَہ

ابتدائی حالات

حضرت مولانا الحاج شاہ فقیر محمد صاحب مدظلہ العالی کی ولادت شریفہ آزاد قبائل سرحد کے علاقہ مہمند کے قبیلہ خوبزئی کے محمد کور خوشحال خیل کے موضع قطئی میں اغلباً ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۳ء میں ہوئی یہ موضع مہمند ایجنسی میں شبقدر سے تقریباً ۳۵ میل اور ایکہ غنڈ سے ۳۰ میل دور ہے۔ افغانستان کی سرحد وہاں سے آٹھ میل ہے۔

حضرت مولانا مدظلہم العالی کے والد ماجد کا اسمِ گرامی جان محمد اور جدامجد کا خائستہ خان تھا۔ جدامجد جناب خائستہ خان صاحب صوفی منش متقی عالم تھے، آپ نے مجاہد شہید حضرت نجم الدین اخوندزادہ عرف ہڈے ملا صاحب سے شرفِ بیعت حاصل کیا تھا۔ حضرت ہڈے ملا صاحب جناب حضرت اخوند عبدالغفور صاحب نور اللہ مرقدہ (سیدو شریف سوات) کے خلیفۂ ارشد تھے اور ان کی تمام عمر علاقہ ننگرہار افغانستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کرتے گزری۔ وہ نہایت متبع سنت، شجاع، مجاہد اور صاحبِ کشف وکرامات تھے۔ حضرت خائستہ خان صاحب نے اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر منازلِ سلوک طے کیں، انہیں اپنے شیخ کا انتہائی قرب حاصل تھا۔ حضرت خائستہ خان صاحب نے ان سے تمام وکمال استفادہ کیا اور ان کے اوصاف حمیدہ کو اپنے اندر جذب کرلیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت ہڈے ملا صاحب ان دنوں قطئی ہی میں تشریف فرما تھے اور انہوں نے خود ہی اپنے مرید باصفا کی نمازِ جنازہ کی امامت فرمائی، نیز یہ ارشاد

فرمایا کہ انہیں جلد دفن کردو کیونکہ ان کو اپنے محبوب اللہ جل وعلا سے ملنے کی جلدی ہے۔

حضرت خائستہ خان صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے وقت حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہ العالی کے والد ماجد جناب جان محمد صاحب کمسن تھے، یتیمی کی وجہ سے تعلیم کا بندوبست نہ ہوسکا لیکن حضرت خائستہ خان صاحب رحمہ اللہ کی توجہ اور دعا کی برکت سے وہ دینی جذبہ سے سرشار تھے۔ فقر وقناعت، دینی حمیت اور دیگر عمدہ صفات کے حامل تھے، علوم دینیہ سے دلی لگاؤ کے باعث اپنے صاحبزادے ہمارے ممدوح حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کو دین کے لیے وقف کردیا۔ جناب جان محمد صاحب بڑی کدوکاوش اور جاں فشانی سے خاندانی ضروریات کی کفالت فرماتے تھے، آپ نے قیام پاکستان سے کچھ عرصہ بعد انتقال فرمایا۔

حضرت مولانا کا عہد طفولیت:

حضرت مولانا مدظلہم کا مسقط الراس قطئی مشہور مہمند مجاہد نواب غازی ماصل خان صاحب کے علاقہ کے قرب وجوار ہی میں تھا، دونوں خاندانوں میں قریبی مراسم تھے، آپ کا بچپن نواب ماصل خان صاحب مرحوم کے زیرسرپرستی گذرا، ان کی اہلیہ محترمہ آپ کی خوب دیکھ بھال کرتیں اور محبت سے پرورش فرمائی تھیں۔ نواب صاحب بھی مولانا مدظلہم پر غایت درجہ مہربان تھے اور ان کی جدائی گوارا نہ فرماتے تھے۔ انہیں اپنے پاس بلاتے اور ساتھ گھر کے اندر لے جاتے۔

ابتدائی تعلیم:

حضرت مولانا مدت فیوضہم کے عہدِ طفولیت میں قبائلی علاقے تعلیم کی سہولتوں سے عاری تھے، شاذ ونادر ہی مساجد میں ابتدائی دینی تعلیم کا انتظام ہوتا تھا۔ موقع قطئی میں یہ بھی نہ تھا۔ حضرت مولانا مدظلہم کے والد ماجد نے آپ کو سرکاری اسکول میں داخل کرانا گوارا نہ فرمایا۔ اس کے بجائے انہیں موضع ابراہیم زئی (چارسدہ) لے گئے جہاں ان کے بعض اقارب مقیم تھے وہاں اپنے لختِ جگر کو ایک استاذ کے سپرد کردیا جو کابل [1] ملا صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت مولانا مدظلہم نے ان سے قرآن کریم اور

[1] صوبہ سرحد قبائلی علاقہ جات اور افغانستان میں قدیم زمانہ سے اب تک استاذ اور عالم کو ان کے گاؤں یا شہر سے منسوب کرتے ہیں ادباً ان کے نام سے نہیں پکارتے۔ اس لیے اکثر علماء کے نام ان کے لقب میں گم ہوجاتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ آپ کے والد ماجد گاہے گاہے حضرت مولانا مدظلہم کی خیریت دریافت کرنے اور آپ کو دیکھنے کے لیے ابراہیم زئی تشریف لاتے اور مختصر قیام کرکے واپس چلے جاتے۔ حضرت مولانا مدظلہم فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد محنت مزدوری کرتے تھے اور اس سے ہمارا خرچہ پورا ہوجاتا تھا، جب کبھی کہیں دور جانا ہوتا تو مجھے ایک رشتہ دار کے ہاں چھوڑ جایا کرتے تھے، ان کا گھر استاد صاحب کے گھر کے نزدیک تھا۔ جب آپ قرآن شریف پڑھ چکے اور افغانستان کے دوسرے استاد جناب ننگرہارملا سے قدوری وکنز وغیرہ کتابیں پڑھ لیں، جن میں سے صرف میر کو تو زبانی ہی یاد کر لیا۔ تو آپ کے والد محترم نے آپ کو چھچھ (ضلع اٹک) بھیج دیا جو علمی اعتبار سے مردم خیز ہے۔ موضع لیہ (چھچھ) میں آپ نے ایک استاد جناب کوہستان ملا صاحب سے صرف ونحو کی کتابیں شروع کیں اور کافیہ دوسرے عالم سے پڑھ کر حفظ کرلیا (جن کا نام یاد نہیں)، میزان، منشعب، شرح مأتہ عامل کی ترکیبیں ازبر کرلیں اور سمبٹ بھی یاد فرمالیں۔ تاجک میں مولانا عبدالحنان صاحب سے شرح جامی پڑھی [1] حضرت مولانا مدظلہم فرماتے ہیں کہ چھچھ میں آپ مسجد میں قیام فرماتے تھے اور طالب علموں کے لیے وظیفہ (کھانا) جمع کرکے لایا کرتے تھے جو ایک ٹوکری بھر ہوتا تھا۔ آپ کو اسے اٹھاتے لاتا دیکھ کر طلبا خوش ہوتے تھے، آپ کا بچپن زیادہ کھیل کود میں نہیں گزرا کیونکہ آپ جس کے ساتھ کھیلتے وہ آپ سے ڈرتا تھا۔ اس لیے کہ آپ بڑے بڑے لڑکے کو پچھاڑ دیتے تھے۔ آپ اپنے استادوں کے گھروں کے کام کرتے تھے۔ ان کی بھینسوں کے گھاس کا گٹھڑ اٹھا کر لاتے تھے جو دوسرے طلبا کے لائے ہوئے گٹھڑوں میں سب سے بڑا ہوتا تھا۔ نیز آپ اساتذہ کی دیگر خدمات بھی بجالاتے تھے۔ کوئی دوسرا کاروبار وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ والد بزرگوار کے حکم سے حضرت مولانا مدظلہم چھچھ میں ابتدائی تعلیم مکمل فرما کر حضرت مولانا عبدالغنی صاحب ساکن چھچھ کی معیت میں پہلی بار امرتسر تشریف

[1] ماضی میں اس نواح میں مساجد میں قائم مکاتب میں تحریر وکتابت نہ سکھائی جاتی تھی۔ ایسا صرف انگریزی اسکولوں میں ہوتا تھا، لیکن ان میں پڑھا جانا اور پڑھنا گناہ سمجھا جاتا تھا اس لیے مولانا مدظلہم کے والد ماجد نے آپ کو سرکاری اسکول نہ بھیجا۔ چنانچہ آپ کو تحریر وکتاب سے چنداں شغف نہ رہا۔

لے گئے۔ اس وقت حضرت مولانا مدظلہ کی عمر اٹھارہ سال تھی، وہاں ہال بازار میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ العزیز کے سپرد کیا جو مدرسہ نعمانیہ کے بانی اور سرپرست ہونے کے ساتھ ساتھ حکم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ آپ بلند پایہ عالم، عارف کامل اور محقق شیخ تھے۔ آپ کا شمار ان کاملین اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جن کی نظر کیمیا اثر اور صحبت بابرکت کا فیض زندگیوں میں صالحانہ انقلاب برپا کردیتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب (نور اللہ مرقدہ) حضور پرنور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رأفت ورحمت شفقت ومحبت کے مظہر جلیل تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی بے ساختہ دل گواہی دیتا تھا کہ آپ مرد کامل، صاحب دل، درویش اور ولی اللہ ہیں۔ آداب مجلس اور آپ کے رعب کے باوجود آپ کی نگاہ سے محبت وشفقت اور لطف واحسان کا احساس پیدا ہوتا تھا۔

مدرسہ نعمانیہ امرتسر کے مہتمم حضرت مولانا نور احمد صاحب تھے جو بلند پایہ عالم اور ولی کامل تھے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بہت عرصہ گذارا تھا۔ اس مدرسہ میں حضرت مولانا مدظلہ العالی نے منطق میں ایساغوجی، فقہ میں شرح وقایہ اور اصول میں اصول الشاشی سے تعلیم شروع فرمائی۔ کابل کے ایک عالم جناب استاذ میاں صاحب سے صدرا پڑھی۔ شمس بازغہ اور ریاضی جناب استاذ میاں صاحب کے بھائی جناب میاں گل صاحب سے پڑھیں۔ مسجد بڈھا میں مولانا عبدالرحمن صاحب مدرس ثانی سے ہدایہ اولین اور مختصر المعانی کے اسباق پڑھے۔ حضرت مولانا مدظلہم نے تجوید بھی سیکھی اور قاری صاحب سے مشق کی۔

مدرسہ نعمانیہ میں استاذ حدیث حضرت مولانا عبدالجبار صاحب تھے۔ وہ مسلکاً اہل حدیث تھے۔ حضرت مولانا مدظلہم نے دورۂ حدیث انہیں سے پڑھا۔ مثنوی شریف حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ سے درساً پڑھی۔ حضرت مولانا مدظلہم ہر امتحان میں فلسفہ، فنون وحدیث میں اول آتے تھے۔ مدرسہ نعمانیہ سے آپ کو درسِ نظامی کی بہت اچھی سند ملی تھی لیکن مولانا فرماتے ہیں کہ جب حضرت حکیم الامت مجدد الملت قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایسا معلوم ہوا کہ سب کچھ بھول گیا۔ اور یہ حال ہوگیا کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم!

نیز آپ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ آپ پر اس قدر مہربان تھے کہ الفاظ میں اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی توجہ کی برکت سے طالب علمی کے زمانے میں جو بھی سوال آپ کے ذہن میں ابھرتا اس کا جواب بھی فوراً سمجھ میں آجاتا تھا۔ ایک بار آپ کے ذہن میں ایک اشکال وارد ہوا۔ آپ کا خیال تھا کہ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ کوئی بھی آپ کی تشفی نہ کر سکے گا۔ لیکن جب درس شروع ہوا تو استاذ مکرم جناب مفتی صاحب رحمہ اللہ نے صرف دو جملوں میں اسے حل کر دیا اور آپ کو مطمئن فرما دیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ صاحب کشف تھے، انہوں نے خود ہی حضرت مولانا مدظلہم سے فرمایا کہ مولوی فقیر محمد تمہارا تو خیال تھا کہ تمہیں کوئی مطمئن نہ کر سکے گا، اب بتاؤ مطمئن ہوئے یا نہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم نے عرض کیا کہ بے شک میں مطمئن ہو گیا۔ پھر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کا فیض اور ان کی برکات ہیں۔ زمانہ طالب علمی کے مزید حالات بیان فرماتے ہوئے حضرت مولانا نے بتایا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درس میں آپ کی ایسی حالت ہو جاتی تھی کہ بعض اوقات چڑیاں آپ کے سر مبارک پر آکر بیٹھ جاتیں اور چہچہاتی تھیں لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ آپ کو سر ہلانے سے منع فرما دیتے تھے اور ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بھی یہی شان تھی کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھتے تو یوں بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ عظمت و ہیبت کی وجہ سے وہ بالکل ساکت و صامت بیٹھے رہتے تھے اور ذرا نہ ہلتے جلتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ حضرت مولانا مدظلہم کے صرف مشفق استاد ہی نہیں بلکہ مربی اور سرپرست بھی تھے۔ آپ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اور فیوض و برکات سے بھرپور استفادہ فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بھی حضرت مولانا مدظلہم سے بہت محبت تھی اور وہ آپ کی ہر بات کا خیال رکھتے تھے۔ تحریر سکھلانے کے لیے عبید اللہ صاحب کے ساتھ بٹھایا مگر

آپ کو اس کا شوق نہیں تھا۔ آپ لکھنا نہ سیکھ سکے تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا اسی میں مصلحت ہوگی اور یہ حدیث شریف بیان فرمائی کہ "نحن امة امية لانحسب ولا نكتب" (ہم ایک امی امت ہیں نہ حساب جانتے نہ لکھتے ہیں) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ محبت کی وجہ سے آپ کو اپنے بیٹے عبید اللہ صاحب کے قریب سلاتے۔ آپ کے پاس لحاف نہ ہوتا تو ایک طرف آپ کو لٹاتے اور دوسری طرف اپنے صاحبزادے کو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو حضرت مولانا مدظلہم پر جو اعتماد تھا اس کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادگان آپ سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت مولانا مدظلہم ان کی کوتاہیاں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پر ظاہر کر دیں۔ جب حضرت مولانا مدظلہم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ٹرین سے سفر کرتے تو اکثر اوپر کی برتھ پر بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ آپ سے مزاحاً فرماتے کہ جی ہاں یہ برتھ تو آپ ہی کے لیے بنی ہے۔

امرتسر میں حضرت مولانا مدظلہم شری پورہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مسجد نور میں نمازِ جمعہ کی امامت اور وعظ بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے وعظ کے دوران حضرت مولانا مدظلہم پر شدید گریہ طاری ہوا۔ بعض لوگوں نے آپ کو سنبھالنا اور روکنا چاہا تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انہیں کچھ نہ کہو، یہ معذور و صاحب دل ہیں، ان کی تو یہ کیفیت ہے کہ ایک بار مغرب کی نماز کے بعد رونے لگے، میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہاں پہنچا، یہ اس وقت مسلسل رو رہے تھے، ایسے صاحب حال شخص کو کیا کہا جائے۔ ایک روز مسجد حسن میں حافظ یعقوب صاحب امام مسجد نے سورۃ القارعۃ پڑھی تو حضرت مولانا مدظلہم پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ اپنے کمرے تک نہ پہنچ سکے۔ سیڑھیوں پر بیٹھ گئے اور روتے رہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اکثر مسجد نور میں مغرب کی نماز ادا فرماتے اور تفسیر کا مطالعہ بھی فرماتے تھے۔ اس روز دیر تک مسجد نور میں رہے اور عشاء کے قریب گھر پہنچے تو ماسٹر عبد الحفیظ صاحب نے بتایا کہ حضرت مولانا مدظلہم کتنی دیر سے اس وقت تک رو رہے ہیں، چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ مسجد آئے اور حضرت مولانا مدظلہم کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سیڑھیوں پر بیٹھا روتا ہوا پایا، حضرت مفتی صاحب ؒ نے بہت تسلی دی اور آیات رحمت الٰہیہ و احادیث مبارکہ یاد دلائیں، تب حضرت مولانا مدظلہم کو سکون ہوا۔ حضرت مولانا مدظلہم نے فرمایا کہ میری حالت اس وقت ایسی ہو چکی تھی کہ میں سمجھا کہ بس وقت آ گیا ہے۔

ایک بار حضرت مفتی صاحب ؒ نے صبح کی نماز کے بعد قرآن کریم کے درس میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ "الصلوٰۃ معراج المومنین" اور اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان جب الحمد للہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "حمدنی عبدی" (میرے بندے نے میری بڑائی اور بزرگی بیان کی۔) جب ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ھٰذا بینی وبین عبدی" (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا وعدہ ہے کہ وہ میری عبادت کرے گا، میں اس کی مدد کروں گا۔) اور جب ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ سے ﴿وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ تک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ماسئل" (یہ بھی میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، میرے بندے کے لیے ہے جو اس نے سوال کیا۔)

حضرت مفتی صاحب ؒ کے اس بیان کا حضرت مولانا مدظلہم پر ایسا اثر ہوا کہ جب آپ اشراق کی نماز پڑھنے لگے تو آپ کو ایسا مکشوف ہوا کہ گویا اللہ تعالیٰ ہر کلمہ پر جواب ارشاد فرما رہے ہیں اور آپ نماز ہی میں زور زور سے رونے لگے، پوری نماز میں یہی کیفیت رہی۔ حضرت مفتی صاحب ؒ آپ کو دیکھتے تو رہے لیکن کچھ نہ فرمایا۔ یہ بھی نہ فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب ؒ مولانا مدظلہم پر بہت شفقت فرماتے تھے، اس کا اظہار بے شمار واقعات سے ہوتا ہے۔ ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

ایک بار بخاری شریف کا درس دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحب ؒ نے ایک حدیث بیان فرمائی۔ اسے سن کر حضرت مولانا مدظلہم پر شدید گریہ طاری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ خشیت الٰہی کی دولت انہیں بھی نصیب ہو جائے، پھر جب کبھی حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ اس حدیث کو بیان

فرماتے تو مسکرا کر مولانا مدظلہم کی طرف دیکھتے اور فرماتے: "ہمیں بھی یہ سعادت نصیب ہو جائے۔"

ایک دفعہ حضرت مولانا مدظلہم حضرت مفتی صاحب ؒ کی اجازت کے بغیر امرتسر میں سکھوں کا گردوارہ دربار صاحب دیکھنے چلے گئے۔ وہاں سکھوں نے پکڑ کر آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ حضرت مفتی صاحب ؒ کو اطلاع ملی تو انہوں نے ایک پولیس افسر کے ذریعے (جو مولانا فخر الدین کے ہم وطن اور شناسا تھے) جیل میں نماز کے لیے پانی اور روٹی کا بندوبست کرا دیا۔ دوسرے دن حضرت مفتی صاحب ؒ مولانا فخر الدین اور چند دیگر حضرات کے ساتھ خود تشریف لے گئے اور حضرت مولانا کی رہائی کا بندوبست کیا۔

ایک بار سردی کے موسم میں حضرت مولانا مدظلہم بغیر لحاف ساتھ لیے ٹرک میں سوار ہو کر حضرت مفتی صاحب ؒ سے ملنے لاہور گئے۔ تمام رات ٹرک میں سردی سے ٹھٹھرتے رہے جب حضرت مفتی صاحب ؒ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت مفتی صاحب ؒ نے مصافحہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رات مجھے بہت سردی محسوس ہو رہی تھی۔ حالانکہ میں کمرے میں پلنگ پر بستر پر لپٹا ہوا تھا اور لحاف بھی اوڑھے ہوئے تھا۔ جب مولانا مدظلہم نے اپنے سفر کا حال سنایا کہ تمام رات سفر میں سردی سے ٹھٹھرتے رہے۔ تو فرمایا: بس یہی وجہ تھی کہ مجھے بھی بہت سردی محسوس ہو رہی تھی گویا تعلق خاطر نے یگانگت کی کیفیت روح سے لے کر جسم تک طاری کر دی تھی۔ بقول حضرت امیر خسرو ؒ:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ایک اور موقع پر حضرت مولانا مدظلہم حضرت مفتی صاحب ؒ کو مطلع کیے بغیر اور صرف عبداللہ درزی کو بتلا کر ہندوستان کے مقام سورت تشریف لے گئے حضرت مفتی صاحب ؒ کو آپ کی بغیر اطلاع کیے غیر موجودگی کی وجہ سے متواتر تین رات نیند نہیں آئی اور متفکر رہے کہ فقیر محمد کے پاس نہ زادِ راہ ہے، نہ موسم سرما کا بستر، وہ تکلیف میں ہوں گے۔ ادھر حضرت مولانا مدظلہم کے والد صاحب فرطِ محبت میں پشاور سے پیدل امرتسر پہنچ گئے۔ حضرت مفتی صاحب ؒ نے ان سے کہا کہ نہ معلوم فقیر محمد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہاں گیا۔ جب حضرت مولانا مدظلہم نے حضرت مفتی صاحب کو سورت سے عریضہ ارسال کیا تو حضرت مفتی صاحب ؒ نے جواب نہیں دیا تاکہ مولانا مدظلہم کو بغیر اطلاع دیے سورت چلے آنے پر حضرت مفتی صاحب ؒ کی خفگی کا احساس ہوجائے۔ سورت میں جب مولانا مدظلہم پر گریہ طاری ہوتا تو لوگ آپ کے گرد جمع ہوجاتے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ کا تعلق حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ سے ہے تو خاطر مدارت سے پیش آئے اور آپ کو اپنے انتظام سے حضرت مفتی صاحب ؒ کے پاس بھجوادیا۔ واپسی پر جب حضرت مولانا مدظلہم حضرت مفتی صاحب ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بطور اظہار ناراضی آپ سے مصافحہ بھی نہیں کیا۔ حضرت مولانا زار زار رونے لگے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب ؒ نے مصلحتاً توقف فرمایا، مگر دو تین دن بعد معاف فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ اب میرا دل صاف ہوگیا ہے۔ جب حضرت مفتی صاحب ؒ نے اس واقعہ کا تذکرہ حضرت حکیم الامت ؒ سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا کیا جو ایسا معاملہ کیا اور یہ بھی اچھا ہوا کہ وہ تمہارے پاس آگیا، ورنہ خرابی کا اندیشہ تھا۔

حضرت مولانا مدظلہم کم وبیش دس سال امرتسر میں رہے اور مدرسہ نعمانیہ سے سندِ فراغ حاصل کی۔ اس وقت وہاں کم وبیش چار سو مساجد تھیں۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک میں دو (۲) دو (۲) رکعت نفل نماز ادا فرمائی۔ جب کبھی حضرت مولانا محدث کبیر علامہ انور شاہ صاحب ؒ کشمیر تشریف لے جاتے تو راستے میں رات امرتسر میں بسر کرتے۔ حضرت مولانا مدظلہم تمام رات ان کی خدمت بجالاتے۔

ایک مرتبہ دورانِ قیام تھانہ بھون حضرت مفتی صاحب ؒ کے پاؤں میں جو نا سور تھا۔ اس میں تکلیف پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے علاج کے لیے سہانپور ایک طبیب کے پاس بغرض علاج جانا پڑا۔ جب مفتی صاحب سہارنپور روانہ ہونے لگے تو ہمارے حضرت مدظلہم نے حکیم الامت ؒ سے اجازت چاہی کہ میں بھی حضرت مفتی صاحب کے ساتھ خدمت کے لیے چلا جاؤں؟ حضرت نے خوشی سے اجازت دے دی اور فرمایا کہ ”ہاں ہاں اجازت ہے“۔ سہانپور جا کر حکیم صاحب بھی علاج نہ کر سکے تو پھر حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تھانہ بھون واپس آگئے۔ جب ہم دونوں نے حضرت مجدد الملت سے

مصافحہ کیا تو حضرت مجدد الملت نے فرمایا کہ مولوی فقیر محمد سے دل بہت خوش ہوا کہ یہ اپنے بزرگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ اس پر حضرت مفتی صاحب ؒ نے عرض کی کہ حضرت یہ اتنی خدمت کرتے ہیں کہ جان دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ حضرت مجدد الملت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہاں ہاں ایسا ہی ہونا چاہیے۔

بیعت واصلاح باطنی

حضرت مولانا مدظلہم پر حضرت مفتی صاحب ؒ کی جو خصوصی شفقت وعنایت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب ؒ اپنے معمول کے مطابق رمضان المبارک میں جب اپنے شیخ مکرم حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ جناب شاہ اشرف علی صاحب تھانوی ؒ کی خدمت اقدس میں حاضری کے لیے تشریف لے جاتے تو حضرت مولانا مدظلہم کو بھی ہمراہ لے لیتے، رمضان المبارک کے علاوہ کبھی کبھی عید الفطر بھی خانقاہ امدادیہ ہی میں گزارتے۔ حضرت مولانا مدظلہم بھی اپنے شیخ حضرت تھانوی ؒ کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوا کرتے۔ حضرت مفتی صاحب ؒ اعتکاف فرماتے تو مولانا مدظلہم سے بھی اعتکاف کراتے اور مسجد میں اپنے لیے ایسی جگہ مختص فرماتے جہاں سے حضرت اقدس تھانوی ؒ سامنے نظر آتے رہیں، اعتکاف کے دوران حضرت مفتی صاحب ؒ کا کھانا حافظ اعجاز صاحب کے مکان سے آتا تھا۔ حضرت مولانا مدظلہم سحر وافطار دونوں وقت وہاں سے کھانا لاتے تھے اور حضرت مفتی صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر محمد میرے ساتھ ہی کھانا کھالیا کرو۔

حضرت مفتی صاحب ؒ کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے اور تہجد کے وقت بہت روتے تھے۔ اس کا اثر مولانا مدظلہم پر بھی ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ان کے ذکر کی آواز تک میرے کانوں میں گونجتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب ؒ آپ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے قریب ہی سویا کرو۔ مجھ پر ذکر کی ہیبت کا بہت غلبہ ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب ؒ رمضان سے دس بار دن قبل تھانہ بھون تشریف لاتے اور اکثر اس کے اختتام سے اتنے ہی دن پہلے واپس امرتسر تشریف لے جاتے تھے کیونکہ وہاں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نمازِ عید کی امامت فرمایا کرتے تھے۔

۱۳۴۹ھ میں جب پہلی بار حضرت مولانا مدظلہم حضرت مفتی صاحب ؒ کی معیت میں حضرت تھانوی ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت حضرت مولانا مدظلہم کی عمر سترہ ۱۷ سال تھی۔ حضرت مفتی صاحب ؒ کے رفقاء میں قاری عبدالمجید صاحب، پیر عبداللطیف صاحب (مجاز بیعت حضرت مفتی صاحب ؒ) اور حضرت مولانا نصیرالدین صاحب غورغشتی کے صاحبزادے فخرالدین صاحب بھی تھے جو اس وقت طالب علم تھے۔ اس حاضری کے موقع پر حضرت مولانا مدظلہم پر پہلی بار گریہ طاری ہوا اور چشمِ نمناک سے وہ سیل اشک پھوٹ پڑا جو پھر کبھی نہ تھما۔ مگر اس وقت نہ آواز نکلی نہ ہچکی بندھی، صرف اشک جاری ہوئے، تاہم حضرت حکیم الامت ؒ بار بار آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے رہے۔ گریہ کی اس کیفیت کو قاری عبدالمجید صاحب کے اشارے پر حضرت مفتی صاحب ؒ بھی دیکھ کر زیرلب مسکراتے رہے، (شاید اس لیے کہ تربیت کی تاثیر کا ظہور ہو رہا تھا۔)

حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی ؒ کی نگاہ میں کیا عجیب تاثیر تھی کہ ایک جواں سال طالب علم کو وہ چشم گریاں اور سینۂ بریاں میسر ہوئے کہ اب ساٹھ سال ہونے کو آئے، نہ اشک ہی رکے اور نہ سوز دروں کم ہوا۔ یہ الفاظ پاک نبوی ﷺ ان کی آنکھیں ھطالتین (پیہم برستی ہوئی) اور سینہ ازیز کازیز المرجل (ابلتی ہوئی ہانڈی کی آواز دینے والا) ہو رہے۔ ایک سب آگ ایک سب پانی۔ بقول حضرت مجذوب ؒ:

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی
نظر کردہ برقِ تپاں ہو رہا ہے

اس سفر سے جب امرتسر کے لیے واپسی ہوئی تو حضرت مولانا مدظلہم پر حضرت مجدد تھانوی ؒ کی جدائی کی وجہ سے سارے راستے گریہ طاری رہا۔ حضرت مفتی صاحب ؒ نے ایک طالب علم (مولانا فخرالدین) کو ساتھ کر دیا تھا تاکہ آپ کا خیال رکھے اور کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ حضرت مولانا مدظلہم کے پاس ٹکٹ خریدنے کے لیے جو رقم تھی وہ بھی اس کیفیت میں کہیں گر گئی۔ پھر عبداللطیف صاحب نے

ٹکٹ خریدنے کے لیے دوبارہ رقم دی۔ امرتسر پہنچنے کے بعد کئی دن تک یہی کیفیت غالب رہی۔ گویا حضرت مفتی صاحب ؒ تسلی دیتے رہے لیکن آپ کا حال یہ تھا کہ

ٹھہرے گا دل تھمیں گے اشک آہ مگر ابھی نہیں
غم ہے یہ دل لگی نہیں رونا ہے یہ ہنسی نہیں
اس دل زار سے مفر عشق میں جیتے جی نہیں
رونا ہے مجھ کو عمر بھر غم مرا عارضی نہیں

الغرض یہ گریہ آپ کا حال بن گیا، بعد کے دوسرے سفروں میں جب کبھی حضرت مجدد الملت حکیم الامت مولانا تھانوی ؒ کی مجلس میں حضرت مولانا مدظلہم کی حاضری ہوتی تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا اور آپ زور زور سے روتے۔ تھانہ بھون کے مذکورہ واقعہ کے بعد آپ پر سیلانِ گریہ سے عجیب کیفیت طاری رہتی تھی۔ بسا اوقات جب گریہ کا غلبہ ہوتا تو آپ عشاء سے صبح تک حضرت مفتی صاحب ؒ کے دولت کدہ کے دروازے کے متصل پڑے مسلسل روتے رہتے تھے۔ جب حضرت مفتی صاحب ؒ باہر تشریف لاتے تو آپ کو تسلی دیتے اور اپنے ساتھ مدرسے لے جاتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب ؒ کی اطمینان دلانے سے آپ کو سکون حاصل ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب ؒ بقرعید کے موقع پر تنہا تھانہ بھون تشریف لے گئے اور حضرت مولانا مدظلہم کو امرتسر میں چھوڑ دیا۔ حضرت مفتی صاحب ؒ کے خانقاہ پہنچتے ہی حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ مولوی فقیر محمد کا کیا حال ہے؟ حضرت مفتی صاحب ؒ نے عرض کیا: ''ان دنوں اس پر بہت زیادہ گریہ طاری ہے اس لیے ساتھ نہیں لایا، مبادا حضرت والا کو بار خاطر ہو۔ حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا: مجھے اس کے رونے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ حضرت مفتی صاحب ؒ تھانہ بھون سے واپس تشریف لائے تو سیدھے حضرت مولانا مدظلہم کے کمرے میں پہنچے۔ خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔ مسکرا کر حضرت مولانا مدظلہم سے فرمایا: ''مبارک ہو حضرت حکیم الامت مجدد الملت آپ سے بہت خوش ہیں۔ آپ کے گریہ سے انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بعد میں جب بھی آپ حضرت تھانوی ؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ارشاد فرماتے: ''میری مجلس کی رونق آ گئی۔''

ایک بار حضرت مولانا مدظلہم حضرت مفتی صاحب ؒ کے ساتھ رمضان المبارک میں تھانہ بھون گئے۔ صبح کی نماز حضرت حکیم الامت مجدد الملت خود پڑھاتے تھے حسنِ قرأت کا یہ عالم تھا کہ سامعین محسوس کرتے تھے گویا قرآن شریف کا نزول ہو رہا ہے۔ ایک دن فجر کی نماز میں حضرت مولانا مدظلہم پر گریہ طاری ہوا۔ نماز میں تو ضبط فرماتے رہے، مگر اسلام پھیر جانے کے بعد حالت بس سے باہر ہوگئی اور زور زور سے روتے ہوئے حضرت تھانوی ؒ کے ہاتھ چومنے کے لیے ان کے مصلے تک پہنچ گئے۔ حضرت مفتی صاحب ؒ حضرت مولانا مدظلہم کا دامن پکڑ کر پیچھے کھینچتے رہے کہ مبادا حضرت والا ؒ کی طبیعت پر گراں گزرے اور سزا میں ہم دونوں خانقاہ سے نکلنا پڑے۔ حضرت مولانا مدظلہم مصلے پر پہنچ کر دیر تک حضرت تھانوی ؒ کے ہاتھ چومتے رہے اور مسلسل روتے رہے اور حضرت والا ؒ قطعاً ناخوش نہ ہوئے۔ بلکہ یوں فرمانے لگے کہ مولوی فقیر محمد تسلی رکھو، اپنی جگہ بیٹھو، کام بن رہا ہے۔ جنہیں حضرت تھانوی ؒ کی خانقاہ کے آداب معلوم ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت مولانا مدظلہم سے حضرت حکیم الامت ؒ کا یہ سلوک کیسے تعلق کا آئینہ دار ہے۔ حضرت مولانا مدظلہم نے فرمایا کہ حضرت حکیم الامت ؒ واقف حال تھے۔ وہ حال کی قدر بھی کرتے تھے، چونکہ عارف تھے سمجھ رہے تھے کہ رونے والا مجبور ہے۔

تعلیم سے فارغ ہو کر حضرت مولانا مدظلہم نے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب ؒ کی خدمت میں عریضہ تحریر کیا جس میں تھانہ بھون حاضری کے لیے اجازت اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ اجازت ہے اور بیعت بھی کرلوں گا لیکن جب تھانہ بھون آؤ تو اس خط کو خانقاہ کے لیٹر بکس میں ڈال دینا۔ حضرت مولانا مدظلہم نے جب خط میں یہ دیکھا کہ حضرت حکیم الامت ؒ نے بیعت کی درخواست منظور فرمائی ہے تو آپ کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس کا باقی مضمون پڑھا ہی نہیں اور فوراً تھانہ بھون کے لیے روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر وہ خط حضرت

حکیم الامت ؒ کے دستِ مبارک میں دے دیا۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے فرمایا کہ اتنی بے پرواہی کہ ہم نے اس خط کو خانقاہ کے لیٹر بکس میں ڈالنے کو لکھا اور آپ میرے ہاتھ میں دے رہے ہیں، نکلو خانقاہ سے۔ حضرت مولانا مدظلہم خانقاہ سے باہر آ گئے اور عیدگاہ چلے گئے۔ آپ پر گریہ طاری ہوگیا، بہت سے لوگ جمع ہوگئے جن میں ہندو بھی تھے۔ ایک ہندو مولانا شبیر علی صاحب ؒ (برادر زادہ حضرت حکیم الامت ؒ) کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ خانقاہ کا ایک آدمی وہاں رو رہا ہے کہیں وہ مر نہ جائے۔ مولانا شبیر علی صاحب ؒ نے حاجی شمشاد علی صاحب (خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الامت ؒ) کے ہاتھ حضرت مولانا مدظلہم کے واسطے پانی بھیجا۔ حاجی صاحب موصوف نے وہ پانی حضرت مولانا مدظلہم کو پلایا اور اپنے ہمراہ خانقاہ لے آئے، عصر کا وقت تھا، حضرت حکیم الامت ؒ نماز پڑھا رہے تھے، حضرت مولانا مدظلہم بھی جماعت میں شریک ہوگئے، آپ پر پھر گریہ طاری ہوگیا۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت حکیم الامت ؒ نے حضرت مولانا مدظلہم کو خطاب کر کے فرمایا کہ سہانپور جاؤ۔ وہاں سے خط و کتابت کرنا۔ اس وقت سہانپور جانے والی گاڑی چھوٹ چکی تھی حضرت مولانا مدظلہم نے عرض کیا: دوسری گاڑی کی روانگی تک نمازیں خانقاہ ہی میں ادا کرنے کی اجازت عطا فرمادیں۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے فرمایا تم سے عداوت تھوڑی ہے، ہاں ہاں پڑھ لو۔ معاملہ صاف ہوجائے تو پھر بیعت بھی کرلوں گا۔ حضرت مولانا مدظلہ اگلے دن ظہر کے وقت سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے۔ سارے راستے روتے رہے اور وہاں پہنچ کر بھی یہی حالت رہی۔ لوگ دیکھتے اور کہتے تھے کہ ان کو کیا ہوگیا ہے؟ حضرت مولانا مدظلہم نے وہاں سے حضرت حکیم الامت ؒ کی خدمت میں دو (۲) عریضے بھیجے اور اپنی غلطی کی معافی کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا کہ احقر سے اس وجہ سے یہ غلطی ہوئی کہ حضرت ؒ کے تحریر کردہ ان الفاظ سے کہ حضرت ؒ بیعت فرمالیں گے، بے انتہا خوشی ہوئی اور بقیہ خط نہ پڑھا۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے معاف فرمادیا تھا اور خانقاہ آنے کی اجازت دے دی، نیز دوبارہ بھی یہی حکم دیا کہ اس خط کو خانقاہ کے لیٹر بکس میں ڈال دینا۔ حضرت مولانا مدظلہم سہارنپور سے واپس تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت حکیم الامت ؒ کا والا نامہ خانقاہ کے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ اسی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دن شام کے وقت حضرت حکیم الامت نے آپ کو بیعت فرمایا۔ اس وقت بھی گریہ طاری تھا۔ بیعت کے بعد دوران گفتگو حضرت حکیم الامت ؒ نے آپ سے شادی کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے عرض کیا: فی الحال ارادہ نہیں، تین سال حضرت ؒ کی خدمت ہی میں رہنے کی نیت ہے، پھر اگر قسمت میں ہوا تو شادی کرلیں گے۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت پیش آجایا کرے تو مجھے مطلع کردیا کریں۔ حضرت حکیم الامت ؒ نے آپ کے گریہ کی کثرت کی وجہ سے آپ کو ''بکاء'' کا لقب دیا اور اپنی مجلس کی رونق فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا مدظلہم اپنے سوز دروں، صفائے قلب، بے لوثی اور دیگر اچھی عادات وخصائل کی وجہ سے حضرت حکیم الامت ؒ کے حضور بہت جلد بار پا گئے اور بیعت وتلقین کی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت مولانا مجدد الملت فرمایا کرتے تھے کہ فقیر محمد مذہباً حنفی اور مزاجاً چشتی ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کسی وقت میری نگاہ سے اوجھل نہیں ہوتے، ہر وقت میرے تصور پر چھائے رہتے ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم کے سامنے جب بھی ان کے مرشد قدس سرہٗ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے جس کا اظہار بذریعۂ تحریر نہیں کیا جاسکتا، ایک بار ایسی ہی کیفیت میں ارشاد فرمایا کہ حضرت مجدد تھانوی ؒ کی خانقاہ کے قیام اور ان کی مجلس کی برکات نے مجھ کو ان اشعار کا مصداق بنادیا:

موحد چہ برپائے ریزی زرش
چہ فولادِ ہندی نہی برسرش
امید وبراسش نباشد زکس
ہمین ست بنیادِ توحید وبس

حضرت قدس سرہٗ کی صحبت کے فیض نے فنا کے اس مقام پر پہنچادیا کہ اپنی ہستی ہیچ در ہیچ ہوکر رہ گئی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کی برکت ہی سے ہر مصنوع چیز آپ کے لیے صانع جل جلالہ کا مظہر بن گئی ہے۔

''وفی کل شئ له آیة تدل علی انه واحد''

شیخین کی نظرِ عنایت وتوجہ

حضرت حکیم الامت ؒ کی خدمت میں حاضری اور آمد ورفت کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ بہت جلد حضرت مولانا مدظلہم حضرت حکیم الامت ؒ کی توجہ کے مظہر بن گئے جیسا کہ گزشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے کہ ایک بار حضرت مفتی صاحب ؒ حضرت مولانا مدظلہم کو اپنے ہمراہ تھانہ بھون نہ لے گئے تو حضرت حکیم الامت ؒ نے استفسار فرمایا کہ مولانا فقیر محمد صاحب کو کیوں نہ لائے؟ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت حکیم الامت ؒ کو آپ سے ایک خاص تعلق پیدا ہوگیا تھا اور آپ پر خصوصی نظرِ شفقت فرمانے لگے تھے جو لوگ حضرت حکیم الامت ؒ کے مزاج اور مذاق کے شناسا ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت ؒ کو ایسا خصوصی تعلق خاص خاص حضرات ہی سے ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ انہوں نے خود بھی فرمایا:

> ''میری طبیعت فطرتاً آزاد ہے کسی سے تعلق پیدا ہونے کے لیے تو کسی بڑے داعیہ کی ضرورت ہے (یعنی بغیر کسی بڑی وجہ اور حالات کے مجھے کسی سے تعلق پیدا نہیں ہوتا) اور قطع تعلق کے لیے مجھے بہانہ کافی ہے۔''

مطلب یہ کہ چونکہ طبیعت فطرتاً آزادی پسند ہے اور کسی سے خصوصی تعلق رکھنے سے آزادی میں خلل پڑتا ہے اس لیے عام طور پر خصوصی تعلق کسی سے تبھی پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی بہت قوی سبب پیدا ہو۔ مثلاً کسی کو اگر حضرت حکیم الامت ؒ نور اللہ مرقدہ سے والہانہ قلبی تعلق ہو اور مسلسل اس کا ظہور ہوتا رہے تو پھر حضرت حکیم الامت ؒ کو بھی اس سے خصوصی تعلق پیدا ہوجاتا تھا اور کسی وقت بھی اگر اس خصوصی تعلق والے کی طرف سے کوئی ایسی بات ظہور میں آتی کہ جس سے اس کا والہانہ تعلق مشکوک و مشتبہ ہوجاتا تو پھر فوراً اس سے قطع تعلق فرمالیتے کیونکہ طبیعت کا اصل تقاضا یہی ہے کہ تعلقات کم سے کم ہوں۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں کہ جن سے حضرت حکیم الامت ؒ کے اس مذاق کا مشاہدہ ہوتا ہے، اس وقت غیر اختیاری طور پر ایک واقعہ یاد آگیا، اس لئے اس کو پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور یہ بتایا کہ میں آپ کا مرید ہوں۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے پوچھا کہ کب اور کہاں مرید ہوئے تھے؟ اس نے تفصیل عرض کی تو پوچھا کہ کبھی کوئی خط لکھا؟ بولے کہ نہیں۔ فرمایا کہ کتنا عرصہ ہوا بیعت ہوئے؟ بولے کہ دو سال۔ فرمایا کہ دو سال بیعت کو ہو گئے، نہ کوئی اپنا حال لکھا، نہ ملاقات کی، نہ خیریت طلب کرنے کے لیے کوئی خط ارسال کیا، جب کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھا تو مجھے کیسے یاد رہے کہ تم کون ہو؟ وغیرہ۔ پھر فرمایا کہ دیکھئے ''محب اللہ'' ہے، شاید ہی کوئی ہفتہ خالی جاتا ہو کہ اس کا خط ضرور آجاتا ہے، تو اس کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔

غرض یہ کہ حضرت سے تعلق پیدا ہو جانا تو بڑی بات نہ تھی، مگر حضرت کے دل میں اپنا مقام پیدا کرنا یہ بڑا مشکل تھا۔ ذرا سی بے توجہی اور لاپروائی اور غفلت سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فوراً قطع تعلق فرما لیتے اور سخت سرزنش فرماتے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اپنے متوسلین کے ساتھ بغرض تربیت و اصلاح جو دارو گیر فرماتے اور بعض اوقات ظاہر میں بہت ناراضی اور غصہ کا اظہار فرماتے اگر اس سے کسی پر ذرہ برابر بھی ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے تو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایسے لوگوں سے فوراً قطع تعلق فرما کر عام طور پر ان کو خانقاہ سے نکال دیتے۔ اسی کیفیت کو حضرات خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

پڑتی ہے وقتِ جور جبین پر شکن ہنوز
مجذوب خام ہے ترا دیوانہ پن ہنوز

خصوصی تعلق والوں کا تو یہ حال تھا کہ ایسے وقت میں لرزاں و ترساں رہتے تھے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ جو ہمیں تنبیہ فرما رہے ہیں۔ اس سے حضرت کو کتنی تکلیف اور اذیت ہو رہی ہے اور اس کا سبب ہم بنے ہیں۔ دوسری طرف اس کو یہ گھبراہٹ اور پریشانی دامن گیر ہوتی کہ کہیں خانقاہ سے نہ نکال دیئے جائیں اور حضرت رحمہ اللہ سے تعلق منقطع نہ ہو جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار خانقاہ تھانہ بھون میں میری کسی لغزش پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے مجھ ڈانٹا اور مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس لیے میں

اٹھ کر چلا گیا اور مسجد میں بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگا اور زار و قطار روتا رہا۔ اسی حالت میں دیکھا کہ نیاز خاں (جو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا خادم تھا) ایک لفافہ لیے ہوئے میری طرف آرہا ہے۔ میری جان نکل گئی کہ خدا جانے اس لفافہ میں کیا حکم ہو۔ کہیں خانقاہ سے نکل جانے کا حکم نہ ہو، جی چاہتا تھا کہ کاش! نیاز خاں یہ لفافہ میرے پاس نہ لائے مگر اس نے وہ لفافہ لا کر مجھے دے دیا کہ حضرت نے دیا ہے۔ اب نہ پوچھئے کہ دل کی کیا کیفیت تھی۔ کانپتے ہاتھوں اور دھڑکتے دل سے لفافہ کھولا اور پڑھا۔ حیرت اور تعجب کی انتہا نہ رہی کہ لفافہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی طرف سے اجازت بیعت و تلقین فرمائی گئی تھی۔ اس شدید غم و اندازہ کے وقت یہ مژدۂ جانفزا عجیب کیفیت تھی۔

غرض یہ خاص تعلق والے ہر وقت خائف و ترساں اور فکر مند رہتے تھے کہ کہیں کوئی حرکت ایسی سرزد نہ ہو جائے جو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی طبع نازک پر بار ہو۔ یہی کیفیت ہمارے حضرت مدظلہم العالی کی رہی جس کی وجہ سے وہ اپنے شیخ اول حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کی شفقتوں کا مرکز بنے اور بعد میں شیخ کبیر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے دل میں مقام پیدا فرمایا۔ بقول حضرت خواجہ مجذوب رحمہ اللہ:

ساری دنیا کی نگاہوں سے گرا ہے مجذوبؔ
تب کہیں جا کے ترے دل میں جگہ پائی ہے

اور:

دے چکا ہوں دونوں عالم میکشو!
یہ گراں مے تم سے کیا لی جائے گی

شیخین یعنی حضرت مجدد الملت رحمہ اللہ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ دونوں مدظلہم سے تعلق خاطر کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے مولانا مدظلہم کے بارے میں گفتگو فرماتے رہتے تھے۔ یہ گفتگو کیا تھی اور کس انداز کی تھی۔ اس کے بارے میں اس وقت کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ حضرات شیخین رحمہما اللہ (حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ اور مجدد الملت رحمہ اللہ) میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ اس سلسلے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں یہی کیا جاسکتا ہے:

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت وگل چہ شنید صباچہ کرد

لیکن اس سلسلے میں ان دونوں حضرات کے درمیان خط وکتابت بھی ہوتی رہتی تھی۔ اس خط وکتابت کا کچھ حصہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ (جو ماخوذ ہے رسالہ ''النور'' ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ سے) جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت مولانا مدظلہم کے ساتھ ان دونوں حضرات کو کتنا گہرا تعلق تھا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ

''حضور والا نے فقیر محمد طالب علم کے متعلق جو کہ نماز اور دعا اور مجلس میں بہت روتا تھا، فرمایا تھا کہ حضرت والا کچھ سوالات اس کی اصلاح کے متعلق قائم فرمائیں گے جن کا جواب یہ احقر طالب علم مذکور سے لے کر ارسالِ خدمت کرے گا۔ اب حضور والا سے بعد ادب عرض ہے کہ سوالات ارقام فرمائیں تا کہ فقیر محمد سے جوابات لے کر، خدمت اقدس میں پیش کیے جائیں، وہ اب بھی کچھ روتا ہے لیکن پہلے کی بہ نسبت سکون معلوم ہوتا ہے۔''

1. یہ حالت کب سے ہے؟ (یعنی رونے کی)
2. دماغ اور قلب طبی تشخیص سے کیسا ہے؟
3. رونا کس خیال سے پیدا ہوتا ہے؟
4. کیا (رونے سے) سکون، کسی خاص خیال سے ہوتا ہے؟
5. اب (رونے میں) کمی کیوں ہوئی؟

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان سوالات کے جوابات حضرت مولانا مدظلہم سے لے کر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال فرمائے، وہ یہ ہیں:

''حضرت والا کے سوال اول کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے ساڑھے چار سال کا عرصہ گزر چکا

ہے کہ حضرت سے ملاقات ہوئی تھی، اس ملاقات کے وقت سے رونا شروع ہوا۔ مگر آنسو جاری ہوتے تھے اور چیخ وپکار نہ تھی۔ چیخ وپکار دو سال سے شروع ہوئی، یہ چیخ کبھی زیادہ ہوتی ہے کبھی کم۔ اس میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔ حضرت کی حضوری میں اس رمضان شریف میں زیادہ ہوگئی تھی۔

سوال نمبر 2: کا جواب یہ ہے کہ میں نے حکیم سے احتیاطاً دوا لے لی ہے، مگر مرض کوئی نہیں، حکیم نے بھی مجھے کوئی مرض نہیں بتایا۔

سوال نمبر 3: اس سوال کے جواب کے دو مقدمے ہیں: ایک یہ کہ ملفوظات میں جو مضامین حضرت دامت برکاتہم بیان فرمایا کرتے تھے۔ ان پر ایسا یقین ہوتا تھا جیسا کسی بات کو دیکھنے سے ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت دامت برکاتہم کی حضوری میں اللہ تعالیٰ کا حاضر ناظر ہونا عقیدہ سے نکل کر حال کے درجہ میں آجانا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد جب حضرت دامت برکاتہم عذاب کا ذکر فرماتے تھے۔ تو میرے خیال میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا خوف پیدا ہوتا تھا۔ اس وجہ سے رونا آتا تھا اور جب کبھی احسانات وانعامات کا ذکر فرماتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات خیال میں آتے تھے، اس خیال سے رونا آتا تھا اور جب کبھی کسی بزرگ کے کمالات اور ادب اپنے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ ملفوظ فرماتے تھے تو مجھے ادب کے نہ ہونے سے رونا آتا تھا اور اس واسطے آپ اور حضرت استاذ (مفتی صاحب) سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ کمال ادب عطا فرمادیویں۔ یہ سب کچھ حضرت کی بات پر کامل یقین ہونے کی وجہ سے تھا۔ اگر اور کوئی (شخص) اللہ تعالیٰ کے احسانات وخوف یا کسی بزرگ کے کمالات بیان فرماتے ہیں اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حضرت دامت برکاتہم سے تعلق ہے نیز یہ کہ وہ نیک ذاکر ہیں تو ان کی تقریر سے بھی مجھے رونا آتا ہے۔

سوال نمبر 4 کا جواب: سکون ایک خیال سے حاصل ہوتا ہے کہ جب میں خیال کرتا ہوں میرے رونے سے حضرت کو یا کسی دوسرے کو تکلیف ہوگی تو اس خیال سے رونا بند ہوجاتا ہے اور بعد میں خجالت اور شرمندگی ہوتی ہے یا کسی دوسرے مضمون میں خیال کو لگاتا ہوں تب رونا منقطع ہوتا ہے۔

سوال نمبر 5 کا جواب: یہ ہے کہ رونا دو وجہ سے کم ہوا۔ ایک یہ کہ حضرت سے رخصت ہونے لگا، تو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت سے احقر نے معافی اور دعا کی درخواست کی، اس وقت حضرت نے فرمایا کہ میں نے معاف کر دیا اور دعا بھی کرتا ہوں۔ اس وقت مجھے رونا آیا۔ بعد اس کے حضرت نے فرمایا کہ رونے والے کو معاف نہیں کیا جاتا ہے تم ہنسو تو معاف کروں گا۔ اس وقت مجھے ہنسی آ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں اب معاف ہے۔ اس بات سے مجھے معلوم ہوا کہ رونا حضرت کی رائے کے خلاف ہے۔ اس واسطے اب جتنی میری طاقت ہے میں بقدر طاقت رونے کو روکتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ جس وقت ہم آنے والے تھے اس مجلس میں حضرت نے میرے متعلق فرمایا کہ بہت مشغولیت کی وجہ سے مجھے وقت نہیں ملا کہ میں اس کے ساتھ بات چیت کروں، یہ میری رائے ہے کہ باہر کچھ نہ ہو یعنی چیخ وپکار۔ بلکہ سب اندر اندر ہو۔ اس سے بھی مجھے معلوم ہوا کہ حضرت کو رونا پسند نہیں، اس واسطے اپنے آپ کو رونے سے روکتا ہوں، ورنہ مجھے رونا بہت آتا ہے۔ جب حضرت کی نماز مجھے یاد آتی ہے اور مجلس یاد آتی ہے اور چال ورفتار یاد آتی ہے اور ملفوظات یاد آتے ہیں پھر تو بہت رونا آتا ہے، کبھی چیخ نکلتی ہے اور کبھی بہت مشکل سے بند کرتا ہوں۔

تحقیق:

بکاء حالت رفیعہ ممدوحہ ہے۔ خواہ خوف سے ہو یا شوق سے، لیکن صیاح حالت ممدوحہ نہیں گو عذر میں مذمومہ ومنکر بھی نہیں، لیکن قابلِ اصلاح ہے اور اصلاح کی حقیقت ہے ازالۂ سبب۔ میرے نزدیک اس کا سبب دماغ وقلب کا ضعف یا حرارت بھی ہے کہ درد کا تحمل نہیں۔ اطباء کو سبب مذکور کی تشخیص کی طرف مکرر اہتمام کے ساتھ متوجہ کیا جاوے اور تعدیل مزاج کی تدبیر کی جاوے اور خارجی تدبیر بھی منظم کی جاوے۔ وہ یہ کہ رجاء کے مضامین حدیث سے یا کلام قوم سے بار بار سنائے جاویں اور ایسے مواقع پر ان کے استحضار کا بھی مشورہ دیا جاوے اور ایک ماہ کے بعد پھر اطلاع دی جاوے۔

مختلف واقعات

1. ایک بار حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ایماء سے حضرت مولانا مدظلہم کا قیام خانقاہ امدادیہ میں مسلسل چھ ماہ تک رہا اور حضرت مجدد الملت تھانوی رحمہ اللہ کی صحبت ومعیت وخدمت کا شرف صبح وشام میسر رہا۔ اللہ ہی کو علم ہے کہ اس دوران شیخ مشفق سے سراپا طلب مرید نے کیا کچھ نہ پایا اور

معرفت الٰہی کی کیا کیا منازل طے کیں۔ حضرت مولانا مدظلہم خانقاہ میں قیام کے دوران روزانہ چوبیس ہزار بار سے ۱۵۰۰۰ تک ذکر اسم ذات کیا کرتے تھے۔ عشاء کے بعد چھ ہزار بار ذکر نفی واثبات بالجہر اور تہجد کے بعد ذکر دوازدہ تسبیح کرتے تھے۔ دن میں سات یا دس پارے تلاوت قرآن مجید اور مناجات مقبول کبھی پوری کبھی ایک منزل پڑھتے تھے۔ حضرت مولانا مدظلہم کے اذکار کی آواز سن کر حضرت مجدد الملت بہت خوش ہوتے تھے۔ حضرت مولانا مدظلہم اس وقت جوان تو تھے ہی ساتھ ہی خوش الحان بھی تھے۔ ان کی صورت میں بہت سوز وگداز تھا جو باوجود سن رسیدہ ہوجانے کے اب بھی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ذکر کے بہت دلدادہ تھے جب مسجد میں کوئی ذکر یا تلاوت کرتا سنائی دیتا اور مولانا مدظلہم خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ کو معلوم کرنے کے لیے بھیجتے کہ کون ہے۔ آپ واپس آ کر بتاتے تو بہت خوش ہوتے تھے اور تعریف فرماتے تھے کہ بہت سوز وگداز سے ذکر کر رہا ہے۔

2. خانقاہ میں قیام کے دوران اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی حضرت مولانا مدظلہم کی توجہ غیر کی طرف منعطف ہوجاتی تو حضرت حکیم الامت فوراً تنبیہ فرماتے اور حضرت مولانا مدظلہم کی توجہ الی اللہ پھر قائم ہوجاتی تھی۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز کی خصوصی توجہ آپ کی طرف مبذول رہتی تھی۔ آپ کی اصلاح کا اہتمام فرماتے رہتے تھے۔ انہیں توجہاتِ عالیہ کی برکت سے حضرت مولانا مدظلہم کندن بن گئے اور ایقان وعرفان کی ایسی دولت سے مالا مال ہوگئے جس نے آپ کو حضرت حکیم الامت مجدد الملۃ جیسے عظیم شیخ الکل کی خلافت اور اجازت بیعت کا اہل بنا دیا۔

گر تو سنگِ خار او مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

چونکہ خانقاہ میں دائمی قیام نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے چھ مہینے کے بعد حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”اب میرے ساتھ معیت ہر وقت نہیں ہوگی تو تمہیں تکلیف ہوگی۔“ تاہم حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے مشورہ سے طے فرما دیا کہ بہتر ہے کہ دوسری جگہ جو پسند ہو وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ آپ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

امرتسر تشریف لے آئے اور حضرت مفتی صاحب ؒ نے مسجد حسن شری پورہ میں آپ کی تقرری دس روپے ماہوار پر کردی۔ یہ دس روپے آپ اپنے والد محترم کو بھیج دیتے تھے۔

3 ایک بار حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ بیت الخلاء تشریف لے جارہے تھے اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہم آپ کے پاپوش مبارک اٹھائے ہوئے تھے۔ حضرت تھانوی ؒ سے آگے ایک نابینا (حافظ) بھی جارہے تھے۔ حضرت مولانا مدظلہ نے کوشش کی کہ حضرت کے جوتے حافظ صاحب سے آگے بڑھ کر پہلے رکھ دیں، حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تنبیہ فرمائی کہ پہلے ان (حافظ) کا حق ہے، پھر میرا اس واقعہ سے حضرت کا حقوق العباد کی رعایت کا اندازہ ہوتا ہے۔

4 حضرت حکیم الامت ؒ کی زندگی میں خانقاہ تھانہ بھون میں بجلی نہیں آئی تھی۔ چنانچہ مٹی کے تیل سے لیمپ اور لالٹین روشن کی جاتی تھیں اور ہاتھ سے پنکھے جھلے جاتے تھے۔ سہ دری میں جہاں حضرت حکیم الامت ؒ کی نشست تھی وہاں اوپر چھت میں ہاتھ سے کھینچنے کا ایک پنکھا جس پر کپڑے کی گوٹ اور جھالر تھی اور پنج رنگی پیونداس جھالر پر لگے ہوئے تھے، لوہے کے تاروں سے چھت میں آویزاں تھا، جس کو ایک شخص ڈوری سے کھینچتا تھا۔ علاوہ حضرت والا ؒ کے ان کے قریب بیٹھنے والے حاضرین مجلس کو بھی ہوا لگتی تھی۔ خدام مجلس میں سے جن کو اجازت تھی وہ ہی پنکھا کھینچتے تھے۔ سہ دری میں حضرت والا کی نشست گاہ کے مقابل تین دروازوں میں پردے بندھے ہوئے تھے جو بوقت ضرورت کھولے جاتے تھے، دروازوں پر پردے اور پیوند لگے کپڑے کی جھالر کا پنکھا۔ یہ ہے کہ ایک شہرہ آفاق مجدد وقت اور مایۂ ناز صوفی کامل کی مسند رشد و ہدایت کا نقشہ جس کا تصور بھی آج کی کسی خانقاہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

بہرحال حضرت حکیم الامت ؒ کی مجلس کا پنکھا کھینچنے کے سلسلہ میں ایک دن یہ واقعہ ہوا کہ حضرت مولانا مدظلہم سہ دری میں پنکھا کھینچ رہے تھے کہ اس دوران حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ؒ تشریف لائے اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے مصافحہ کرنے کے لیے آگے بڑھے حضرت مولانا مدظلہ نے پنکھا نہیں روکا، حتیٰ کہ پنکھے کی جھالر حضرت مولانا خیر محمد صاحب ؒ کے عمامے

سے ٹکرا گئی اور ان کا عمامہ کھل کر نیچے گر پڑا۔ حضرت تھانوی ؒ نے مولانا مدظلہ سے تادیباً فرمایا کہ آپ تو بڑے بدتمیز ہیں آپ نے پنکھا کیوں نہیں روکا؟ ان کو بھی پریشان کیا اور ہمیں بھی پریشان کردیا، یہاں سے اٹھ جاؤ۔ چنانچہ حضرت مولانا سہ دری سے نکل کر مسجد میں آگئے اور زور زور سے رونے لگے، چونکہ سہ دری مسجد کے ساتھ ہے لہٰذا حضرت تھانوی ؒ آپ کے رونے کی آواز سن رہے تھے، اس دوران حضرت تھانوی ؒ نے نہ کسی دوسرے شخص کو پنکھا کھینچنے کے لیے امر فرمایا اور نہ ملفوظات سے بہرہ مند کیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، اتنے میں حضرت تھانوی ؒ کے خادم سلیمان صاحب مسجد میں آئے اور حضرت مولانا کو روتا دیکھ کر کہنے لگے: آپ معافی نہیں چاہتے؟ حضرت مولانا نے فرمایا کہ کیوں نہیں میں چاہتا ہوں۔ وہ حضرت تھانوی ؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ وہ معافی چاہتے ہیں۔ حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا کہ تم اپنی طرف سے کہتے ہو یا وہ خود معافی چاہتے ہیں۔ سلیمان صاحب نے حضرت مولانا مدظلہ سے استفسار کے بعد عرض کیا کہ وہ خود معافی چاہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت تھانوی ؒ نے ارشاد فرمایا: مولوی فقیر محمد آؤ، بیٹھو اور پنکھا کھینچو۔ اس کے بعد حضرت ؒ کا تکدر جاتا رہا اور دوبارہ ملفوظات سے بھی مشرف فرمانے لگے۔ خطوط کے جوابات بھی تحریر فرماتے رہے۔

5 ایک دن حضرت مولانا مدظلہم جمعہ کے دن رکعات مسنونہ ادا فرمارہے تھے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے آواز دی کہ مولوی فقیر محمد! آپ نے کہا: ''ہاں ہاں۔'' حضرت تھانوی ؒ نے ارشاد فرمایا کہ شاید آپ نماز پڑھ رہے تھے اور توڑ دی۔ بہت ہنسے اور فرمایا کہ نماز پڑھو! آپ نے عرض کیا کہ حضرت نفلی نماز تو پھر بھی پڑھ سکتا ہوں۔ اس پر ارشاد ہوا کہ یہ لفافہ مولانا شبیر علی ؒ کے پاس لے جاؤ اور پھر نماز پڑھ لو۔

6 حضرت مجدد الملت جب لکھنؤ (علاج کے لیے) تشریف لے گئے تھے تو وہاں سے واپسی پر کانپور میں آپ کے ایک خاص مرید دلدار خان صاحب نے حضرت ؒ کی دعوت کی۔ اس دعوت میں دلدار خان صاحب نے حضرت والا ؒ کے ہم سفر سب اشخاص کو فرداً فرداً مدعو کیا، لیکن حضرت مولانا مدظلہم اور سید عبدالکریم ؒ کو جو حضرت ہی کے ہمراہ سفر تھے، اس ضیافت میں شرکت کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دعوت نہیں دی۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے باہر جا کر کھانا کھالیا، بعد میں جناب وصل بلگرامی صاحب ؒ نے حضرت مولانا مدظلہم سے کہا کہ آپ دلدار خان صاحب ؒ کی دعوت میں کیوں شریک نہیں ہوئے۔ مولانا نے جواباً فرمایا کہ ہمیں دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اس لیے ہم نے باہر جا کر کھانا کھایا۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کو جب اس بات کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آپ دونوں نے بہت ہی اچھا کیا۔ میرا دل اس سے بہت سی خوش ہوا کہ آپ نے دین کی عزت رکھی اور اپنے آپ کو ذلت سے بچایا۔''

7 بعض اوقات جب حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ حضرت مولانا مدظلہم کو اصلاح کی نیت سے ڈانٹتے تو فرماتے کہ میرا حوصلہ کم نہیں ہے۔ اگر تم سرحد کے رہنے والے ہو تو ہم بلخ کے رہنے والے ہیں اور ابنِ ادہم ؒ کی اولاد سے ہیں، فاروقی ہیں، مگر تمہاری اصلاح بھی ضروری ہے، اس لیے ڈانٹنا پڑتا ہے۔ اس پر حضرت مولانا مدظلہم جواباً عرض کرتے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ آپ میری اصلاح اور فائدے کے لیے ہی کرتے ہیں۔

8 ایک بار وصل بلگرامی مرحوم حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس خاص کے لیے لوگوں کو بلا رہے تھے، حضرت ؒ سے عرض کیا کہ مولوی فقیر محمد کو بھی بلالوں؟ حضرت نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: ہاں میں نے اسے کوٹ کوٹ کر سیدھا کر دیا ہے۔ (مجلس) خاص میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء اور خصوصی مہمان شریک ہوتے تھے ہر کس و ناکس کو اس میں شرکت کی اجازت نہ تھی۔ ابتداءً حضرت مدظلہ کو اس مجلس میں شرکت کی اجازت مرحمت نہیں ہوئی تھی۔ بعد میں حضرت مدظلہم کو اس مجلس میں بھی اِذن باریابی عطا کیا گیا۔

9 حضرت تھانوی ؒ نے ایک روز فرمایا کہ شاہ ابوسعید گنگوہی ؒ بغرض بیعت شاہ نظام الدین بلخی ؒ کی خدمت میں بلخ تشریف لے گئے۔ شاہ نظام الدین ؒ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لائے ہیں تو ایک منزل پر آ کر استقبال کیا اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ لے کر بلخ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر صاحبزادہ صاحب کی خوب خاطر مدارات کی۔ ہر روز نئے نئے اور لذیذ سے لذیذ

کھانے پکوا کر کھلاتے، ان کو مسند پر بٹھاتے، خود خادموں کی جگہ بیٹھتے۔ آخر جب شاہ ابوسعید ؒ نے اجازت چاہی کہ وطن واپس ہوں تو شاہ نظام الدین ؒ نے بہت سی اشرفیاں بطور نذر پیش کیں۔ اس وقت شاہ ابوسعید ؒ نے عرض کیا کہ حضرت اس دنیاوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کے لیے میں یہاں آیا۔ مجھے تو وہ دولت چاہیے جو آپ ہمارے یہاں سے لے کر آئے ہیں، بس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدین ؒ کے تیور بدل گئے، جھڑک کر فرمایا کہ جاؤ طویلہ میں جا کر بیٹھو اور کتوں کی خوراک وراتب کی فکر رکھو۔ غرض یہ طویلہ میں آئے۔ شکار ہی کتے ان کی تحویل میں دیئے گئے کہ روز نہلائیں اور صاف ستھرا رکھیں، کبھی حمام گرم کروایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیر تھام کر ہمرہ چلتے۔ آدمی سے کہہ دیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اس کو دو روٹیاں جَو کی دونوں وقت گھر سے دیا کرو۔ اب شاہ ابوسعید صاحب ؒ جب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ چماروں کی طرح بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا۔ تین چار ماہ بعد ایک روز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج جب تو طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لے جائے تو اس دیوانہ کے پاس سے گزریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا۔ یوں پاس سے گزری کہ کچھ نجاست شاہ ابوسعید ؒ پر جا پڑی، شاہ ابوسعید ؒ کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ تیوری چڑھا کر بولے: ''نہ ہوا گنگوہ، ورنہ اچھی طرح مزہ چکھاتا، غیر ملک ہے، شیخ کے گھر کی بھنگن ہے، اس لیے کچھ نہیں کر سکتا۔'' بھنگن نے یہ قصہ حضرت شیخ سے عرض کر دیا۔ حضرت نے فرمایا: ہاں ابھی صاحبزادگی کی بو باقی ہے، پھر دو ماہ تک خبر نہ لی۔ اس کے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاظت شاہ ابوسعید ؒ پر ڈال کر جواب سنے۔ چنانچہ بھنگن نے ارشاد کی تعمیل کی۔ اس مرتبہ شاہ ابوسعید ؒ نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو رہے ہیں۔ بھنگن نے آ کر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو میاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہو رہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا: اب بھی کچھ بُو باقی ہے۔ پھر دو چار ماہ بعد بھنگن کو حکم دیا کہ ''اس مرتبہ گوبر کا بھرا ٹوکرا اس پر پھینک ہی دیجیو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کہ پاؤں تک بھر جائیں۔'' چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا۔ مگر اب شاہ ابوسعید ؒ جو کچھ بننا تھے بن چکے تھے۔ اس لیے گھبرا گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے: ''مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی، کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟ یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر ٹوکرے میں ڈالنی شروع کی کہ لا میں بھر دوں۔'' بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آ کر کہا: آج تو میاں جی غصہ کی جگہ الٹے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈال دی۔ شیخ نے فرمایا: ''بس اب کام ہو گیا۔'' اسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے، کتوں کو تیار کر کے ہمراہ چلنا۔ شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے۔ شاہ ابوسعید ؒ کتوں کی زنجیر تھامے پا بہ رکاب ہمراہ ہو لیے۔ کتے تھے زبردست شکاری۔ کھاتے پیتے، توانا، اور ابوسعید ؒ بے چارے سوکھے۔ بدن، کمزور، اس لیے کتے ان کے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے۔ بہتیرا کھینچتے روکتے، مگر وہ قابو سے باہر ہو جاتے تھے۔ آخر انہوں نے زنجیر کمر سے باندھ لی، شکار جو نظر پڑا تو کتے اس پر لپکے، اب شاہ ابوسعید ؒ بے چارے گر پڑے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کو کھینچتے کھینچتے چلے جاتے تھے۔ کہیں اینٹ لگی، کہیں کنکر چبھی، بدن سارا لہولہان ہو گیا مگر انہوں نے اف نہ کی۔ جب دوسرے خادم نے کتوں کو روکا اور ان کو اٹھایا۔ یہ تھر تھر کانپے کہ حضرت خفا ہوں گے اور فرمائیں گے کہ حکم کی تعمیل نہ کی، کتوں کو روکا کیوں نہیں؟ شیخ کو امتحان مقصود تھا سو ہو لیا۔ اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبدالقدوس ؒ کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں: ''نظام الدین میں نے تجھ سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی، جتنی تو نے میری اولاد سے لی۔'' صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین ؒ نے شاہ ابوسعید ؒ کو طویلہ سے بلوا کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ خاندانِ چشتیہ کا فیضان جو میں ہندوستان سے لے کر آیا تھا۔ تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لیے جاتے ہو، مبارک ہو وطن جاؤ۔ غرض مجاز بیعت بنا کر ہندوستان واپس فرمایا۔

حضرت مولانا مدظلہم یہ ملفوظ سن کر زور زور سے رونے لگے تو حضرت مجدد تھانوی ؒ نے فرمایا: آپ کیوں روتے ہیں۔ میں نے تو آپ سے اتنی سختی نہیں کی، میں تو آپ کو سہل راستہ سے سلوک طے کرا رہا ہوں؟''

⑩ ایک بار حضرت مفتی صاحب ؒ نے امرتسر سے تھانہ بھون جانے کا ارادہ فرمایا اور حضرت مدت فیوضہم کو بھی لے جانے کا پروگرام تھا لیکن ہمارے حضرت مدظلہم فرطِ شوق میں حضرت مفتی صاحب ؒ سے پہلے ہی عشاء کے وقت گاڑی میں تھانہ بھون کے لیے سوار ہو گئے۔ گاڑی میں بھیڑ بہت تھی اس لیے امرتسر سے انبالہ تک گاڑی میں کھڑے ہو کر سفر طے کیا۔ انبالے پہنچ کر گاڑی میں بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔ رات بھر کے جاگے ہوئے اور تھکے ہوئے تھے اس لیے بیٹھ کر نیند آ گئی۔ آنکھ اس وقت کھلی جب سورج نکل چکا تھا اور فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔

حضرت دامت فیوضہم فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے ایسا صدمہ ہوا کہ جیسے پہاڑ سر پر آن پڑا ہو۔ سوچ رہا تھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں جا رہے ہو اور نماز بھی قضا ہو گئی۔ پہنچ کر منہ دکھانے کے قابل نہیں ہو گے۔ یہ صدمہ اتنا شدید تھا کہ ہوش و حواس درست نہ رہے اور سہارنپور پہنچ کر مسجد میں جا کر نماز ادا کی۔ مگر تھانہ بھون والی گاڑی چھوٹ گئی اور حضرت مفتی صاحب ؒ آگے نکل گئے اور مجھ سے پہلے تھانہ بھون خانقاہ میں پہنچ گئے۔ میں اسی پریشانی کی حالت میں بعد میں خانقاہ پہنچا۔ دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب ؒ پہلے سے وہاں موجود ہیں، مجھے دیکھ کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ تھا، ہم آپ سے پہلے پہنچ گئے، آپ نے ہمارا انتظار نہیں کیا، ورنہ ساتھ ہی آ جاتے۔ میں صدمے کی وجہ سے بے حال تھا، اس لیے حضرت مفتی صاحب ؒ سے کوئی بات نہ کی اور صرف یہی کہا کہ ''بے شک! بے شک!!'' اور حضرت مفتی صاحب ؒ کے پاس سے جلدی جلدی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی خدمت میں بغرض مصافحہ و ملاقات و زیارت حاضر ہوا۔ حضرت مجدد الملت ؒ سے مصافحہ کیا، تو انہوں نے خلافِ معمول میرے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے رکھے اور فرمایا کہ

''بعض لوگوں کو تقویٰ کا ہیضہ ہو جاتا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ زندگی میں کوئی نماز بھی قضا نہ ہو۔ اگرچہ کوشش تو یہی کرنی چاہیے کہ کوئی نماز قضا نہ ہو لیکن اگر غیر اختیاری طور پر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اختیاری طور پر سنت کا اتباع نصیب فرما دیا۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کی بھی ایک مرتبہ غیر اختیاری طور پر فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس کے بعد حضرت ؒ نے میرا ہاتھ چھوڑا اور میرے دل کا بوجھ بحمد اللہ بالکل ہلکا ہو گیا۔

نماز قضا ہونے کا ذکر ابھی تک میں نے نہ حضرت مفتی صاحب ؒ سے کیا تھا اور نہ حضرت مجدد الملت ؒ سے، مگر یہ حضرت مجدد الملت کی فراست تھی یا کشف تھا کہ ان کو معلوم ہو گیا۔ بعد میں میں نے سارا واقعہ حضرت استاد مفتی محمد حسن صاحب ؒ سے عرض کیا۔

11. حضرت مجدد الملت قدس اللہ سرہٗ جب بوجہ ضعف و بیماری، گھر سے خانقاہ تک پیدل تشریف نہ لا سکتے تھے تو آپ کے لیے ''ہاتھ کا رکشہ'' تیار کرایا گیا جس میں حضرت خانقاہ سے گھر اور گھر سے خانقاہ تشریف لانے اور لے جانے لگے۔ حضرت مدظلہم اس رکشے میں حضرت مجدد الملت ؒ کو لاتے اور لے جاتے اور خود بہ نفسِ نفیس رکشہ کھینچتے تھے۔ ایک دن راستے میں ایک گڑھا آیا جو حضرت مجدد الملت ؒ نے بھی دیکھ لیا تو حضرت مدظلہم سے فرمایا کہ ''اس گڑھے سے بچو۔'' مگر گاڑی گڑھے سے نہ بچ سکی۔ تو حضرت مجدد الملت ؒ نے فرمایا کہ ''آپ نے صریح حکم کی خلاف ورزی کی''۔ خانقاہ پہنچ کر حضرت ؒ نے حضرت مفتی صاحب ؒ سے فرمایا کہ ''آج مولوی فقیر محمد نے صریح حکم کی خلاف ورزی کی''۔ اس پر حضرت مفتی صاحب ؒ صاحب مسکرائے۔

12. ایک بار حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے حضرت مدظلہم سے فرمایا کہ ''مجھے آپ کے ساتھ والد جیسی محبت ہے۔ والدہ جیسی نہیں'' مراد یہ ہے کہ شفقتِ پدری تربیت و تادیب کے وقت مغلوب نہیں ہوتی بلکہ ہر وقت اصلاح کا خیال رہتا ہے، اس کے برعکس والدہ کسی وقت محبت میں مغلوب ہو جاتی ہے۔

13. حضرت مدظلہم فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ مجھے رونے سے منع نہ فرماتے تھے بلکہ مجھے اپنی مجلس کی رونق فرماتے تھے۔ ایک بار ایک بنگالی مولوی بھی میری طرح رونے لگے تو حضرت والا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ''انہیں منع کریں، یہ مولوی فقیر محمد کی نقل اتارتے ہیں۔''

14. حضرت مولانا مدظلہم نے فرمایا کہ پہلی بار حضرت مجدد تھانوی ؒ علاج کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ میں بھی حضرت کے ساتھ تھا، ریل کی آواز کے ساتھ میں نے بھی چیخیں ماریں تو حضرت والا

نے فرمایا: ''دونوں چیخیں مار رہے ہیں۔''

15. دوبارہ جب حضرت تھانوی ؒ ایک حکیم کے مشورہ پر علاج کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے تو میں نے حضرت مجدد تھانوی قدس سرہٗ سے درخواست کی کہ مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائی جاوے۔ حضرت والا نے اجازت عطا فرما دی۔ واپسی پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ مولوی فقیر محمد صاحب سے دل بہت خوش ہوا، میری خوب خدمت کی۔ حضرت مفتی صاحب ؒ نے فرمایا کہ ''یہ تو پیر اور استاد پر قربان ہونے والا ہے۔''

16. حضرت مولانا مدظلہم فرماتے ہیں کہ حضرت سید سلیمان ندوی صاحب ؒ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ بھی رقیق القلب تھے اور میں بھی بہت روتا تھا۔ اس لیے حضرت کو مجھ سے بہت سے زیادہ لگاؤ تھا۔

17. جب حضرت حکیم الامت ؒ کی لکھنؤ سے واپسی ہوئی، کانپور جناب دلدار خان (جو حضرت ؒ کے پرانے ملنے والوں میں سے تھے) کے ہاں قیام فرمایا اور وہاں سے روانہ ہوئے تو دوسرے دن دہلی پہنچے، رات دہلی میں گزاری۔ سفر کی تھکان کی وجہ سے حضرت ؒ کے مزاج میں اور بھی نزاکت آ گئی تھی۔ اس لیے ہم بہت ہی احتیاط کے ساتھ خدمت کر رہے تھے۔ دہلی والی رات تو خیریت سے گزری۔ پھر صبح آٹھ بجے والی گاڑی سے تھانہ بھون کے لیے روانہ ہوئے۔ نواب جمشید علی خان صاحب (جو باغپت کے نواب اور حضرت ؒ کے خدام میں سے تھے) بھی دہلی پہنچ گئے تھے۔ دہلی اور تھانہ بھون کے درمیان باغپت کا اسٹیشن بھی پڑتا تھا۔ اس لیے نواب صاحب نے نہایت ادب و احترام سے عرض کیا کہ حضرت! میں ان شاء اللہ باغپت کے اسٹیشن پر پہنچ جاؤں گا۔ (وہ غالباً اپنی کار وغیرہ سے روانہ ہوئے تھے) گاڑی میں حضرت مجدد الملت ؒ کی سیٹ ایسی جگہ پر تھی کہ وہاں سے دھوپ آ گئی۔ میں نے عرض کیا: ''حضرت! آپ ادھر تشریف لے آئیں تاکہ دھوپ سے بچ جائیں۔'' حضرت ؒ نے تنبیہ فرماتے ہوئے فرمایا:

بس! تم کو مقرب بننے کا خیال ہو گیا کہ تم مقرب بن گئے۔ اسی لیے تم نے کہا کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ آجاؤ۔ تو سن لیجئے! کہ ہمارے ہاں کوئی مقرب نہیں ہے۔ (غرض حضرت رحمہ اللہ نے ڈانٹا۔)

اس وقت میں رونے لگا، سب گاڑی والے دیکھ رہے تھے، مولانا محمد احمد صاحب تھانوی بھی ساتھ تھے، پھر حضرت مجدد الملت رحمہ اللہ سے میں نے معافی مانگی، حضرت رحمہ اللہ نے معاف فرمادیا تو میرا رونا بند ہوگیا، اتنے میں باغپت کا اسٹیشن آگیا، جہاں نواب جمشید علی خان صاحب موجود تھے، انہوں نے نیچے پلیٹ فارم پر کھڑے کھڑے ریل کی کھڑکی میں سے حضرت رحمہ اللہ سے مصافحہ کیا، گاڑی روانہ ہوگئی، نواب صاحب بھی چلے گئے۔ حضرت مجدد الملت رحمہ اللہ نے مجھے سمجھایا کہ

''اگر میں تمہارا کہنا مان لیتا اور ادھر والی سیٹ پر بیٹھ جاتا تو مجھے ایک دنیادار کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کر یہاں آنا پڑتا، پھر اپنی جگہ جانا پڑتا، اس میں میری ہی مصلحت تھی۔''

غرض حضرت قدس سرہٗ کی تربیت کی شان بڑی جامع تھی۔

18 تھانہ بھون جب کبھی حضرت حکیم الامت اور ان کے اہل خانہ کہیں سفر وغیرہ میں تشریف لے جاتے اور حضرت کے دولت کدے پر بغرض حفاظت کسی شخص کو رات کے وقت وہاں سونے کے لیے رکھا جاتا تو ہمارے حضرت مدظلہم اگر وہاں موجود ہوتے تو اپنی خدمت پیش فرماتے اور رات کو حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مکان میں سوتے۔ اس سلسلے میں حضرت مدظلہم فرماتے ہیں کہ

''جب کبھی وہ حضرت رحمہ اللہ کی علالت طبع یا حضرت رحمہ اللہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے ان کے دولت کدے پر قیام فرماتے تو اکثر اوقات وہاں پر رات کو خواب میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام علی الخصوص نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوتی اور دیگر رویائے صالحہ سے مشرف ہوتے۔''

19 الحمد للہ حضرت مولانا مدظلہ کو ایک بیش بہا انعام حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ عالی کی حضوری اور خواب و بیداری میں بارہا زیارت مقدسہ کی شرف یابی کی سعادت ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ صدر ضیاء الحق مرحوم کے دورِ حکومت میں جب زیارتِ پاک سے مشرف ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ

ضیاء الحق کو میرا یہ پیغام پہنچادو کہ وہ پاکستان میں قانون شریعت نافذ کردے، مارشل لا لگاتے وقت وہ نہیں گھبرایا تھا تو قانونِ شریعت نافذ کرنے میں کیوں ہچکچاتا ہے۔ دوسرے ہی روز مولانا صاحب رحمہ اللہ نے مختلف ذرائع سے ضیاء الحق صاحب کو اس پیغام مقدس کی اطلاع کردی۔ محترم قاری محمد یعقوب صاحب جو اس زمانہ میں صدر ضیاء الحق مرحوم کی رہائش گاہ والی مسجد کے خطیب تھے، نے بھی ایک جمعہ کو بعد نماز یہ پیغام تحریری طور پر صدر ضیاء الحق کو پیش کیا، جو مرحوم نے غور سے پڑھا اور خاموشی سے گھر چلے گئے۔

کچھ عرصہ بعد صدر صاحب کا غیر ممالک کا دورہ نکلا تو واپسی میں عمرہ اور زیارت کے لئے حرمین شریفین حاضری دی (حضرت مولانا کا قیام اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں تھا) صدر ضیاء الحق مرحوم روضۂ اطہر پر سلام پیش کر کے واپس قیام گاہ پہنچے تو حضرت مولانا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ حضرت مولانا کی تلاش شروع ہوئی لیکن حضرت کا پتہ نہ چل سکا۔ چند گھنٹے بعد جب ضیاء الحق صاحب مدینہ طیبہ سے رخصت ہوگئے تو ایک صاحب نے مولانا کو مسجد نبوی میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ کی بہت تلاش ہورہی تھی، ضیاء الحق صاحب آپ سے ملنا چاہتے تھے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ ''میری ملاقات کی کیا ضرورت ہے، حضور نبی اکرم ﷺ کا پیغام ان کو پہنچادیا ہے، وہ اس پر عمل کریں۔''

اس واقعہ کو بھی کافی وقت گذر گیا لیکن نفاذ شریعت کے سلسلے میں کوئی پیشرفت نہیں ہوئی۔ جس سال جامعہ اشرفیہ لاہور میں حضرت حکیم الامت کانفرنس منعقد ہوئی، صدر ضیاء الحق بطور مہمان خصوصی اس میں مدعو کئے گئے تھے۔ حضرت مولانا سے بھی شرکت کی درخواست کی گئی، آپ پشاور سے لاہور تشریف لائے۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر حضرت مولانا کانفرنس میں نہیں گئے اور مسجد میں ذکر میں مشغول ہو گئے۔ صبح دس بجے صدر ضیاء الحق کانفرنس کا افتتاح کرنے جامعہ اشرفیہ پہنچے، کار سے اترتے ہی حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کو دریافت کیا۔ جب بتایا گیا وہ مسجد میں ہیں تو ضیاء الحق مرحوم بجائے کانفرنس میں جانے کے گورنر و زیر اعلیٰ پنجاب و دیگر سرکاری عملہ کے ساتھ مسجد میں آگئے۔

حضرت مولانا نے ضیاء الحق صاحب سے معانقہ اور مصافحہ کے بعد پہلا سوال کیا کہ حضور نبی اکرم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ﷺ کا پیغام مل گیا؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ دوسرا سوال حضرت مولانا نے کیا کہ پھر آپ نے شریعت مقدسہ کا نفاذ کیوں نہیں کیا؟ ضیاء الحق مرحوم نے برجستہ کہا کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق دے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم تو برابر دعا کرتے رہتے ہیں، بلکہ مکہ اور مدینہ میں بھی دعا کرتے ہیں اور پھر حضرت مولانا نے خوب رو رو کر دعا کی۔ صدر ضیاء الحق پر بھی رقت طاری ہوگئی۔ حاضرین میں بھی اکثر آبدیدہ دیکھے گئے۔ ضیاء الحق مرحوم نے وعدہ کیا اور کانفرنس میں افتتاحی تقریر میں نفاذ اسلام کی بات بھی کی، لیکن وائے قسمت کہ وہ خواب ہنوز تشنۂ تعبیر ہے۔

جب صدر ضیاء الحق مرحوم نے جونیجو صاحب کی حکومت کو برطرف کیا تھا تو سنا تھا کہ وہ ایک آرڈیننس نفاذ شریعت کے بارے میں جاری کرنے والے تھے۔ اس کا مسودہ بھی تیار ہوگیا تھا لیکن ایک سازش کے تحت ہوائی جہاز کے حادثہ کا شکار ہوگئے۔ رسالہ ''ختم نبوت'' نے اپنے ایک اداریہ میں اس حادثہ سے ایک ماہ قبل اس سازش کا انکشاف بھی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کی موجودہ حکومت کو توفیق بخشے کہ جو کام گذشتہ حکومتیں نہ کرسکیں وہ ان کے ہاتھوں انجام پائے تاکہ اس ملک میں خیر و برکت اور رحمت کا نزول ہو۔ آمین

جہاد بالسیف

اللہ تعالیٰ نے حضرت مدظلہم العالی کو اس شرف سے بھی نوازا کہ بہ نفسِ نفیس ہتھیار باندھ کر اللہ کی راہ میں مجاہدین کے ساتھ میدانِ جہاد میں دشمن کے مقابلے میں نبرد آزما ہوئے اور بفضلہٖ تعالیٰ دو مرتبہ اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ محاذ کشمیر پر مجاہدین کے ساتھ جہاد بالسیف فرمایا اور گھٹنے میں دشمن کی گولی لگی جس کی وجہ سے آپ سترہ روز تک ہسپتال میں بھی رہے۔ دو مرتبہ مجاہدین کو لے کر باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں کشمیر حاجی پورہ کے درے کے راستے سے گیا تھا جو بہت اونچا پہاڑ ہے اور راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ حضرت کے گھٹنے میں جو گولی لگی تھی جس کی وجہ سے ۱۷ روز ہسپتال میں رہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے صحت فرمائی اور الحمدللہ زخمی ٹانگ بھی سلامت رہی لیکن آج چالیس سال گزرنے کے باوجود بھی، گھٹنے میں تکلیف رہتی ہے جو سردی میں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

باوجود ضعیف العمری اور پیرانہ سالی کے جذبہ جہاد اب بھی شدت سے آپ کے دل میں موجزن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو مجاہدین افغانستان کے ساتھ انتہاء درجہ ہمدردی اور تعلق ہے اور ہمہ وقت ان کے لیے رو رو کر اس سوز و گداز سے دعائیں فرماتے ہیں کہ حاضرین پر بھی گریہ طاری ہوجاتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ آپ کی دعاؤں سے عرش بھی ہل رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میری رات کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں، جب یہ تصور آتا ہے کہ مجاہدین برفانی ہواؤں اور برف پوش چٹانوں میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں اور میں آرام سے یہاں لیٹا ہوں۔

حضرت مدظلہم فرماتے ہیں کہ عملی طور پر جہاد میں حصہ لینے کی سعادت بھی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی ایک پیش گوئی کی برکت سے ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ

ایک بار میں امرتسر آیا ہوا تھا، کیونکہ والد بزرگوار امرتسر تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہاں سے سہارنپور آیا تو سہارنپور کے اسٹیشن پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی زیارت ہوگئی کہ وہ بغرضِ علاج لکھنو تشریف لے جارہے تھے۔ (یہ لکھنو کا پہلا سفر تھا) مجھے بھی ہمراہ چلنے کی اجازت مل گئی۔ میں گاڑی میں حضرت رحمہ اللہ کے پیر دبا رہا تھا اور وصل [1] صاحب مرحوم بھی ہمراہ تھے۔ حضرت رحمہ اللہ نے وصل صاحب سے فرمایا کہ ''مولوی فقیر محمد صاحب کو جانتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! خوب جانتا ہوں۔'' حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''یہ خوب مجاہد ہیں۔'' حضرت رحمہ اللہ کی اس پیش گوئی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تین بار جہادِ کشمیر میں شریک ہونے کی سعادت بخشی۔

حج بیت اللہ

۱۹۶۰ء کے لگ بھگ حضرت مدظلہم کے قلب میں حج اور زیارت حرمین شریفین کا بڑی شدت سے تقاضا پیدا ہوا، اس لیے حضرت نے سمندری اور ہوائی دونوں راستوں سے جانے کی درخواست دی تاکہ

[1] یعنی ''مقبول حسین صاحب وصل'' بلگرامی'' جو اواخر عمر میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہیں کے ہورہے۔ حضرت رحمہ اللہ سے ان کو بہت ہی والہانہ تعلق تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ حکیم الامت قدس سرہٗ کے حلقے میں ''وصل بلگرامی'' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ بہت اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے۔ وصل تخلص فرماتے تھے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جس کی طرف قرعہ نکل آئے، اسی راستے سے چلے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ اگر صرف ایک ہی ذریعے سے جانے کی درخواست دیں تو قرعہ میں نام ہی نہ نکلے، لیکن خدا کی شان کہ کسی راستے سے بھی نام نہ نکلا۔ اس پر حضرت کو اس قدر شدید حزن اور صدمہ ہوا کہ آپ مضمحل ہو کر رہ گئے اور کثرت گریہ سے نڈھال ہو جایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک روز چند حضرات کے سامنے یہاں تک فرمایا کہ دیکھو میں کلمہ پڑھتا ہوں، میں کافر تو نہیں ہوں کہ مجھے حرمین شریفین میں داخلے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ غالباً اس کے اس اضطرار اور بے تابی پر رحمت حق متوجہ ہوئی کہ ۱۹۶۲ء میں اللہ تعالیٰ نے ایک پرائیوٹ کمپنی کے ذریعے عراق کے راستے سفرِ حج کا بندوبست فرمایا اور حضرت مولانا مدظلہم حج کے لیے روانہ ہو گئے۔

یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت والا مدظلہم باوجود اس قدر شوق و ذوق طلب کے حج کو نہ جا سکے اور منجانب اللہ ایسے حالات پیدا ہوتے رہے ہیں کہ دو تین سال کے بعد باریابی ہوئی، چنانچہ ہم خدام کو تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک مقبول بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں فرمایا گیا؟ سو اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بعض مقبولانِ الٰہی کے ساتھ خاص طور پر ایسا معاملہ کیا جاتا ہے کہ ان کے شدت جذبات میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے حزن و ملال میں رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا جامی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک نوجوان رسول اکرم ﷺ کی شان میں ایک نعتیہ قصیدہ لکھ کر چلا۔ سفر طے کرتا ہوا جب حدود حرم نبوی ﷺ کے قریب پہنچا تو حاکم وقت نے رسول اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک نوجوان (غالباً) اس کی شکل بھی دکھائی) آ رہا ہے۔ تم اس کے داخل ہونے سے پہلے اس کو خوب زدوکوب کرو۔ حاکمِ وقت نے اس کی تعمیل کی۔ مگر حاکم کی سمجھ میں نہ آیا کہ ایک بظاہر جوان صالح، عابد و زاہد، سراپا شوق کو سزا کیوں دی گئی تو دوبارہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ فرمایا کہ یہ نوجوان جس ولولے اور جذبے سے قصیدہ لے کر آ رہا تھا اگر اسی جذبے سے ہمارے پاس آ کر پڑھتا تو ہمیں جواب دینے کے لیے مزار مبارک سے باہر آنا پڑتا اور اس سے اندیشہ تھا فتنۂ عظیم کا۔ اس لیے اس کے جذبے اور ذوق و شوق کو کچھ مضمحل کرنے کے لیے یہ رنج اس کو پہنچایا گیا۔

اتنے اشتیاق و اضطرار کے بعد وہاں کی حاضری پر جو کیفیات و احوال وارد ہوئے ہوں گے۔ ان

کی تفصیل الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ حضرت مدظلہم فرماتے ہیں کہ جب حج کی اجازت آ گئی تو اپنے پاس زادِ راہ کے لیے رقم بھی کم تھی۔ اس لیے کچھ رقم قرض لینی پڑی۔ (جو اللہ تعالیٰ نے بعد میں ادا کر دی۔) غرض جب وہاں حاضری ہوئی اور بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑی تو بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اپنے اس گھر کی حاضری ہر سال سہولت کے ساتھ نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس سال سے لے کر اب تک ہر سال حاضری کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے اور حج و زیارت کا شرف بھی ہر سال نصیب ہو جاتا ہے۔ صرف ۱۹۷۵ء میں باوجود وہاں کی حاضری کے، حکومت کے نئے قواعد کی وجہ سے حج کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ ایک دفعہ شفیق ''نورسنز'' کی والدہ کے حج بدل کے لیے بھی تشریف لے گئے۔ اس طرح اب تک خدا کے فضل و کرم سے حضرت مدظلہم ۲۵ حج کر چکے ہیں۔ حرمین شریفین میں حضرت والا کی بہت سے بزرگوں اور مجذوبوں سے بھی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

حضرت مدظلہم فرماتے ہیں کہ تمام اسفارِ حج میں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ہر طرح کی سہولت اور آرام و راحت کا انتظام فرمایا، اکثر لوگ جانی و مالی خدمت کرتے رہے۔ جب کوئی موٹر میں جانے کے لیے کہتا تو میں کہہ دیتا کہ پیدل جانا افضل ہے، ہر قدم پر سات سو نیکیاں ملتی ہیں اور فرشتے معانقہ کرتے ہیں۔

قیام مکہ و مدینہ میں اکثر علماء و بزرگانِ دین، خصوصاً پاکستان اور ہندوستان کے علماء اور مشائخ کرام آپ سے بہت محبت اور خلوص سے ملاقات فرماتے ہیں۔ ترک حضرات اگرچہ آپ کو پہچانتے نہیں مگر محبت و اکرام سے پیش آتے ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم بیت اللہ شریف میں بیٹھے ہوئے اکثر بیت اللہ شریف کو دیر تک اس طرح دیکھتے رہتے ہیں کہ پلک بھی نہیں جھپکتے۔ کوئی شخص اگر پاس آ کر بیٹھا اور زیادہ باتیں کر کے مخل ہوتا ہے تو مزاج مبارک مکدر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہم کے ایک مرید جو حضرت مدظلہم سے بہت محبت رکھتے ہیں اور جن کا نام حاجی محمد اسماعیل بمبئی والا ہے، انہوں نے حکیم اختر صاحب سے شکایۃً حرم شریف میں حضرت مدظلہم کی عدم توجہ کا تذکرہ کیا جس کی اطلاع حضرت مدظلہم کو بھی ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ اللہ کی رحمت میں حائل ہوتے ہیں اس لیے انہیں جلدی فارغ کر دیتا ہوں۔ بیت اللہ شریف پر نظر کرتے ہوئے میں بالکل واضح طور پر بیس رحمتوں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ یہ وہ رحمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کعبۃ اللہ پر نظر رکھنے والوں پر نازل فرماتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا کہ حضرت مدظلہم اب تک بفضلہٖ تعالیٰ پچیس حج کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں اور وہاں پر علماء وصلحاء کے علاوہ مجذوبوں سے بھی حضرت مدظلہم کی ملاقات ہوتی رہی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجذوبین مجھے بہت دعائیں دیتے تھے مگر مراقب حضرات مجھے تنگ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مراقب نے حضرت مولانا مدظلہم کی آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے دوسروں سے کہا کہ انہیں دیکھو کہ ہر وقت ان سے آنسو جاری رہتے ہیں۔ اس کے کہنے پر پھر انہوں نے مجھ سے تعارض کرنا چھوڑ دیا۔ وہی مراقب مجھے دس پندرہ ریال بھی دیتا رہتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مدظلہم کو مدینہ منورہ میں پولیس نے پکڑ لیا، کبھی آپ پر پانی ڈالتے، کبھی کچھ اور تدبیر کرتے کہ ان کا رونا بند ہو جائے لیکن رونا بند نہ ہوتا تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ یہ دیوانہ ہے۔ اس کو ہسپتال بھیج دیا جائے۔ چنانچہ ہسپتال بھیج دیا۔ وہاں کا ڈاکٹر حضرت کو جانتا تھا۔ اس نے پولیس والوں کو رخصت کیا اور حضرت کو صحت کی دوا دی لیکن رونا پھر بھی بند نہیں ہوا۔

حضرت والا پر مدینہ طیبہ میں بسا اوقات بہت شدت کا گریہ طاری ہو جاتا تھا تو حضور اکرم ﷺ آپ کو اس طرح تسلی دیتے تھے جیسے کوئی چھوٹے بچے کو تسلی اور دلاسہ دیتا ہے۔ تب آپ کو ایک گونہ سکون حاصل ہو جاتا تھا۔

جب حضرت حجاز مقدس سے واپس پشاور تشریف لاتے تو اکثر احباب حضرت کے استقبال کے لیے نوشہرہ چلے جاتے۔ گو حضرت مدظلہم ہماری اس حاضری کو پسند نہ فرماتے، تاہم جانے والوں کو اس سے بڑا نفع ہوتا تھا کہ حضرت والا پورے سفر میں رو رو کر ہمیں دل سے دعائیں دیتے تھے۔ ان دنوں حج سے واپسی پر حضرت کا قیام پشاور میں ایک یا دو دن رہتا تھا جو آپ اپنے ایک ملنے والے خواجہ حاجی سبز علی صاحب مرحوم کے ہاں قیام فرما کر گزارتے تھے۔ اس کے بعد چارسدہ میں اپنے خویش سے ملتے ہوئے اپنے گاؤں تشریف لے جاتے اور وہاں گوشۂ گمنامی اور زاویۂ خمول میں رہتے۔ اسی لیے وہاں کے لوگ آپ کو صرف ایک حاجی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ عام طور پر وہاں آپ کا قیام اگلے سفر حج

کی تیاری تک رہتا تھا۔

جب حج کے سفر متواتر ہونے لگے تو پشاور میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ سے تعلق رکھنے والے بعض لوگوں کا تعارف حضرت مدظلہم سے ہونے لگا۔ ادھر حضرت کے گاؤں والوں میں بعض لوگ آپ کے متواتر سفر حج سے ایک گونہ حسد کرنے لگے۔ بنا بریں آپ رفتہ رفتہ وہاں کے قیام سے دل برداشتہ ہو گئے۔ اسی دوران آپ کے ایک بھتیجے اور ہونے والے داماد کو قتل کر دیا گیا۔ جس ٹرک پر اس کی میت رکھی ہوئی تھی، اس کو بھی لوگوں نے وہاں نہ جانے دیا۔ اس پر حضرت کو انتہائی رنج وقلق ہوا۔ ان وجوہات کی بنا پر دل برداشتہ ہو کر وہاں سے ترک قیام کا ارادہ فرما لیا۔

ہر سال حج کو روانگی اور واپسی

کئی سال سے حضرت والا مدظلہم کا معمول یہ ہے کہ تقریباً چھ ماہ حرمین شریفین اور چھ ماہ پشاور میں قیام فرماتے ہیں (یہ سلسلہ تقریباً ربع صدی سے جاری ہے) عام طور پر معمول یہ ہے کہ ماہ شعبان میں حج کا ارادہ فرما کر پشاور سے کراچی روانہ ہو جاتے ہیں۔ کراچی پہنچ کر چند روز احباب ومتوسلین کے پاس گزار کر رمضان شریف سے قبل عازم حجاز ہو جاتے ہیں۔ ماہ ربیع الاول میں واپسی کا قصہ فرماتے ہیں اور اس میں بھی چند روز کراچی قیام فرما کر پشاور لے آتے ہیں۔

کراچی میں حضرت مدظلہم کا قیام حاجی نور محمد بٹ صاحب مرحوم کے ہاں ہوا کرتا تھا۔ مگر جب حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا وصال ہوا، تو اس کے بعد آپ کا قیام ان کے مدرسہ بنوری ٹاؤن میں ہوتا رہا۔ کراچی میں بھی حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے ملفوظات پڑھنے اور سننے کا سلسلہ حضرت والا کی موجودگی میں رہتا ہے جس سے آنے والے مستفید ہوتے ہیں۔ گزشتہ چند سال سے کراچی میں نواب قیصر صاحب کے گھر پر قیام فرماتے ہیں۔

قیام حرمین شریفین کے بارے میں ایک خادم کے تاثرات

مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ صحیح معنی میں اس مصرع کے مصداق تھے:

صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھے صحابہ کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آپ کے خلفائے مجازین آپ کی تعلیم وتربیت کی برکت سے، علم ومعرفت میں ڈوبے ہوئے عالم باعمل شانِ مشیخت میں معرکۃ الآراء مفتی، محدث، مفسر، محقق، شان انتظامیہ میں بے مثل، سراپا عبدیت، ذاکر وشاغل، تزکیۂ نفس ونسبت باطنی سے مشرف اور محاسن ظاہری وباطنی سے مزین۔ سبھی قسم کے حضرات شامل تھے انہی اوصاف کے حاملین میں ہمارے مرشد وملجاء ومادیٰ سیدی سندی حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم ہیں۔

آپ عرصہ دراز سے ہر سال حج کے لیے حرمین شریفین آتے ہیں اور وہاں طویل قیام فرماتے ہیں ۱۳۹۱ء سے لے کر ۱۴۰۵ھ کے اوائل تک، ازراہِ نوازی، مکہ معظّمہ میں اس فقیر کے ہاں قیام فرماتے رہے۔ آپ شعبان کے آخر میں مکہ معظّمہ تشریف لاتے اور نصف رمضان کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے جاتے۔ ذی الحجہ کے شروع میں حج کا احرام باندھ کر پھر احقر کے ہاں مکہ معظّمہ تشریف لاتے۔ ماہِ صفر کے وسط یا اخیر میں پھر مدینہ منورہ تشریف لاتے جاتے۔ اس کے بعد ماہ ربیع الاول کے ابتدائی ایام میں واپسی کا ویزا اور خروج حاصل کر کے مکہ معظّمہ تشریف لاتے اور چند یوم قیام فرما کر پاکستان روانہ ہوجاتے، یہ ہر سال کا معمول تھا۔

مکہ معظّمہ کے قیام کے دوران آپ روزانہ دو بجے رات، اٹھ جاتے اور ذکر میں مشغول رہتے۔ ہمارے حضرت والا مدظلہم کثرت سے ذکر اللہ کرتے رہتے ہیں۔ عرصہ ہوا کہ جب عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب (سکھر والے) نے آپ سے پوچھا کہ ''حضرت! انبالے سائیں توکل شاہ صاحب کے متعلق حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جگہ فرمایا ہے کہ سائیں شاہ صاحب نے فرمایا کہ مولوی جی! جب اللہ کا نام لیتا ہوں تو میرا منہ میٹھا ہوجاتا ہے، سچ مچ! ایسے جیسے گڑ کھایا ہو۔'' تو حضرت! آپ ماشاء اللہ بہت ذکر کرتے ہیں۔ آپ کو بھی اس کیفیت کا احساس ہوا ہوگا۔ فرمانے لگے کہ ''گڑ شکر کیا، شہد سے بھی زیادہ منہ میٹھا ہوجاتا ہے۔''

رات کے دو بجے سے ذکر میں مشغول رہتے۔ نیز تہجد پڑھتے اور فجر کی نماز حرم شریف میں جا کر پڑھتے اور وہاں سے اشراق کی نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام

فرماتے۔ پھر حرم شریف چلے جاتے۔ وہاں سے عشاء کی نماز پڑھ کر طواف کر کے گھر تشریف لاتے (دوپہر کو آپ کھانا تناول نہیں فرماتے۔ زمزم شریف پیتے رہتے ہیں) حرم شریف میں میزاب رحمت کے سامنے پرانے دالان کے آخر میں ایک ستون سے لگے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں اور عجیب جذب ومحبت سے بیت اللہ شریف کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے ہیں۔ ذکر میں اور خصوصاً نماز میں، آنسوؤں کے ساتھ ہمیشہ گریہ طاری رہتا ہے۔ گھر پر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں۔ احقر کا ہر روز کا مشاہدہ تھا کہ کلام پاک کی تلاوت کے وقت عجیب انداز ہوتا تھا کہ سراپا نور ہی نور معلوم ہوتے تھے۔ اس وقت کا حسن وجمال اب تک احقر کی آنکھوں میں ہے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت والا کے معتقدین میں بڑے بڑے رؤسا بھی تھے اور دوسرے محبت والے حضرات بھی۔ سب کی یہی خواہش ہوتی کہ حضرت والا ان کے ہاں قیام فرمائیں مگر حضرت والا مدظلہم اس فقیر کے ہاں ہی قیام فرمانا پسند کرتے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس کے ہاں سکون ملتا ہے اور اس کے کھانے میں نور ہوتا ہے۔ حضرت والا جس کمرے میں قیام فرماتے تھے۔ اس میں صرف تین چار حضرات کے قیام کی گنجائش تھی۔ مگر یہ حضرت والا کی کھلی برکت اور کرامت ہے کہ اس میں دس دس بارہ بارہ حضرات نے بھی قیام فرمایا اور بفضلہٖ تعالیٰ کسی کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی بلکہ سب راحت وآرام سے رہے۔ اسی طرح یہ بھی مشاہدہ کیا کہ احقر کے گھر والے صرف چار پانچ حضرات کا کھانا تیار کرتے اور اچانک دس بارہ حضرات آجاتے تو کھانا کم نہیں پڑتا تھا بلکہ اس وقت جتنے حضرات بھی آجاتے۔ سب سیر ہو کر کھا لیتے۔ غرض ہم دونوں میاں بیوی ہمیشہ ان فیوض وبرکات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ احقر کا لڑکا (عظمت علی) اپنی کمپنی کی طرف سے لندن، امریکہ وغیرہ تربیت کے لیے چلا گیا۔ متوقع تاریخ واپسی سے دیر ہوگئی۔ گھر والوں نے حضرت مدظلہم سے کہلوایا کہ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ بڑی فکر ہے۔ حضرت والا نے تھوڑی دیر بعد احقر سے فرمایا کہ ہم نے ابھی ابھی عظمت علی کو ہوائی جہاز میں احرام باندھے بیٹھا دیکھا ہے۔ اس کے تقریباً تین گھنٹے بعد وہ اپنے گھر پہنچ گیا۔ ایسے بہت سے واقعات حضرت والا پر منکشف ہوتے رہتے ہیں۔ مگر حضرت والا ان چیزوں کا اخفا فرماتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۴۰۵ھ میں احقر کے مکہ مکرمہ سے چلے آنے کے بعد، حضرت والا دوسرے حضرات کے ہاں قیام فرماتے ہیں۔ حجاز مقدس کے قیام کے زمانے میں زیادہ عرصہ مدینہ منورہ گزارتے۔ جب کبھی اس فقیر کا ذکر آجاتا ہے تو حضرت والا فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کے ہاں بہت آرام ملا، ہم اس کے ہاں خوب ذکر کیا کرتے تھے (ذکر کے تو حضرت والا عاشق ہیں) احقر کے زمانۂ قیام مکہ معظّمہ میں، ہر منگل کے روز احقر کے مکان پر، بعد نماز عشاء حضرت والا مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ملفوظات ومواعظ سنا کرتے تھے۔ اس مجلس میں اور حضرات بھی جمع ہوجاتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی ملفوظ میں عورتوں کی آزادی اور بے راہ روی کا ذکر تھا اور اس موقع پر حضرت والا کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالرحمن صاحب بھی حج کو تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت والا کے پاس ہی قیام تھا۔ حضرت والا نے ان کو خطاب کرکے فرمایا کہ ''ہم سے آج تک ایسا گناہ سرزد نہیں ہوا۔''

حضرت والا مدظلہم کو مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات ومواعظ بہت پسند ہیں۔ جو حضرت والا بیان فرماتے رہتے ہیں۔ احقر نے ان میں سے کچھ ضبط کرلیتے تھے، جن کو یہاں نقل کرنا مناسب ہے تاکہ ناظرین کرام بھی ان سے محظوظ ومستفید ہوں۔

1. امید ورجاء وہی ہے کہ جو عمل صالح کے ساتھ ہو، ورنہ غرور (دھوکہ) ہے۔
2. مسلمان کو گناہ کرتے وقت، اللہ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس فعلِ بد کی وجہ سے اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا۔ یہ خیال، ساری لذتِ گناہ کو مکدر کردیتا ہے۔ اس لیے مسلمان کو گناہ میں پوری لذت نہیں مل سکتی۔
3. مواقعِ تہمت سے بچنا، ضروریات میں سے ہے۔
4. جو شخص فضولیات میں مبتلا ہوگا۔ وہ کبھی ضروریات کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ یہ تجربہ کی بات ہے۔
5. جو شخص بیمار ہو اور دل کو پریشان پائے تو سمجھ لے کہ اس کے حق میں یہ بیماری مصیبت ہے اور اگر بیماری کی حالت میں دل پریشان نہیں، بلکہ صابر وشاکر اور مطمئن ہے۔ تو بیماری اس کے لیے ہرگز مصیبت نہیں بلکہ موجب رفعِ درجات ہے۔ خوب سمجھ لو۔

6. عورت کے پردے کا منشاء ''حیاء'' ہے اور حیاء عورت کے لیے امرِ طبعی ہے۔ امرِ طبعی کے خلاف ہر کسی کو مجبور کرنا باعثِ اذیت (ظلم) ہے۔ پس عورتوں کو پردے میں رکھنا۔ ان پر ظلم نہیں، بلکہ حقیقت میں ان کی فطرت کے مطابق ہے۔

۸ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ کا ذکر ہے کہ ہم سب حج کو جارہے تھے۔ حسبِ معمول اس مرتبہ بھی ہم سب نے حضرت والا سے حج قبول ہونے اور بخیر وعافیت حج سے فارغ ہوکر واپس گھر پہنچنے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ تھوڑے وقفے کے بعد پھر عرض کیا۔ مگر حضرت والا خاموش رہے۔ اب ہم جب حج کے لیے گھر سے نکلنے لگے تو پھر بڑی لجاجت سے حضرت والا کی خدمت میں دعا کی درخواست کی۔ اب حضرت والا نے خوب رو رو کر آنسوؤں کے ساتھ، بہت بلند آواز اور سوز وگداز سے دعا فرمائی۔ وقوفِ عرفات کے بعد جب منیٰ کے لیے روانہ ہوئے تو مزدلفہ میں منیٰ کے قریب ہماری موٹر کو روکنے کی جگہ ملی۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہاں بھی عرفات کی طرح ہم سب عبادت میں مشغول رہے۔ رات میں کچھ دیر سوئے بھی۔ فجر کی نماز اول وقت میں ادا کی اور کھڑے ہوکر خوب خوب دعائیں مانگیں، ناشتہ کیا اور سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے منیٰ کو روانہ ہوگئے۔ اس وقت ہجوم نسبتاً کم تھا اور ہم سب منیٰ کے قریب ہی تھے کہ بفضلہٖ تعالیٰ سورج نکلنے کے ایک گھنٹہ بعد مسجد خیف (جس کے متصل ہی ہمارا خیمہ تھا) پہنچ گئے۔ سامان وغیرہ اپنے خیمے میں رکھ کر، مرد اور عورتیں سب ہی خوب گہری نیند سوگئے۔ اسی دن (یعنی دس ذی الحجہ کو) ایرانیوں کے خیموں میں (جو اپنے ہمراہ راحت کا کثیر سامان لے کر آتے ہیں) بڑی زبردست آگ لگی اور آناً فاناً پھیلتی ہی چلی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی آگ کو ہانکتا ہوا لے جارہا ہے۔ چونکہ خیمے بہت ملے ملے ہوئے نصب تھے۔ درمیان درمیان میں موٹریں بھی کھڑی تھیں۔ سڑک پر بھی موٹریں اور بڑے بڑے ٹرک وغیرہ بے شمار کھڑے تھے دفعتاً ان سب میں بھی آگ لگ گئی۔ دھماکوں کی آوازیں دور دور تک سنائی دے رہی تھیں اور آگ کے شعلے بھی دور دور تک دکھائی دے رہے تھے۔ حکومت کی طرف سے اعلان ہورہا تھا کہ جو لوگ مزدلفہ یا راستے میں ہیں، وہیں رک جائیں۔ جو لوگ مکہ معظّمہ طوافِ زیارت کے لئے گئے ہیں، وہ بھی وہیں رک جائیں۔ جو پہاڑوں پر چڑھ سکیں وہ پہاڑوں پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چڑھ جائیں۔

آگ بجھانے والا عملہ اپنی ہر امکانی کوشش کر رہا تھا کہ مکہ مکرمہ، طائف اور جدہ سے بھی آگ بجھانے والا عملہ آ گیا تھا۔ مگر آگ اس قدر خوفناک تھی کہ اس پر قابو پانا مشکل نظر آ رہا تھا۔ حتیٰ کہ بمشکل تمام بعد ظہر آگ پر قابو پایا گیا۔ ہم لوگ ظہر کی نماز سے پہلے جاگ اٹھے، تب ہمیں یہ سارا حال معلوم ہوا۔ اس وقت شور وغل کم ہوتا جا رہا تھا۔ یہ سب حضرت والا کی دعاؤں کا اثر تھا کہ ہم لوگوں کو اس وقت کی چیخ وپکار اور آہ وبکا اور پریشانی کا کچھ بھی پتہ نہ چلا اور ہر تکلیف سے اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ عصر کے وقت سے پہلے ہم سب رمی کرنے گئے تو وہاں حضرت والا بھی رمی کرنے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہو رہا ہے اور حکم دیا جا رہا ہے کہ سارے منیٰ کو تباہ کر دیا جائے۔ ایک متنفس بھی نہ بچے۔ پھر نبی کریم ﷺ کے صدقے میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔

چند مفسدوں نے مکہ معظّمہ میں حرم شریف کے تہہ خانوں میں خفیہ طور سے اسلحہ جمع کو کیا اور یکم محرم الحرم ۱۴۰۰ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کو ان مفسدوں نے اندر کی طرف سے حرم شریف کے تمام دروازے بند کر لیے۔ حرم شریف کے اندر جو حجاج کرام رہ گئے تھے وہ بھی محصور ہو گئے۔ ان مفسدوں نے پندرہ یوم تک حرم شریف کو محصور رکھا۔ ان میں سے ایک مفسد نے اپنے مہدی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ محصور حاجیوں کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے ناکام کوشش بھی کرتے رہے۔ چاروں طرف اندھا دھند گولیاں برساتے رہے۔ جس سے حرم شریف کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ حرم شریف کے اندر اور باہر بھی لوگ شہید ہوئے۔ نجاست، گندگی بھی حرم شریف ہی میں کرتے رہے۔ حکومت کے آدمیوں نے بہت سمجھایا کہ تم محصور ہو، بے بس ہو، تم نے سخت ناعاقبت اندیشی سے کام لیا ہے، بہتر ہے کہ اب ہتھیار ڈال دو اور مزید خون خرابہ نہ کرو۔ مگر وہ ضدی مفسدین نہ مانے اور اپنے شر سے باز نہ آئے۔ حرم شریف کے احترام اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکومت نے بہت صبر وتحمل سے کام لیا۔ آخر کار مجبور ہو کر حکومت نے جوابی کارروائی شروع کی۔ جھوٹا مہدی مارا گیا اور اس کے بہت سے ساتھی بھی مارے گئے۔

کچھ پکڑے گئے۔ جن کو مملکت کے بڑے بڑے شہروں میں پھانسی دی گئی۔ اس دوران حرم شریف میں داخلہ بالکل بند رہا، اس لیے کوئی شخص نماز، طواف اور عمرہ کو بھی حرم شریف میں داخل نہ ہو سکا۔ حضرت والا اس عرصے میں گھر میں اپنے کمرے ہی میں رہے اور سب نمازیں بھی وہیں ادا فرماتے تھے۔

حضرت والا نے پندرھویں محرم کی رات ۱۲ بجے کے قریب خواب دیکھا کہ حرم شریف میں بڑے بڑے قد کے، نہایت حسین وجمیل آدمی اندر داخل ہو گئے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اب حرم شریف آزاد ہو گیا اور نماز کے لیے بلا رہے ہیں اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ واقعہ حکومت کے لیے تنبیہ ہے۔ حضرت والا نے بھی وضو فرمایا اور نماز کے لیے حرم شریف میں داخل ہو گئے۔ اتنے میں حضرت والا کی آنکھ کھل گئی اور آپ بیدار ہو گئے، فجر تک برابر جاگتے رہے اور ذکر میں مشغول رہے۔ جب احقر نے فجر کی نماز حضرت والا کے ساتھ پڑھی تو حضرت والا نے اپنا خواب سنایا۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت! ان شاء اللہ تعالیٰ اب تو حرم شریف آزاد ہو گیا۔ نمازیں، طواف اور عمرے شروع ہو جائیں گے۔

پندرہ محرم ۱۴۰۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۹ء کو حکومت نے پورے طور پر حرم شریف پر مکمل قبضہ کر لیا۔ پھر دو تین روز میں حرم شریف کی خوب صفائی کی گئی اور پوری طرح پاک صاف کر لیا۔ جمعہ کو نماز سے پہلے ملک المعظم نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرہ ادا کیا اور جمعہ کی نماز سے ہر خاص وعام کے لیے حسب معمول حرم شریف ہمیشہ کے لیے کھول دیا گیا۔ حرم شریف کی عمارت کو جو نقصان پہنچا تھا، حکومت نے بڑی مستعدی، فراخدلی سے بہت جلد ساری وسیع عمارت کی پہلے کی طرح اصل عمارت کے مطابق از سرِ نو مرمت کرا دی کہ کہیں نشان تک باقی نہیں رہا۔

حضرت والا مدظلہم ۱۹۶۳ء میں دوسرے حج کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ یہ سفر بحری جہاز ''سفینۃ الحجاج'' سے ہوا۔ اس سال راقم الحروف بھی حضرت والا کے ہمرکاب تھا۔ یہ میرا پہلا حج تھا اور حضرت والا کا دوسرا۔ سفر میں حضرت والا کی کیفیت قابلِ دید تھی۔ پیہم گریہ وزاری، وارفتگی اور بے خودی، جیسے کوئی اپنے بچھڑے ہوئے محبوب سے ملنے جا رہا ہو۔ اس کیفیت میں سفر طے ہو رہا تھا۔ ۲۶ رمضان المبارک بروز جمعۃ الوداع مکہ مکرمہ پہنچے۔ ۱۳ شوال تک مکہ مکرمہ ہی میں قیام رہا۔ پھر مدینہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

طیبہ حاضری ہوئی۔ وہاں پہنچ کر حضرت والا کا حرم محترم میں اپنے جذبات پر قابو رکھنا، حضرت ہی کے حوصلے اور ہمت کا کام تھا۔ کیونکہ حضرت والا پر جب گریہ طاری ہوتا ہے تو بے ساختہ آواز اونچی ہوجاتی ہے لیکن مسجد نبوی اور روضۂ اقدس کا احترام آواز بلند ہونے سے مانع رہا۔ حضرت کے ضبط وتحمل کی داد دیجئے کہ آپ نے کس مشقت اور محنت سے ضبط کیا ہوگا۔ اسی لیے آپ اکثر اوقات احتیاطاً باب الرحمت کے قریب بیٹھتے تھے کہ مبادا کسی وقت آواز غیر اختیاری طور پر باوجود ضبط بسیار کے بھی بلند ہوجائے تو روضۂ اقدس تک نہ پہنچنے پائے اور پھر مسجد کے اندر طویل قیام کے وقت اپنی آواز کو پست رکھنے کے لیے مسلسل کوشاں رہتے جو ایک مستقل مجاہدہ ہوتا تھا۔ ایک روز رونے کی حالت میں پاس بیٹھے ہوئے ایک حاجی نے تسلی دیتے ہوئے کہا: ''اصبر اصبر یا شیخ! لیکن آپ بزبان حال فرمارہے تھے۔ (بقول حضرت مجذوب رحمہ اللہ):

اب تو اے ضبط یہ آہیں نہیں سانسیں ہیں مری
روک لوں ان کو تو جینا مجھے دو بھر ہوجائے

حضرت والا کا یہ حال اضطراری ہے اور وہ اس کو ''عطیۂ الٰہی'' سمجھتے ہیں اس سلسلے میں ایک بار حضرت مولانا بدر عالم رحمہ اللہ سے اس حال کا تذکرہ کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں اس میں ''ریاء'' کا تو شائبہ نہیں۔ مولانا رحمہ اللہ نے مسکراتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

خلق می گوید خسروَ بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم باخلق وعالم کار نیست

حضرت والا مدینے شریف میں درود شریف کثرت سے پڑھتے ہیں۔ حرم کی عظمت کے آثار چہرۂ مبارک پر نمایاں ہوتے ہیں۔ حرم شریف میں کسی سے بات کرنا پسند نہیں فرماتے۔ اس حج (۱۹۶۳ء) میں ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ، مولانا شیر محمد صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہم اور دیگر کئی علماء تشریف لائے ہوئے تھے۔ مدینہ طیبہ میں بعض اوقات یہ حضرات دعوتِ طعام پر جمع ہوجاتے تھے۔ ان مواقع پر ان حضرات کا، حضرت مولانا

مدظلہم کے ساتھ ادب واحترام قابل دید تھا، اس سال مدینہ طیبہ میں بحمد اللہ حضرت مدظلہم اور ہم سب کا قیام بیالیس (۴۲) روز رہا۔ مگر محسوس ایسا ہوا کہ یہ مدت پلک جھپکنے میں گزر گئی۔ مگر اس کی پر لطف یادیں آج بھی دل کو گرما دیتی ہیں۔ حضرت والا مدظلہم بیت اللہ شریف اور دیگر مقامات سے اپنے مرتبے اور مقام کے مطابق فیضیاب ہوتے ہیں اور ایک خاص کیفیت وسرور کی حالت میں سرشار رہتے ہیں جس کو مجھ جیسا عامی نہ سمجھ سکتا ہے نہ بیان کرسکتا ہے۔ بقول شاعر:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

حضرت والا جن فیوض وتجلیات سے وہاں بہرہ ور ہوتے ہوں گے۔ ان کے بارے میں ہم عامی تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ

تو شبانہ می نمائی بہ برے کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد

ان فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہونے پر حضرت مدظلہم کی چشم گریاں سے بہتے ہوئے آنسو اور قلب سوزاں سے نکلتی ہوئی آہیں شاہد عدل ہیں کہ عشق کی بیتابیاں اور حسن کی دل نوازیاں ایک کیفِ مسلسل کا پتہ دیتی ہیں۔ بقول شاعر:

کہ عشق ومشک رانتواں نہنفتن

عارفین کے نزدیک کعبۃ اللہ تجلی ذاتِ الٰہی کا محل اور اس کے شیونِ بے چون وچگون کی تجلی گاہ ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ، حضرت آدم نبوری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل فرمایا کرتے تھے کہ ''وہ کامل مشائخ جن کی روحانیت اس درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ دنیا میں ان کی تسلی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ براہِ راست کعبے کو محل بنا کر اس کے ذریعے سے ان کی تربیت فرماتے ہیں۔ کعبۃ اللہ کے اندر ذات وصفات کے وہ تجلیات اور شیون پوشیدہ ہیں جنہیں صوفیاء کی اصطلاح میں ''حقیقت کعبہ'' کہتے ہیں۔ اس سے ایک مبتدی سالک سے لے کر منتہی تک کی تربیت کی جاتی ہے لیکن چونکہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مبتدی میں اس کے ادراک کی استعداد نہیں ہوتی اس لیے وہ اس کا مشاہدہ نہیں کر پاتا۔ صرف عارفین کاملین ہی ان کا مشاہدہ کرتے اور ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں کعبۃ اللہ کی مختلف صفات بیان کی گئی ہیں، مثلاً:

﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا﴾

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ﴾

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ﴾

یہ آیتیں اور اس طرح کی دیگر آیتیں کعبۃ اللہ کی افادیت وتربیت وغیرہ پر دال ہیں۔ عارفین وکاملین وہاں حاضری کے وقت ان رحمتوں کو جو وہاں پر نازل ہوتی ہیں خود پر محیط پاتے ہیں اور ان سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت مدظلہم وہاں کے قیام میں رات کے دو بجے بیدار ہوتے ہیں اور صبح صادق تک درود شریف اور استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔ تمام دن بالالتزام استغفار کا ورد رہتا ہے۔ بجز وقت خواب کوئی گھڑی غفلت میں نہیں گزرتی۔ ۱۴۰۰ھ کے حج کے موقع پر بندہ کا قیام مدینہ طیبہ میں رباط مکی میں تھا۔ حضرت مدظلہم بھی وہیں دوسرے کمرے میں مقیم تھے۔ اس موقع پر حضرت مدظلہم کا معمول یہی دیکھا کہ صبح قلیل سا ناشتہ فرما کر نو بجے حرم تشریف لے جاتے اور رات کو نو بجے عشاء کی نماز کے بعد وہاں سے واپس تشریف لاتے۔ رات کو قلیل سا کھانا تناول فرما کر آرام فرماتے اور پھر رات کو دو بجے تہجد کے لیے اٹھ جاتے۔ حرم شریف میں روزانہ بارہ تیرہ گھنٹے کی حاضری، اس دور ضعیفی وپیری ہیں، ان کی کرامت کے سوا اور کیا ہے؟

حضرت والا کا جتنا قیام حجازِ مقدس میں رہتا ہے۔ اس کا بیشتر حصہ مدینہ طیبہ میں گزارتے ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں مجھ پر انتہائی شدت سے گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ حضور انور ﷺ اس طرح میری تسلی فرماتے تھے جیسے کوئی ننھے بچہ کو دلاسہ دے رہا ہو۔ آپ نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ آپ روضۂ اطہر کے اندر ہیں، آپ کو یوں لگا کہ گویا مزار مبارک جنت ہی میں ہے۔

جہاں لوگ آتے ہیں بلکہ اتنا دل کش منظر تھا کہ جنت بھی اتنی پرفضا اور جاذب نظر نہ ہوگی۔

وطن سے پشاور منتقلی

حضرت کے ترک وطن کا ظاہری سبب تو یہی ہوا جو پہلے بیان ہو چکا۔ مگر درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کے فیوض وبرکات سے اہل پشاور اور اہلِ پاکستان کو مستفیض فرمانا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک میں پشاور منتقل ہونے داعیہ پیدا فرما دیا۔ ادھر پشاور والوں کے دل حضرت کی طرف کھینچنے لگے۔ چنانچہ آپ چند حضرات کی کوششوں سے (جن میں سرفہرست حضرت والا کے خلیفۂ خاص جناب ارباب محمد فرید خان صاحب ہیں۔) پشاور سے متصل بستی ''لنڈی ارباب'' میں تشریف لے آئے ہیں اور یہیں مستقل قیام فرمایا۔ ارباب محمد فرید خان صاحب (جو ماشاء اللہ دنیوی لحاظ سے بھی بڑے بااثر لوگوں میں سے ہیں اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز رہ کر ریٹائرڈ ہیں اور خدا کے فضل سے بڑی زمینوں کے مالک اور صاحب جائیداد ہیں) انہوں نے اپنی ذاتی زمین میں سے حضرت کی رہائش کے لیے لنڈی ارباب میں زمین دے دی (جس کی قیمت حضرت نے ارباب صاحب کو ادا فرما دی،) اب خدا کے فضل وکرم سے یہ چشمۂ فیض اسی جگہ جاری ہے۔ حضرت والا کی وجہ سے خانقاہ جس کا نام ''خانقاہ اشرفیہ امدادیہ'' ہے۔ مرجع خلائق ہے۔ مقامی اور بیرونی حضرات کثرت سے اس جگہ آتے اور انوار وبرکات سے دامن بھر کر لے جاتے ہیں۔ یہ جگہ پشاور چھاؤنی سے متصل ہے۔

اس خانقاہ میں حضرت مجدد تھانوی رحمہ اللہ کے متعلقین اور سلسلۂ اشرفیہ کے حضرات پاکستان کے ہر علاقے سے آتے ہیں اور ان میں سے بعض حضرات کئی کئی دن قیام کر کے حضرت مدظلہم کی روحانی تربیت وبرکات اور مہمان نوازی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ بندہ کے خیال میں غالباً پورے پاکستان میں یہ اپنے طرز کی منفرد خانقاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے فیوض وبرکات کو دائم قائم رکھے۔ آمین

حضرت مدظلہم کا لنڈی ارباب میں قیام اور معمولات

حضرت مدظلہم العالی تقریباً ابتدائے سال ۱۹۷۵ء سے لنڈی ارباب میں قیام فرما ہیں۔ وطن کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سکونت ترک فرما کر پشاور تشریف لائے تو چوک ناصر خان میں عارضی طور پر قیام فرمایا۔ جہاں آپ اندازاً سوا سال مقیم رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے لنڈی ارباب میں مدرسہ بنام ''مدرسہ فریدیہ ہارونیہ'' کی بنیاد ڈالی جس میں چالیس پچاس طلباء حفظ قرآن کریم کر رہے ہیں۔ مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد ہے اور مسجد کے متصل ایک خانقاہ بنام ''خانقاہ اشرفیہ امدادیہ'' بھی ہے۔ یہاں پر جمعہ کو صبح تقریباً نو بجے حضرت مدظلہم کی سرپرستی و نگرانی میں مجلس منعقد ہوتی ہے جس میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ملفوظات مناسب تشریح کے ساتھ سنائے جاتے ہیں۔ اس مجلس کی بڑی اہمیت ہے۔ دور دور سے لوگ اس میں شرکت کے لیے آتے اور فیض پاتے ہیں۔ ملفوظات کے بعد بندہ (محمد اشرف) اور مولانا حسن جان صاحب مدظلہم کا بیان ہوتا ہے جو سب آنے والے بڑے ذوق شوق سے سنتے ہیں۔

روزانہ عصر کی نماز کے بعد بھی مجلس عام ہوتی ہے جس میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات پڑھے جاتے ہیں اور حضرت والا اس کی کچھ تشریح بھی فرماتے ہیں ملفوظات پڑھ کر سنانے کی سعادت حضرت والا کے خلیفۂ خاص جناب ارباب محمد فرید خان صاحب کے حصے میں آتی ہے۔ یہ مجلس عام طور پر مغرب تک قائم رہتی ہے بعض اوقات حضرت مدظلہم بعد از نماز مغرب بھی خانقاہ میں نشست فرماتے ہیں اور کبھی کبھی عشاء کی نماز تک خانقاہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اس دوران حضرت مدظلہم حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات خود بہ نفس نفیس بیان فرماتے اور ان کی تشریح فرماتے رہتے ہیں جس سے حاضرین خوب خوب استفادہ کرتے ہیں۔

حضرت والا مدظلہم کے لنڈی ارباب میں قیام کا سہرا حضرت ارباب محمد فرید خان صاحب کے سر ہے جن کی پرخلوص کوشش اور لگن سے حضرت نے یہاں کا قیام منظور فرمایا درحقیقت اہل پشاور پر خصوصاً اور عامۃ المسلمین پر عموماً ارباب فرید خان صاحب کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ ورنہ حضرت والا اگر وطن میں رہتے تو وہاں کون جا سکتا تھا۔

لنڈی ارباب میں قیام کی تفصیل

حضرت مدظلہم سے کبھی کبھی فرمودات کے ذریعے یہ علم ہوتا رہا کہ آپ اپنے وطن مالوف سے دلِ

برداشتہ ہیں اور پشاور میں سکونت پذیر ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ (جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) آپ وطن مالوف سے پشاور تشریف لے آئے اور چوک ناصر خان میں ایک معمولی سا تنگ و تاریک مکان لے کر رہائش اختیار کر لی۔ مگر یہ جگہ ہر طرح غیر موزوں اور نامناسب تھی، اس لیے کسی کھلی جگہ مثلاً شاہی باغ، یونیورسٹی ٹاؤن میں کوئی پلاٹ حاصل کر کے وہاں رہائش کا خیال آیا۔ ارباب محمد فرید صاحب کو جب اس امر کا علم ہوا تو عرض کیا کہ ''کیوں نہ انہی کے گاؤں (لنڈی ارباب) میں انہی کے مکان کے قریب، ان کی اپنی زمین ہے، اسے ملاحظہ فرما لیا جائے۔ اگر پسند ہو تو وہیں مکان کی تعمیر کا بندوبست کیا جائے۔ حضرت کی یہ بھی خواہش تھی کہ مکان کے ساتھ مسجد بھی ہو اور خانقاہ بھی۔ چنانچہ حضرت والا نے موقع ملاحظہ فرما کر پسند بھی فرما لیا، مگر اس شرط پر کہ زمین کی قیمت لینا ہوگی۔ ارباب صاحب نے یہ بھی منظور فرما لیا۔

چند روز بعد بندہ اور چند دیگر حضرات نے ارباب صاحب کی کوٹھی پر حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت اپنا مکان اگر یونیورسٹی میں بنوائیں تو بہتر ہوگا، میں وہیں مکان بنوا رہا ہوں۔ حضرت والا نے ارباب صاحب سے استفسار فرمایا کہ آپ ناراض تو نہ ہوں گے؟ ارباب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! بالکل نہیں۔ جیسے حضرت کی مرضی یونیورسٹی بھی کچھ دور نہیں۔ ہم ان شاء اللہ وہاں حاضر خدمت ہوا کریں گے اور آپ کے فیوض و برکات سے استفادہ کرتے رہیں گے ارباب صاحب فرماتے ہیں کہ کہنے کو تو میں نے یہ سب کچھ کہہ دیا (اور اس کے سوا چارہ بھی نہ تھا کہ حضرت کی خواہش کا احترام کروں) مگر جب سب حضرات رخصت ہو گئے تو میں سخت اضطراب، بے چینی اور کرب کی حالت میں تھا کہ حضرت والا دامت فیوضہم ہمارا قرب چھوڑ کر دور تشریف لے جائیں۔ اضطراب کی شدت اس لیے بھی بہت زیادہ تھی کہ حضرت والا نے احقر سے استفسار فرما کر میری رضامندی بھی حاصل کر لی تھی۔ کسی طرح چین نہ آتا تھا اور دل کا حال یہ تھا کہ حضرت کا ہم سے دور رہنا حقیقتاً منظور خاطر نہیں تھا اور کسی طرح بھی نہیں تھا۔ میری یہ بے چینی اور اضطراب رنگ لایا اور بارگاہِ خداوندی میں ایک عاجز و بے کس بندے کی یہ تڑپ اور الحاح و زاری سنی گئی اور جیسے حضرت مولانا روم رحمہ اللہ نے مقبولانِ بارگاہ خداوندی کی شان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بیان کی ہے کہ

تو چناں خواہی خدا خواید چنیں
می دہد یزداں مراد متقین!

ہائے! یہ عاجز کس بنا پر یہ کہہ سکتا ہے کہ ''متقین'' میں سے ہوں میں تو سراپا عاجز، بے کس، بے بس مگر حق تعالیٰ کی رحمت وتوجہ کا امیدوار ہوکر یہ کہہ سکتا ہوں۔

تو چناں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مراد عاجزیں

ہمارے حضرت مدظلہم صاحب کشف وکرامات تو ہیں ہی، شاید اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے میری اضطرابی کیفیت اور بے چینی ان پر منکشف فرمادی کہ دوسرے ہی روز جب کہ میں صدر میں حافظ تنویر خان صاحب کے ہاں پشاور گیا ہوا تھا۔ اچانک حضرت دامت فیوضہم کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالرحمن صاحب سلمہ تشریف لائے اور مجھے مژدہ جانفزا سنایا کہ حضرت دامت فیوضہم فرماتے ہیں کہ آپ خفا نہ ہوں، پریشان نہ ہوں۔ ہم یونیورسٹی نہیں جائیں گے، بلکہ آپ کے قریب ہی آپ کی تجویز کے مطابق گھر وغیرہ تعمیر کرائیں گے۔ میری خوشی کا انتہا نہ رہی۔

چنانچہ خانقاہ اور مسجد کے لیے ارباب صاحب نے زمین وقف کردی اور باقی زمین جس پر حضرت والا کا دولت کدہ تعمیر ہے۔ حضرت والا نے قیمت ادا کردی ارباب صاحب کا کہنا ہے حضرت والا نے مجھے باصرار بیس ہزار روپے دیئے جو میں کسی طرح بھی لینے کو تیار نہ تھا مگر حکم کے آگے مجبور ہوگیا اور انتقالِ اراضی، حضرت والا نے اپنے صاحبزادگان حاجی عبدالرحمن، حاجی عبدالودود اور عبدالجبار عرف محمد اسحاق صاحبان کے نام کرادی۔

واقعات مندرجہ بالا سے واضح ہے کہ جناب ارباب صاحب کو حضرت والا سے کس قدر والہانہ بلکہ عاشقانہ تعلق ہے جو بحمد اللہ آج تک اسی طرح تر وتازہ بلکہ ترقی پذیر ہے۔ حضرت والا کے تمام خدام کی خصوصاً اور عامۃ المسلمین کی عموماً یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارباب صاحب کے اس جذبے اور خدمت کو قبول

فرمائے اور دارین میں ہم سب کی طرف سے ان کو اعلیٰ جزاء عطا فرمائے۔ آمین

فضائل اخلاق واوصاف حمیدہ

اولیاء عظام صفات ربانی کے پرتو ہوتے ہیں۔ ان کے اخلاق شمائل نبویہ ﷺ کے شمامۂ جانفزاء سے معطر رہتے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوں سارا ماحول دین کے شوق اور ولولے، خیر وبرکت کی فضا اور حسن سلوک کے جذبات سے معمور ہوجاتا ہے۔ ان کی مشک افشانیاں اور شکر ریزیاں دشمنوں کو دوست اور بیگانوں کو خویش بنادیتی ہیں:

بسا ہے کون ترے دل میں گلبدن اے درد
کہ بو گلاب کی آئی تیرے پسینے سے!

ہمارے حضرت مدظلہم اہل اللہ عظام کے جس سلسلے کے گوہر تابندہ ہیں، اس میں چشتی سوز وگداز اور نقشبندی ضبط ووقار ہے۔ اس بناء پر آپ تب وتاب پیہم کے باوصف رافت وشفقت، اخلاص اور محبت کا پیکر ہیں۔ آپ میں فیاضی، مہمان نوازی، قناعت وایثار، عزم وہمت اور شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ آپ کا دسترخوان مہمانوں کے لیے انواع واقسام کے لذیذ کھانوں سے ہر وقت آراستہ رہتا ہے۔ آپ کے اہل خانہ ان کی تیاری میں اور آپ کے فرزندِ ارجمند پرخلوص مہربانی اور خاطر وتواضع میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم اور آپ کے متعلقین کے دست سخاوت اس قدر کشادہ ہیں کہ جو کچھ بھی آتا ہے مصارف خیر میں بے دریغ صرف کردیا جاتا ہے۔

مقربین الٰہی کے نزدیک شاہ وگدا، امیر وغریب کے مابین حسن سلوک میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا۔ حضرت مولانا مدظلہم کی خدمت بابرکت میں ہر طبقہ کے لوگ آتے ہیں۔ صاحب ثروت بھی نادار بھی، اعلیٰ حکام بھی اور محکوم بھی، علماء بھی، ناخواندہ بھی، آپ ہر ایک سے کشادہ پیشانی اور تلطف ومہربانی سے پیش آتے ہیں۔ ہر شخص یہی محسوس کرتا ہے کہ آپ اسی پر خصوصی توجہ اور عنایت فرماتے ہیں۔ آپ پر گریہ اور اشتغال فی الحال کا جو حال طاری ہے، اس کے پیش نظر ناواقف شخص یہ توقع نہیں کرسکتا کہ آپ ہر حاضر خدمت ہونے والے کی اس قدر رعایت اور دل نوازی فرماسکتے ہوں گے۔ اپنے شیخ نور اللہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مرقدہ کی طرح آپ کے لطف عمیم کا یہی انداز ہے کہ آپ کی مجلس میں حاضر ہونے والا بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ

حبذا پیر مغاں، دریا دل ودریا نوال
جمع ہیں مے خوارمے خانے میں ناؤنوش ہے

حضرت مولانا مدظلہم کو حق تعالیٰ نے کشف وکرامات سے بھی نوازا ہے باوجود یہ کہ آپ اپنے اکابر سلسلہ کی طرح بہت اخفاء فرماتے ہیں، تاہم آپ کے متعلقین اکثر آپ کے ان فضائل کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ کی بڑی کرامت آپ کا فیض باطنی اور آپ کی صحبت بابرکت کی تاثیر ہے جو حاضرین کے قلوب میں سرایت کرتی اور ان کی کایا پلٹ دیتی ہے۔ آپ زجر وتوبیخ، تقریر اور دارو گیر کے بجائے گوشۂ چشم اور التفات خفی سے طالبین کی اصلاح اور انہیں فیض رسانی فرماتے ہیں اور تربیت کے معروف طریقوں کے بغیر ہی ان کی اصلاح فرمادیتے ہیں۔ وفور گریہ سے حضرت مولانا مدظلہم کی مدتوں یہ کیفیت رہی کہ شاید ہی گفتگو فرماتے تھے۔ مستفیدین اور مریدین فیض صحبت ہی سے گوہر مقصود حاصل کر لیتے تھے۔ تقریباً چار پانچ سال قبل سکوت بقدر قلیل مبدل بہ تکلم ہوا۔ حضرت مولانا مدظلہم پر تواضع غالب ہے۔ چنانچہ ارشادات میں اپنے شیخ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور سامعین بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آپ کا گفتہ حضرت تھانوی ؒ ہی کا فرمودہ ہے۔ آپ کا ہر عمل، ہر حرکت اور سکون، سکوت وتکلم فناء الفناء کے اسرار نہاں کا مظہر ہے چونکہ مقربین بارگاہِ الٰہی حضور انور ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کے آئینہ دار ہوتے ہیں اور ان کے قدوم میمنت لزوم کے نقوش کی خاک پاک سے ان کی آنکھیں سرمگیں ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کی ہر ادا سے شمائل نبوی ﷺ ہویدا ہوئے ہوہیں۔ حضرت مولانا مدظلہم ہر کس وناکس کے ساتھ، خواہ وہ مرید ہو یا مستفید، یا اجنبی اور نووارد ہو اس انداز سے پیش آتے ہیں کہ وہ اول وہلہ ہی میں مائل اور قائل بلکہ گھائل ہوجاتا ہے۔ لوگ آپ کے مشفقانہ اور محبّانہ سلوک سے آپ کے گرویدہ ہوجاتے ہیں، تاہم یہ وفور شفقت ومودت مقتضیات شریعت سے سرمو متجاوز نہیں ہونے پاتا۔ جوں ہی کسی کا کوئی فعل یا طرز عمل خلاف شرع نظر آیا

ایسے حکیمانہ انداز سے اس کی اصلاح فرماتے ہیں کہ قطعاً تلخی محسوس نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ کسی ضیافت میں حضرت مولانا مدظلہم راقم الحروف کی داہنی جانب تشریف فرما تھے۔ کھانے سے پہلے حاضرین میں سے ایک صاحب نے حضرت کے ہاتھ دھلانے چاہے۔ آپ نے تواضعاً فرمایا کہ راقم کے ہاتھ دھلائیں۔ بندے کے انکار اور اصرار پر انہوں نے حضرت ہی کے ہاتھ پہلے دھلائے۔ اس کے بعد انہوں نے بندے کے ہاتھ دھلانے چاہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب نہیں۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ داہنی طرف سے ہاتھ دھلانے شروع کئے جائیں۔ الغرض تواضع، اتباع سنت اور شفقت آپ کی ہر ہر بات سے عیاں ہوتی ہے۔

تصنع اور تکلف ہمارے بزرگوں کا شعار نہیں۔ سادگی، بے تکلفی اور بے ساختگی ان کا خاصہ ہے۔ ریا سے پرہیز کرنا اور رضائے الٰہی کے لیے عمل بغیر کسی رورعایت کے انجام دے لینا۔ لوگوں میں اس طرح مل جل کر رہنا کہ لباس سے طرز واطوار سے اشارۃً کنایۃً ان کا تشخص کسی طرح بھی ظاہر نہ ہونے پائے، ان کی خصوصیت میں شامل ہیں۔ عالم ہونے کے باوجود آپ کے لباس میں جبّہ ودستار نہیں۔ صوفی ہونے کے باوجود خرقہ ودلق نہیں۔ تمام معمولات سادہ اور غیر ممتاز ہیں۔

ایک عام شخص آپ کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ سکتا کہ آپ ایک بلند پایہ عالم، خدا رسیدہ اور صاحب مقام بزرگ ہیں۔ اگر آپ پر گریہ کی غیر اختیاری کیفیت ہر وقت طاری نہ ہو تو کوئی بھی آپ کے حال ومقام کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ بعض اوقات گریہ بھی ناواقف کے لئے حقیقت حال کا حجاب بن جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حسبِ معمول نماز کے بعد آپ پر گریہ کی کیفیت شدت سے طاری ہوئی کہ دور کے نمازیوں تک آواز پہنچی۔ ایک ناواقف نے آکر حضرت کو درشت لہجے میں خطاب کیا کہ کیا شور مچا رکھا ہے، لوگوں کی نمازیں خراب کرتے ہو۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگا تو حضرت کے ایک خادم نے اسے روکا اور سمجھایا۔

حضرت والا کا لباس عموماً سفید قمیص اور سفید شلوار، سر پر عمامہ، پاؤں میں سادہ چپل اور ساتھ سفید چادر ہوتی ہے۔ باوجود دائمی گریہ، سوزِ دروں اور چشتی جوش وخروش کے عجیب وصف ہے کہ آپ کے مزاج میں خشکی اور مردہ دلی یا بیزاری بالکل نہیں بلکہ شگفتگی، خندہ پیشانی، خوشدلی اور پیار محبت سے ہر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک کے ساتھ یوں پیش آتے ہیں کہ جیسے دردِ دل، گریہ چشم اور سوزِ دروں کا ان کے وجودِ مبارک میں الگ خانہ ہے:

یارِ ما ایں وارد وآں نیز ہم

آنسو بہاتے ہوئے لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی کو شبنم آلود گلاب کے پھول سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ گریہ وشگفتگی کی یہ طرفہ کیفیت عجب دلستاں، دلربا اور طرب انگیز ہے۔

بچوں کے ساتھ نہایت پیار ومحبت اور شفقت کا برتاؤ فرماتے ہیں۔ آپ مجلس میں کبھی مزاح بھی فرماتے ہیں جس سے اہل مجلس محظوظ ہوتے ہیں۔

اشعار کا بہت اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ حمد ونعت بڑے ذوق وشوق سے سنتے ہیں لیکن اس میں اس بات کی خاص اور لازمی احتیاط رکھتے ہیں کہ کلام کسی اہلِ حق اور صاحبِ حال کا ہو اور پڑھنے والا بغیر کسی مزامیر کے خوش الحانی سے پڑھے، اسی طرح حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ کا عارفانہ کلام بڑے جذبے سے سنتے ہیں۔ پشتو میں، پشتو کے مشہور اہل دل شاعر رحمان بابا رحمہ اللہ کا، فارسی میں حضرت حافظ رحمہ اللہ اور حضرت حاجی رحمہ اللہ اور مولانا روم رحمہ اللہ کا اور اردو میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ کا کلام پسند ہے۔

اہل خانہ کے ساتھ بھی محبت وشفقت سے پیش آتے ہیں اور اہلیہ محترمہ اور دیگر گھر والوں کے حقوق کا خاص خیال فرماتے ہیں، اسی طرح آپ کے رشتہ دار جو دور دور سے آپ کے گھر آئے اور قیام کرتے ہیں، ان سب سے صلہ رحمی فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ دور دراز کے رشتہ داروں اور قبیلے کے لوگوں اور اپنے علاقے والوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ حتی کہ ان میں سے کسی اگر تکالیف بھی پہنچی ہیں تو ان کے ساتھ عفو ودرگزر ہی نہیں بلکہ داد وعطا کا معاملہ فرماتے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ حضرت کے آبائی گاؤں میں پانی کی بہت قلت ہے جس کی وجہ سے خود حضرت والا اور بستی کے سب لوگوں کو بڑی تکلیف تھی۔ حضرت والا کے ہاں آنے جانے والوں کی کثرت اور حضرت والا کی مہمان نوازی اور شفقت علی الخلق کی وجہ سے آپ نے اپنے مکان کے قریب کنواں کھودنا چاہا۔ مگر اس

چٹانی اور پتھریلے علاقے میں ایک سو تین گز تک گہری کھدائی کرنے کے باوجود پانی نہ ملا۔

غرض الحمد للہ، بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے اخلاق وعادات، رہن سہن اور رفتار وگفتار اور انداز وطرزِ زندگی رسول اکرم ﷺ کی سنت کا نمونہ ہے۔

مجلس میں عموماً چار زانو یا دو زانو بیٹھتے ہیں۔ تقریباً دو سال سے گھٹنے کی تکلیف (جو جہاد میں گولی لگنے کی وجہ سے تھی) عود کر آئی ہے۔ تب سے ایک گھٹنا اٹھا کر بیٹھتے ہیں۔ مجلس میں سکوت ہو یا تکلم، آپ پر ایک خاص وقار کی کیفیت ہوتی ہے۔ رفتار میں آپ پر ''علیکم بالوقار والسکنیة'' کی حالت ہوتی ہے۔ قدم بھر پور اٹھاتے اور تیزی سے چلتے ہیں۔ عموماً خاموش رہتے ہیں۔ گفتگو میں تصنع اور اتار چڑھاؤ نہیں ہوتا، سیدھی سادی پشتو یا اردو میں گفتگو فرماتے ہیں۔ عام طور پر آپ کا بولنا کسی دینی بات یا حضرت مجدد الملت رحمہ اللہ کے ملفوظات پر مشتمل ہوتا ہے۔ عام گفتگو میں بھی شائستگی، متانت اور سنجیدگی ہوتی ہے۔

انعاماتِ الٰہیہ

حضرت مدظلہم نے فرمایا کہ جب میں خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون سے رخصت ہونے لگا تو مجھ پر گریہ طاری تھا اور میں بہت رو رہا تھا کیونکہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اور خانقاہ سے جدا ہونے کا بے حد صدمہ تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے میری حالت دیکھی تو فرمایا کہ

''مولوی فقیر محمد! کیوں روتے ہو؟ اب تم فقیر نہیں رہے۔ غنی ہو گئے ہو۔''

فرمایا کہ ایک روز میں اپنے وطن شب قدر سے پشاور جا رہا تھا۔ بس میں عصر کی نماز کا وقت ہوا تو میں نے ڈرائیور سے کہا کہ نماز کا وقت ہے بس روک لیجئے تاکہ میں نماز ادا کروں۔ ڈرائیور بولا کہ جب اڈا پر پہنچ جائیں تو نماز ادا کرنا۔ خدا کی شان کہ بس پنکچر ہوگئی۔ ڈرائیور نے پکار کر کہا کہ ''مولانا صاحب نماز پڑھ لیجئے۔'' پھر میں نے اتر کر نماز پڑھی اور سب مسافروں نے بھی پڑھی۔

حضرت مدظلہم کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالرحمن صاحب نے بتایا کہ ایک بار والد صاحب شب قدر کسی سے ملنے تشریف لے گئے۔ عصر کی نماز مسجد میں پڑھی، جب مسجد سے نکلنے لگے تو فرمایا کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''بس واپس چلو، واپس پشاور جائیں گے۔ ان (یعنی جن سے ملنے تشریف لے جارہے تھے) سے نہیں ملوں گا۔'' میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ''تنبیہ ہوئی کہ دنیاداروں کے پیچھے پھرتے ہو۔''

فرمایا کہ مکہ معظّمہ میں ایک معلم ''محمد نور خوگیر (برادر عبدالعزیز خوگیر جو بہت امیر ہیں) ہیں تو بنگالی، مگر کافی عرصے سے وہیں آباد ہیں۔ انہوں نے ایک روز مجھ سے کہا کہ اور معلموں کے پاس زیادہ حاجی جاتے ہیں۔ میرے پاس کم آتے ہیں اور اس سال تو کوئی بھی نہیں ہے، غریب آدمی ہوں۔ اگر یہی حال رہا تو گزر اوقات کیسے ہوگی۔ آپ براہِ کرم بیت اللہ شریف جا کر میرے حق میں دعا کیجئے۔ چنانچہ میں نے دعا کی۔ اللہ رب العزت کی شان دیکھئے کہ اس روز اس کے پاس پانچ سو حاجی آئے۔

اس کے بعد حضرت مدظلہم نے خوگیر صاحب کے حالات کے بارے میں فرمایا کو جب یہ چھوٹے تھے تو ایک استاد کے ساتھ سبق پڑھ رہے تھے، ان کا گھر بیت اللہ شریف کے قریب تھا، استاد کے لیے روٹی لاتے تھے اور ان کے کپڑے بھی دھوتے تھے۔ استاد نے محمد نور کے والد سے کہا کہ میں غارِ حرا جارہا ہوں اگر اجازت ہو تو محمد نور کو بھی ساتھ لے جاؤں۔ والد نے اجازت دے دی۔ جب استاد اور ان کے ساتھی پہاڑ کے درمیان پہنچے تو ایک آواز دی جس سے دو آدمی نمودار ہوئے۔ استاد مع اپنے ساتھی کے غارِ حرا میں چلے گئے۔ محمد نور کو (جو چھوٹا تھا) ان دو آدمیوں کے پاس چھوڑ گئے۔ محمد نور کا بیان ہے کہ یہ دونوں آدمی مصروف گفتگو رہے اور استاد صاحب اور دوسرے آدمی غار حرا کے اندر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ میرے ساتھ کوئی کمبل وغیرہ نہ تھا۔ شام کے وقت استاد نے کہا کہ اس آدمی کے ساتھ کمبل وغیرہ لینے جاؤ۔ محمد نور نے کہا کہ وقت کم ہے اور پہاڑی علاقہ ہے کمبل وغیرہ لینے جائیں گے اور آئیں گے تو اندھیرا ہو جائے گا۔ استاد نے فرمایا کہ بس! ان کے ساتھ چلے جاؤ، باتیں مت کرو۔ چنانچہ ہم گئے اور پانچ منٹ میں واپس آ گئے۔ رات گزاری اور ہم ساری رات باہر ہی ٹھہرے رہے اور وہ دونوں غارِ حرا میں عبادت میں مشغول رہے۔ صبح غار سے نکلے اور جب میں واپس ہوا تو وہ آدمی جو استاد کے ساتھ غارِ حرا میں عبادت میں مشغول تھا۔ اس نے فرمایا کہ اللہ کے سپرد، اگر زندگی رہی تو آئندہ سال میں ملیں گے۔ السلام۔ جب وہ چلے گئے اور ہم سے جدا ہو گئے تو استاد نے میرے ایک زوردار تھپڑ مارا کہ یہ غوث

تھے۔ تم نے ان سے دعا کیوں نہیں کرائی؟

اس واقعے کو سنانے کے بعد حضرت دامت فیوضہم نے فرمایا کہ

''اگر محمد نور کی جگہ میں ہوتا تو استاد سے عرض کرتا کہ حضور! آپ سے کیوں نہ دعا کراؤں، کیوں کہ آپ تو غوث سے بھی بڑے ہیں۔ اس لیے کہ غوث آپ کے پاس آئے۔'' (استاد کترون تھے۔)

ایک روز فرمایا کہ مولانا عبدالصمد صاحب بنوں سے تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے، اس میں سے مجھے بھی حصہ نہ دیجئے۔'' حضرت مدظلہم فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ

''یہ چیز مجھے بارہ سال کی محنت و مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہوئی ہے۔ آپ اس کو دو دن میں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو دو دن میں آپ کو کیسے دے دوں۔ اس لیے جس کوشش اور لگن سے یہ دولت میں نے حاصل کی ہے۔ آپ کو بھی ویسا ہی کرنا ہوگا۔''

ان کی طلب پر حضرت والا نے ان کو اصلاح و تربیت کے لیے حضرت حاجی محمد شریف صاحب (خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ) کے پاس خط دے کر ملتان بھیجا۔ وہاں سے وہ حاجی محمد شریف صاحب کا خط لے کر بغیر بیعت کیے واپس آ گئے۔ خانقاہ لنڈی ارباب پہنچ کر حال عرض کیا۔ تو حضرت مدظلہم نے دوبارہ خط دے کر ملتان حاجی محمد شریف صاحب کے پاس جانے کو کہا اور حضرت والا نے راقم الحروف سے فرمایا کہ

''ان میں طلب ہے اور وہ بھی صادق اس لیے میں نے حضرت حاجی محمد شریف کو لکھا ہے کہ ان کو اصلاح و تربیت کے لیے بھی قبول کر لیں اور بیعت بھی کر لیں۔''

ایک مرتبہ مکان کی تعمیر کے لیے گاڑی بان بھٹہ سے اینٹیں لایا۔ حضرت مدظلہم نے اپنے صاحبزادے حاجی عبدالرحمن کو الگ کر کے کہا کہ ''یہ اینٹیں پوری نہیں ہیں بلکہ چالیس اینٹیں کم ہیں۔'' چنانچہ اینٹیں گنی گئیں تو واقعی ان میں چالیس کم تھیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ارباب محمد فرید خان صاحب (جو حضرت دامت برکاتہم کے خلیفہ ہیں) نے بتایا کہ سال ۱۹۷۰ء کے حج میں بھی حضرت مدظلہم کے ساتھ تھا۔ ایام حج میں طواف کے دوران آخری بار جب رکن یمانی پر پہنچے تو حضرت نے فرمایا کہ یہاں دو رکعت نفل پڑھنے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں تو تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے نفل کیسے پڑھے جائیں گے؟ فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ آسان کردے۔ دفعتہً وہاں پر ایک صاحب (جو غالباً کوئی تکوینی ولی اللہ تھے) کے سامنے مجھے کھڑا کر دیا، جب انہوں نے سر اٹھایا تو میری طرف دیکھ کر ہاتھ پھیلائے اور درمیان میں نماز کے لیے جگہ کرادی، چنانچہ میں نے وہیں دو رکعت نفل ادا کی اور حضرت والا نے بھی وہیں نفل ادا کئے جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو ان صاحب نے حضرت سے مصافحہ کیا اور پھر وہاں سے صفا مروہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ارباب فرید محمد خان صاحب کے استفسار پر فرمایا کہ معظّمہ میں قلندر زیادہ ہیں، شاید یہی وجہ ہو کہ بیت اللہ میں علاوہ غوث کے ۳۶۰، اولیاء اللہ اکثر موجود رہتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا ملفوظ بیان فرمایا کہ ایک روز دیوبند کے ریلوے اسٹیشن پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لائے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے تمام اسٹیشن منور تھا۔ یعنی ہر طرف انوار ہی انوار نظر آرہے تھے کسی نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ ایک شخص بولا کہ ایک صاحب ابھی یہاں تشریف فرما تھے۔ چشم گریاں تھے، انہی کی وجہ سے یہ انوار ہوں گے۔

ایک مرتبہ حضرت جب حج سے تشریف لائے تو میں حضرت کو پردہ کرا کے اپنے گھر کے اندر لے گیا۔ جونہی حضرت نے دروازے میں قدم رکھا۔ آسمان کی طرف دائیں، بائیں دیکھ کر فرمایا ماشاء اللہ! ہر طرف انوار ہی انوار ہیں۔

فرمایا کہ ''حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے بعض خلفاء کی زیادہ شہرت اس لیے نہیں ہوئی کہ انہوں نے کوئی خانقاہ وغیرہ نہیں بنائی۔'' یہ بات راقم الحروف کے ایک سوال کے جواب میں فرمائی۔ میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ کے بعض خلفاء جن کو لوگ نہیں جانتے گوشہ نشین ہوں گے۔ ذاکر ہوں گے۔

کچھ لوگ حضرت دامت فیوضہم سے ملاقات کے لئے آئے۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے نے اطلاع کی کہ کچھ لوگ ملنے آئے ہیں۔ آپ نے برجستہ فرمایا کہ

''کون سے دین کے کام کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ آخر دنیا ہی کی خاطر تو آئے ہیں۔''

فرمایا کہ ایک بار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سنا کہ اسٹیشن پر ایک بزرگ تشریف لائے ہیں۔ حضرت نانوتوی فوراً ان کی زیارت کے لیے اسٹیشن تشریف لے گئے۔ مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ تو چلے گئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ فلاں جگہ نماز پڑھ کر گئے ہیں۔ حضرت مولانا نے خیال فرمایا کہ ان بزرگ کی زیارت تو نہ ہوسکی۔ لہٰذا ان کی نماز کی جگہ کی زیارت کرلوں۔ چنانچہ اس جگہ پر تشریف لے گئے جہاں انہوں نے نماز ادا کی تھی۔ جگہ ریتلی تھی اس لیے نماز پڑھنے کے نشانات ریت پر بن گئے تھے۔ دیکھ کر فرمایا کہ سجدہ جو کیا ہے اس میں دونوں ہاتھوں کے درمیان سر نہیں تھا۔ بلکہ ہاتھ نیچے اور سر آگے تھا۔ یہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص بزرگ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس نے سجدہ خلافِ سنت کیا ہے اور خلاف سنت کرنے والا بزرگ نہیں ہوسکتا۔

سلسلۂ بیعت وخلافت

حضرت والا دامت برکاتہم کا فیض بفضلہٖ تعالیٰ عام ہے اور کثرت سے لوگ آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کرتے ہیں اور بحمد اللہ ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو آپ سے بیعت ہیں اور بفضلہٖ راہ سلوک طے کر رہے ہیں۔

تصوف وسلوک میں تعلیم وتربیت اور فیضان نظر سے جو مریدین شریعت وطریقت کی پابندی سے تزکیہ باطن کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور اس قابل ہوتے ہیں کہ بفضل خداوندی، دوسروں کی بھی اصلاح اور رہنمائی کرسکیں تو شیوخ طریقت انہیں اپنا ''مجاز'' و ''خلیفہ'' مقرر کردیتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو راہِ سلوک طے کرا کر واصل الی اللہ بنائیں اور یوں اپنے شیخ کے فیض کو آگے بڑھائیں اور جاری رکھیں۔

حضرت والا مدظلہم کی صحبت کیمیا اثر اور فیضانِ باطنی سے جو خوش نصیب اہلیت پا گئے۔ حضرت والا نے انہیں اپنا خلیفۂ مجاز بنا کر دوسروں کی تعلیم وتربیت کی اجازت مرحمت فرمادی ہے۔ ان کے اسمائے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گرامی درج کیے جاتے ہیں۔ان میں سے بعض الحمدللہ بقید حیات ہیں اور بعض وفات پا چکے ہیں۔

فہرست خلفاء مجازین

1	ارباب محمد فرید خان صاحب	لنڈی ارباب پشاور
2	بندہ محمد اشرف	پشاور یونیورسٹی
3	نواب محمد عشرت علی خان صاحب قیصرؔ	کے-ڈی-اے-اسکیم نمبر ا-کراچی
4	سید تنظیم الحق حلیمی صاحب	حیات آباد پشاور
5	سید اختر حسن صاحب	پی ای سی ایچ سوسائٹی کراچی
6	ڈاکٹر غلام محمد صاحب	سی پی برار سوسائٹی کراچی
7	مولانا سید محمد ایوب جان بنوری صاحب	مہتمم دارالعلوم سرحد پشاور
8	مولانا محمد حسن جان صاحب	مدینہ کالونی نزد شوگر ملز چارسدہ
9	حافظ عبدالمؤمن صاحب	بنوں
10	مولانا عبدالصمد صاحب	بنوں
11	حاجی عمل دین صاحب شنواری	
12	محمد نورالمعروف نورولی	جدہ
13	مولوی عبیداللہ صاحب	مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
14	نصرت علی صاحب صدیقی	ناظم آباد بلاک ۴، کراچی
15	صوفی محمد اسلم صاحب	مکی رباط مدینہ منورہ
16	امیر اکبر صاحب (المعروف ماسٹر صاحب)	وانڈہ رحمانہ لکی مروت بنوں
17	مولانا قاری سعید الرحمن صاحب	مدرسہ اسلامیہ کشمیر روڈ، راولپنڈی
18	شیخ عبدالحلیم صاحب	ڈیفنس سوسائٹی کراچی
19	مولانا محمود الحسن صاحب	فیصل آباد

20	منظر مسعود صاحب (للعوام)	اقبال مارکیٹ ۵/E/III ناظم آباد
21	اقبال الدین خان (للعوام)	گل بہار پشاور
22	ملک عبدالقیوم صاحب ((للعوام)	لنڈی ارباب پشاور
23	ڈاکٹر یوسف رضا صاحب	مکہ مکرمہ
24	ڈاکٹر عبدالوحید صاحب	ریاض سعودی عرب
25	حاجی عبدالرحمن صاحب	خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ لنڈی ارباب پشاور
26	مولانا سلیم اللہ خان صاحب	جامعہ فاروقیہ کراچی
27	مولانا محمد جمیل خان صاحب	جہانگیر روڈ کراچی
28	کرنل سید محمد حسین صاحب	سرسید روڈ-سوسائٹی کراچی

فہرست خلفاء مجازین مرحومین

1	مولانا سید عبدالکریم رحمہ اللہ	توتکان دیر
2	ڈاکٹر ضیاء اللہ جان رحمہ اللہ	لاہور
3	احمد عبداللہ میمتی رحمہ اللہ	مدینہ منورہ
4	آغا جان محمد خان رحمہ اللہ	(ریلوے) کراچی
5	ڈاکٹر شبیر رحمہ اللہ	دندان ساز-کراچی
6	عنایت احمد خان رحمہ اللہ	ٹوبہ ٹیک سنگھ
7	حاجی محمد بشیر رحمہ اللہ	لاہور
8	عبدالوحید خان رحمہ اللہ	کراچی
9	حکیم سید علی شاہ رحمہ اللہ	ڈومیلی (جہلم)
10	مشتاق احمد مشتاق رحمہ اللہ	گل بہار پشاور
11	مولانا محمد اکبر مجذوب رحمہ اللہ	کلابٹ ٹاؤن شپ ہری پور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

⓬ حاجی عبدالسمیع رحمہ اللہ	کراچی
⓭ مولانا سید نجم الحسن رحمہ اللہ	راولپنڈی
⓮ ڈاکٹر محمد یوسف رحمہ اللہ	خالد کلینک، جیکسن بازار۔ کراچی
⓯ مولانا محمد احمد تھانوی رحمہ اللہ	اسلام آباد
⓰ مولانا مفتی احمد الرحمان رحمہ اللہ	جامعہ العلوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

❀❀❀

(۴)

موت العالم موت العالم

قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال

دریں آشوب غم عذرم بند گہ نالہ زن گریم
جہانے راجگر خوں شد ہمیں تنہا نہ من گریم

آہ! آج قلم کو اس مسیحا نفس کا ماتم کرنا پڑ رہا ہے جو تقریباً پون صدی تک ہزاروں نفوس کی مسیحائی کرتا رہا۔ جس نے لاتعداد قلوب کی چارہ گری فرمائی اور اپنی شعلہ بیانی سے بے شمار دلوں میں ایمان کی حرارت پیدا کی۔ جس نے مدتوں علوم وحکمت کے چراغ روشن رکھے اور رشد و ہدایت، عمل وتزکیہ کی قندیلوں کو فروغ بخشا۔ جس نے نہ صرف ہندو پاک کے تحتی براعظم کو اپنی دینی تگ ودو اور دعوت وارشاد کا میدان بنایا بلکہ ان کے دینی اسفار و خدمات کا دائرہ ایشیا و افریقہ کے مختلف ممالک سے گزر کر انگلستان اور امریکہ تک پھیل گیا۔

واداریغا! کہ ملت کے سب سے بڑے بین الاقوامی، ملی، دینی وتعلیمی وروحانی ادارہ کے سابق مہتمم حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ 6 شوال 1403ھ کو پوری ملت کو سوگوار چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾

تد مع العین ویحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی بہ ربنا.

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ نصف صدی سے زیادہ (ترپن سال تک) دارالعلوم کے مہتمم رہے۔ (آپ 1348ھ سے 1401ھ تک دارالعلوم کے مسلمہ مہتمم رہے۔ اس سے پیشتر 1343ھ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے 1348ھ تک دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے۔ 1337ھ سے علوم درسیہ سے فراغت کے بعد دارالعلوم میں (حسبۃً للہ) مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ (بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند)

انہوں نے اپنی ذات کو دارالعلوم میں اس طرح گم کر دیا تھا کہ دارالعلوم اور ان کا جداگانہ تصور دشوار تھا۔ ان کی اس عالمگیر ملی ادارہ میں ''فنائیت'' کا حق یہ ہے کہ اس عظیم خادم کے حق میں پوری ملت اشکبار ہو اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے ایصال ثواب کا اہتمام اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے کی سعی کرے۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے دارالعلوم سے کیا پایا اور اسے کیا دیا؟ یہ ایک طویل داستان ہے۔ مختصراً یوں کہئے کہ دارالعلوم کے فیض نے حضرت قاری صاحب برد اللہ مضجعہ کے جواہر باطنی کو تابانی بخشی اور ان کی خداداد استعدادوں کو نکھارا اور انہیں وہ بنایا جس سے پورے عالم میں ان کے کمالات کا اظہار ہوا۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے دارالعلوم کی بقاو زندگی، شہرت ونیک نامی، ترقی ووسعت کے لئے اپنی پوری حیاتِ طیبہ صرف فرمادی۔ دنیا نے انہیں دارالعلوم کے مہتمم کے نام وکام سے پہچانا اور انہوں نے دنیا میں اس عظیم دارالعلوم کو اس طرح روشناس فرمایا کہ وہ ایک معروف عظیم عالمی ادارہ کی حیثیت سے ابھرا اور اس کی ضرورت، اہمیت، افادیت اور کارنامے ہر کہ ومہ پر روشن ہو گئے اور اس کا حلقہ تعارف واثر خواص سے نکل کر عوام تک وسیع ہو گیا اور اس کی حیثیت ایک بڑی علمی وتعلیمی جامعہ، دینی تربیت گاہ، اسلامی تہذیب وثقافت کے مرکز اور مستقل مدرسہ فکر کی حیثیت سے نمایاں ہو گئی۔ جسے یگانوں اور بیگانوں کو طوعاً وکرھاً تسلیم کرنا پڑا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ حضرت قاری صاحب قدس سرہ کی دارالعلوم کے لئے خدمات اس قدر گوناگوں اور بے شمار ہیں کہ نہ اس کا احاطہ کرنا آسان ہے نہ اسے کوئی بھلا سکتا ہے۔ دارالعلوم جب تک قائم ہے ان شاء اللہ ان کا نام اس کے عظیم معماروں میں لیا جاتا رہے گا۔ انہیں دارالعلوم کے اہتمام کا طویل ترین زمانہ میسر آیا اور ان کے دور اہتمام میں مالیات، تعمیرات، طلبہ کی تعداد، کتب خانہ کی افزائش اور دیگر ہر شعبہ میں خوب ترقی ہوئی اور ان کا دور ہر پچھلے دور پر سبقت لے گیا۔

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ فضائل وکمالات، دینی مزایا اور خوبیوں کے اعتبار سے ملت کی ان چند گنی چنی ہستیوں میں تھے جو مدتوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ قدیم تعلیم نے جو بہترین نمونے پیدا کئے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا نام ان میں بے تکلف لیا جاسکتا ہے۔

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت محمد قاسم نانوتوی قدس روحہ بانی دارالعلوم دیوبند آپ کے جدِ امجد تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم کے پانچویں مہتمم تھے۔ جن کا زمانہ اہتمام 1313ھ سے 1347ھ تک رہا اور دارالعلوم نے اس دور میں ہر اعتبار سے نمایاں ترقی کی، گویا حضرت قاری صاحبؒ کا دارالعلوم سے آبائی تعلق تھا۔ اس لئے دارالعلوم کی محبت ان کے ریشے ریشے میں سرایت کی ہوئی تھی۔ وہ بچپن سے بڑھاپے تک دیوبند میں رہے، بلکہ یوں کہیے کہ ان کی عمر دارالعلوم کی فضا میں گزری ہے۔ دیوبند یا دارالعلوم ان کے لیے صرف وطن نہ تھا، بلکہ ان کے دادا کا لگایا ہوا سدا بہار دینی باغ تھا جس کی آبیاری ان کے باپ دادا نے کی تھی اور جس میں علم وعمل اور ظاہر وباطن کے آئمہ واساطین نے علوم ومعارف اور تعلیم وتربیت کی بساط بچھا رکھی تھی۔ ان کی پرورش ان روحانی اور پاکیزہ فضاؤں میں ہوئی جس وقت دارالعلوم کا چپہ چپہ اپنے وقت کی نادرۂ روزگار شخصیتوں کے فیوض وبرکات سے بھرپور معطر تھا۔ انہوں نے محدثِ عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، جنید وقت حضرت سید اصغر حسین رحمہ اللہ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی عزیز الرحمان رحمہ اللہ جیسے اساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور استفادہ کے ہفت خواں کو طے کر کے خود علم وعمل کے اس مقام پر فائز ہو گئے جن کی مثالیں شاذ نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ علومِ ظاہری کے سمندر ان کی نگاہ میں پایاب تھے۔ معقولات ومنقولات پر یکساں دسترس تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علومِ حکم واسرارِ دین سے بہرہ ور فرمایا تھا۔

ان کا علم بہت ہی وسیع، راسخ وپختہ تھا، نگاہ بصیر، فکر عمیق اور نظر ثاقب تھی، ان کے مشائخ میں مجاہدِ کبیر اسیرِ مالٹا حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ (جن سے وہ بیعت ہوئے تھے) اور حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانوی قدس سرہ وروحہ (جن کے وہ خلیفہ تھے) جیسے اولیا باصفا تھے۔ وہ خود

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خانوادۂ قاسمی کی چشم و چراغ تھے۔ان عظیم نسبتوں اور گوناگوں فضائل ومناقب نے انہیں علم وعمل کی ان رفعتوں تک پہنچایا جہاں تک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور ان سے وہ عالمگیر وہمہ گیر دینی وعلمی، ظاہری و باطنی خدمات لی گئیں جو بہت کم اشخاص سے لی جاتی ہیں اور جسے محض موہبتِ الٰہی اور توفیقِ ربانی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے علمی افادات سے جیسے اپنے تلامذہ کو مستفید کرتے رہے۔اسی طرح وہ باطنی دولت جو انہیں شیخِ وقت حضرت تھانوی قدس سرہ سے ملی تھی، اکنافِ عالم میں دریا دلی سے تقسیم کرتے رہے۔ان کا دعوت وارشاد کا میدان بھی آفاقی تھا اور طرزِ اصلاح وتربیت اشرفیؒ، مواعظ وخطبات کا انداز البیلا، اچھوتا، دلکش اور ہر طبقہ کے لئے مؤثر تھا۔ان کے مواعظ میں حضرت تھانویؒ کے مواعظ کی دل آویزی وتاثیر، قاسمی حکمت کی گہرائی اور ان کے اپنے اخلاق کی شیرینی ونرمی پائی جاتی ہے۔زبانِ خلق نے انہیں حکیم الاسلام کے نام سے پکارا اور حق یہ ہے کہ ان کی تصنیفات، مواعظ و خطبات نے اس خطاب کی توثیق کردی۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی تصنیفات تقریباً سوا سو سے زائد ہیں، جو ان کے متکلمانہ، حکیمانہ اور عارفانہ انداز میں علوم وفیوض کا بحرِ ذخار ہے۔حضرت قاری صاحب کی کتابوں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ قاری از خود اسلام کی حقانیت اور اس کی تعلیمات کی حقانیت کا قائل ہوجاتا ہے اور شک وریب کی ظلمتیں کافور ہوتی جاتی ہیں۔فقیر نے سب سے پہلے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''اسلام اور مسیحی اقوام'' 1941ء میں پڑھی تھی جس کے نقوش آج تک دل ودماغ میں مرتسم ہیں۔یہ پہلی کتاب تھی جس نے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی عظمت اور علماء کی قدر دل میں ثبت کی، کاش ہماری نژادِ نو ہمارے اکابر کے ان علمی خزائن سے بہرہ ور ہوسکتی اور اپنے اوہام وشکوکِ باطلہ کا مداوا کرپاتی کہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی کتابیں آج بھی برملا پکار رہی ہیں رحمہم اللہ

چند چند تو خواندہ حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں را نیز خواں

(بتصرفِ یسیر سے پہلے مصرعے میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے: حکمتِ افرنگیاں)

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ ایک عظیم انسان تھے۔ان کے چہرے کی پاکیزگی ونورانیت ہی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ فرشتہ صفت انسان نیکی وپاکی کا مجسمہ، محبت وپارسائی اور متانت و وقار کا پتلا ہے جس سے خیر تو پہنچ سکتی ہے، ضرر کا اندیشہ نہیں۔ضرورت پر مدد تو مل سکتی ہے، رسوائی و خذلان کا خوف نہیں۔وہ خوش اندام، خوش خلق، خوش لباس تھے۔تواضع وشرافت، بے نفسی واخلاص، نرمی و ملاطفت، حلم ومروت، حلم وبردباری ان کے اخلاقی جواہر تھے۔وہ سبک روح، خنداں رو، مرنجاں مرنج طبیعت کے حامل تھے۔وہ مختلف طبائع اور مزاجوں سے بخوبی نبھا لیتے تھے۔ان کی ان خوبیوں نے انہیں ہر طبقے میں ہردلعزیز بنادیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوبیتِ عامہ اور شہرتِ تامہ سے نوازا تھا۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ان کی صفاتِ رائقہ وکمالاتِ فائقہ اور جامعیت وہمہ جہتی ثقافت کا نتیجہ تھا کہ وہ بیک وقت مختلف طبقات ومختلف نظریاتی جامعات، مختلف اداروں اور جماعتوں کے معتمد ورکن بن سکے۔وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایگزیکٹیو کونسل کے ممبر، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلسِ انتظامیہ کے مقتدر رکن اور دیگر متعدد علمی اور دینی اداروں کے ممبر اور سرپرست تھے۔آپ عرصہ دراز تک آل انڈیا سنی سنٹرل بورڈ کے ممبر رہے۔آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے وہ پہلے دن سے آخر دن تک متفقہ صدر رہے۔ (خیال رہے کہ یہ بورڈ مختلف دینی جماعتوں، اداروں اور طبقات کا نمائندہ ہے۔)

جہاں دارالعلوم دیوبند کا فیض پہنچا، وہاں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا نام پہنچا، دنیا انہیں مہتمم دارالعلوم کے نام سے جانتی ہے۔یہاں تک کہ یہ لاحقہ ان کے اسم گرامی کا لازمہ بن گیا۔ہر جگہ وہ اس نسبت سے عزیز ومحترم تھے۔ہندوستان ہو یا پاکستان۔افریقی ممالک وافغانستان ہو یا امریکہ و انگلستان جہاں بھی دارالعلوم کی شعاعِ نور پہنچی وہ محبت واکرام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور انہیں ایک مخلص دینی خادم ورہنما، ایک ربانی بزرگ وپیشوا، ایک پاکباز مصلح ومرشد اور ایک عظیم عالم وخطیب سمجھا جاتا ہے۔دلوں کے اندر ان کی جگہ تھی اور محبت و وفا کے رشتے ان سے قائم تھے۔وہ دیوبند کا نشان، بزرگوں کی نشانی، خانوادہ قاسمی کے نمائندہ، علم وعمل کی قندیل اور تقریباً پون صدی پر پھیلی ہوئی دینی خدمات کا مجسمہ تھے۔وہ اسلامیانِ برِکوچک کی گذشتہ دینی، علمی وتعلیمی سرگرمیوں کی زندہ تاریخ تھے اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہماری ملی تاریخ کا ناقابل فراموش حصہ۔

انسان انسان ہے، اسے اس دنیا میں جو کچھ دیا گیا ہے، امتحان وآزمائش کے لئے دیا گیا ہے۔

﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ ۝﴾ [سورة الملك]

تَرجَمَة: ''تاکہ آزمائے تم کو کہ کون ساتم میں سے بہتر ہے عمل میں۔''

اس آتشیں حقیقت کا قرآنی اعلان ہے۔ اس لئے ابتلا کی اس گھاٹی میں بعض اوقات اس کی خوبیاں بھی کمزوری کا سبب بنا دی جاتی ہیں۔ لطف و ملاطفت، نرمی ولینت اتنی بڑی خوبی ہے کہ متمم اخلاق، صاحب خلق عظیم نبی انور ﷺ کے اخلاقی کمالات میں نرمی کا تذکرہ احسان وستائش کے پیرایہ میں کیا گیا ہے اور اسے خاص رحمت ربانی کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ﴾ [سورة آل عمران]

تَرجَمَة: ''تو اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لئے نرم دل ہوئے۔''

یہ بین حقیقت ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت ہوتی ہے۔ اسے ہی اس دولت سے نواز کر اس کے اخلاق کو اس نعمت سے مزین کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک ہے:

''إن الرفق لا يكون في شيء إلا زانه، ولا ينزع من شيء إلا شانه.'' (صحيح مسلم، رقم: 2594 كتاب البر والصلة باب فضل الرفق)

تَرجَمَة: ''نرمی جس چیز میں ہو، اسے زینت دیتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جائے اس کو بدنما کر دیتی ہے۔''

تاہم ہر دولت کے دشمن ورہزن ہوتے ہیں جو دوسروں کی نرم ومزاجی سے غلط فائدہ اٹھا دیتے ہیں اور نرم خو، اور بے ضرر افراد کو اپنے مفاد کیلئے ایسا نقصان پہنچا دیتے ہیں کہ جس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔ انہیں اپنی حرص وآز کا شکار وآلہ کار بنا کر اپنے مقاصد پورا کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کہیے یا ہم جیسوں کے لئے سامانِ عبرت یا دنیا کی بے وفائی، حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کے زیر اہتمام مارچ 1980ء میں دیوبند کا عظیم الشان جشن صد سالہ منعقد ہوا،

جس میں جملہ مسلم ممالک کے وزراء، سفراء اور نمائندہ وفود کے علاوہ علماء وصلحاء اس کثرت سے آئے جس کی نظیر کم ہوگی۔ عامۃ الناس کا اتنا مجمع تھا جو عرفات کے بعد شاید کہیں اکٹھا ہوا ہو۔ مخدوم گرامی حضرت علی میاں صاحب مدظلہم اور بعض دیگر عرب مقررین نے اسے بجا طور پر ''حشر'' کے نام سے پکارا۔ یہ جشن حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے دورِ اہتمام کا نکتہ معراج تھا اور ایک بڑی آزمائش کی ابتدا بھی۔ عین اس وقت جب حضرت قاری صاحبؒ کار ہوارِ زندگی، حسن کردار وعزیمت، نیکی وفتوت، ارشاد و خدمت اور کمال وعظمت کی 85 منزلیں طے کر کے اپنی آخری منزل پر پہنچنے ہی والے تھے کہ مشیت الٰہیہ اور حکمتِ تکوینیہ نے آزمائش کی ایسی صورت پیدا کر دی جس پر بڑے بڑے اہل عزیمت اور عالی حوصلہ بزرگ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں:

ابتلایم می کنی آہ الغیاث
اے ذکور از ابتلایت چوں اناث

(رومی)

''جشن صد سالہ کی رونقیں اور خوشیاں ابھی ماند نہیں پڑی تھیں کہ پردۂ غیب سے مامی کشیم دوست کی صدا نے ہم سب کے لئے عبرت پذیری کا سامان پیدا کر دیا۔ دار العلوم میں یکا یک ایسا بھونچال آیا کہ حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کے اہتمام کی عظیم وقدیم عمارت کھڑی نہ رہ سکی۔ ظاہر صورت یہ ہوئی کہ تقاضہ عمر سے حضرت موصوف کے اعضائے رئیسہ کمزور اور فیصلہ کی قوت مضمحل ہو چکی تھی۔ ان کی معلوم نرمی ولطف ومروت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے بعض عاقبت نا اندیش اعزہ ورفقا نے ایسا طوفان اٹھایا کہ زندگی کے آخری ایام میں انہیں دیوبند کے ''قضیہ نامرضیہ'' کے ان مراحل سے گذرنا پڑا جو ان کے شایان شان نہ تھے اور آخرش ''اہتمام'' سے جدائی وہ زخم سہنا پڑا، جو ایک حساس وبامروت، شریف وضعیف انسان کے لئے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا۔ انہوں نے اپنے دادا کا لگایا ہوا باغ اپنے خون پسینہ سے سینچا تھا اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو اس کی بقا کے لئے تج کر دیا تھا۔ اس ناپائیدار اور بے وفا دنیا میں یہ عبرت کا عجب سبق تھا کہ عین بہار میں اپنے ہمدردوں کی غلط کوشیوں سے ''باغ کا باوفا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور جان سپار'' مالی جدا کر دیا گیا۔

﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۝﴾ [سورة آل عمران]

تَرجَمَة :''اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔''

﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝﴾

تَرجَمَة :''پس عبرت پکڑو اے آنکھوں والو''

کاش یہ حادثہ ان کی زندگی میں نہ پیش آیا ہوتا اور حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو اس سانحہ جانکاہ سے نہ گذرنا پڑتا۔لیکن:

تجری الرياح بما لا تشتهي السفن
ما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن

''ہوائیں اس سمت سے چلتی ہیں جسے (بادبانی) کشتیاں نہیں چاہتیں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہوگا اور جو نہ چاہا نہ ہو۔''

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمتِ بالغہ،قدرتِ قاہرہ اور مشیت نافذہ کے سامنے سب ہی بے دست و پا ہیں۔ جیسے چاہیں،جس وقت چاہیں،جو چاہیں کر کے دکھائیں،ان کی شانِ بے نیازی سے ہر آن ترساں ولرزاں رہا جائے کہ

ہیچ کس را نیست زہرہ چوں و چرا
نعوذ بالله من الحور بعد الكور

ہم اللہ سے زیادت اور صلاح امور کے بعد نقصان وفساد سے پناہ چاہتے ہیں۔

بندہ کی حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ سے پہلی ملاقات پشاور میں قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد ہوئی اور آخری ملاقات حرم کعبہ میں حضرت مولانا سعید خان صاحب مہاجر مدنی (امیر تبلیغی جماعت حجاز مقدس) کے دسترخوان پر ہوئی۔ جہاں حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کے پہلو میں بیٹھ کر کھانے کی سعادت میسر آئی۔ یوں تو بحمد اللہ تعالیٰ بارہا زیارت و ملاقات کا شرف میسر ہوتا رہا۔لیکن اوائلِ

جنوری 1956ء کی وہ ملاقات نہیں بھولتی، جب بندہ ایک تبلیغی سفر میں بستی نظام الدین دہلی اور اجتماعِ بھوپال سے ہوتا ہوا پہلی بار بزرگوں کی زیارت کے لئے دیوبند پہنچا۔حضرت قاری صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کمال شفقت سے مہمان خانہ تشریف لائے۔کھانے کا خصوصی انتظام کیا اور اپنے ساتھ طعام کی سعادت سے نوازا اور تقریباً ایک گھنٹے تک اپنے ملفوظات اور پرلطف افادات سے نوازتے رہے۔اسی دن اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام حضرت حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کی ضیافتِ چائے اور ان کی معلوم مہمانداری وشفقت سے بہرہ مند فرمایا۔ فلله الحمد و الشكر.

فقیر کی دیوبند کی آخری حاضری مارچ 1980ء میں صد سالہ جشن کی تقریب پر ہوئی۔حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے بڑھاپے میں جواں ہمتی کے مناظر وہیں دیکھے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ دینی وعلمی شخصیت تھے۔سیاست ان کا میدان نہ تھا۔تقسیم ہند کے وقت دارالعلوم دیوبند جیسے عالمگیر و ہمہ گیر ادارہ میں ذہنی طور پر مختلف سیاسی اذہان کی شخصیتیں موجود تھیں۔جن میں مسلمانان ہند کی بھلائی اور اجتماعی بہبود کے لئے للہ فی اللہ اخلاص کے ساتھ اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔یہ ان کا اجتہاد تھا جس میں ان کا ذاتی مفاد نہ تھا۔ایک طبقہ شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ کی قیادت میں صوبوں کی خودمختاری کے ساتھ ایسا متحد ہندوستان چاہتا تھا جس میں مرکز میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی نشستیں 100 میں 45،45 اور باقی اقلیتوں کی دس فیصد ہوں۔دوسرا طبقہ جس کے سرخیل شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور ان کے متعلقین کے علاوہ دیوبندی علما کا ایک کثیر طبقہ تھا۔پاکستان کی حمایت میں پیش پیش تھا۔اس دوسرے طبقے میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ بھی تھے جن کی پاکستان کیلئے حمایت اور کوششوں سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کر سکتا۔اگر علمائے دیوبند کا یہ طبقہ نہ ہوتا تو پاکستان کا وجود شاید شرمندہ تعبیر ہی رہتا۔جس پر سلہٹ اور صوبہ سرحد کا استصوابِ رائے اور یوپی وغیرہ کے انتخابات شاہد ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ ہمارے محفل دوشیں کی چند مثالی شخصیتوں میں تھے۔ وہ ہمارے پرانے دبستانِ علم کی فیروزمندیوں کا نشان، ہمارے قدیم نظام تعلیم کی کامیابی اور ثمر آوری کا جیتا جاگتا ثبوت تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے جو نابغہ روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ انہیں کے فردِ فرید تھے۔ ان کے کارنامے تقریباً ستر سال کی طویل مدت کو اپنے میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے اسلاف اور اپنے اجدادِ کرام کی ایک روشن یادگار اور دیوبند کا فخر اور مسلمانوں کا وقار تھے۔ تقدیرِ الٰہی نے ان کو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا اور یہی اس عالم کا دستور ہے۔ وہ گئے لیکن اپنے علم و فضل، اخلاص و بے نفسی خدمت وعزیمت کا ایک اعلیٰ نمونہ چھوڑ گئے۔ قطب الارشاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کے بعد ملت کا یہ سب سے بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حادثہ میں امت کا حامی و مددگار، حافظ و ناصر ہو اور ملت کو ان برکات سے محروم نہ فرمائے اور انہیں ان کے شایان شان بلکہ اپنی رحمتِ خاصہ کے مطابق اپنے مقربین خاص میں اپنے اسلاف کرام کے ساتھ اعلیٰ علیین اور جنت الفردوس میں انتہائی اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

اللّٰھُمَّ اغفرلہ و ارحمہ و عافہ واعف عنہ واکرم نزلہ وو سع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج و نقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ داراً خیرا من دارہ وأھلاً خیراً من أھلہ و زوجاً خیراً من زوجتہ وادخلہ الجنۃ الفردوس ولا تحرمنا من بعد یا ارحم الراحمین.

ادارہ اس حادثہ کبریٰ میں دارالعلوم کے تمام وابستگان، حضرت مرحوم کے جملہ اعزہ واحباب اور پوری ملت سے تعزیت کرتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

❀❀❀

(۵)

صدیق وقت، یوسف اقلیم دین ودعوت [1]

درمیانِ کار زارِ کفر و دیں
ترکش ما را خدنگ آخریں

عالم کی سب سے بڑی متاع انسان ہے، لیکن ہر زمانہ میں ''انسان'' کی یافت ومعرفت ہی بنی آدم کے لیے سب سے مشکل مسئلہ بنی رہی ہے۔ وہ مخلوق جو انسان کے نام سے موسوم ہے لیکن انسان کے جواہر اصلیہ سے محروم ہے، ان کا تذکرہ نہیں، بات اس انسان کی ہے، جو خلیفہ الٰہی، نائب حق، مظہر صفاتِ الٰہیہ، عبدیت واخلاق کا پیکر، احکام ربانی کا حامل اور اپنی ذات وصفات واعمال کے لحاظ سے عالم کے لیے سراپا رحمت وہدایت، باعثِ برکت وخیر ہو، جس کی زندگی عالم کی حیات اور جس کی موت عالم کی موت ہو، جو خدا کا ہو، جس کا دل جمال وکمال الٰہی کے نور سے روشن اور جس کی پیشانی للّٰہیت، انابت الی اللہ اور معیت ربانی سے منور ہو، جس کی صحبت ہدایت کا نور بکھیرتی ہو، جس کا دل دلوں کو زندگی بخشتا ہو جس کی روح سے روحیں زندہ ہوتی ہوں، جس کا اسوہ اپنے اندر صحبت نبوت کا پرتو لئے ہوئے ہو جس کی زندگی ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ کا عملی ثبوت ہو، جو مخلوق کا نہ ہو، خالق کا ہو، مخلوق کا طالب نہ

[1] یہ ''عجالہ'' ناگزیر حالات کی بنا پر انتہائی رواروی میں قلم برداشتہ املا کرایا گیا ہے اس لیے جیسے لکھنا چاہتا تھا، وہ صورت نہ ہوسکی تاہم جو ہوا۔ خدا کی توفیق سے ہوا والحمد اللہ علی ذلک

طوفان اشک لانے سے اے چشم فائدہ
وہ اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہو، مخلوق سے اپنے نفع وضرر کو حقیقتاً متعلق نہ سمجھتا ہو، وہ ہر غیر سے قطعاً بے نیاز اور صرف ایک ذات الٰہی کا نیاز مند ہو، اس کی امنگیں، امیدیں، تمنائیں، آرزوئیں، آہیں، نالے، سوز وگداز، بے چینیاں اور بے قراریاں، کوشش ومحنت، سعی وجستجو، سوچ وفکر، سکوت وتکلم، قول وعمل، صرف ایک ذات پاک وبے ہمتا خالق ومالک کے لیے ہوکر رہ گئی ہو، اس کا حال لَا اُحِبُّ الافِلِیْن کی عملی تصویر ہو، اور اس کا دل ابراہیم خلیل علیہ السلام کی طرح خلت ربانی کا ذوق آشنا، اس کا یقین محکم وایمان کامل شک وریب، بے یقینی اور نفاق کے تو برتو پردوں کو چاک کرنے والا، بے یقینوں کو یقین دلانے والا، بے راہوں کو راہیں بناتے والا اور دلوں کی ظلمتوں کو کافور کرنے والا ہو، وہ اپنی راہ نبوت کی بتائی ہوئی روشنی میں طے کرتا ہوں، زبان ومکان سے متاثر نہ کرتا ہو۔ وہ تفرید وتجرید کے اس مقام پر فائز ہو، جہاں غیر کلی طور پر مضمحل ومحجوب ہوجاتا ہے اور جہاں ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہوتی نظر آتی ہے۔ اس کے لیے مخلوق اور مخلوق پر وارد ہونے والے احوال وتصرفات ایک ہی مصرف الامور اور مکوّنُ السّمٰوات و الارض کی مختلف تجلیات وافعال کا ظہور وصدور ہوں، وہ عالم کے ہر تصرف اور کائنات کی ہر حرکت وسکون میں خالق وآمر حقیقی کا غیر مرئی ہاتھ کارفرما پاتا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نظام تشریعی وتکوینی کی مصلحتیں اور حقیقتیں اس پر (بقدر عطاء رب) کھل چکی ہوں، نظام تشریعی کی حقیقت نے اس پر واضح کردیا ہو کہ تکوینیات کے اوامر تشریعات کے متعلقہ امور کے نتائج وثمرات ہوتے ہیں، اس لیے شریعت مطہرہ کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام خصوصاً افضل الانبیاء سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اعمال کے جزوکل کی قیمت واہمیت اس پر اس طرح منکشف ہوچکی ہو کہ چھوٹی سی چھوٹی سنت اور حیات نبوی کے معمولی سے معمولی عمل کو وہ پوری کائنات سے زیادہ وقیع وقیمتی سمجھتا ہو، جس کے لیے ایک سنت کا ٹوٹنا قیامت ہو، جان دینا گوارا ہو لیکن طریقہ نبوت کا اضمحلال برداشت نہ ہوسکے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح وہ قولاً وعملاً پکار رہا ہو: ''اینقض الدین وانا حَیٌّ'' ایسی شخصیت کا ملنا (بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کبریت احمر اور اکسیر اعظم سے کم نہیں، ایسے انسان کی جستجو کے متعلق عارفِ رومی نے کہا ہے:

کز دام ودو ملولم و انسانم آرزو ست

ایسے انسان کامل کی یافت دل کا چین، روح کا سکون اور ہر بیماری کا علاج ہے، اس کا ملنا ہی شکوک وریب کے اندھیروں کو اجالے سے بدل دیتا ہے اور دل میں یقین وایمان کی قندیل روشن کردیتا ہے:

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
در علاجش سحر مطلق را ببین
در مزاجش قدرت حق را ببین

ایسے ''انسان'' کی یافت وحصول ہیں تو برتو حجابات حائل ہوجاتے ہیں اور اس سے استفادہ وہ استفاضہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں وہ خود شہرت ونمود کا طالب نہیں ہوتا۔ ''معاصرت'' کے حجاب اکبر کے علاوہ اعمال کا ظاہری تشابہ، اس کی اپنی بے نفسی، فنائیت وتواضع، خلق کی مدح وذم سے بے پروائی وغیرہ اس کے جمال وکمال کو چھپائے رکھتی ہے۔ بے بصر اشخاص اسے اپنے پر قیاس کرلیتے ہیں اور اس کے فیض وبرکت سے بے پروا اور محروم ہوجاتے ہیں۔ اسی کی طرف عارف رومی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ باشد در نوشتن شیر، شیر
شیر آن باشد کہ انسان می خورد — شیر آن باشد کہ انسان را درد
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد — کم کسے زابدال حق آگاہ شد
اشقیا را دیدۂ بینا نبود — نیک وبد در دیدہ شان یکساں نمود
ہمسری با انبیاء برداشتند — اولیا را ہمچو خود پنداشتند
گفتہ اینک مابشر ایشاں بشر — ما وایشاں بستۂ خوابیم وخور
ایں ندانشند ایشاں از عمی — ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ
ہر دو صورت گر بہم ماند رو است — آبِ تلخ و شیریں را صفا است

جو اشخاص اور جو طبقہ ایسے انسان تک پہنچ بھی جاتا ہے تو اس کی معرفت وپہچان اور ان سے استفادہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اپنے احوال وظروف کے مطابق کر پاتا ہے اور اس جہل مرکب میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ میں نے اسے جان لیا، پہچان لیا اور جو میں نے اس سے اخذ کیا، گویا اس انسان کامل اور عبقری شخصیت کا وہی سرمایہ اور فضل وکمال تھا، حالانکہ بقول سید الملۃ قدس سرہ:

فیض ساقی ہے باندازۂ ظرف میخوار
دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

افادہ بقدر صلاحیت استفادہ ہوتا ہے، علوم خاصہ بھی اپنا محرم تلاش کرتے ہیں، نسبت باطنی بھی اپنے محل وجائے استقرار کی طلب میں ہوتی ہے۔ اس لیے ایسے کامل انسان ہم جیسے مستفیدوں کو ہمیشہ یوں ہی کہتے رہے:

من بہر جمیعتے نالاں شدم جفتِ بدحالاں وخوش حالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من از درونِ من نجست اسرار من
محرم ایں ہوش جز بیہوش نیست ہم زباں را مشتری جز گوشت نیست
ہیچ کس راہ ہرہ ایں جوش نیست باکہ گویم درجہاں یک گوش نیست

پچھلے دور کے ایک حکیم شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

چو رختِ خویش بربستم ازین خاک ہمہ گفتند باما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر چہ گفت باکہ گفت و از کجا بود

غرض ''انسان'' کا ملنا مشکل، اس کا جاننا وپہچاننا اور اس کی صفات وکمالات، فضائل ومزایا کی معرفت مزید دقت طلب اور گراں ہوتی ہے، اب ایسے انسانوں کے پہچاننے کا کیا دعویٰ واظہار کیا جائے کہ

خود ثنا گفتن زمن ترک ثنا است
کیں دلیل ہستی وہستی خطا است

بہرحال ہر شخص اپنے ظرف واستعداد، فہم ودانش، علم وبصیرت کے بقدر جانتا اور تعارف کرا سکتا ہے لیکن ناواقفوں کے لیے یہ تعارف بھی اکثر ''باور کرانے'' کے مرداف نہیں ہوسکتا۔ مبالغہ اور عقیدت

کی اس دنیا میں حقیقت کو بھی افسانہ سمجھ لیا جاتا ہے اور شخصیت نگاری کو شاعری قرار دیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایسے باکمال انسانوں کے خدوخال اور جمال وکمال کو کسی حد تک پیش کرنا افادیت سے خالی نہیں کہ

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جویم، ازگلاب

اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اس عالم میں انسانوں کی ہدایت کے لیے نفوسِ کاملین کو پیدا فرماتا رہتا ہے اور انہیں اپنی ہدایت کا آلہ بنا کر اس عالم کے انسانوں پر اپنی ذات تک پہنچنے کی راہیں کشادہ اور اپنی ذاتِ عالی سے استفادہ کی صورتوں کو استوار فرماتا رہتا ہے۔ یہ نفوس کاملین اصلاً انبیاء علیہم السلام کی ذوات عالیہ ہوتی ہیں اب جبکہ ہمارے آقا امام الرسل سید الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائمی نبوت اور ابدی رسالت کے ساتھ تشریف لے آئے اور حکمت الٰہیہ نے یہ مقدر فرمادیا کہ دورۂ نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر تا قیامِ ساعت مستمر رہے گا۔ اس عہد میں جتنے اصحاب دعوت وارشاد اور نفوس قدسیہ پیدا ہوں گے وہ رسالت محمدیہ کے آبِ زلال سے سیراب، آپ کے علوم وانوار سے فیضیاب، آپ کے یقین وایمان، توکل وتفویض، للّٰہیت وانابت، دردوسوز اور غافلوں اور ناواقفوں پر ترس ورحم اور آپ کی دیگر باطنی صفاتِ کمال سے متصف ہوں گے ایسی ذواتِ قدسیہ عالم کی ہدایت کا سبب اور نظام ہدایت کی اس عالم میں ظاہری کڑیاں ہوتی ہیں۔ ان کے مجاہدات اور دعاؤں کی برکت سے دین کے فروغ کی غیبی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

غربت کدۂ ہند میں اسلام کا قافلہ صحابہ کے عصرِ سعادت ہی میں پہنچ گیا تھا۔ اس عہد سے لے کر دسویں صدی ہجری تک علماء ودعاۃ صلحاء وصوفیہ کی ایک کثیر جماعت کفرستان ہندو پاک کو اسلام کے نور سے منور کرتی رہی لیکن سیدنا امام ربانی مجدد سرہندی رحمہ اللہ کے دورۂ تجدید سے اس سرزمین کے لیے وہ عہدِ برکت شروع ہوتا ہے جب ہدایت وارشاد کا خاص مرکز اس سرزمین کو قرار دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے زمانہ سے لے کر آج تک علماء ومحدثین، اکابر صوفیہ واصحاب دعوت وعزیمت جس قدر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہندوستان خصوصاً مضافات دہلی ودوآبہ کی سرزمین سے اٹھے، اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی اوران سے جوخیر پھیلا اس کے اثرات ونقوش عالمگیر ہیں، اسی سلسلۃ الذہب کی آخری سنہری کڑی، العارف باللہ، المجاہد فی سبیل اللہ، الداعی الی اللہ، المؤید من اللہ، معدن الیقین والایمان، لسان الحق والدعوۃ، وارث علوم النبوۃ، قطب الارشاد، صدیق وقت، خلیل عصر العلامہ الشاہ محمد یوسف الکاندھلوی نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت جی رحمہ اللہ قدس سرہ معرفت وللّٰہیت، ایمان ویقین، دعوت وعزیمت، مجاہدہ وفنائیت کے جس مقام پر فائز تھے اس کا ادراک بھی مجھ جیسوں کی پرپرواز سے بالا ہے، تاہم یہ بات بے محابا اور برملا کہی جاسکتی ہے کہ حضرت جی رحمہ اللہ اس دور میں ایمان ویقین کے امام، دعوت الی اللہ کے سب سے بڑے قائد، حکمت تشریعی کے رمز آشنا اور علوم ومعارف نبوت کے وارث کامل تھے۔ مادیت کے اس دور میں جس کا خاصہ روحانی اقدار وغیبی حقائق سے انکار ہے، آپ کا وجود روحانیت کی سب سے بڑی قندیل تھا، روحانیت اور ایمانی حقائق آپ کے لیے ایک نظری وفکری عقیدہ نہیں تھا بلکہ صدیقیت کا وہ مقام آپ کو عطا فرمایا گیا، جہاں حقائق منکشف ہوجاتے ہیں، مغیبات پر یقین شہود کی کیفیت حاصل کر لیتا ہے اور معاملہ عین الیقین سے گزر کر حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد دلائل کی ضرورت نہیں رہتی کہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب

بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عز اسمہ وعم نوالہ کی حکمت بالغہ جن اشخاص کو صدیقیت کے مقام سے نوازنا چاہتی ہے ان کے قلوب پر اپنے بعض خاص اسماء کی خصوصی تجلی اس شان سے فرماتی ہے کہ ان کا قلب متجلی ومزکی ہوکر غیر سے غافل اور ملا اعلیٰ کے فیضان کے لینے کے قابل ہوجاتا ہے، اس وقت اسم ہادی کی وہ تجلی (جس کا سب سے بڑا مظہر اس عالم میں حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ عالی ہے) ان قلوب کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور نظام تشریعی کے وہ حقائق ومعارف جسے اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندہ پر کھولنا چاہتے ہیں، کھل جاتے ہیں۔ اس وقت نسبت الٰہیہ کا ایک خاص القا ان قلوب پر ہوتا ہے اور اس عالی

نسبت کی برکت سے انہیں اپنے نبی ﷺ سے مناسبت تامہ نصیب ہوجاتی ہے۔ اب جو علوم واحوال نبی ﷺ کی ذات لے کر آتی ہے، صدیق کا قلب بغیر کسی دلیل کے وجدانی طور پر اس کی اسی طرح تصدیق کرتا ہے جس طرح ایک انتہائی فاقہ زدہ شخص اپنی بھوک کو محسوس کرتا ہے اور اس وجدان واحساس کے خلاف کسی دلیل سے قائل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے شنید دید اور قال حال ہوجاتا ہے، نبوت کے ہر قول وفعل پر عمل اس کے لیے الٰہی روشنی ہوتا ہے، اس کا ماننا اس کا فطری خاصہ، طبعی جذبہ اور قلبی داعیہ بن جاتا ہے، اسے نبوت سے ایسی مناسبت بخشی جاتی ہے کہ نبوت کا باطنی فیضان اس کے قلب کو منور اور حقائق سے آشنا کر کے شریعت کو اس کی فطرت بنا دیتا ہے، اس کے لیے نبی ﷺ کی ہر ادا حقیقت ونور، ہر قول وفعل دلیل وروشنی بن جاتا ہے۔ اس بنا پر اس کا دل یقین کا مستقر اور حقائق ومعارف ایمانیہ کا مہبط بن جاتا ہے، ایمان کا یہی درجہ اس میں تفویض وتوکل علی اللہ، تفرید وتجرید، اخلاص ورضا، تسلیم وقربانی صبر وشکر اور توحید کے جملہ مظاہر کا سبب بن جاتا ہے۔ حضرت جی قدس سرہ خود ایک جگہ اپنے خاص انداز میں ارقام فرماتے ہیں:

> ''مبدأ فیض تو خدا کی ذات ہے اور ضابطہ ہائے فیوض حضرت محمد ﷺ کے طریقے اور صفات ہیں، لیکن کاغذ کے نقوش سے حقیقت تک پہونچ کر اس کو اپنے میں حاصل ہونے کے لیے محنت کر لینا اور اس حقیقت کا حامل بن جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس لیے حق تعالیٰ شانہ اپنے فیوض کے فیضان کے لیے کچھ ہستیاں اس عالم میں وقتاً فوقتاً ایسے عام انسانوں کے سلوک ومحنت کے لیے کھڑی کر دیتے ہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی صفات کی حامل ہوتی ہیں اور ذات باری تعالیٰ سے اکتساب فیوض اور اوران کی رحمت وانعامات کے حصول کے لیے ان صفات کا اختیار کرنا سبب وذریعہ بن جاتا ہے..... ایسے ہی انسانوں میں دربارِ الٰہی ودربار رسالت ﷺ سے انوارات وروحانیت کا فیضان ہوکر عام مخلوق کی فیضیابی کا ذریعہ بنتا ہے، ایسے ہی انسانوں کا وجود انبیاء کرام اور سلف صالحین کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی نسبتِ عالیہ ایسے مبارک انسانوں کی ریاضت ومجاہدات کے ذریعہ وقتاً

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فوقتاً اس عالم میں اپنی برکات وانوارات کے ساتھ ظہور پذیر ہوکر بندگان خداوند قدوس کے اللہ رب العزت کی طرف رجوع کا ذریعہ بن کر عمومی رحمت وانعامات کے دروازے کھلوانے کا ذریعہ اس عالی نسبت کی عظمت ووقعت ومحبت کی طرف متوجہ کرتی ہے تاکہ اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق رکھنے والے سعادت مند انسان اس عالی نسبت کے حصول کی طرف متوجہ ہوکر بے نہایت دارین کی ترقیات حاصل کریں .....حضرت محمد ﷺ کی یہ نسبت عظیمہ وعالیہ، روحانیہ ونورانیہ اپنے دونوں منظروں (انفرادی واجتماعی) کے ساتھ اس عالم میں ظاہر ہوتی رہی، محنت کرنے والے مبارک انسانوں کے ذریعہ اس نسبت عالیہ کا ظہور بھی ہوتا رہا۔'' (الجمیعۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر بتقدیم وتاخیر)

اس دراز نفسی کا مقصد یہ ہے کہ فقیر کے نزدیک حضرت جی قدس سرہٗ کا مقام ''صدیقیت'' ان کے باقی کمالات وجواہر کا منبع ومنشا تھا، آپ کے یقین کی دولت، آپ کی ایمانی قوت، آپ کا سوز دروں، آپ کی ربانیت وللّٰہیت، آپ کی خشیت ومحبت الٰہی، آپ کا زہد وورع، آپ کا تقویٰ، آپ کی انابت الی اللہ، التجا ودعا کی کیفیت، یہ جملہ صفات اسی مقام صدیقیت کے مختلف مظاہر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبت جامعہ وکاملہ اپنے مختلف الوان میں اشخاص متعلقہ کے ظرف واستعداد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت جی قدس سرہٗ کی نسبت باطنی کے متعلق کلام تو کوئی دیدہ ور ہی کرسکتا ہے، اس بے بصر کے نزدیک تو آخری دور میں نسبت یوسفی مختلف الوان نسبت کا ایک عجیب اور نہایت ہی جامع گلدستہ بن چکی تھی جو جمال وجلال ربی کی تجلیات خاصہ کا بوقلموں مرقع تھا، جن کا پورا ادراک وبیان اس کور نگاہ کا مقام نہیں لیکن ایک بات زبان قلم پر آئے بغیر نہیں رہتی، فقیر نے قلبِ یوسفی پر نسبت شیخین رضی اللہ عنہما کا ترشح پایا ہے، اپنے آخری سفر میں جب ٹل میں حضرت رحمہ اللہ نے ازراہِ عنایت مصافحہ فرمایا تو حضرت جی قدس سرہ کی قوت باطنی اور نسبت عالیہ کا ادراک کچھ اس شدت سے محسوس ہوا کہ کئی دن تک یہ کیفیت رہی:

نگاہوں سے بھر دی رگ وپے میں بجلی
نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہوں

بہرحال عرض یہ کررہا تھا کہ نسبت شیخین رضی اللہ عنہما سے نسبت بھی اسی صدیقی نسبت کا نتیجہ تھی، جس سے حضرت جی رحمہ اللہ کو نوازا گیا تھا۔

موجودہ دور جس کا سب سے بڑا مرض بے یقینی، ارتیاب وشک، مغیبات کا انکار، الٰہی حقائق اور نبوی ﷺ معارف کا استخفاف ہے۔ ضرورت تھی کہ حکمت الٰہیہ اس دور کے ''قائد دعوت'' کو حقائق ایمانیہ کے اس غیر متزلزل یقین سے نوازتی جو نبوت کی خاص میراث اور صدیقین کا خاصہ ہے بلکہ صدیقیت اسی کا عنوان ہے۔

''صدیقیت'' کا یہ مرتبہ بلند اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات عالیہ کے کمال عرفان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حضرت جی رحمہ اللہ پر صفات الٰہیہ جس تفصیل ووضوح سے کھلی تھیں، اس کی مثال کم دیکھنے میں آئی ہے اور وہ یقیناً صوفیاء کاملین اور محقق عارفین ہی کا حصہ ہے، توحید افعالی آپ کا مقام بن چکی تھی اور توحید کامل کا رسوخ دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکا تھا، نتیجہ ہر غیر سے برأت اور خلت کا وہ مقام تھا، جہاں کسی دوئی کا ادنیٰ شائبہ تک برداشت نہیں کیا جاسکتا اور یہ مقام سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اس مقام کا ظل ہے جس کا اظہار لسان رسالت نے ان الفاظ میں فرمایا تھا:

لو كنت متخذا خليلا من الناس لاتخذت ابابكر.

(جامع ترمذی، ابواب المناقب)

تَرجَمَة: ''اگر میں اپنی امت میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا (لیکن اس لیے نہیں بنا سکتا کہ خلت کے متعلق میں اللہ کے سوا کسی کی گنجائش نہیں رہی۔)

حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کا وصال سے کچھ لمحات پیشتر یہ فرمانا کہ ''میرے ساتھ کون ہے'' اور ساتھیوں کے جواب پر یہ ارشاد کہ ''میرے ساتھ کوئی نہیں، میرے ساتھ میرا اللہ ہے'' اسی مقام خلت کا عکس تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

توحید کے اس رافع واعلیٰ مقام کی بنا پر حضرت جی رحمہ اللہ دعوت بھی توحید افعالی کی ہی دیتے تھے، جن خوش نصیبوں کو حضرت جی رحمہ اللہ کے قریب رہنا نصیب ہوا اور جنہوں نے حضرت کی تقریریں اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مجلسی ارشادات سنے اور اللہ نے ان کا فہم نصیب فرمایا، ان کو بقدر اپنی استعداد کے اس کا ضرور اندازہ ہوا ہوگا کہ اس باب میں ان کا کیا مقام اور حال تھا، حق یہ ہے کہ ان کا وجود ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی مجسم تفسیر اور تصویر تھا۔

نسبت محمدی اور اتباع نبوی:

توحید کامل، تعلق مع اللہ اور رضا و قرب حق کا واحد ذریعہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی معرفت و عظمت، محبت و اتباع (ظاہری و باطنی) ہے، حضرت جی قدس سرہٗ جس طرح عظمت و محبت نبوی ﷺ میں ڈوبے ہوئے تھے، اس کا اندازہ ان کے ہر قول و عمل سے ہوتا تھا۔ آپ کی معرفت و عظمت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی ذات، آپ ﷺ والے اعمال اور آپ ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز انتہائی عزیز تھی، اور آپ ﷺ کے طریقہ عالیہ ہی کو دارین کی فلاح و کامیابی کا واحد و یکتا ذریعہ اور آپ والے اعمال کو خداوندی خزائن رحمت سے استفادہ کی الٰہی چابیاں یقین کرتے تھے، اسی بنا پر چھوٹی سے چھوٹی سنت چھوٹ جانے کو خداوند قدوس کے خزائن سے محرومی کا باعث سمجھتے تھے۔ آپ یہاں تک فرماتے تھے کہ محقق صوفیہ نے کہا ہے کہ سنت کے مطابق بیت الخلا یعنی فراغت و استنجا میں جو انوارات ہیں، وہ بعد میں دین کی خدمت کے لیے پیدا ہونے والے بڑے بڑے شعبوں میں نہیں، یہی مفہوم ملا علی قاری نے مرقاۃ میں حدیث نبوی ''فتمسك بسنة خير من احداث بدعة'' کی شرح میں ان الفاظ میں ادا کیا ہے: اى (سنة) صغيرة او قليلة كاحياء ادب الخلاء مثلاً على ماورد فى السنة خير من احداث بدعة اى افضل من سنة عظمة كبناء رباط ومدرسة (حاشيه مشكوٰة ،ص: ۳۱)

حضور ﷺ کی سنتوں کے مٹنے کا غم آپ کے سینہ کا مستقل ناسور تھا، آپ کی جگر دوز اور پرسوز آہوں میں نہ معلوم کس قدر حصہ اعمال محمدیہ کے مٹ جانے کا تھا، آخری حج کے بعد ایک دعا انتہائی سوز و رقت کی کیفیت میں اکثر فرمایا کرتے تھے: اللّٰهم اخرج اليهود و النصارى والمشركين من جزيرة الحبيب صلى الله عليه جزيرة العرب'' غرض حب نبوی، اتباع نبوی

حضرت جی رحمہ اللہ کا نفس ناطقہ بن چکا تھا، اسی طور پر حضور پاک ﷺ کے صحابہ کی محبت، ان کا اتباع اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات سے شغف حضرت جی کی زندگی کا حاصل تھا اور اگر کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ وہ اپنے انداز فکر و نظر، احساسات و جذبات، عواطف و میلانات میں صحابہ کا نمونہ تھے:

صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابہ کا

مخدومی المکرم حضرت علی میاں نے خوب لکھا ہے اور حق لکھا ہے کہ

''قدخالط حب الصحابة لحمه و دمه و استولى على مشاعره و تفكيره وقد عاش فى اخبارهم واحاديثهم زمناً طويلا.....''

(حیاۃ الصحابہ، پیش لفظ)

علومی امتیاز اور اس کا سرچشمہ:

حضرت جی رحمہ اللہ کے علوم پر گفتگو کرنا مستقل وقت چاہتا ہے۔ صرف حیاۃ الصحابہ کی تین ضخیم مجلدات مصنف کے وسعتِ مطالعہ، کتب حدیث و رجال پر نظر اور احوال صحابہ کے مختلف گوشوں پر گہری نگاہ کا بین ثبوت ہیں، گو عربی میں مستقل کتابیں اس فن میں لکھی گئی ہیں، جن میں سے متداول اسد الغابہ، اصابہ و استیعاب وغیرہ ہیں، ابن کثیر نے البدایہ میں بھی وفیات الاعیان کے ذیل میں التزاماً صحابہ کے حالات قلمبند کیے ہیں، لیکن حضرت جی رحمہ اللہ کی حیاۃ الصحابہ محدثانہ ترتیب اور داعیانہ طرز فکر کے لحاظ سے صحابہ کی زندگی و کردار، سوانح و اخلاق کا نہایت مؤثر اور اچھوتا مجموعہ ہے۔

''امانی الاحبار'' حضرت کی فقاہت و معرفت حدیث کی شاہد ہے لیکن ان علمی و تحریری دینی خدمات کے علاوہ جو کہ ایک مشغول ترین زندگی کی زندہ کرامت ہیں، فقیر کے نزدیک حضرت جی رحمہ اللہ کے وہبی علوم خاصہ حضرت جی رحمہ اللہ کے بیانات ملفوظات ہی میں بکھرے ہوئے ہیں، جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت جی رحمہ اللہ گھنٹوں مسلسل بیان کرتے رہتے تھے، بندہ نے خود ایک دن میں حضرت کے پانچ بیان سنے ہیں جن میں ایک ساڑھے پانچ گھنٹے کا تھا، یہاں علوم اندر سے پھوٹ کر نکلتے تھے، صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ نہیں کہہ رہے ہیں، کہلوایا جا رہا ہے، علوم الٰہیہ کا فیضان موسلا دھار بارش کی طرح

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت کے قلب پر ہوتا رہتا تھا اور فقیر کا گمان غالب یہ ہے کہ ذکر دائم کی طرح حضرت ؒ کا یہ حال بن چکا تھا کہ ہر وقت و ہر حال میں سوتے جاگتے، بیٹھتے اٹھتے علوم کا القا جاری رہتا تھا، ملاء اعلیٰ کی توجہات خاصہ کا مرکز آپ کی ذات بن چکی تھی اور معارف ربانیہ، دقائق احسانیہ اور سب سے بڑھ کر حقائقِ نظام تشریعی کا ورود و فیضان ہوتا رہتا تھا۔ حضرت حکیم الامۃ امام تھانوی قدس سرہ کا ملفوظ ہے کہ ''بعض بزرگ جن کے علوم کی اشاعت ان سے کما حقہ نہیں ہو پاتی، اللہ تعالیٰ انہیں ''لسان'' عطا فرما دیتے ہیں، جیسے شمس تبریز ؒ کی زبان مولانا روم ؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ؒ کی زبان حضرت مولانا قاسم نانوتوی ؒ ہیں (اوکما قال) فقیر سمجھتا ہے کہ مامور من اللہ حضرت مولانا محمد الیاس ؒ کے علوم ان کی ذات سے کما حقہ اشاعت پذیر نہ ہو سکے، کام اجمال کی صورت میں رہا اور حضرت اشاروں پر قناعت فرماتے رہے۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف قدس سرہٗ کی طرف جب حضرت مولانا الیاس ؒ کی کامل نسبت منتقل ہوئی تو وہ علوم جو اجمالاً حضرت مولانا الیاس ؒ کے سینہ میں تھے ان کی ''زبان'' حضرت جی ؒ کو بنا دیا گیا اور مفیض حقیقی نے آپ کی باطنی ترقیات کے ساتھ ان علوم کو خوب وضاحت و تفصیل سے آپ سے کہلوایا، یہاں تک کہ حضرت مولانا الیاس ؒ کے زمانہ میں جو باتیں محض اشارات تھیں، وہ تفصیلی رنگ میں سامنے آئیں اور الیاسی علوم کا چشمہ بڑھ کر بحر ناپیدا کنار ہو گیا۔ یہاں یہ بات واضح کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اہل اللہ پر جن علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے وہ کتاب و سنت کی ہی تبین و تشریح ہوتی ہے، جسے ذاتِ الٰہی اہل زمانہ کی سہولت کے لیے ان کی زبان سے کھول کھول کر بیان کروا دیتی ہے۔

حضرت جی ؒ اور بیعتِ طریقت:

حضرت جی ؒ نور اللہ مرقدہ شیخ طریقت بھی تھے، بیعت چاروں سلسلوں میں اپنے والد ماجد قدس سرہ کے واسطے سے کرتے تھے، پہلے بیعت کی حقیقت و اہمیت اور اس کے آداب اور ذمہ داریاں تفصیل سے بیان فرماتے، اس کے بعد سلسلہ امدادیہ کے معروف طریقہ سے بیعت لیتے تھے اور بیعت میں خاص طور پر دین سیکھنے سکھانے اور دین کی دعوت کے لیے جان و مال کی قربانی دینے کا عہد بھی لیتے

تھے، حضرت ؒ کی بیعت کا منظر عجیب رقت انگیز اور پر اثر ہوتا تھا، ایک مرتبہ رائے ونڈ میں ایک کثیر مجمع نے بیعت کی، بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں میں پگڑیاں اور چادریں وغیرہ تھیں اور اتنا کثیر مجمع تھا کہ کئی حضرات مکبر کی طرح پکار پکار کر الفاظ بیعت کو بیعت کرنے والوں تک پہنچا رہے تھے۔ عجیب دلکش منظر تھا، میرے ایک عزیز کہنے لگے کہ آج تو حضرت جی ؒ نے امام شہید (سید احمد صاحب رائے بریلوی ؒ) کی یاد تازہ کر دی۔ یہ تو بیعت سلوک کے عام طرز کا تذکرہ تھا، لیکن ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تبلیغی طریقۂ دعوت خود ایک مستقل سلوک کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے جس میں سلوک صحابہ اور قرب بالفرائض کے طرز کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

حضرت جی ؒ کا اصل امتیاز اور کارنامہ:

خیر یہ تو حضرت جی ؒ کے بعض کمالات کا سرسری تذکرہ تھا، حقیقتاً آپ فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے۔ حافظ، قاری، مدرس، محدث، فقیہ، صوفی، مصنف، مبلغ سب ہی کچھ تھے۔ لیکن سب سے زیادہ جس عمل پر آپ نے جان کھپائی اور جو عمل آپ کی زندگی کا مقصد بنا وہ اللہ کی طرف دعوت تھی، گویا اللہ تعالیٰ نے یہ تمام علمی و عملی صلاحیتیں انہیں اسی لیے ودیعت کی تھیں کہ دعوت علی منہاج النبوۃ کا جو طریقہ مندرس ہو چکا تھا، اسے اپنی وہبی صلاحیتوں سے پوری طرح سمجھا لیں، زندہ کریں اور آگے بڑھائیں۔ حضرت مولانا الیاس ؒ پر دعوت کا یہ طریقہ جسے وہ قرن اول کا ہیرا کہا کرتے تھے موجودہ دور میں اولاً کھلا اور انہوں نے اپنے مجاہدات، مقبولیت عند اللہ اور توفیق ربانی سے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا فَبَلَّغَ اَحْسَنَ الْبَلاَغَ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً، ہمارے حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا الیاس ؒ تو مامور من اللہ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے فضائل و کمالات کا تذکرہ فرما کر عجب وجد آفریں انداز میں دو تین مرتبہ فرمایا: ''سلامٌ علی الیاسین'' حضرت مولانا الیاس ؒ کی یہ دعوت موجودہ دور کی تمام دعوتوں اور دینی تحریکوں میں منہاج نبوت سے زیادہ قریب و اشبہ ہے۔ حضرت مولانا الیاس ؒ کی زندگی اور دعوت پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب ''حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت'' میں جو لکھا ہے، بلکہ یوں کہیے کہ ان سے جو لکھوایا گیا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے۔دعوت کے طریق کو سمجھنے کے لیے اس کا اور اس کے مقدمہ کا سمجھنا بنیاد کا درجہ رکھتا ہے، حضرت سید الملۃ ؒ کا مولانا مرحوم کے متعلق مضمون بھی خاص چیز ہے۔

بہر حال حضرت جی ؒ نے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے جانشین کی حیثیت سے اس کام کو سنبھالا اور اس پر اپنی جملہ صلاحیتوں اور استعدادوں کو اس طرح کھپایا، گویا یہ دعوت ہی ان کی زندگی کا مقصد تھی، وہ اسی کے لیے پیدا ہوئے تھے، کسی مقصد میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کی ایسی مثالیں تاریخ میں بھی شاذ و نادر ہی ملتی ہیں، شب و روز میں شاید مشکل چار پانچ گھنٹے آرام کے ملتے ہوں، دیکھنے والوں کو رحم آجاتا تھا، لیکن اللہ کا یہ مقبول اور فنا فی الدعوۃ بندہ دینی تقاضوں پر مجاہدات کی چکی میں مسلسل اپنے کو پیستا رہتا تھا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اسی محنت و دعوت کے لیے پیدا کیا تھا، حضرت امام ربانی مجدد سرہندی ؒ کا یہ قول ان پر بھی اس کام کے بارے میں صادق آتا تھا کہ

''اے فرزند باوجود این معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است کارخانہ دیگر عظیم بمن حوالہ فرمودہ اند، برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند، مقصود از خلقت من تکمیل وارشاد خلق نیست معاملہ دیگر ست، وکارخانہ دیگر درین ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا، معاملہ تکمیل و ارشاد نسبت بآں کارخانہ امرے است ہمچوں مطروح فی الطریق، دعوت انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نسبت بمعاملات باطنیہ ایشاں ہمیں حکم دارد، ہر چند منصب نبوت ختم یافتہ است اما از کمالات نبوت وخصائص آں بطریق بیعت وو راثت کمل تابعان انبیا را نصیب است۔''

(مکتوب: ۶ دفتر دوم حصہ ششم ص: ۲۲)

حضرت جی ؒ کے اخلاص عمل، مسلسل مجاہدات، طریق دعوت کی درستگی اور دعاؤں کا یہ اثر تھا کہ وہ کام جو حضرت مولانا الیاس ؒ کے وصال کے وقت ہندو پاک کے صرف چند خاص خاص مقامات تک محدود تھا، وہ بڑھا، پھیلا اور دیکھتے دیکھتے یورپ وامریکہ، جاپان وافریقہ، اقصائے مشرق سے اقصائے مغرب تک پہنچ گیا۔ جماعتوں اور دینی قافلوں کی ہندو پاک اور بیرونی ممالک میں نقل وحرکت سے لاکھوں فیضیاب ہوئے، ہزاروں نے راہ پائی، سینکڑوں متقی کامل بنے، سوتے جاگے، بے طلبوں

میں طلب پیدا ہوئی، بے دینوں میں احساس دین آیا، سونی مسجدیں آباد ہوئیں، اللہ کے دین کی آواز گلی گلی، کوچہ کوچہ، قریہ قریہ، ملک بہ ملک گونجی۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنوں نے اس دعوت ومحنت سے فیض پایا اور کتنے بھٹکے ہوئے انسان راہ پر آئے، کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں، کتنے فرائض میں جان پڑی، کتنی نئی مساجد تعمیر ہوئیں، کتنے غافل و بے بہرہ دینی علوم کے طالب بنے، کتنے ذاکر وشاغل بنے، کتنوں میں دین کا درد وفکر پیدا ہوا، کتنے لذت وحقیقت دعا سے آشنا ہوئے، اس کام کے ثمرات عاجلہ بھی سچی بات یہ ہے کہ احاطہ نہیں کیا جاسکتا، آخرت ہی میں معلوم ہوگا کہ اس کام کے چالو ہوجانے سے عالم میں کتنی خیر کی صورتیں پھیلیں۔

دعوتِ تبلیغ کی فکری اساس یا بنیادی ایمان ویقین:

دینی دعوت کے اس طرز کے متعلق جو نہیں جانتے اور جاننا نہیں چاہتے انہیں تو جانے دیجیے خود بہت سے تعلق رکھنے والے اور اس کی افادیت کے قائل حضرات بھی اس کی اصل حقیقت کو بہت کم جانتے ہیں۔

حضرت جی ؒ کے سامنے یہ دعوت اپنی پوری ترتیب کے ساتھ منکشف تھی اور اس کا نقشہ بالکل مرتب تھا اور یہ ترتیب وخاکہ ان کا کوئی ذہنی اختراع یا کسی انسانی دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اٹل قوانین تشریعی اور نظام ہدایت کی معرفت ویافت سے حاصل ہوا تھا۔ اس وجہ سے یہ نظام حضرت جی ؒ کے عقیدہ کا لاینفک جزو بن چکا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل کے سمجھنے کے لیے چند باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

1. اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت نے جیسے اس کائنات کے نظام کو قائم فرمایا ہے اور گو اس کی قدرت اسباب کی قطعاً پابند نہیں، تاہم اس کی حکمت نے اس کی قدرت کو عادی طور پر اسباب وعلل سے اس عالم میں ظاہر فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے نظام تشریعی میں بھی اسباب وعلل رکھے ہیں، نظام تشریعی مقصود ہے، نظام تکوینی نظام تشریعی کے بعض مقاصد کی تکمیل کے لیے پیدا فرمایا گیا، گویا نظام تشریعی اصل ومقصد ہے اور نظام تکوینی اس کا ذریعہ، اس وجہ سے نظام تشریعی کے قوانین میں انفاک وتغیر وتبدل نہیں ہوتا لیکن نظام تکوینی کے عادی علل واسباب کو نظام تشریعی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کی حکمتوں ومصالح کی بنا پر جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ چاہتی ہے توڑ دیتی ہے اوران علل و اسباب تکوینیہ کے ارادۂ الٰہیہ سے توڑ دینے کا نام معجزہ خرق عادات یا کرامت ہے۔حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ نے سیرت النبی (ج:۳/۷۹ ۳ومابعد) میں اس پر قابل دید بحث فرمائی ہے۔

ایک دوسرے مقام پرارشادفرماتے ہیں:

''یہ مادی عالم جس طرح مادی نظام اورقانون کا پابند ہے،خدائے پاک نے عالم روحانی میں بھی اسی قسم کا ایک اور نظام قانون اورعلل واسباب کا سلسلہ قائم کررکھا ہے جس یقین کے ساتھ آپ یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ زہرانسان کے لیے قاتل ہے۔اسی یقین کے ساتھ طب روحانی کا واقف کارکہتا ہے کہ گناہ انسان کی روح کوقتل کردیتا ہے۔پیغمبر فیضان نبوت کے قبول کے لیے اپنی روح میں کس طرح استعداد پیدا کرتا ہے،دنیا میں کب مبعوث ہوتا ہے، معجزات کا ظہوراس سے کن اوقات میں ہوتا ہے اوروہ اپنے دعویٰ کو کس طرح پیش کرتا ہے انکار ومزاحمت پروہ کیونکر مہاجرۃ الی اللہ کرتا ہے اورپھر کیونکر دعوت کے منکرنا کام وخاسر اور اہل ایمان فلاح یاب وکامیاب ہوتے ہیں۔ان میں سے ہرایک چیز مرتب اورمنظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور میں آتی ہے۔قرآن مجید میں تیرہ مقام پر سنۃ اللہ کا لفظ آیا ہے، لیکن ان میں زیادہ تر اسی روحانی نظام وترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

فلسفۂ تاریخ جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اورحوادث کے بار بار کے اعادہ سے اصول اورنتائج تک پہنچ کرایک عام تاریخی قانون بنالیتا ہے۔بعینہ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے سوانح اورتاریخیں بھی اپنے واقعات کے بار بار کے اعادہ سے خصائص نبوت کا اصول وقانون ہمارے لئے مرتب کرتی ہیں۔(سیرت النبی،ج:۵،ص:۲۸۹)

دوسری جگہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

''قرآن مجید میں ''سنت الٰہی'' کا ایک خاص مفہوم ہے اوراس اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے،خیروشر،حق وباطل،نوروظلمت اورظلم وانصاف جب باہم

ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کوشر پر،حق کو باطل پر،نور کوظلمت پر اورانصاف کوظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے،گناہ گار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لیے مؤثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک،آسمان کی گرج،زلزلہ کی تھرتھراہٹ،آندھی کی گھڑگھڑاہٹ،دریا کے طوفان،پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہوجاتی ہیں،یہ سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اوراس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے،اسی مفہوم میں آیا ہے(اس کے بعد سید صاحب رحمۃ اللہ نے وہ تمام آیتیں لکھ دی ہیں تاکہ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے،ہم نمونۃً صرف ایک آیت نقل کرتے ہیں)حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے:

﴿وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝﴾ [سورۃ فتح]

تَرْجَمَة : اوراگر یہ کافر تم سے لڑتے،تو پیٹھ پھردیتے،پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے،اور نہ مددگار،اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے،اورتم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت النبی،ج:۳،ص:۲۷۹تا۲۸۱)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت میں اس کا ایک اٹل قانون اور سنۃ اللہ جاری ہے کہ نبی ﷺ آتا ہے،اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے جو خوش نصیب اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں وہ دارین کی فوز وفلاح اور کامیابی پاتے ہیں اور جو اس بات کو نہیں مانتے اور نبی ﷺ کی امکانی کوششوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے،بلکہ اس کے دشمن بن کے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں وہ آخرش اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ سے ہلاک ہوجاتے ہیں،یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایسا قانون ہے جس میں تغیر کا کوئی امکان نہیں،ہر زمانے میں یوں ہی ہوا اور ہمیشہ یوں ہی ہوگا۔

❷ اللہ تعالیٰ کا یہ غیر متبدل دستور اور اٹل قانون انبیاء علیہم السلام اوران کے ماننے والوں (مؤمنین) کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لیے عام ہے کہ ان کی کامیابی اور نجات ہوگی اور ان سے ٹکرانے والے ہلاک ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ [سورة يونس]

تَرجَمَة: ''کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں، کہہ دے کہ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں، اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو۔ ہم پر فرض ہے ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو۔''

خدا تعالیٰ کا قطعی وعدہ ہے کہ وہ مؤمنین کی مدد فرمائے گا:

﴿وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورة روم: 47]

تَرجَمَة: ''اور ایمان والوں کی مدد ہم پر فرض ہے۔''

اسی قاعدہ کے تحت سورۂ المؤمن میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝﴾

[سورة المؤمن]

تَرجَمَة: ''یقیناً ہم ضرور بالضرور مدد فرمائیں گے اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔''

3. اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جس طرح امم ماضیہ میں جاری اور ساری تھی، اسی طرح اب جب کہ محمد ﷺ خاتم النبیین بن کے تشریف لے آئے اور آپ کی امت تمام امتوں کی جانشین بن کر اس عالم میں آئی، ارشاد رسالت ہے:

نحن اٰخر الامم (کنز العمال، ج:۶، ص:۲۳۰ بحوالہ ابن ماجہ)

تَرجَمَة: ''ہم آخری امت ہیں۔''

تو جیسے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ چلن اور سنۃ اللہ جاری تھی، اس امت میں بھی تا قیامت جاری رہے گی کیونکہ ختم نبوت نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے زمانہ کو قیامت تک مستمر کر دیا ہے۔ اب اس زمانہ میں (یعنی بعثت محمدیہ لے کر تا قیام ساعت) اللہ کی وہ تمام نصرتیں اور مددیں جو طریقۂ محمدیہ اور دین حق حضرت محمد ﷺ کے ساتھ مختص ہیں، باقی اور قائم و دائم ہیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمالیا لیکن آپ کے فیوض و برکات باقی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت لینے کے طریقے اور قدرت خاصہ سے استفادہ کی صورتیں امت میں آپ کے احکام اور سنن کی شکل میں موجود ہیں۔ امت اپنی ذات میں مستقل حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ اپنے نبی ﷺ کی نائب اور خلیفہ ہے اور اس عالم میں اس نے نبی ﷺ کے جوارح کی حیثیت سے کام کرنا ہے، اب اس میں جتنے جواہر نیابت و خلافت موجود ہوں گے اور اپنے نبی ﷺ کے مقصدِ دعوت اور طریقوں میں جس قدر یہ ان کی شریک ہوگی اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مددوں سے نوازی جائے گی اور اس کے اعمال پر قوموں کے لیے خیر و شر کا فیصلہ ہوگا۔

4. امت محمدیہ مرحومہ یوں تو امم سابقہ کی طرح جملہ احکام و اعمال میں اپنے نبی کے طریقے پر ہوگی لیکن اس کا خصوصی امتیاز اس کی داعیانہ حیثیت ہے، جس کی وجہ سے اسے دوسری امتوں پر فوقیت اور فضیلت بخشی گئی اور حقیقتاً یہ دعوت ہی اصلاً انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں خدا کی خصوصی مددوں کو متوجہ فرماتی تھی، اسی وجہ سے انبیاء کی دعوت کے ماننے والے کامیاب اور نہ ماننے والے ناکام اور خاسر و خائب ہوتے تھے۔ اسی بنا پر اس امت کی نصرت کو دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کر دیا اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝﴾ [سورة محمد]

تَرجَمَة: ''اے ایمان والو! اگر تم مدد کرو گے اللہ کی تو وہ تمہاری کرے گا اور جمادے گا تمہارے قدم۔''

﴿وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾ [سورة الحج]

تَرجَمَة: ''اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا اس کی جو اس کے (دین کی) مدد کرے گا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے زور والا ہے۔‘‘

اس بنا پر جب امت اپنے فریضہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں غفلت برتے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہوجائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) جو دعائیں مانگیں گی وہ بھی قبول نہیں ہوں گی جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔ (دیکھو کنز العمال، ج:۲،ص:۴۲۶ باب الامر بالمعروف)

امت کی اس خاص داعیانہ حیثیت اور نیابت نبوت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کے آنے اور دارین میں عافیت وفوز وفلاح کے پانے کا طریقہ اپنے اس فریضہ (دینی دعوت) کو مقصد قرار دے کر اس کی راہ میں اپنی جانوں کا کھپانا اور مال کا انفاق ہے، باقی اعمال ذاتی اور اخروی نجات تو دلا دیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی وہ نصرتیں جو عالم کی ہدایت کی طرف پلٹا دیں اور دشمنانِ ہدایت کو تباہی کے گھاٹ اتار دیں، وہ دین کی دعوت کی محنت پر منحصر ہیں۔

5. پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دعوت بالکل منہاج نبوت کے مطابق ہو، کتاب اللہ صحیفۂ نظام ہدایت اور راہنمائے طریقۂ دعوت بھی ہے، یعنی قرآن پاک صرف دعوت ہی نہیں بلکہ طریق دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اسی طرح اسوۂ نبوی صرف شخصی اور انفرادی اعمال کے لیے ہی نمونہ نہیں ہے بلکہ آپ طرز دعوت وتربیت بھی تا قیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل واکمل اور مؤثر ترین طریقہ ہے۔

6. امت جب منہاج نبوت کے مطابق دعوت کو مقصد بنا کر احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے محنت وکوشش اور جہد ومشقت اور ایثار وقربانی کو پیش کرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت خاصہ سے سعید روحوں کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں گے اور دعوت کے مقابل میں آنے والی طاقتوں کو خود پاش پاش کر دیں گے کہ سنت اللہ اسی طرح ہی جاری ہے لیکن خداوند قدوس کی یہ نصرت محنتوں کی ایک خاص سطح پر آتی ہے۔

7. امت مسلمہ پورے عالم کی طرف مبعوث ہے، یہ قعود وعزلت کی زندگی نہیں بسر کرسکتی، اس کی رہبانیت اور درویشی دین کی محنت ہے، اس لیے امت کو مختلف احوال وظروف میں ہجرت ونصرت اور نفر وجہاد کے احکام دیے گئے۔

ان اساسی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلف الصدق اور خلیفۂ ارشد حضرت جی نور اللہ مرقدہ کی دعوت پر غور کریں گے تو کسی درجہ میں یہ بات سمجھ سکیں گے کہ یہ خاصانِ خدا اس کام کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے تھے، وہ یقین کے ساتھ سمجھتے تھے بلکہ گویا آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ یہ غیر متبدل سنۃ اللہ اور اللہ تعالیٰ کا اٹل دستور اور فیصلہ ہے کہ اس امت کے لیے بلکہ سارے عالم انسانی کے لیے خیر وشر کے فیصلہ کا انحصار اب امت محمدیہ کے عمل دعوت اور اس راہ کی محنت وقربانی پر ہے، اگر اس نے دعوت کے کام کو اور اس کی راہ میں ٹھوکریں کھانے کو نہیں اپنایا تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مددوں سے محروم ہوگی اور سارے انسانی عالم کی بھی ہدایت ورحمت سے محرومی کا باعث بنے گی، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور سینوں کو اس یقین سے بھر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے امت کے لیے اور عالم کے لیے خیر اور ہدایت کے فیصلے کرانے کا راستہ یہی ہے کہ امت میں منہاج نبوی پر دعوت اور قربانی زندہ ہو، اس کے سوا سب دروازے بند ہیں۔

حضرت جی قدس سرہٗ پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام حقیقتوں اور سنۃ اللہ کے ان جملہ پہلوؤں اور نظام ہدایت کے دقیق رخوں کو پوری طرح منکشف کر دیا تھا اس وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ امت محمدیہ اگر آج حضور انور ﷺ والے مقصد کو اپنا کر اور اپنے کو صفات نبویہ سے مزین کرتے ہوئے حضور پاک ﷺ کے میدان دعوت میں (جو کہ پورا عالم اور ساری نسل انسانی ہے) حضور اکرم ﷺ والے طریقوں اور صحابہ والی قربانیوں کے ساتھ اتر آئے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، رحمت واسعہ اور ان کے تشریعی اٹل قوانین کی بنا پر اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیضان فرما دیں گے، ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضہ میں ہے اور ہدایت لینے کا ضابطہ اعمال محمدیہ کو اپناتے ہوئے منہاج نبویہ کے مطابق دعوت کے میدانوں میں ابراہیمی اور محمدی قربانیوں کو پیش کرنا ہے۔ امت محمدیہ کا جب ایک معتد بہ طبقہ صحیح رخ سے دین کے لیے قربانی پیش کرے گا اور وہ قربانی عند اللہ مقبول ہوجائے گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ عالم کے لیے ہدایت کا فیصلہ فرما دیں گے، ہدایت کے لیے ایمان واعمال صالحہ اور دعوت اور قربانی اور دعائیں شرط ہیں، ملک ومال شرط نہیں، اس لیے جس وقت امت صحیح رخ سے ہدایت کی محنت کرنے والی بن جائے گی اور اس کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قربانیاں اور دعائیں اللہ تعالیٰ سے مدد کا فیصلہ کروالیں گی، اس وقت باطل کی قوتیں اللہ کی غیبی طاقت سے پارہ پارہ کردی جائیں گی۔ یہ محنت جس قدر نسبت محمدیہ کو اپنے اندر لیے ہوئے ہوگی اسی قدر اس کے اثرات عالمگیر ہوں گے کہ حضور ﷺ کی نسبت عالمی ہے، آپ والے اعمال کا اثر پورے عالم پر پڑتا ہے۔ آپ والے اعمال اگر اپنی حقیقت کے ساتھ ایک طبقہ بھی زندہ ہوجائیں اور وہ طبقہ حضور ﷺ والی محنت کو اخلاص اور جملہ اصولوں کے ساتھ اپنالے تو ان کی دعوت و دعا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ پورے عالم کے باطل نظاموں کو توڑ دے گی، جیسے امم ماضیہ میں فرعون ونمرود وشداد وقوم عاد وقوم ثمود، اصحاب الایکہ اور دوسری متمرد اور باغی اقوام کو اپنی قدرت کاملہ سے ختم فرمایا تھا، بات یقین کی ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہو اور اس کے قوانین تشریعی پر ایمان ہو، تو یہ بات بعید نہیں دکھائی دے گی۔

بہرحال حضرت جی رحمہ اللہ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت کے اٹل قوانین اور غیر متبدل سنۃ اللہ کی بنا پر دعوت وہدایت کا ایک خاص خاکہ ونقشہ تھا، جس پر ان کا ویسا ہی ایمان ویقین تھا جیسا کہ بدیہی سے بدیہی چیز پر ہوسکتا ہے۔ اس خاکہ ونقشہ کا ہر خط وخال انبیاء علیہم السلام کے قصص، قرآن حکیم کی ہدایات، سنن نبویہ اور صحابہ کے احوال سے مرتب کیا گیا تھا۔ ان کے سامنے حضور انور ﷺ اور صحابہ کرام کی پوری زندگی تھی اور وہ ہر قدم خدا کی توفیق سے اسے دیکھ دیکھ کر اٹھاتے تھے، یہ دعوت محض چند اعمال کی دعوت نہ تھی، بلکہ پورے دین کے احیاء کی پورے عالم میں کوشش تھی، بعض ناواقف جو صورت حال سے واقف نہیں اسے سطحی دعوت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کم نگہی اور سطحیت کی دلیل ہے، کاش وہ حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمی وعملی صلاحیتوں سے نوازا ہے، اس کام کو سمجھتے اور اپنا لیتے، چند اعمال کے احیاء کا سوال نہیں، بلکہ ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے، جو اپنے مقصد، عقائد وایمان، احوال واعمال، عبادات وللّٰہیت، افکار واحساسات، اخلاق ومعاشرت میں صحابہ کا نمونہ ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت وقدرت سے امید ہے کہ جس طرح اس نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں سے اٹھایا، بڑھایا، چمکایا اور اس سطح پر پہنچادیا، آئندہ بھی اس کے فروغ کی صورتیں پیدا فرمائے گا۔ ﴿وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ ممکن ہے حضرت جی رحمہ اللہ کا وصال سے پیشتر بار بار ان کلمات کو پڑھنا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه صَدَقَ وَعْدَه' وَنَصَرَ عَبْدَه

وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَه'' اسی طرف اشارہ ہو، (واللہ اعلم وعلمہ اتم)

حضرت جی رحمہ اللہ کی شخصیت سازی:

کسی کامل شخصیت کا صرف یہی کمال نہیں ہوتا کہ وہ خود کامل ہے بلکہ شخصیت کے کمال کا ایک بڑا ثبوت شخصیت سازی میں اس کا کمال اور اس کی تاثیر ہوتی ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تاثیر قلبی، فیض صحبت اور باطنی اثر نے ہزاروں اشخاص کو تقویٰ اور دینی زندگی کا قابل رشک مقام عطا کردیا، آج ہمیں ایسے سینکڑوں اشخاص معلوم ہیں جن کی زندگی کی کایا پلٹ گئی، کل جو ناز ونعمت اور تعیش کی گودوں میں پلے تھے آج ان کے زہد وقربانی کو دیکھ کر مصعب ابن عمیر کی قربانی کی یاد تازہ ہوتی ہے نہ صرف یہ کہ زندگی کے ظاہری وباطنی خاکے پلٹے بلکہ حضرت جی رحمہ اللہ کی یہ بڑی کرامت ہے کہ کئی ایسے اشخاص جن کا دین سے خاص تعلق نہ تھا، حضرت رحمہ اللہ کے کام کو ایسا اپنا چکے ہیں اور حضرت کے علوم و معارف ان کی زبانوں سے اس طرح جاری ہیں، گویا حضرت جی رحمہ اللہ ہی بول رہے ہیں گویا:

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص موہبت اور انعام تھا جو اس دور کے یوسف رحمہ اللہ کو عطا ہوا، یہ بے بصر یوسف زمانہ کے کون کون سے جمال وکمال کو بیان کرے:

دامن نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار

وہ مجموعہ کمال تھے، دین کا ایسا ہمدرد وغمخوار قرنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دعوتِ حق کا ایسا شیدائی اور اس کی راہ میں مرمٹنے والا صدیوں میں وجود میں آتا ہے:

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تابزم عشق یک دانائے راز آید برون

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۶)

علماء واولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار!!!

(مسند الوقت قطب الارشاد شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا صاحب کاندھلوی ؒ ثم مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ)

نقوش وتاثرات:

ازفت الازفة. ليس لها من دون الله كاشفة . افمن هٰذا الحديث تعجبون وتضحكون ولا تبكون.

آہ! جس حادثہ کا اندیشہ ایک مدت سے تھا، ہوکر رہا اور وہ نفس زکیہ جو برسوں سے گوناگوں امراض اور ضعف واضمحلال کے صبر آزما صدموں کو سہہ سہہ کر سنبھل جاتا تھا، اس عالم فانی میں زندگی کے چھیاسی سال، نو ماہ اور تقریباً انیس دن، بیس گھنٹے اور چالیس منٹ گزار کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ یعنی نمونہ سلف، امام الاصفیاء، قدوۃ الاتقیاء، رئیس العلماء، برکۃ العصر، قطب الارشاد، شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم سہارنپوری ثم مہاجر مدنی ؒ کا مدینہ منورہ میں یکم شعبان 1402ھ کو وصال ہوگیا۔ انا لله وانا اليه راجعون.

ايتها النفس اجملي جزعا
فان ما تحذرين فقد وقعا

تَرْجَمَة: ''اے نفس صبر جمیل اختیار کر! جس بات کا تجھے اندیشہ وڈر تھا۔ وہ تو ہو ہی گیا۔''

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا ارتحال پندرہویں صدی کا سب سے بڑا المیہ ہے، جس سے پورا عالم لرز

گیا۔ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کا سایہ برکت ورحمت ایک چتر رحمانی کی طرح پورے عالم پر محیط تھا، اور ''قطبیت'' کا فیضان دنیا کے چپے چپے کو سیراب کر رہا تھا۔ اہل قلوب کے دل ان کے افاضہ باطنی سے نمو پا رہے تھے اور ان کے علوم ظاہرہ سے زمانہ مستفید ہو رہا تھا۔ افسوس کہ نور وبرکت اور ہدایت کا یہ امین وامام اپنے لاکھوں مستفدین، ہزاروں تلامذہ، سینکڑوں خلفاء اور بیسیوں خدام کو مہجور ومغموم چھوڑ کر اپنے خالق سے جاملے۔

فما كان قيس هلكه هلك واحد
و لكنه بنيان قوم تهدما

تَرْجَمَة: ''قیس کا مرنا صرف ایک آدمی کا مرنا نہیں بلکہ پوری قوم کی بنیاد کا گر جانا ہے۔''

واحسرتا! دنیا اس نادرہ روزگار ہستی سے محروم ہوگئی جو حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی آنکھیں دیکھی ہوئی تھی اور جس کا وجود حضرت عبدالرحیم صاحب رائے پوری ؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری ؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی ؒ اور جو حضرت مولانا محمد الیاس ؒ کے مجموعی علوم وفیوض کا علم بردار تھا اور جس کی مشیخت اور علوشان پر حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ، حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی ؒ، قدوۃ المشائخ حضرت عبدالقادر رائے پوری اور جملہ اہل حق کا طبقہ گواہ تھا اور جس کی علمی سیادت وروحانی قیادت پر پورا عالم متفق تھا اور جس سے قطبیت، ارشاد وتکوین اور علوم نبویہ کی مسند یکساں وبیک وقت مزین تھی۔ جس شخصیت میں علامہ ابن حجر ؒ، علامہ بدرالدین عینی ؒ، علامہ قسطلانی ؒ، ابوالولید باجی ؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ کی جلوہ آرائیاں جمع تھیں اور جو اس دور میں جنید وشبلی کے مقام تجرید وتفرید، تبتل واتقاء، توکل ورضا کا مظہر تھا۔ جس سے بزم تصوف وسلوک نے نہ صرف رونق پائی تھی بلکہ آخری دور میں پورے عالم میں اس کے نظم واحیاء اور انضباط کا اس سے اس طرح کام لیا گیا جیسا کسی زمانہ میں حضرت نظام الدین اولیاء ؒ سے ہندوپاک کے مختلف علاقوں میں ان کے متوسلین کو بھجوا کر لیا گیا تھا۔ دریغا کہ اخلاق ومزایا کا وہ مرمیز غروب ہوگیا جس سے کمال تقویٰ واحسان، کمال معرفت واخلاص، زہد وورع اور کمال اتباع سنت وشرع نے فروغ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پایا تھا۔ دینی فضائل ومحاسن کا بے مثل نمونہ، سلف صالحین کی بے مثال یادگار، محبت وعشق الٰہی کی حیرت انگیز تمثال، حب نبوی ﷺ کا عظیم پیکر اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملا، جس نے زندگی کے ہر لمحہ کی حفاظت کی تھی اور اسے توشہ آخرت بنایا تھا، راہی آخرت ہوگیا جس کی محبت نبوی ہر وقت پکارتی تھی:

''اے خاک درت تاج سرم''

جو قدمین مبارکین میں بیٹھنا اپنے لئے سرمایہ سعادت و برکت سمجھتا تھا۔ آخر حضور انور روحی فداہ ﷺ کے قدموں کی سیدھ میں جنت البقیع میں جاسویا اور اپنی عمر بھر کی مراد پا گیا:

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

اللّٰھُمَّ اغفرله و ارحمه وعافه و اعف عنه و اكرم نزله و وسع مدخله واغسل خطاياه بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله دارا خيرا من داره و اهلا خيرا من اهله وادخله الجنة اللّٰھُمَّ انزل عليه شآبيب رحمتک و ارفع درجته و ارزقنا من بركاته.

یقیناً ان کی موت اسلام کا سانحہ اور پورے عالم کا المیہ ہے۔

رفتم و از رفتن من عالمی تاریک شد
من مگر شمعم چورفتم بزم برہم ساختم

ان کے ذاتی اخلاق حمیدہ اور اوصاف گرانمایہ کا بیان یہ ہیچ میرز کیا کرسکتا ہے:

یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا، وہ تیرے اوصاف پہچانے

وہ مجسمہ علم واخلاص تھے۔ وہ پیکر فضل وکمال، ایمان ومعرفت اور زہد وورع تھے۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک، ان کی زندگی جس پاکیزگی وطہارت، پابندی شریعت کا نمونہ رہی، اسے دیکھتے

ہوئے مجھ جیسے کوتاہ نظر کو یہ کہنے میں باک نظر نہیں آتا کہ آپ کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے ایسا موفق بنایا تھا کہ شاید ہی گناہ ان کے حریم عمل میں داخل ہوا ہو۔ وہ معصوم نہ تھے لیکن پارسائی کا اچھوتا نمونہ ضرور تھے۔ ارشاد وہدایت، وعظ ونصیحت، تلقین ذکر وشغل، درس وتدریس، تلاش ومطالعہ، تحریر وتالیف، ان کے عمر بھر کے مشاغل رہے۔ جود وسخا، تواضع وانکسار، حق گوئی وصداقت، ایثار وقربانی، صبر وتحمل، شکر و احسان، رعایت جلیس، اکرام ضیف، احترام معاصرین، محبت علماء وصلحاء ان کا شعار تھا۔ ذہانت و فراست، ملت کا درد، شعائر اسلامی کی عظمت و بقا کی فکر، دینی تصلب وحمیت ان کی قبائے خلق کے امتیازی نشان تھے۔ وہ جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ وہ نسلاً بعد نسل علم وعمل کا جامع، ظاہر و باطن اور شریعت وطریقت کی وحدت کا ترجمان تھا۔ آپ اسی جامعیت علوم وکمالات باطنی کے گوہر تابندہ تھے۔ جن پر پچھلے دور کی علم ومعرفت کی ریاست وقیادت ختم تھی۔ للّٰہیت واتقاء، رضا بالقضاء توکل و اتکال، خشیت الٰہی، وحب ربانی، اشتغال فی اللہ، تجرید تام وتفرید کامل، رقت قلبی وشفقت ان کے اخلاق کے جواہر تھے۔ غرض وہ ایک مجموعہ خوبی ومحبوبی، سراپائے جمال ودلربائی تھے، جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے جملہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف پاکیزہ کو سمو دیا تھا۔

تو ہے مجموعہ خوبی وسراپائے جمال
کون سی تری ادا دل کی طلب گار نہیں؟

اہل اللہ کے کمالات کو کون جانے، وہ وہی تھے جو وہ تھے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ پچھلا دور ایک ایسی ہستی کو دیکھ سکا جس کا ہونا ہی اس دور میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت تھی۔ والحمد للہ علیٰ ذالك.

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مقام اور کارناموں کو سمجھنے کے لئے اولاً چند حقائق تشریعیہ کا جاننا ضروری ہے۔ اس لئے ان کا مختصر بیان ضروری سمجھتا ہوں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی اور یہ امت اللہ تبارک وتعالیٰ کے مبعوثہ انبیاء علیہم السلام کی آخری امت ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

انا خاتم النبیین وانتم آخر الامم.

تَرجَمَة :''میں انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کا ختم کرنے والا ہوں اور تم آخری امت ہو۔''

یہ ارشاد پاک قرآن پاک اور دگر احادیث مبارکہ سے مؤید ہے۔

حضور انور ﷺ کی نبوت کو حکم ربانی نے ابدالآباد تک مستمر فرمایا اور اب نہ کوئی نیا نبی یا رسول آئے گا اور نہ کوئی نیا دین یا شریعت آئے گی۔ حضور انور ﷺ کا لایا ہوا دین وشریعت تا قیام ساعت باقی رہے گا، اس لافانی دین کی حضور انور ﷺ کی لازوال امت حامل ہوگی، جو قیامت تک اس دین کی بقاء واستمرار کی سبب وذریعہ ہوگی۔ حکمت الٰہیہ نے گو پوری امت کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا من حیث الامت نائب اور دین کی حفاظت کا ذریعہ بنایا۔ تاہم جسد ملت کے سنوار ونکھار اور ان کی دینی قیادت و راہنمائی، تربیت وتعلیم کی ذمہ داری حضور انور ﷺ کے خاص نائبین کی حیثیت سے علماء امت کے سپرد کی جو امت کے لئے رہبر وراہنما اور بمنزلہ دل ودماغ کے ہوں گے۔ جن سے خصائص نبوت کے علاوہ ہدایت رسانی امت کا وہ کام لیا جائے گا۔ جو فرائض نبوت کی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے سپرد کیا گیا تھا اور جسے حضور انور ﷺ کے بارے میں قرآن کریم نے ان الفاظ میں ادا فرمایا:

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [سورة الجمعة: 2]

تَرجَمَة : جو پیغمبر ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

علماء کی خلافت ونبوت، نیابت رسالت، قیادت وسیادت، امت کی راہنمائی اور ان سے حفاظت دینی کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں ان الفاظ کے ساتھ آتا ہے:

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي و ان لا نبي بعدى و سيكون خلفاء.

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

تَرجَمَة :''بنی اسرائیل کی نگرانی وراہنمائی انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات

پاجاتا تھا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ (نائب) ہوتا تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ خلفاء ہوں گے۔ (جو میری امت کو میرے بعد میرے نیابت میں سنبھالیں گے۔''

یہ نیابت اگر خلافت ظاہرہ (سلطنت وحکومت) کے ساتھ مقرون ہو تو خلافت جامعہ وکاملہ ہوگی۔ جیسے خلفائے راشدین، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور دیگر خلفائے ربانیین کے دور میں تھی جو ظاہراً وباطناً احکام الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کا اجرا فرماتے تھے۔ اگر یہ نیابت ووراثت نبوت، دولت وحکومت سے محکم نہ ہو تو خلافت باطنیہ ہوگی جو علمائے حقانیین کے حصہ میں آئی ہے۔ حدیث پاک کی شہادت ہے:

ان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهما ولٰكن ورثو العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر.

(جمع الفوائد، ص:37، ج:1، کتاب العلم بحوالہ ترمذی وابوداؤد عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

تَرجَمَة :''علماء، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء نے دینار و درہم کی میراث نہیں چھوڑی، بلکہ ان کی میراث علم ہے۔ پس جس نے ان کا علم حاصل کیا، اس نے بڑا وراثت کا پایا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور انور ﷺ سے روایت فرماتے ہیں:

يحمل هٰذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و تاويل الجاهلين و انتحال المبطلين.

(مجمع الزوائد بحوالہ البزاز، ص:140 باب اخذ العلم من الثقات)

تَرجَمَة :''اس علم دین کو ہر آئندہ نسل کے ایسے عادل (علماء) حاصل کرتے رہیں گے، جو غلو پسندوں کی تحریف، جاہلوں کی تاویل، باطل پرستوں کے غلط دعاوی کی نفی کرتے رہیں گے۔''

ان وارثان نبوت، علمائے امت کے کمالات وجلالت پر قرآن شاہد ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خَبِيْرٌ﴾

[سورة المجادلة: 58]

تَرجَمَة :''جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور جن کو علم ملا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے آگاہ ہے۔''

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [سورة الفاطر:28]

تَرجَمَة :''اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں، جو اس کا علم رکھتے ہیں۔''

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [سورة الزمر: 9]

تَرجَمَة :''آپ کہیے! کیا علم والے اور بے علم والے برابر ہو سکتے ہیں؟''

استقصاء مقصود نہیں ورنہ متعدد آیات قرآنی علماء کی فضیلت پر گواہ اور احادیث کے دفاتر ان کی بڑائی پر نص ناطق ہیں، ان علماء ربانیین اور خاصان حق کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔ارشاد ربانی ہے:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ [سورة يوسف: 76]

تَرجَمَة :''ہر علم والے کے اوپر دوسرا علم والا ہے۔''

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ وہ قدسی الصفات ہستیاں جن سے اس عالم میں نفس حق کو مرتسم کرنے کا کام لیا جاتا ہے، وہ اصلاً نائبین نبوت ہوتی ہیں، کار نبوت کی نیابت کیلئے ان صفات نبوت کا پرتو اس طرح ڈالا جاتا ہے کہ ان کا ظاہر و باطن احوال نبوت سے ''جو مختص بالنبوت نہیں'' ایک خاص نسبت حاصل کر لیتا ہے اور ان کے مزاج میں طریقہ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو اس طرح سمو دیا جاتا ہے کہ شریعت ان کی فطرت ثانیہ اور اخلاق نبوت ان کی سرشت بن جاتی ہے۔عبدیت کاملہ محمدیہ سے انصباغ ان میں عبدیت کے جواہر کو نکھار دیتا ہے اور ان میں افتقار الی اللہ، ایثار و فنا و تواضع، توکل و اتکال، تسلیم و رضا، تفویض، الحاح و زاری و سپردگی، عبادت کا شغف، دعا کا اشتعال، مناجات الٰہیہ کا شوق، اعتماد علی اللہ، رجوع الی اللہ کی جملہ صفات پیدا کر دیتا ہے کہ اصلاً عبدیت کاملہ میں رنگینی، رنگ الٰہی میں نکھر جانا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۖ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾

[سورة بقرة: 138]

تَرجَمَة :''ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ تعالیٰ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے۔اللہ تعالیٰ کے رنگ سے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔''

اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہ صادق بندے جارحۃ الٰہیہ کے طور پر اس عالم میں اوامر ربانی کے شیوع و فروغ و اجراء کا ذریعہ بنا دیئے جاتے ہیں۔خلافت الٰہیہ اور وراثت نبوت، ان خاصان خدا کا سرمایہ ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے ظرف و استعداد اور مقدر کے بقدر عطاء ربانی اور فیض نبوت سے حصہ عطا فرمایا جاتا ہے اور ان سے نبوت کے ''فرائض سہ گانہ'' دعوت و تلاوت کتاب، تزکیہ و تربیت (نفوس و قلوب) تعلیم کتاب و حکمت کا کام لیا جاتا ہے۔یہ انبیاء علیہم السلام کے سچے وارثین اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نائبین ہوتے ہیں، جن سے عالم کا تشریعی نظام قائم، ہدایت ربانی کا سلسلہ جاری، دین کے ظاہر و باطن کی بہار قائم رہتی ہے۔اس زمرۂ اخص الخواص میں سے حکمت تشریعی، ہر دور میں سے ایک ذات کو خاص طور پر چن کر اسے اس وقت کے لئے اپنی ہدایت کا عادی سبب بنا دیتی ہے۔اس ''فرد فرید'' کو قطب الارشاد کہا جاتا ہے، جو محبوبیت ربانیہ کے خاص مقام پر فائز ہو کر مقبولیت عند الخلائق سے نوازا جاتا ہے اور علماء ربانیین اور اہل قلوب اس کی روحانی سیادت کو قبول کرتی ہیں۔اسے ''انا قاسم والله يعطى'' کا مظہر بنا کر عالم کے لئے نزول خیر و برکات، ہدایت و رحمت اور شیوع دین و ایمان کا سبب باطنی بنا دیا جاتا ہے۔ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم.

حکمت ربانی خاصان حق کے اس طبقہ سے مختلف ادوار میں مختلف ممالک و امصار میں دینی خدمت لیتی رہی اور انہی اخص الخواص سے عالمی تجدید و احیاء اسلام کا کام دنیا کے مختلف ممالک میں لیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ سنہ ہجری کے ہزارہ دوم (الف ثانی) سے دینی قطبیت اور تجدید احیاء اسلام کا اصل مرکز برصغیر پاک و ہند کو بنا دیا گیا۔چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ اور ان کے اخلاف سے تجدید و احیاء دین و سنت کا جو دورِ سعادت شروع ہوا، وہ شاہان دہلی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ، ان کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صاحبزادگان وتلامذہ، امیر شہید سید احمد رائے بریلوی اور امام شہید مولانا اسمٰعیل ؒ اور ان کی جماعت مبارکہ سے ہوتا ہوا دہلی و دوآبہ، گنگ وجمن کے خطہ [1] کے ان نفوس قدسیہ تک پہنچتا ہے۔ جن کی نشان دہی کی چنداں ضرورت نہیں کہ ''سیماھم فی وجوھم'' ان کے نقوش طیبہ آفتاب سے زیادہ روشن، ہم گیر و عالمگیر ہیں۔ نزاہت و کرامت، بلندی کردار واخلاق، تقویٰ وللّٰہیت کی ان مثالی شخصیتوں سے دعوت وتبلیغ، جہاد وارشاد، تعلیم وخدمت کتاب وسنت، تربیت وتزکیہ (علی منہاج النبوت) کے فرائض کی ادائیگی واز سرنو تازگی کا کام جس پیمانہ پر لیا گیا، وہ تاریخ دعوت وعزیمت، ارشاد وہدایت۔ جہاد وفتوت کا زریں باب ہے اور ان بلانوشان محبت ہی کا حصہ ہے، جس کی مثال قرون متاخرہ میں نہیں ملتی۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝﴾

[سورة يوسف: 38]

﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِاللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۷۳) يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ [سورة ال عمران: 73،74]

ان خاصان خدا و نائبان انبیاء علیہم السلام کی سلک مروارید وزنجیر طلائی حضرات دیوبند وسہارنپور کا وہ قافلہ بھی ہے، جو عالم میں حق کا نشان بن کر چمکا اور ہدایت وصداقت کا نقش جریدۂ عالم پر ثبت کر گیا۔ حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ، حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ، خلیل الامت حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری ؒ، حکیم الامت ومجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانوی ؒ، امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری ؒ، فقیہ الامت مفتی عزیز الرحمن ؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ، محدث عصر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ، جنید وشبلی زمانہ حضرات عبدالرحیم ؒ وعبدالقادر ؒ رائے پوری، رئیس الدعوت والتبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس ؒ وحضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع

[1] اس سے ہندو پاک کے گردونواح کے علماء ومشائخ کی نفی مقصود نہیں، لیکن اختصاص وکثرت اسی خطہ کو میسر رہی۔ واللہ اعلم۔ (محمد اشرف)

صاحب دیوبندی ؒ، محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ؒ نور اللہ مراقدہم واعلیٰ اللہ مقاماتہم جیسے اکابر کی جلالت شان وعظمت دین وایمان سے کون ناواقف ہے، یہ چند نام نمونے کیلئے لکھ دیئے ورنہ۔ این خانہ تمام آفتاب است

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم

اذا جمعتنا یا جریر المجامع

انہی ربانیین کا آخری گل سرسبد ولعل شب چراغ ہمارے ممدوح شیخنا وشیخ العالم قطب الارشاد وقطب الاقطاب برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم سہارن پوری ثم مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ واعلی اللہ مقامہ تھے۔ جنہیں ان مزایا وکمالات سے نوازا گیا تھا اور ارشاد وہدایت وخدمت دینی واشاعت حدیث، تزکیہ وتربیت نفوس، احیاء ذکر الٰہی کا وہ کام لیا گیا، پچھلے دور میں جس کی مثال شاذ ہے۔ ایسی جامع الصفات اور نادرۂ روزگار شخصیتیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں اور عالم میں اپنے آثار صالحہ اور باقیات صالحات کا حیرت انگیز ورثہ چھوڑ جاتی ہیں۔ ان کی زندگی، خصائص فائقہ وواقعات عجیبہ کا مجموعہ ہوتی ہے، جو دوسروں کے لئے نمونہ اور اسوہ اور راہنمائی کی قندیل بن جاتی ہے۔ ان کی زندگی مہد سے لحد تک فضل الٰہی کا کرشمہ دکھائی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کبھی اپنے کسی خاص بندہ کو اپنے دین کی خاص خدمت اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی نیابت کیلئے چنتا ہے، تو اس کی تربیت کے سامان بھی عجیب مہیا فرمادیتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی پیدائش سے لے آخر وقت تک کے حالات کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝﴾ [سورة طه] ''اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے۔'' کا مظہر بنایا تھا۔ جب تک امت میں فرد فرید اور قطب الارشاد بن کر چمکے نہیں تھے، ''نور چشمان اکابر'' بنے رہے اور جب آپ کے فیوض وبرکات نے پر وبال نکالے تو عالم ان کے زیر سایہ اور ان کے انوار سے بقعہ نور تھا۔ امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہ کی گود کا فیض پایا۔ ان کے لطف ومحبت کا لطف اٹھایا۔ اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب ؒ (جو امام ربانی حضرت گنگوہی کے منظور نظر تھے) کی حکیمانہ تربیت کی وہ پابندیاں برداشت کیں جس کا تصور بھی آج ہم نہیں کر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سکتے۔ یہاں تک کہ جب اٹھارہ برس کی چھوٹی عمر میں نسبت الٰہی قوی ہوگئی تو ان قیود سے اس حالت میں رہائی ملی کہ دنیا اور اس کی آلائشوں کی محبت کا واہمہ بھی دل میں نہ رہا تھا اور قلب محبوب حقیقی اور آخرت کیلئے خاص ہو چکا تھا۔ تعلیم کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی ان جامع شخصیتوں کو اساتذہ کی حیثیت سے میسر فرمایا جن کی ایک نگاہ مس خام کو کندن بنانے کے لئے کافی تھی اور جن کا درس و تعلیم ذرہ کو مرمیز بنا دیتا تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ نور اللہ مراقدہم جیسے فحول علم و تقویٰ، آئمہ زہد و روع، رجال معرفت و یقین، حاملین کتاب وسنت وراسخین فی العلم ذوی الایدی والابصار اصحاب بیک وقت کیسے مل سکتے ہیں اور میسر آ بھی جائیں تو ہر ایک کی آنکھ کا تارا بن کر کون ان کے انوار باطنی وعلوم ظاہری سے اس طرح فیض پا سکتا ہے کہ جو وہاں تھا، وہ یہاں تھا اور ہر مفیض بزبان حال پکار رہا تھا:

جو میرے دل میں ہے، اسے اپنے دل میں سمجھ لیجئے گا
دلوں، دلوں میں ہی ہو جائے فیصلہ دل کا

بقول رومی:

دانش! نور است در جان رجال
نے زراہ دفترونے قیل وقال
دانش! آں را می ستاند جان زجان!
نے زراہ دفترونے از بیان

اور مستفیض حالاً گویا تھا اور ہر اساتذہ سے مخاطب تھا:

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جب تعلیم کا زمانہ ختم ہوا تو ہر ایک دنیاوی مشغلہ اور تنعم سے کٹ کر درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کی وہ مسند سپرد کر دی گئی جو چند ابتدائی سالوں کے بعد تا آخر حیات قال قال النبی ﷺ کے زمزموں سے

پرشور و فیضان نبوت سے سراپا نور تھی۔ خدمت حدیث کا یہ شرف اس قدر طویل عرصے کے لئے کم لوگوں کو میسر ہوا ہوگا اور اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ اخلاص وتقویٰ اور ان اجری الا علی اللہ کے جذبہ کے ساتھ احادیث مبارکہ کا اشتغال (تعلیم وتعلم وتصنیف وتالیف) ایک گونہ صحبت نبوت کا بدل ہے:

اهل الحديث اهل النبی همو
ان لم يصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

تو کون حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے اس قابل رشک مقام کو غبطہ واستعجاب کی نگاہوں نے نہیں دیکھے گا۔ نام کا سابقہ ''شیخ الحدیث'' حقیقۃ الامر کا اعلان بن کر ایسا چمکا کہ مطلقاً شیخ الحدیث سے مراد آپ کی ذات ستودۂ صفات ہی معنون ومشہور ہوگئی۔

حق تو یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کے اس اشتغال وانہماک نے ان کے فطری جواہر کو جلا بخشی اور وہ باطنی دولتیں جو اپنے اکابر سے پائی تھیں، اس شغف سے کندن بن کر چمکیں۔ اللہ تعالیٰ کی تشریعی حکمت بالغہ نے نیابت نبوت کے جس مقام پر فائز فرما کر جو کام لینا تھا، اس کے لیے جن استعدادوں اور ظروف کی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ قدس سرہ کو فطرتاً واکتساباً عطا فرما دی گئیں اور عالم ناسوت میں اس کا ذریعہ اولاً تعلیم وتربیت وفیضان اکابر کو بنایا گیا اور پھر حضرت شیخ قدس سرہ کے ظاہری و باطنی مجاہدات، شغف قرأت واہتمام ذکر، اشتغال حدیث اور تعلیم وتربیت وطالبین، تصنیف وتالیف کتب دینیہ قرار دیا گیا۔

اس اجمال کی کچھ تفصیل حضرت شیخ قدس سرہ کے اجتباء اور کارناموں کی ہلکی سی جھلک دکھانے کیلئے پیش کی جاتی ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ چودھویں صدی کے نصف آخر اور پندرھویں صدی کے طلوع پر اس نابغۂ امت سے نیابت نبوت کا کتنا عظیم کام لیا گیا۔

اجتباء خاص: نور چشمان اکابر

امام ربانی حضرت گنگوہی کی توجہ ودعا

حضرت شیخ قدس سرہ کے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ رحمہ اللہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خاص اورنورنظر تھے اوران ہی کے قدموں میں گنگوہ میں مستقل قیام فرمالیا تھا۔حضرت شیخ کی عمر اس وقت ڈھائی سال کی تھی کہ وہ بھی اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ گنگوہ تشریف لے گئے اورحضرت مولانا یحییٰ کے خصوصی تعلق کی وجہ سے حضرت شیخ، حضرت گنگوہی ؒ کی خصوصی شفقتوں، توجہات اور مقبول دعاؤں کا موردبن گئے۔حضرت گنگوہی ؒ کے اس خوش نصیب وہونہار بچے سے محبت وتعلق کا اندازہ صرف ان دووا قعات سے کیجیے جوخود حضرت شیخ نے نقل فرمائے ہیں۔فرمایا:

''میں ابھی ڈھائی سال ہی کا تھا۔حضرت گولر کے درخت کے نیچے چارزانو ہوکر بیٹھے ہوتے تھے۔ میں حضرت کے پیروں پر کھڑا ہوکر حضرت سے خوب لپٹتا۔پھر فرمایا کہ''جب میں کچھ اور بڑا ہوا، راستہ میں کھڑا ہوجاتا، جب حضرت سامنے سے گزرتے تو میں بڑی قرأت اور بلند آواز سے کہتا:''السلام علیکم! حضرت بھی ازراہ شفقت ومحبت اسی لب ولہجہ اورآواز میں''وعلیکم السلام''فرماتے۔''

(سوانح مولانا محمد یوسف ؒ کاندھلوی ص:74)

حضرت امام ربانی نوراللہ مرقدہ کی عنایت کا یہ عالم حضرت شیخ قدس سرہ کے ساتھ تقریباً ساڑھے پانچ سال تک رہا کہ حضرت گنگوہی ؒ کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔کون جانتا ہے کہ اس مہرورشد وہدایت نے اس معصوم بچے کو اپنی شفقتوں وکرم فرمائیوں اور کیمیا اثر نگاہوں سے ظاہر وباطن کی کن دولتوں سے نوازا ہوگا۔تاہم زمانے نے دیکھا کہ ایک دن یہ بچہ امام ربانی کے علوم ومعارف کا امین وشارح بن کر عالم میں''الکوکب الدری''[1] کی طرف چمکا اوران کے جواہر ریزوں کو''لامع الدراری''[2] کی صورت میں جلا بخشی جس سے دنیا بقعہ نور تھی۔

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

حضرت امام ربانی ؒ کی ظاہری وباطنی وراثت کی ایسی جلوہ آرائیاں حضرت شیخ قدس سرہ کے

[1] الکوکب الدری ترمذی کی شرح ہے،جس پر حضرت شیخ کے بھی تعلیقات ہیں۔
[2] لامع الدراری علی جامع البخاری،حضرت گنگوہی کے افادات بخاری پر حضرت شیخ کی دس ضخیم جلدوں میں شرح ہے۔

ہی کے حصہ میں آئیں۔

تربیت یحیوی:

حضرت شیخ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب ؒ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے خادم خاص، ان کے علم وعرفان کے امین اوران کے کاتب خطوط وفتاویٰ تھے۔حضرت گنگوہی کوان کے ساتھ اس قدر تعلق خاطر تھا کہ ان کی جدائی برداشت نہ ہوتی تھی۔فرماتے تھے:

''مولوی یحییٰ تو میری آنکھیں ہیں۔'' حضرت مولانا محمد یحییٰ ؒ نے اپنے فرزند رشید کی تعلیم و تربیت جس طرز پر کی اس کی مثال نہیں ملتی۔حضرت شیخ قدس سرہ نے آپ بیتی میں ایسے واقعات نقل کیے ہیں، جنہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔اس عجالہ میں ان کی گنجائش نہیں۔''الاعتدال'' میں خود ارقام فرماتے ہیں:

''میرے ابتدائی تربیت جن اصولوں کے تحت ہوئی ہے، وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ سال کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی، نہ بلا معیت والد صاحب ؒ یا چچا جان صاحب کے کہیں جانے کی اجازت تھی۔حتی کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دوحضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت نہ تھی اوراس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد نوراللہ مرقدہ کی مجلس میں بھی بلا والد صاحب یا چچا جان کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کرلوں۔مجھے دوتین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔تنہا اپنے مکان جانے کی اجازت نہ تھی۔یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی زیرنگرانی شرکت کرتا تھا۔اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو الف لیلہ بن جائے کہ کس قدر تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر قیدیوں کی سی زندگی گزاری مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل سے مجھے یہ سب کچھ نباہنے کی توفیق عطا فرمائی تھی۔جس کی برکات اب میں دنیا ہی میں پارہا ہوں۔''(الاعتدال،ص:31)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حکیم وزیرک والد محترم رحمہ اللہ کی تربیت کا اثر تھا کہ وہ رزائل جن کیلئے بڑے بڑے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں۔ بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے ان سے خلاصی دے دی بلکہ یوں کہیے کہ انہیں ابھرنے ہی نہ دیا اور محاسن وفضائل اور مزایا وکمالات کا ایسا مخزن بنا دیا جو مدتوں کی صحبتوں اور مجاہدات کے بعد میسر آتی ہیں۔ حضرت مولانا یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے عزیز بیٹے کے بارے میں جو سند دی، وہ حضرت شیخ کی زبانی سنیے:

''اور (تربیت کے) یہ سارے مراحل والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ختم ہوگئے۔ اس کے بعد گویا نگرانی ختم ہوگئی۔ انتقال سے تقریباً ایک سال پہلے یا اس سے بھی کچھ زاید حضرت شاہ عبدالرحیم نور اللہ مرقدہ وقدس سرہ کا شدید اصرار والد صاحب کے بار بار بلانے پر رہتا تھا۔ ان کے خط کے جواب میں والد صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں ایسی زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس وجہ سے کہیں آ جا نہیں سکتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے، اب اس کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔''

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کو چونکہ بہت اشتیاق رہتا تھا، اس لئے والد صاحب رائے پور طویل قیام کیلئے تشریف لے گئے۔ اس ناکارہ نے ان کی تشریف بری کے بعد سے ان کی یاد اور ان کی غیبت سے اپنے نقصان کا اظہار کیا تو جواب میں تحریر فرمایا:

''کہ بڑوں کی نگرانی کی حاجت اس وقت تک رہتی ہے، جب تک تعلق مع اللہ نہ پیدا ہو اور اس کے بعد ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے تمہارے اندر پیدا ہوگیا ہے، اب میری ضرورت نہیں رہی۔''

یحیوی تربیت ونگرانی کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت ابتدائے جوانی سے ہی زخارف دنیوی سے مستغنی، خلوت پسند، علم ودین کیلئے وقف ہوکر رہ گئی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اس کا اثر ہے کہ اب تک مجھے مجمع سے وحشت ہے، کسی مجمع میں جانا میرے لئے انتہائی مجاہدہ ہے، حتی کہ اپنے کمرہ میں اگر تنہا ہوں اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو تو اس کی بہ نسبت مجھے اس میں زیادہ لطف وسکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو، بھلا ایسا وحشی شخص کیا کہیں شریک

ہو۔ جلسہ، جلوس کی خصوصیت نہیں ہے، مجھے تقریبات میں شرکت سے وحشت ہوتی ہے۔ ہر نوع کے مجمعوں کی شرکت میرے لئے دقت کا سبب ہے۔''

قفس دانیم و بس راہ چمن از ماچہ می پرسی
کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیاں مارا

غرض باکمال باپ کی تعلیم وتربیت نے ہونہار وخوش نصیب بیٹے کو ان لازوال دولتوں سے نوازا، جس کی نظیر دور دور نہیں ملتی۔

فیضان ودعائے خلیل:

محدث کبیر، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری نور اللہ مرقدہ کی جلالت شان ورفعت مقام سے کون ناواقف ہے؟ صاحب بذل المجہود کا علمی پایہ اور مہارت فن حدیث پر ہر عالم گواہ ہے۔ باطنی مزایا وکمالات کے بارے میں ان کے مربی وشیخ حضرت گنگوہی کے ارشادات کافی ہیں، جو مکتوبات رشدیہ سے لئے گئے ہیں:

''پس یہ نسبت یادداشت واحسان تھی کہ ثمہ اس کا میرے سعید ازلی قرۃ العین خلیل احمد کو نصیب ہوئی، جس پر ہزار فخر وناز یہ بندہ ناساز کر کے اپنا وسیلہ قرار دیئے مطمئن بیٹھا ہے، اگرچہ اس دولت سے محروم رہا۔''

''تم کو اپنا فخر وباعث نجات جانتا ہوں۔ کچھ نہیں مگر اچھوں سے مربوط ہوں۔''

حضرت سہارن پوری نور اللہ مرقدہ، حضرت شیخ کے استاد ومرشد، مربی ومحبوب ومحب سب کچھ ہی تھے۔ حضرت کے والد محترم رحمہ اللہ نے بھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ان سے تجدید بیعت کرلی تھی۔ حضرت شیخ کی بیعت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ علی میاں مدظلہ ارقام فرماتے ہیں:

''شوال 33ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب طویل قیام کے ارادے سے حجاز کا قصد فرما رہے تھے اور لوگ کثرت سے بیعت ہو رہے تھے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ بچوں کی طرح دیکھا دیکھی اپنے اندر بھی جذبہ پیدا ہوا۔ حضرت سے عرض کیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جب میں مغرب کی نماز کے بعد نفلوں سے فارغ ہو جاؤں، اس وقت آ جانا۔ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی جو خلافت سے سرفراز ہو چکے تھے، انہوں نے بھی تجدید کی درخواست کر رکھی تھی۔ حضرت نے فراغت کے بعد دونوں کو قریب بلایا اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں کو پکڑا دیے۔ مولانا عبداللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا، جس کا اثر حضرت پر بھی تھا، حضرت کی آواز بھرا گئی۔ اس وقت مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ یہ آواز سن کر منڈیر پر دیکھنے کیلئے آئے اور دیکھا کہ شیخ بیعت ہو رہے ہیں۔ اس پر مولانا کو تعجب اور احساس ہوا کہ بلا علم واطلاع کے انہوں نے اتنا بڑا کام کر لیا۔ لیکن حضرت رائے پوری نے اس جرأت کی بڑی تصویب فرمائی اور دعائیں دیں۔'' (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص:82)

آئندہ چل کر ہونے والا شیخ وقت اور قطب الاقطاب نے اپنے شیخ سے کیا پایا؟ اور معرفت وعرفان کے کیسے رطل ہائے گراں نما یہ نوش فرمائے، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ جگر گوشہ خلیل خلت کے جس مقام پر فائز ہوا، مجھ جیسا بے بصر اسے کیا جانے؟ تاہم اہل نظر نے اسے **صفوۃ ھٰذا العصر، وغرۃ ھذا الدھر** [1] قرار دیا۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے خود انہیں اپنے بیٹے سے بڑھ کر کہا اور انہیں ''عزیزی وقرۃ عینی وقلبی'' کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ ''بذل المجہود'' کے مقدمہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے بارے میں جو تحریر فرمایا، وہ ہر شاگرد ومرید کیلئے باعث نازش وسعادت ہے، اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

''میری اس تصنیف پر میرے بعض دوستوں نے، خاص کر میرے عزیز اور میری آنکھوں اور دل کی ٹھنڈک حاجی حافظ مولوی محمد زکریا بن مولانا حافظ حاجی مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی نے مدد کی۔ چونکہ میں بدن میں رعشہ اور دماغ اور آنکھوں میں ضعف پیدا ہو جانے کی وجہ سے خود لکھنے اور کتابوں کی تلاش پر قادر نہ تھا۔ میں بولتا رہتا تھا اور وہ لکھتے رہتے تھے اور مشکل مباحث کو ان کے مظان سے تلاش کرتے تھے۔ تو مجھے لکھانے میں سہولت ہو جاتی تھی

[1] لامع الدراری تقدیم الکتاب از علامہ یوسف البنوری۔

بس اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے! اور ان کو اس بات کی بہترین جزا عطا فرمائے کہ انہوں نے خوب محنت کی، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے مفید علوم ظاہرہ و باطنہ سے، نیز نیک اور مقبول، روشن اعمال سے دنیا وآخرت میں عزت بخشیں۔'' (مقدمہ بذل المجہود ص:40)

مرشد عالی مقام حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ نے حضرت شیخ قدس سرہ کو 1335ھ میں مدینہ منورہ سے رخصت کرتے وقت خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا اور چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی عام اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے سر مبارک سے عمامہ اتار کر مولانا سعید احمد صاحب فیض آبادی کو دیا کہ حضرت شیخ کے سر پر باندھیں، جس وقت وہ عمامہ حضرت شیخ کے سر پر رکھا گیا تو حضرت شیخ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ چیخیں نکل گئیں۔ غرض حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ اپنے شیخ کے جانشین خاص اور ان کی جملہ نسبتوں کے حامل بن گئے۔

توجہات اشرافیہ:

مجدد، حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کی توجہات دیگر اکابر کی طرح شروع ہی سے حضرت شیخؒ کی طرف مبذول تھیں۔ شفقت ومحبت کے کئی واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے تھے کہ حضرت کو مجھ سے بچپن ہی میں اتنی محبت تھی کہ ازراہ شفقت اس ناکارہ کا نام برف بھیجنے کے ایک واقعہ کی وجہ سے برفی رکھا تھا اور جب حاضر ہوتا تھا تو اتنی لذت سے برفی کا لفظ فرماتے کہ مجھے بھی سننے میں مزہ آتا تھا، حضرت قدس سرہ کے یہاں قواعد کی پابندی بہت سوں کو معلوم بھی ہے اور نہیں بھی ہے۔ لیکن شروع زمانے میں ہی حضرت نے اس ناکارہ کو مستثنیٰ فرما دیا تھا اور ایسے ہی اعلاء السنن کی تکمیل کے لئے بھی اس ناکارہ کو تجویز کیا تھا مگر میں نے مدرسہ کے انتظامی اور تدریسی خدمات کا عذر کر کے اس سے معافی مانگ لی تھی۔ (محبوب العارفین، ص:35)

حضرت شیخ کی عمر 23 برس کی تھی۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری ہوئی۔ شیخ اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مصافحہ فرمایا۔ مصافحہ فرماتے ہی حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے فرمایا:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''اکابر کے یہاں تربیت کے بھی طرق عجیب اور مختلف ہوتے ہیں۔ اکتساب بھی ایک طریقہ ہے۔ یعنی حضرت سہارن پوری ؒ قدس سرہ نے کتاب لکھواتے ہی تربیت باطنی اور منازل سلوک طے کروائے، اشغال کا متعارف سلوک اختیار نہیں کرنا پڑا۔''

(محبوب العارفین ص:19)

حضرت شیخ کے وصال سے تقریباً پچاس سال پیشتر نومبر 1932ء میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی ؒ نے مشائخ بیعت کے بارے میں حضرت تھانوی ؒ سے استفسار فرمایا۔ حضرت نے نو نام تحریر فرمائے جن میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت مولانا اللہ بخش بہاول پوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بعد چوتھا نام حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سہارن پور کا تھا۔ اس کے بعد بالترتیب حضرات حافظ فخر الدین صاحب، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، مولانا انور شاہ صاحب، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب کے اسماء گرامی تھے۔

(حکیم الامت، ص:250)

اس سے جوانی کی عمر میں حضرت شیخؒ کا جو مقام حضرت تھانوی ؒ کے نزدیک تھا، اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہ کے دل میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی جو عظمت و محبت تھی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آ گیا۔ اس ہیچ مدان نے تبلیغی حضرات اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ایماء پر نصاب تبلیغ (جو حضرت کی فضائل کی کتابوں اور حکایت صحابہ پر مشتمل ہے) کا فارسی میں ترجمہ کے بعد ایک خواب میں حضرت تھانوی ؒ کو دیکھا آپ نے (یعنی حضرت تھانوی ؒ) راقم سے ارشاد فرمایا: ''آپ کو فارسی آ گئی اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا۔'' پھر پوچھا: ''کیا آپ کو عربی آتی ہے؟'' بندہ کے اثبات کے جواب پر استفسار فرمایا: ''جرس'' کے کیا معنی ہیں؟ اور جب بندہ نے معانی عرض کیے تو انتہائی مسرت و ابتہاج میں حافظ کی وہ پوری غزل سنائی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے:

جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

بندہ نے ایک سفر حج پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مقامہ کو یہ خواب سنایا۔ نہایت مسرور

ہوئے اور خوشی کی خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا: ''حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا۔''

اس کے تھوڑی دیر بعد حضرات تبلیغ مخدومی المکرم حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدت فیوضہم وغیرہ تشریف لائے تو حضرت نے بندہ سے مسرت کے ساتھ فرمایا: ''ان حضرات کو بھی اپنا خواب سناؤ!'' اور پھر مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا: حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں کہا ہے۔'' اور پھر حضرت تھانوی ؒ کی توجہات کے بارے میں ایک پٹھان بزرگ کا ایک واقعہ نقل فرمایا، جنہیں حضرت تھانوی ؒ نے خواب میں کہا تھا کہ میرے بھتیجے محمد زکریا کو میرا اسلام پہنچا دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ توجہات اس ناکارہ پر بہت ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ کی شفقتیں:

حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں:

''میرے صنوالاب، نائب شیخ، مربی واستاذ کی شفقتیں تو میرے حال پر جتنی بھی ہونی چاہئیں تھیں، ظاہر ہے مگر ان شفقتوں کے ساتھ ساتھ ان کا طرز ایسا ہو گیا تھا، جس نے مجھے شرمندہ کر رکھا تھا، حالانکہ ان کو اپنا چچا ہونا بھی یاد رہتا تھا۔'' (آپ بیتی)

حضرت شیخ کا مقام حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ کے نزدیک کیا تھا؟ حضرت کے خطوط کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے:

''آپ کی تشریف آوری کا جس قدر اشتیاق ہے، اسی قدر خیال ہے کہ سامنے ہونے سے میری گندگیاں اور ظاہر ہوں گی۔ مگر اس امید پر جی چاہتا ہے کہ آپ جیسوں کی مجالست اور ہم نشینی سے اپنی کچھ اصلاح ہو جائے۔''

(اس خط پر 5 فروری 1931ء کی مہر ہے۔ اس وقت حضرت کی عمر 35 سال تھی۔)

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''آپ غور فرمائیں گے تو آپ نہایت تصدیق فرمائیں گے، میں آپ کی دعوات اور توجہات کا سخت ترین محتاج ہوں۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک والا نامہ میں حضرت شیخ کو ان القاب سے مخاطب فرمایا:

''گرامی قدر، عزیز مکرم، منبع الاخلاق والشیم، معدن جود وکرم، مخزن فضل وعلم مولانا الشیخ الحافظ الحاج شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب!''

تبلیغ کے بارے میں حضرت شیخ رحمہ اللہ سے حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ کا تعلق خاطر اور آپ کی شمولیت وبرکت کا تذکرہ آئندہ آرہا ہے۔ اس لئے یہاں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری قدس سرہ، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کی حضرت والا سے یگانگت، شفقت ومحبت بلکہ عقیدت اظہر من الشمس ہے، اس لئے ان کا تذکرہ اس عجالہ میں حذف کرتے ہوئے اس شیریں حکایت:

"ذکر رحمة ربك عبده زکریا۔"

کا اتمام حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ کی ایک تحریر کے ترجمہ پر کرتا ہوں:''

''پس حضرت شیخ محمد زکریا کی صالح پرورش ان فقہاء ومحدثین وارباب قلوب، علماء ربانیین کے زیر سایہ ہوئی، جو اپنے فنون کے ماہر ونقاد، منتخب زمانہ اور بہترین عصر افراد تھے، ان کی تربیت نے حضرت شیخ کو ایک صالح، پاکباز ومتقی نوجوان بنا دیا۔ جن کی روشن جبین، ان کی شرافت وسعادت کے آثار سے جگمگا رہی تھی اور چمکدار اور روشن مستقبل کی غماز تھی۔

انہوں نے امام ربانی حضرت شیخ گنگوہی قدس سرہ کا زمانہ دیکھا، ان کی دعوت وعنایات کی برکات سے مستفید ہوئے (امام ربانی رحمہ اللہ کی وفات کے حضرت شیخ آٹھ سال کے تھے) مشیت ازلیہ نے چاہا کہ ایام طفلی سے لے کر ادھیڑ عمر تک حضرت شیخ پر رحمت الٰہیہ کا وہ پردہ رہے جو انہیں ان ارباب قلوب کے انفاس قدسیہ نے پہنا دیا تھا۔ (ان انفاس قدسیہ کی برکت سے) انہیں نفس مطمئنہ اور پاکیزہ وطاہر سبک روح سے نوازا گیا۔ عمدہ ذوق ووجدان کی ارزانی ہوئی اور ہر خیر کی عظیم توفیق بخشی گئی۔ وہ خیر عبادت وتقویٰ ہو، تدریس وتالیف ہو، یا شریفانہ عادات، خندہ پیشانی، حسن ولقاء، کریم النفسی، جود وسخا، مہمانوں کا اکرام، طبعی رقت، چمکدار دائمی کشادہ روئی (وغیر) پر مشتمل ہوں۔''

نیابت فرائض نبوت، حضرت شیخ قدس سرہ کا اصل کارنامہ:

تفصیلاً گزر چکا کہ نبوت کے فرائض (1) تلاوت ودعوت کتاب (2) تزکیہ قلوب وتربیت نفوس (3) تعلیم کتاب وحکمت (سنت) ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ختم نبوت کی برکت سے ان فرائض کی ادائیگی کا کام نیابتاً امت کے سپرد کیا گیا اور خاصان امت کو ہر زمانہ میں اس امانت کی ادائیگی کے بقدر نوازا گیا۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو پچھلے دور میں امامت وقیادت امت کے جس مقام رفیع سے نوازا گیا۔ اس کا فطرتی لازمہ تھا کہ آپ ان فرائض کی ادائیگی میں گوئے سبقت لے جائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کام لیا اور خوب لیا۔

''فجزاهم الله تعالیٰ عن سائر الامت احسن الجزاء'' ذیل میں کارنامہ کا کچھ بیان ہے۔

دعوت:

يَتلُوا عَلَيهِم اٰيَاتِه سے مراد جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے، دعوت بالقرآن ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت:

﴿مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝﴾ [سورة ق]

پس نصیحت دے ساتھ قرآن کے، اس شخص کو کہ ڈرتا ہے، ڈرانے میرے سے،

مؤید ہے۔ اس دور میں دین کی تبلیغ کی علمبردار اور مدعی بے شمار جماعتیں ہیں لیکن ہمارے نزدیک اپنی بنیاد ونہاد اور اپنے اصول وطریق کار میں اقرب الی السنہ واشبہ بطریق الصحابہ تبلیغی جماعت کی وہ دعوت ہے جس کے داعی اول حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے استاذ وچچا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تھے۔ یہ دعوت اپنی عالمگیری میں اس وقت بحمد اللہ پورے عالم پر محیط ہے۔ اس دعوت کی اساس وبنیاد اور اس کے اصول وفروع میں حضرت شیخ قدس سرہ کا جس قدر حصہ ہے، اس کا اندازہ بانی جماعت حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ کے مکتوبات سے ہوسکتا ہے۔ حضرت شیخ کو ایک خط میں ارقام

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فرماتے ہیں:

''گرامی نامہ موجب مسرت وعزت ہوا۔آن عزیز کی تشریف آوری کا بے حد اشتیاق ہے۔ اگر بقول آپ کے میں حضرت ہوں تو آپ ماشاءاللہ حضرت گر ہیں۔ورنہ مجھ نکمے اور ناکارہ کو کون پوچھتا تھا۔اگر آپ کی توجہ وکرم نہ ہوتا۔حضرت سہارن پوری رحمہ اللہ کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے الطاف واکرام فرمایا۔پھر شیخ (رشید احمد) نے اظہار تعلق کیا اور یہ سب آپ ہی حضرات کا طفیل ہے۔''

ایک مکتوب میں ہے:

''میرا یوں جی چاہتا ہے کہ تبلیغ کے ہر نمبر کے متعلق آپ ایک رسالہ لکھ دیں۔''

(مہر ڈاک 5 فروری 1931ء)

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''میرے عزیز! اس تبلیغ کے بوجھ کو بھاری سمجھتے ہوئے بطور اضطرار کے آپ کی خدمت میں دعا اور ہمت کا سائل ہو کر یہ خط لکھ رہا ہوں۔

میرے عزیز! اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس کے فروغ کا سبب ہے۔۔۔۔تمہاری اس ہمت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ بندہ ناچیز کو اس تبلیغ کے اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت کو بہت زیادہ دخل ہے۔حق تعالیٰ مجھے آپ کا شکر ادا کرنے کی توفیق بخشیں۔اللہ کو منظور ہو اور جیسے کہ آثار ہیں۔یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی تو ان شاءاللہ یہ تمہاری تصانیف اور فیوض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب وعجم کو سیراب کریں گے۔اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔میری اس میں ضرور دعا سے مدد کیجیو اور میں بھی دعا کرتا ہوں۔'' (بندہ محمد الیاس 26 رمضان 53ء)

ایک والا نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''مجھے آپ اور حافظ کے خط کا شدت سے انتظار رہتا ہے، کیونکہ اصل بنیاد تبلیغ کی آپ کے

قلوب کی ہمت، آپ کی متانت اور استقلال ہر دل تسلیم کئے ہوئے ہے، باقی سب آپ کے قلوب کی کٹھ پتلی ہیں۔''

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ کے یہاں تبلیغی سلسلہ میں بھی جب کوئی بات پیش آتی تو وہ بلا تکلف فرما دیتے کہ شیخ کے یہاں جب تک پیش نہ ہو، اس وقت تک اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔میرے دہلی کے سفر میں کئی کئی مسئلے ایسے ہوا کرتے تھے کہ جس کے متعلق میں سنتا تھا کہ وہ میرے مشورہ اور منظوری پر رکے ہوئے ہیں۔'' (محبوب العارفین، ص 36-37)

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہ کو 28 رجب 1394ھ کے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''بعد سلام مسنون گرامی نامہ 9 / رجب مولوی سلیمان افریقی کی معرفت ایسے وقت میں پہنچا کہ یہ ناکارہ میوات کے سفر سے نظام الدین واپس آیا۔ چچا جان نوراللہ مرقدہ کے زمانے میں میوات کا سفر ہر ماہ ایک ورنہ دو تین ہو جاتے تھے، عزیز مولوی یوسف مرحوم کے زمانے میں یہ افراط تو نہ رہی مگر دو چار ماہ میں ایک سفر تو ہو ہی جاتا تھا۔شروع میں تو زیادہ رہے مگر 47ھ کے ہنگامے کے بعد کم ہو گئے۔عزیز مولوی انعام الحسن سلمہ کے دور میں اس ناکارہ کے امراض کی کثرت نے گویا کالعدم کر دیا تھا۔عزیز ہارون مرحوم کے حادثہ کے بعد قاضی صاحب کا اصرار رمضان ہی میں ہوا تھا، اس کے بعد مولانا انعام صاحب کے سفر حج پر ان کا اور مولانا علی میاں صاحب کا اصرار ہوا تھا کہ تیرا سفر حج ضروری ہے۔اس لئے مدینہ پاک میں وعدہ ہو گیا تھا کہ میوات کے دو تین معروف قصبات میں ایک سفر ہو۔''

اگرچہ معذوری تو اس ناکارہ کی روز افزوں ہے، پھر بھی ان احباب کے اصرار پر 10 اگست کو سہارن پور سے چلا گیا تھا۔11 کو ایک جگہ اور 12 کو دوسری جگہ اور 13 کو تیسری جگہ ایک ایک شب قیام کر کے کل 14 کو نظام الدین واپس پہنچا۔چونکہ اس ناکارہ کا بہت دنوں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں جانا ہوا تھا۔ اس لئے 24 گھنٹے اس قدر ہجوم نے گھیرے رکھا کہ بعض جگہ تو مجھے یہ خطرہ ہو گیا تھا کہ شاید میں زندہ واپس نہ جا سکوں۔ مصافحوں اور قریب آنے پر اتنی دھکا بازی ہوئی تھی کہ جس کی وجہ سے بہت سی دقتیں اٹھانی پڑیں۔ 50-60 تو مجھے گھیرے میں رکھتے تھے۔''

اس خط کو اس لئے نقل کر رہا ہوں تا کہ حضرت شیخ کے اعذار قویہ کے باوجود اس کام میں عملی شرکت کا اندازہ ہو سکے۔ اس طرح اپنے متعلقین، مریدین اور عام مسلمانوں کو اس کام کی ترغیب دیتے رہے۔ اس عالمگیر و مقبول تبلیغی کام میں آپ کی شرکت اپنی ان تصنیف کردہ فضائل کی کتابوں کے ذریعے سے بھی ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے اصرار پر لکھی گئیں اور جو ''تبلیغی نصاب'' کے نام سے مشہور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کو وہ مقبولیت بخشی، جس کی نظیر دور دور تک نہیں ملتی۔ جہاں تبلیغی کام پہنچا اور پورے عالم میں پہنچا۔ وہاں یہ کتابیں پہنچیں اور اپنی نورانیت و اثر انگیزی اور مسیحائی سے دلوں کی کایا پلٹ دی، لاکھوں راہ پر آئے، ہزاروں نے ان سے قرب و ولایت کا راستہ پایا اور ہنوز یہ بحر صافی اپنے آب زلال سے مردہ دلوں کو زندگی بخش رہا ہے۔ ان رسائل کا عربی، فارسی، انگریزی، ملیشیائی، جاپانی اور دیگر ایشیائی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اردو میں تو بلا مبالغہ یہ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں۔ بندہ نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ پچھلے دو سال میں پانچ ہزار کی تعداد میں طبع ہو کر پاکستان، افغانستان و ایران میں پھیل چکا ہے۔ یہ حضرت شیخ کا خلوص و برکت، طرز ادا کی خوبی و تاثیر اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کی اس پیش گوئی کو حرف بہ حرف سچ کر دکھایا کہ

''اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں، یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی تو ان شاء اللہ تمہاری تصانیف اور فیوض ہندوستان میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے۔''

عام تبلیغی حضرات کا علمی ذہن انہی کتابوں کا رہین منت ہے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا کمال اور مسلمانوں پر احسان ہے کہ سادہ اور پر اثر زبان میں عامۃ الناس کیلئے ہزاروں احادیث کی تشریح کر دی

اور ایک حدیث کے ضمن میں دوسری کئی احادیث بیان فرما دیں۔ ''شیخ الحدیث'' نے اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ تک ہر مسلمان کی رسائی کا عام راستہ کھول دیا۔

تبلیغی کام کی شرکت کے علاوہ آپ کے بیسیوں اصلاحی و دینی رسائل ہیں۔ ان کی اشاعت کی اجازت ہر شخص کو ہے۔ حضرۃ الشیخ کے مفاخر عالیہ میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں کو کسب مال کا ذریعہ نہیں بنایا اور جو کچھ لکھا حسبۃً للہ اس کی طباعت و اشاعت کی عام اجازت دے دی۔ اس وجہ سے آپ کی کتابوں کی ترویج خوب ہوئی اور لوگوں نے حضرت کے علوم سے استفادہ کیا۔ آپ کی کتابیں مختلف اعتبار سے لکھی گئی ہیں۔ اردو کتابیں عموماً اصلاحی اور تبلیغی رنگ کی ہیں۔ بعض تحقیقی و علمی رنگ کی اور بعض میں دونوں رنگوں کا امتزاج پایا جاتا ہے، اس لئے ہر طبقہ آپ کے علوم نافعہ سے مستفید ہوا اور ہو رہا ہے۔

تزکیہ قلوب و تصفیہ نفوس:

حضور انور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کو اللہ تعالیٰ نے مزکی اور سراج منیر بھی بنا کر بھیجا تھا، آپ کی صحبت دلوں کو نکھارتی، رذائل سے پاک اور فضائل اخلاق سے آراستہ کرتی تھی۔ اس روشن چراغ سے دل ہدایت ربانی سے روشن، تعلق الٰہی سے منور اور یاد حق سے سرشار ہو جاتے تھے۔ زخارف دنیویہ کی محبت نکل کر رگ و پے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت سمو جاتی تھی۔ آپ کی تاثیر سے ایمان و یقین، اخلاص و احتساب کی وہ دولت ہاتھ آتی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بادشاہی گرد معلوم ہوتی تھی۔ عظمت الٰہیہ کے سامنے نفس کے تمام جذبات دب جاتے تھے اور خشیت الٰہی حال بن جاتا تھا۔ اوامر الٰہیہ سے فطرتی مناسبت ہو جاتی اور دین طبیعت ثانیہ بن جاتا۔ رضائے حق مقصود ہو جاتی اور اسوۂ نبویہ کا اتباع زندگی کا مقصد۔ گویا وہ طبقہ جو اللہ کے نام سے ناآشنا ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ کے نام سے ان کے دل لرز اٹھتے تھے اور ان کے دل احکام الٰہیہ کے منقاد ہو کر سراپا عمل بن جاتے تھے۔ عبدیت تامہ انہیں الٰہی رنگ میں رنگ دیتی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کو ''تزکیہ'' کہتے ہیں اور یہ صفت ''ختم نبوت'' کی برکت سے باقی صفات نبوت اور دین متین کی طرح اس آخری امت میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی چلی آئی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے۔حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کو جن مشائخ نوراللہ مراقدہم کی صحبت وتربیت نصیب ہوئی اور جن سے انہوں نے فیض پایا، وہ ظاہر و باطن کے جامع، الٰہی رنگ میں مصبوغ، عبدیت کاملہ سے متصف اور نسبت محمدیہ (علی صاحبھا الف الف سلام وتحیۃ) کے حامل تھے۔ ہندوستان میں طریق کے جو سلاسل اربعہ مروج ہیں اور جو طریق سلوک مجدد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہؒ، امیر شہیدؒ، امام شہیدؒ اور حاجی امداد اللہ وغیرہ کی برکت سے شریعت وطریقت کی عینیت اور حشو وزوائد سے پاک ہوکر طریقہ نبوت وطریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق ہوگیا تھا، وہی اس خاندان تصوف کا مزاج تھا۔

حضرت شیخ قدس سرہ اپنے اکابر کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''مجھے ان سب اکابر کا دور اس لیے بتانا پڑا کہ ان شموس ہدایت کی برکت سے دوآبہ کا ذرہ ذرہ شریعت وطریقت کا مرکز رہا اور ان کی برکات سے ہر شخص کے ذہن میں یہ تھا کہ شریعت وطریقت ایک دوسرے کے متلازم ہیں۔ان میں کا ہر شخص:

درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

کا مصداق تھا، اس لیے بچپن ہی سے شریعت وطریقت کا باہمی ربط وتلازم ایسا قلب میں پیوست تھا کہ اس کے خلاف کوئی چیز قابل التفات نہ تھی۔''

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں، بے مثال استعداد، وسیع ظرف رکھا تھا اور جسے والد ماجد قدس سرہ کی طفولیت سے ہر آن نگہداشت وتربیت نے جلا بخشی تھی اور جسے امام ربانی حضرت گنگوہی، حضرت شاہ عبدالرحیم، حضرت تھانوی نوراللہ مراقدہم جیسے باکمال اور فحول رجال سلوک کی صحبتوں اور شفقتوں نے باطنی اور روحانی کمالات ومزایا کا محل بنادیا تھا اور جسے خلیل وقت حضرت خلیل احمد سہارن پوری قدس سرہ کے فیض باطنی نے سراپا نور وہدایت بنادیا تھا۔اپنے اندر اس سلسلہ عالیہ کی جملہ نسبتوں کو انتہائی عالی ظرفی کے ساتھ لیا۔ جوانی ہی میں اچھے اچھوں سے گوئے سبقت لے گئے۔تفصیل کی گنجائش نہیں، نہ اپنی آنکھ ہے، ورنہ بتایا جاتا کہ سدرہ کا یہ شہباز ابتداء ہی سے کیا

پرواز رکھتا تھا۔ یہ محجوب و بے بصیرت سمجھتا ہے کہ حضرت کا سینہ صافی ایسی مخروج نسبت کا حامل تھا جو چشتی ذوق وشوق اور نقشبندی سکینت وانس کے ساتھ قادریہ اور سہروردیہ نسبتوں کا رنگ لیے ہوئے تھی۔ (چشتیت کی یہ کیفیت سوختن وافروختن وجامہ دریدن کو نقش بندی انس وسکینت وضبط نفس نے ایسے دبا رکھا تھا، جیسے آتش فشاں پہاڑ پر برف پڑی ہوئی ہو۔)

اور ان سب پر غالب وہ نسبت تھی جس کا سینہ پاک نبوت ﷺ سے فیضان ہوا تھا۔جس نے حضور ﷺ کے رنگ میں قلب منور کو مصبوغ فرما کر آئینہ کمالات وجمالات نبوی بنادیا تھا۔جس کی وجہ سے اس دور میں اخص الخواص اور قطب الاقطاب اور قطب الارشاد اور خلافت باطنۂ نبوت کا حامل، زمانہ فرد فرید اور غوث وقت (باصطلاح صوفیہ) کے مقام پر فائز فرمایا گیا اور حضور انور ﷺ صفت ''أنا قاسم واللہ یعطی'' کا مظہر بنا کر فیوض وبرکات کا مصدر بنایا گیا اور عالم میں محبوبیت وسعادت وقیادت روحانیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا۔ جسے جملہ اہل قلوب نے تسلیم کیا اور ان کے فیض باطن سے حصہ پایا۔حضور انور ﷺ کی اس عالی نسبت کا ثمرہ تھا کہ نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم جو عظمت الٰہیہ اور محبت ربانیہ سے ناشی ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے قلوب منقاد ومطیع ہوکر رغبت ورہبت کے ساتھ احکام الٰہیہ کے پابند ہوجاتے تھے اور آج کل کی اصطلاح میں جوش طریقت ہوش شریعت سے دب جاتا تھا اور للّٰہیت رگ وپے میں سرایت کر جاتی تھی اور زندگی خداوند قدوس کی ہوکر اسوۂ نبویہ میں رنگ جاتی تھی۔ اس کا انعکاس بلکہ استقرار حضرت قدس روحہ کے قلب اقدس پر ہوچکا ہے۔غرض آپ روحانیت وبزرگی کے اس مقام پر تھے، جس کا ادراک بھی مجھ جیسے کیلئے مشکل ہے۔اللہ معاف کرے قلم کی جولانی میں کیا کچھ لکھ گیا۔ ورنہ کہاں وہ عالی مقام اور کہاں یہ ہیچ میرز ننگ آنام۔

حضرت شیخ قدس سرہ یوں تو ابتدائے جوانی سے شیخ طریقت تھے۔لیکن گزشتہ بیس تیس سال تو عالم میں انہی کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ اور رائے پور کی خانقاہ حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ اور حضرت شاہ عبدالقادر قدس روحہ کے وصال کے بعد گویا سونی ہوگئیں۔حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد گو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہ العالی بیعت لیتے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہیں۔لیکن مؤخرالذکر دونوں اکابر کی خانقاہیت پر ''تبلیغ'' نے پردہ ڈال رکھا ہے۔اس لئے ہندو پاک کے بسنے والوں اور دنیا میں جہاں بھی وہ پہنچے ہیں۔سب کا رجوع حضرت شیخؒ قدس روحہ کی طرف ہوگیا۔

ویسے بھی حضرت شیخ قدس سرہ کی روحانی امامت پر جملہ اہل حق کا اتفاق تھا،اس لئے شیخ الحدیث رحمہ اللہ حقیقتاً وعملاً شیخ وقت، بلکہ شیخ الکل بلکہ معنوی اعتبار سے بھی شیخ العالم اور شیخ العرب والعجم بن گئے۔ پہلے مجازاً اور الفاظ کے وسیع مفہوم میں شیخ العالم اور شیخ العرب والعجم کہا جاتا تھا۔حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ پر یہ مفہوم اپنی اصل حقیقت ومعنی کے اعتبار سے بھی صادق آیا اور ایشیا وافریقہ یورپ بلکہ پورا عالم عملاً آپ کے روحانی دائرہ میں آگیا۔

عالم ہمہ یغمائے تو، خلق خدا شیدائے تو
ایں نرگس و شہلائے تو آوردہ رسم دلبری

(خسرو نے ''رسم کافری'' کہا ہے، بندہ نے ان کی روح پرفتوح سے معافی کے ساتھ حضرت قدس سرہ کی وجہ سے یہ تصرف کردیا۔)

یوں تو شیخ طریقت کی حیثیت سے آپ سے بے شمار افراد کا تعلق ابتداء ہی سے تھا،جن کی تربیت آپ انتہائی دلسوزی سے فرماتے تھے۔لیکن ''تزکیہ'' کے سلسلے میں آپ کا کارنامہ اسے منظم فرمانا اور مختلف ملکوں میں اس کا انتظام وانصرام فرمانا،مساجد ومدارس میں اس کی قیام کی کوشش فرمانا اور انتہائی ضعف وکمزوری اور بڑھاپے میں دور دراز کے ملکوں کے سفر فرمانا ہے۔اس سلسلے میں حضرت شیخ کا ایک خواب نقل کرتا ہوں۔فرمایا:

''سید الکونین ﷺ کی مجھے زیارت ہوئی اور حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔انہوں نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ زکریا کو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہورہا ہے،لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس کو یہاں آنے کا شوق تو بہت ہے مگر میرا بھی یوں ہی جی چاہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے۔''

حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس خواب کے بعد میں بہت حیرت میں پڑ گیا کہ میں کسی کام کا نہیں،ساری عمریوں ہی ضائع کی،اب کیا کام کرلوں گا؟ اور یہ کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا شوق،میں کیا کروں؟ مگر کچھ دنوں کے بعد چچا کا واقعہ یاد آگیا،وہ یہ کہ جب چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ) مدینہ منورہ آئے تو ان کا ارادہ یہاں ٹھہرنے کا ہوا۔روضہ اقدس سے اشارہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ،تم سے کام لینا ہے۔

چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دنوں تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا،تقریر مجھے نہیں آتی،میں ضعیف کیا کام کروں گا؟ کچھ دنوں بعد حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولانا سید احمد صاحب رحمہ اللہ نے جب انہیں پریشان دیکھا تو کہا:اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو،بلکہ تم سے کام لیا جائے گا،لینے والا خود لے لے گا۔اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوگیا۔ہندوستان آکر تبلیغی کام شروع ہوا اور ماشاءاللہ خوب چلا۔میں نے بھی سوچا کہ یوں نہیں کہا گیا کہ تو کر! بلکہ یوں کہا کہ کام لیا جائے گا،میں سوچتا ہی رہا۔کچھ دنوں بعد خیال ہوا کہ ذکر وشغل کی لائن ٹوٹ گئی ہے۔ہندوستان، پاکستان کی اکثر خانقاہیں غیر آباد ہوگئیں ہیں۔اس واسطے حضرت گنگوہی کی بھی یہی منشاء ہوگی کہ ذکر وشغل ان کی خانقاہ کا اہم مشغلہ تھا۔جب آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے تو تعلیم کی جگہ بھی ذکر وشغل نے لے لی۔اس لئے مجھے ذکر کا اہتمام ہوگیا اور اس بنا پر اپنے معمولات اور معذوری کے باوجود لندن یا پاکستان اور اب افریقہ جہاں جہاں بھی خانقاہیں قائم کرنے کا وعدہ ہو،جس حال میں بھی ہوں،پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔اللہ کرے یہ کام اللہ کے فضل سے کچھ چل نکلے اور یہی مراد حضرت کی بھی ہو تو کچھ سرخروئی ہوجائے۔

(صقالۃ القلوب،ص:128-129)

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے اس مقصد کے لئے پیرانہ سالی اور انتہائی ضعف کے باوجود ہزاروں میل سفر کئے۔ہندوستان میں سہارن پور، پاکستان میں فیصل آباد،انگلینڈ میں ڈیوز بری اور افریقہ میں آپ کی فرودگاہ ری یونین اور اسٹینگر وغیرہ رہیں۔قلوب کی اصلاح،ذکر کی تخم ریزی اور نفوس کی پاکی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کیلئے ماہ ہدایت یعنی رمضان المبارک کو منتخب فرمایا گیا اور زمین کے مقبول ترین قطعات یعنی مساجد کو تزکیہ گاہ بنایا گیا۔ پورا رمضان المبارک اعتکاف میں گزرتا تھا۔ رات بھی تراویح کے علاوہ ذکر ونوافل وتلاوت کے ساتھ شب بیداری میں گزرتی اور دن کے اوقات گزارنے کی بھی باقاعدہ ترتیب ہوتی تھی۔ کثرت تلاوت، ذکر، درود شریف، استغفار اور دیگر معمولات کی پابندی کے علاوہ خاص دینی کتب سنی سنائی جاتی تھیں۔ ایک روحانی اور دینی فضا بن جاتی تھی۔ جس میں اہل ذکر و بزرگوں کی توجہات گریہ اور دعائیں عجب نورانی کیفیت پیدا کر دیتی تھیں۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی صحبت کی تاثیر، قلبی فیضان، روحانی برکات سے جملہ معتکفین مستفید ہوتے اور دور دور سے لوگ اس بابرکت فضا سے فیض یاب ہونے کے پروانہ وار آتے اور ہر شخص بقدر ظرف مستفید ہوتا، مدتوں اس کے اثرات باقی رہتے تھے۔ حضرت اقدس قدس سرہ اپنے ان اسفار کے ذریعہ ان علاقوں میں داغ بیل ڈال آتے تھے، جسے باقی رکھنے کی ترغیب وتقاضا بھی اپنے متعلقین کو فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے فیض یافتہ خلفاء آپ کے وصال کے بعد بھی اس طریقہ حسنہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں برکت دے، تاکہ حضرت کا فیض جاری رہے۔

رمضان کے قیام کے بارے میں حضرت اقدس رحمہ اللہ کے بعض خطوط سے جو کہ عزیزی سید محمد بنوری سلمہ کے نام ہیں۔ روشنی پڑتی ہے، اس لئے متعلقہ اقتباسات مختلف خطوط سے نقل کر رہا ہوں:

''میرا بھی جی چاہتا ہے کہ تمہارا ماہ مبارک اگر سہارن پور میں میرا رمضان گزرے تو میرے ساتھ ضرور گزرے، حرمین میں کوئی اجتماعی قیام کی صورت نہیں بنتی۔ سہارن پور میں بڑی سہولت رہتی ہے۔ اس ناکارہ کا صحیح نظام ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔ البتہ ہندی احباب کے تقاضے اس مضمون کے آرہے ہیں کہ اکابر کی خانقاہیں بالکل خاموش ہیں اور مدارس کے مدرسین کو رمضان ہی میں فراغت ملتی ہے۔''

''اور تم سے زیادہ میری تمنا ہے کہ ایک رمضان میرے ساتھ میرے اصول پر گزر جائے۔ اب تو بیماریوں اور مجبوریوں نے بالکل ہی بیکار کر کے رکھ دیا۔ ورنہ آپ بیتی میں تم نے شاید

پڑھا ہوگا کہ میری جوانی میں میرے اوپر رمضان بخار کی طرح مسلط ہوتا تھا۔ تراویح کے بعد کے ایک گھنٹہ کے علاوہ میرے یہاں نہ گھر والوں سے، نہ باہر والوں سے، نہ اکابر سے، نہ اصاغر سے ملاقات یا بات کا وقت نہیں تھا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے دوست اسی طرح رمضان گزارا کریں۔ اگرچہ یہ ناکارہ مشائخ میں نہیں ہے مگر صورت تو ان کی بنا رکھی ہے، ان کا مشہور مقولہ ہے: جو ہماری ابتداء دیکھے گا، وہ کامیاب اور جو انتہا دیکھے گا وہ ناکامیاب۔''

''رمضان المبارک کے معمولات جو موجود ہیں، یہ تو ہیں ہی۔ میرے رمضان المبارک میں کھانے یا سونے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔۔۔ البتہ میرے یہاں رمضان کا سخت معمول جس پر گرفت ہے۔ میں یہاں بڑے بڑے اکابر و مشائخ کو بھی نہیں چھوڑتا، بات نہ کرنا ہے۔ یہاں تو میں دینی باتوں کو مستثنیٰ کر دیتا ہوں۔ مگر تمہارے لیے اس کا بھی سلسلہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم ماشاء اللہ اپنی ہر بات کو دین سمجھو گے۔ اس لئے تمہارے لئے دینی باتوں کا بھی استثناء نہیں ہے۔''

حضرت علامہ محمد یوسف بنوری صاحب نور اللہ مرقدہ کو ارقام فرماتے ہیں:

''سفر کی ہمت بالکل نہیں ہے لیکن احباب کے تقاضے بڑھتے جا رہے ہیں۔ نیز احباب کا یہ بھی اصرار ہے کہ آئندہ رمضان سہارن پور ضرور گزرے کہ ماہ مبارک میں مدارس کے مدرسین خاص طور پر جمع ہو جاتے ہیں اور مجمع آٹھ نو سو کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس لئے خیال ہو رہا ہے کہ اپنی نااہلیت کے باوجود آئندہ رمضان سہارن پور میں گزاروں۔''

غرض مختلف ممالک کے ان اسفار میں حضرت رحمہ اللہ نے سلوک کے مجموعی اور اجتماعی طور پر زندہ کرنے کی پوری کوشش فرمائی اور ہمارے لئے نمونہ قائم فرما گئے۔

جیسے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے رمضان میں تزکیہ و ذکر کے احیاء کی پوری کوشش فرمائی اور اہل مدارس کو اس کی طرف متوجہ فرمایا۔ عزیزی مولوی محمد بنوری سلمہ کو ایک طویل مکرمت نامہ حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کو متوجہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ سے تحریر فرمایا تھا جسے میں من وعن نقل کرتا ہوں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

''عزیزی الحاج مولوی محمد بنوری سلمہ بعد سلام مسنون! ایک بہت ہی اہم مضمون حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا کی تشریف آوری مدینہ منورہ تو ہو چکی ہے اور سنا ہے کہ حج کے قریب یہاں تشریف آوری ہوگی۔ ہجوم اتنا ہے کہ معلوم نہیں ملاقات کا وقت مل سکے گا یا نہیں اور ان سے اطمینان سے بات کرنے کا وقت ملے گا یا نہیں اور زبانی گفتگو محفوظ بھی نہیں رہتی۔ اس لئے اس کو بہت احتیاط سے رکھیں اور مولانا کی تشریف آوری پر پیش بھی کر دیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ میں اپنے مضمون کو اپنی کم مائیگی کی وجہ سے کما حقہ ادا کر سکوں یا نہ کر سکوں۔ مگر جناب کے متعلق یقین ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میرے مقصد سے آگے سمجھیں گے۔ مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی، بے توجہی اور لغویات میں اشتعال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ معدوم، بلکہ اس لائن سے بعض میں تو تنفر کی صورت دیکھتا ہوں، جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم مظاہر علوم، شاہی مسجد مراد آباد وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی، وہ سلوک میں بھی امام الائمہ تھے۔ ان ہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔ میں اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً، تحریراً کہتا اور لکھ رہا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرما دیں تو مفید اور زیادہ مؤثر ہوگا۔ مظاہر علوم میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں۔ اور بھی اپنے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا ہوں کہ روز افزوں فتن سے مدارس کے بچاؤ کیلئے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے اور شرور و فتن اور تباہی و بربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ جب اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے۔ تو

مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء اور تحفظ میں جتنا دخل ہوگا، ظاہر ہے۔ اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی کثرت جتنی رہی ہے، وہ آپ سے مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے، وہ بھی ظاہر ہے بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں، بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں۔ اس لئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسے میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔ طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی بندوبست کر دیا کرے، مدرسے پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے گوارا نہیں۔ طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابرین میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لیں، یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذاکر کا کھانا کسی کے حوالہ کر دے۔ جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا۔ البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو اور ذکر کے لئے کوئی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو۔ نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا، جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے، جو میرے مہمان ہو کر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمے تھا۔ لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا اور میری غیبت میں سنتا ہوں کہ عزیزی طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگرچہ نہ ہو مگر 20، 25 کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے۔ میرے زمانہ میں سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد سے مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ تعداد ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ 40، 50 کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی تھی۔ ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وہ دس بارہ تک تو اکثر ہی ہوجاتے ہیں۔عزیز مولوی نصیرالدین سلمہ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے۔ان کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانے سے کرتے رہتے ہیں۔اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں کہ داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے، ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جارہے ہیں۔اکابر کے زمانہ سے جتنا بُعد ہوتا جائے گا، اس میں اضافہ ہی ہوگا۔اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس کے اوپر اس مضمون کی اہمیت زیادہ پیدا ہوجاتی۔اس ناکارہ کے رسالہ فضائل ذکر میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب الوابل الصیب سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کئے ہیں۔جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہے، فضائل ذکر سے یہ مضمون بھی اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی۔اس کے بعد تو میرا مضمون اس قابل نہیں جو اہل مدرسہ پر کچھ اثر انداز ہوسکے۔آپ میری درخواست کو زوردار انداز میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہوجائے۔دارالعلوم، مظاہر، شاہی مسجد کے ابتدائی حالات تو آپ کو مجھ سے بھی زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ان کی برکات سے ہی یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں۔یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے۔بالخصوص حسن خاتمہ کا ہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔

فقط والسلام!

(حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم حبیب اللہ 30 نومبر 75ء مکۃ المکرمۃ)

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے جواب میں حضرت بنوری قدس سرہ نے تحریر فرمایا:

''عزیزم محمد سلمہ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا بلکہ سنایا، دوبارہ خود بھی پڑھا۔حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت وزیارت کیلئے دارالعلوم گیا تھا۔وہاں بھی میں نے ذکر کیا۔فرمایا کہ زبانی (حضرت شیخ سے) اس کا ذکر آیا تھا۔اساتذۂ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شوریٰ کا اجلاس

تھا۔اس مجلس میں مکتوب گرامی سنایا گیا اور عمل کرنے کے لیے تدبیر ومشورہ پر غور بھی ہوا۔بات تو بالکل واضح ہے۔ذکر اللہ کی برکات وانوار سے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی واضح ہیں اور میں اس کی تلافی کیلئے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسہ کے ساتھ خانقاہ کی ضرورت ہے۔ہمارے اکابر جس اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسمے تھے، وہ محتاج بیان نہیں۔ان کی تعلیم وتدریس سے غیر شعوری طور پر ہی تربیت ہوتی تھی اور ان کی قوت نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آرہا ہے۔بلاشبہ کاملین کا دور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کیلئے اس قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے۔حق تعالیٰ جلد سے جلد عملی طور پر اس کی تشکیل کی توفیق فرمائے۔یہ چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلباء تعلیم کے زمانہ میں اپنی تربیت واصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد خطرناک ہے، جب مدرسین بھی اس قوی نسبت سکینہ کے حامل نہ ہوں اور طلباء بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں، اذکار وادعیہ کا التزام بھی نہ ہو، حفت النار بالشہوات کا منظر قدم قدم پر ہو تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔میں آپ کی خاص دعوات وتوجہات کا محتاج ہوں۔''

والسلام

(صقالۃ القلوب، ص:134، 135)

حضرت شیخ قدس سرہ نے جواباً ارقام فرمایا:

''آپ نے اکابر کے متعلق جو لکھا، وہ حرف بہ حرف صحیح ہے۔بہت سے اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں۔بلا مبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا اور چند روز پاس رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی تھی۔میری نگاہ میں ایسے اشخاص گزرے ہیں۔یعنی طلباء جو دورۂ حدیث سے فراغ پر صاحب نسبت ہوجاتے تھے۔حضرت میاں جی نور اللہ مرقدہ کے یہاں تلاوت قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہوجایا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کرتے تھے۔مگر یہ چیز توقوت تاثیر اور کمال تاثیر کی محتاج ہے، جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا۔ کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر وشغل کی ضرورت نہیں۔قرآن پاک اور احادیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں۔لیکن جس کو پہلے معدہ کو صاف کرنے کی ضرورت ہو، اس کو تو پہلے اسہال کیلئے دوائی دیں گے۔ ورنہ تو یہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہیں، چوں کہ طلباء میں اب (جیسا کہ آپ بھی نے لکھا ہے) بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی ہے۔ بلکہ بعضوں میں تو استکبار کی نوبت آجاتی ہے۔اس لئے ان کی ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث کی اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل آپ حضرات تجویز فرمائیں۔ پہلے ہر شخص کو (طلباء کو بھی) اپنی اصلاح کا خود فکر تھا۔ وہ خود ہی امراض کے علاج کیلئے اطباء کو ڈھونڈتے تھے۔اب وہ مرض قلبیہ سے اتنے بیگانہ ہو چکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے۔ کیا کہوں اپنے مافی الضمیر کو، اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں اور ان مہمانان رسول ﷺ کی شان میں تحریر میں کچھ لانا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں۔ ورنہ اہل مدارس کو سب کو ان کے تجربات خود حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیر اولیٰ کے بجائے سگریٹ اور چائے نوشی میں جماعت بھی جاتی رہتی ہے۔فالی اللہ المشتکی ''آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن و حدیث کے پڑھنے پڑھانے کا اسٹرائیکوں سے مقابلہ کیا جارہا ہے۔''

(مدینہ منورہ 96/1/20ھ)

(صقالۃ القلوب، ص:135، 136)

احیائے نظام تزکیہ وذکر کی ان عملی کوششوں کے علاوہ حضرت شیخ جہاں بھی رہے، اپنی ذات میں ''خانقاہ'' تھے۔ذاکرین ومشاغلین کا ہجوم رہا، آپ باقاعدہ ذاکرین کی جماعت کو ذکر کی تلقین فرماتے، تربیت باطنی کا اہتمام فرماتے، طالبین کی ایک ایک حرکت پر نظر ہوتی۔شفقت ومحبت، تربیت کا منشاء تھا، لیکن تربیت میں کمی کی رعایت نہ تھی۔اصلاح کے لیے جس بصیرت، دقیقہ رسی، حذاقت اور فن دانی کی ضرورت تھی، وہ حضرت شیخ کا جادہ پا افتادہ تھا۔مزید برآں اللہ تعالیٰ نے جو برکت عطاء فرمائی تھی، وہ

سالکین کو برق رفتاری سے منازل سلوک کرادیتی تھی۔حضرت شیخ کے متعلقین کے چہرہ کا نور وآثار بتادیتا تھا کہ ان کا 'کسی' سے تعلق ہے۔قلبی نسبت کا فیضان وافادہ کا سیلان قرب وبعد کی تمیز نہ رکھتا تھا۔اہل قلوب وجداناً محسوس کرلیتے تھے کہ کوئی ''اللہ کا بندہ'' مسند ارشاد پر متمکن ہے اور دولت باطنی تقسیم ہورہی ہے۔

تربیت کا ایک دوسرا رخ مکاتبت کا تھا۔حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کی طرح حضرت شیخ کے تربیتی خطوط خاصہ کی چیز تھے، جو طالبین کی صلاح وفلاح کا ذریعہ تھے، مزید برآں سلوک وتصوف کے بارے میں آپ کی تصنیف شدہ کتابیں یا سفارش کردہ کتابیں سلوک کی گھاٹیوں کے طے کرانے کے مجرب نسخے تھے۔

غرض حضرت شیخ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے میں جو عالمگیر خدمت لی، جس کی نظیر بعض اعتبار سے شاید ہی ملتی ہو۔اپنے بعد اپنے نہج اور طریق پر لاکھوں مریدین، ہزاروں مستفدین کو چھوڑا، خاص کر آپ کے خلفاء مجازین ایک سو نو کی تعداد میں اپنی تربیت اور طرز کا ایک گونہ نمونہ بنا کر چھوڑ گئے۔

ان کی خلفاء کی فہرست پر نظر کی جائے تو حضرت شیخ کے کام کی وسعت وآفاقیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں برصغیر ہندو پاک کے دور دراز کے گوشوں کے رہنے والے بھی ہیں، برما کے بھی ہیں، افریقہ کے مختلف ممالک زامبیا، جنوبی افریقہ وغیرہ کے مختلف شہروں چپاٹا، اسٹنگز، جوہانسبرگ، واٹرفال، ٹرانسوال، ناٹال وغیرہ کے بھی ہیں، بعض خلفاء انگلینڈ میں ہیں اور بعض کینیڈا (امریکہ) کے ہیں۔مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے پاک شہروں میں بھی حضرت شیخ کے خلفاء موجود ہیں اور ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو ان خلفاء میں مختلف مراکز علم، مکاتب فکر اور مختلف طبقات کے لوگ دکھائی دیں گے یہ حضرت شیخ کا زریں کارنامہ تھا کہ آپ نے دیوبند وسہارن پور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور علی گڑھ کی مسافتوں کو سمیٹ لیا تھا اور جملہ اہل حق آپ کی طرف مائل بلکہ قائل وگھائل ہو گئے تھے:

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

یہ حضرت شیخ کی مرجعیت ومحبوبیت کا بڑا نشان ودلیل ہے۔حضرت کی یہ بڑی کرامت تھی کہ مختلف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بلکہ متضاد طبائع اور مسالک کے لوگ آپ پر متفق تھے اور آپ کی شان وعلم وتقویٰ اور تربیت کے گرویدہ اور آپ ہر ایک سے اس کے مقام، مزاج اور طبیعت کے مطابق برتاؤ فرماتے تھے، سلوک میں یہ 'مقام' انہیں شاذ و افذاذ حضرات کو ملتا ہے، جن کے قلوب ''تجلی'' ذات کا محل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے خاص ''لون'' کے باوجود بے رنگ اور ''وحدت'' کے باوجود ''کثرت'' کا مظہر اور باہمہ، بے ہمہ کا منظر پیش کرتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے:

من جلوہ گاہ ذاتم، من مظہر صفاتم ازایں و آن رمیدہ

یہ مختصر عجالہ تفصیلات کا متحمل نہیں، اس لئے اس عنوان کو یہیں ختم کرتا ہوں:

قلم بشکن، سیاہی ریزودم درکش
کہ ایں قصہ عشق است و در دفتر نمی گنجد

تعلیم کتاب وحکمت:

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ جس خانوادہ علم سے تعلق رکھتے تھے، ان کا شعار ہی شغف قرآن وحدیث تھا، آپ نے آنکھیں کھولیں، تو آپ کو وہی رجال علم واساتذہ قرآن وحدیث نظر آئے، جن کی زندگیاں اس پاک مشغلہ میں گزر چکی تھیں، آپ کے کان اولاً قرآن وحدیث کی پاک صداؤں سے آشنا ہوئے۔ ماہرین فن سے قرآن وحدیث اور دگر علوم حاصل کیے اور اپنی خداداد محنت وذہانت سے ابتدائی عمر میں ہی وہ مہارت وعبور حاصل کرلیا، جس کے لئے عموماً سالہا سال جال کھپانی پڑتی۔ غرض بہت سوں کی ''نہایت'' آپ کی ''بدایت'' تھی۔

حضرت شیخ قدس سرہ کی تعلیم کا زمانہ 1325ھ سے 1336ھ تک رہا۔ درس وتدریس کی مسند پر محرم الحرام 1335ھ سے 1388ھ تک مسلسل چون سال تک آپ رونق افروز رہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس مدت میں پینتیس کے قریب کتابیں پڑھائیں۔ جس میں علم الصیغہ اور نحو میر جیسی ابتدائی کتابیں بھی تھیں۔ لیکن اصلاً یہ مسند درس حدیث مبارکہ کی تدریس ہی سے مزین رہی۔ جس نے آپ کو

مسند الوقت اور شیخ الحدیث کے مقام پر فائز فرمادیا۔ اس دوران میں آپ نے مشکوٰۃ شریف تین بار، ابوداؤد تیس بار، بخاری شریف صرف جلد اول پچیس بار اور کامل دونوں جلدیں سولہ مرتبہ پڑھائیں۔

(کتب فضائل اور ان پر اشکالات، ص:6-7)

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو حدیث کے ساتھ جو عشق وشغف تھا، اس کا ذکر آپ بیتی میں بہت پر لطف انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''7 محرم 32 ہجری کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی۔ والد صاحب نے دو رکعت نفل پڑھی، پھر میری طرف متوجہ ہوکر پندرہ بیس منٹ تک بہت ہی دعائیں مانگیں، مجھے معلوم نہیں کیا کیا دعائیں مانگیں، لیکن میں اس وقت کی معیت پر صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یااللہ! حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا۔ اس کو مرنے تک اب میرے ساتھ وابستہ رکھیے۔ اللہ جل شانہ نے (یہ دعا) میری ناپاکیوں، گندگیوں اور سیئات کے باوجود ایسی قبول فرمائی کہ 33ھ سے 90ھ تک تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو۔ اگرچہ میں دعا کے وقت یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، اگر میں نے پڑھ لیا، پھر مدرس بھی ہوگیا تو حدیث پاک پڑھانے تک دس بارہ سال تو لگ ہی جائیں گے کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جو یکم جمادی الاولیٰ 23ھ سے مدرس تھے، اس وقت تک مشکوٰۃ تک نہیں پہنچے تھے، مگر اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرمادے، تو اسباب تو خود اس کی مخلوق ہیں۔

32ھ میں مشکوٰۃ پڑھی، 33ھ، 34ھ میں دورہ 35ھ سے بذل شروع ہوئی جو 45ھ میں ختم ہوئی اور اس کے بعد اوجز کی تالیف شروع ہوئی۔ 75ھ میں ختم ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے علم حدیث کے تالیفی سلسلے بھی شروع ہوتے رہے، جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک ساتھ دے رہے ہیں اور 41ھ سے علم حدیث کی تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو 88ھ تک رہا اور اس کے بعد نزول آب کی وجہ سے تدریس کا مبارک سلسلہ چھوٹ گیا۔ اللہ ہی کا شکر واحسان ہے کہ اب 90ھ تک تو حدیث کا سلسلہ باقی ہے۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(آپ بیتی،ص:87)

راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نعمت وصال تک میسر رہی اور مولانا محمد عاقل صاحب جو مسلم شریف پر کام کر رہے تھے، وصال سے دو تین سال پہلے تک استفادہ فرماتے رہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تقریباً نصف صدی تک درس حدیث دیا۔ اس دوران میں آپ کے افادہ کا سیلان جاوا (انڈونیشیا) و برما سے لے کر افریقہ تک موجزن رہا۔ پاک و ہند اور بیرون برصغیر کے جو تشنگان علم آپ سے فیض یاب ہوئے، ان کی تعداد اللہ تبارک وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ان میں بیسیوں ایسے باکمال پیدا ہوئے جو خود مسند درس و تدریس کی رونق بنے اور خدمت قرآن و حدیث کو اپنا مقصد بنایا۔ ان میں سے بعض صاحب تصنیف و تالیف ہوئے تو بعض محدث و فقیہ، مفسر و داعی، جنہوں نے حضرت کے فیض علمی کو اکناف عالم میں پھیلایا اور پھیلا رہے ہیں۔ انہی خوش نصیبوں میں، امام الدعوت و التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی صاحب امانی الاحبار و حیات الصحابہ جیسے نادرۂ روزگار ہستی بھی ہے اور حضرت مولانا انعام الحسن مدت فیوضہم جیسی صاحب اتقاء و باخدا داعی شخصیت بھی۔ مزید برآں حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی اعظم و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد عاشق الٰہی استاد حدیث دارالعلوم کراچی، مولانا محمد یونس جونپوری شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ جیسی ہستیاں آپ کے خوان علم و معرفت کی زلہ بار ہیں، اس سے آپ کی خدمت قرآن و سنت کی وسعت کے ایک پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ دوسرا رخ تصنیف و تالیف کا ہے، اس کا بھی کچھ تذکرہ پیش ہے:

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ ابتدائے جوانی سے مصنف تھے اور وصال تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت باقی رہا۔ آپ بیتی میں آپ کی 83 کتابوں کے نام اور پچیس تیس مزید کتابوں کے ہونے کا اشارہ ہے۔ تقریباً سو کتابوں کا ذخیرہ جس میں بعض کتابیں چار اور پانچ صفحات (ٹائپ شدہ) اوراق پر مشتمل ہیں، "یعلمھم الکتاب والحکمۃ" کی نیابت کی روشن مثال ہے۔ حضرت شیخ اپنے مخصوص انداز میں 83 کتابوں کی فہرست اور ان کے موجز تعارف کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"اب تک ان ہی رسائل و اجزا کا پتہ چلا ہے، میرے اندازے میں پچیس، تیس ابھی اور بھی ہیں، لیکن اپنی فضیلت کے اظہار کے واسطے اتنے بھی کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ریاکاری کو معاف فرمائیں۔"

حضرت شیخؒ کی دوسری علمی و تصنیفی خدمات کو چھوڑ کر جو خود بھی ہر صورت میں قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مشتمل ہیں، آپ کی حدیث کے بارے میں تصنیفات انہیں پچھلے دور کا "اعظم المصنفین فی علوم الحدیث" اور "امیر المؤمنین فی الحدیث" بنانے کے لئے کافی ہیں۔ آپ کی مشہور کتب حدیث کے تذکرہ سے پیشتر صرف ان غیر مطبوعہ کتب کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے، جو خدمت کے بارے میں ہیں۔ کاش حضرت کے متعلقین خصوصاً جانشین شیخ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ العالی و جناب مولوی محمد شاہد صاحب سلمہ ان "کنوز مخفیہ" کو خفا کے پردے سے نکال کر شائع فرما سکیں۔ تاکہ حضرت شیخؒ کی ان خدمات کا دنیا کو علم ہو سکے۔

1. تقریر مشکوٰۃ (اردو میں) شوال 41ھ میں دوبارہ لکھی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت شیخ فرماتے ہیں:

"یہ تقریر طبع تو نہیں مگر شاید سو سے زیادہ نقلیں طلباء و مدرسین لے جا چکے ہیں۔"

2. تقاریر کتب حدیث (غیر مطبوع) حضرت شیخؒ فرماتے ہیں:

"اس ناکارہ نے کتب صحاح اولاً اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ ثانیاً حضرت قدس سرہ سے، ہر شیخ کی درس کی تقریروں کے لکھنے کا اہتمام رہا، مگر مکمل و مرتب نہیں، البتہ حضرت قدس سرہ کی نسائی شریف کی تقریر پر مختصر مکمل میری تالیفات کی الماری میں ہے۔ مجھے خوب یاد ہے۔ میرے حضرت قدس سرہ اگر کوئی ایسا حرف فرماتے تھے جو بین السطور میں ہو، میں اس کو بھی نقل کر لیتا تھا۔ یہ سمجھ کر کہ میرے حضرت کا فرمایا ہوا ہے۔" خیال ہے کہ یہ جواہر پارے ان دونوں اساطین حدیث کے فہم حدیث کا نچوڑ ہوں گے۔

3. تلخیص البذل۔ یہ بذل المجہود کے ابحاث طویلہ کا خلاصہ حضرت شیخ کی اپنی عبارت میں ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

4. شذرات الحدیث۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ بذل کے لکھنے کے زمانے میں شروح بخاری وغیرہ میں جب کسی دوسری کتاب کے متعلق کوئی مضمون نظر سے گزرتا تو میں نے ہر کتاب کی ایک کاپی بنا رکھی تھی اور اس کتاب کے نام سے اس کاپی پر نام لکھتا تھا۔ شخ شذرات بخاری، اسی طرح شم، شت، شد وغیرہ صحاح ستہ کی ہر کتاب اور مؤطئین اور طحاوی اور ہدایہ کی کاپیاں رکھی تھیں۔ اس کو اس واسطے لکھوا رہا ہوں کہ میری مطبوعہ تالیفات میں کذا فی الشذر، والبسط فی الشذر کے حوالے کہیں کہیں آ گئے ہیں۔

5. حواشی بذل المجهود۔ بذل المجہود کے وہ حواشی ہیں جو حضرتؒ نے اس کی طباعت کے بعد سنہ 88ھ تک لکھے جو ایک مستقل ذخیرہ ہے۔

6. مقدمات کتب حدیث۔ فرماتے ہیں: اس ناکارہ نے مختلف ایام میں 46ھ سے 56ھ تک کے دوران میں ایک مقدمہ علم الحدیث پر لکھا تھا، جو مقدمہ اوجز میں طبع ہو گیا۔ اس کے علاوہ سب کتابوں کا مقدمۃ الکتاب بھی لکھا، جس میں اس کتاب کی خصوصیات، مصنف اور اس کے حالات، اس کے علاوہ اس کتاب کے مناسب جو چیزیں تھیں لکھیں۔ اس میں مقدمہ بخاری میں بہت سے اضافوں کے ساتھ مقدمہ لامع میں آ گیا ہے۔ اسی طرح بقیہ کتب ستہ نیز شمائل ترمذی و نیز طحاوی وغیرہ کے مقدمۃ الکتب لکھے ہوئے ہیں۔

7. اصول الحدیث علیٰ مذهب الحنفیة۔ مسلک حنفیہ پر اصول حدیث کا متن ہے جس پر حواشی کا سلسلہ 88ھ تک چلتا رہا۔

8. جزء وفات النبی ﷺ۔

9. جزء روایات الاستخاضہ۔

10. جزء رفع الیدین۔

11. جزء الاعمال بالنیات۔

12. جزء اختلاف الصلوٰۃ۔

13. جزء المبهمات فی الاسانید والروایات۔ احادیث کی اسانید میں جو مبہم نام آئے ہیں، وہ دوسرے ذخائر حدیث سے تلاش کر کے لکھ دیئے گئے ہیں۔ جو تہذیب، تقریب وغیرہ میں آئے ہیں، ان سے تعرض نہیں کیا گیا۔

14. حواشی الاشاعه فی اشراط الساعة

15. حواشی و ذیل التهذیب۔ حضرت رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب، تقریب، تعجیل وغیرہ پر حواشی تو سبھی لکھتا رہا لیکن تہذیب التہذیب پر کثرت سے لکھے گئے اور ذیل التہذیب کے نام سے مستقل بارہ جلدیں مجلد کرا کر تہذیب کے موافق اس پر صفحے ڈال دیے تھے تاکہ اس پر تہذیب کا استدراک اور ذیل لکھا جائے۔ مگر تہذیب پر حواشی لکھنے کی تو زیادہ نوبت آئی مگر ذیل پر لکھنے کی نوبت کم آئی۔

16. حواشی مسلسلات و رجال مسلسلات۔

17. جزء مکفرات الذنوب۔ احادیث شریفہ میں جن جن اعمال کو کفارہ ذنوب بتایا، ان احادیث کا مجموعہ۔

18. جزء الملتقط المرقاۃ۔

19. جزء ملتقط الرواۃ عن الرواۃ۔

20. معجم المسند للامام احمد۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: مسند امام احمد کی روایات ترتیب صحابہ پر ہیں۔ جس میں حدیث کا تلاش کرنا مشکل ہے۔ اس رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات کی فہرست لکھی گئی جس میں ہر صحابی کی احادیث مع جلد و صفحہ درج کی گئی ہے۔ بہت مفید رسالہ ہے، جس سے احادیث کا نکالنا بہت آسان ہے۔

21. جزء المناط۔

22. جزء صلوٰۃ الاستسقاء۔

23. جزء صلوۃ الخوف۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

24. جزء صلوٰۃ الکسوف۔
25. جزء تخریج حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا فی قصۃ بریرۃ رضی اللہ عنہا
26. تقریر نسائی۔ یہ تقریر جیسا آپ بیتی میں ہے، بہت جامع ہے، اس میں نہ صرف حضرت شیخ قدس سرہ کی تقریر ہے، بلکہ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی دو تقریریں حضرت شیخ کے والد رحمہ اللہ نے نقل کی تھیں آ گئی ہیں اور حضرت مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ کی تقریر بھی آ گئی ہے۔
27. جزء ما یشکل علی الجارحین۔
28. اولیات القیامۃ۔
29. مختصات المشکوٰۃ۔
30. جامع الروایات والجزاء۔ فرمایا: اس ناکارہ نے اپنی ابتدائی زندگی میں جس کو میں 35ھ کے بعد سے شروع اور 88ھ پر ختم سمجھتا ہوں، کتب احادیث کے اطراف لکھنے شروع کیے تھے۔ جن کی روایات کو جامع الروایات کے نام سے جمع کرنا شروع کیا تھا اور ان کی تفاصیل کو اجزاء کے نام سے لکھنا شروع کیا تھا۔ اس میں صحاح ستہ اور مؤطئین، طحاوی، حاکم، بیہقی وغیرہ کے اطراف لکھنے شروع کئے تھے، بہت بڑا ذخیرہ اس کا ہو چکا تھا۔ جس کو مشکوٰۃ کی ترتیب سے شروع کیا تھا۔ مشکوٰۃ تو پوری ہو گئی تھی۔ خیال تھا کہ بقیہ جملہ حدیث کی کتابوں کو بھی نقل کر دوں لیکن پھر زندگی ختم ہو گئی۔ اس لئے اس کی تالیف ناقص رہ گئی۔ کاش کوئی پوری کرنے والا ہوتا۔
31. معجم رجال تذکرہ الحفاظ للذہبی۔
32. تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبہ (ابواب فقہیہ کی ترتیب پر)
33. تبویب مشکل الآثار (ابواب فقہیہ کی ترتیب پر)
34. معجم الصحابۃ الذین اخرج عنہم ابوداؤد الطیالسی فی مسندہ (باعتبار حروف تہجی)

ان غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے ہی ہر منصف مزاج اس بات کا قائل ہو جائے کہ

حضرت اس دور کے سب سے بڑے خادم حدیث تھے، جنہوں نے چودہویں صدی ہجری میں آئمہ سلف کی یاد تازہ کر دی۔ آپ کی ذات میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ، علامہ ذہبی رحمہ اللہ، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی کمالات یکجا دیکھے جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور میں قدیم اساطین، علماء محدثین کا ایک نمونہ بھیجا تھا جو اپنے شغف حدیث، وسعت نظر، وفور علمی، ذوق کثرت مطالعہ، حذاقت ومہارت فن میں اپنی نظیر آپ تھے۔

مطبوعہ عظیم الشان ذخیرۂ کتب

بذل المجہود میں اعانت

خلیل وقت حضرت خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ نے ربیع الاول 1335ھ میں ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کی لکھنے کی ابتداء فرمائی اور معین کے طور پر ان کی نگاہ انتخاب بیس سالہ جوان آئندہ چل کر امام وقت ہونے والے مولوی محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ پر پڑی۔ جنہوں نے اسے اپنی دعا کا اثر سمجھا اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو اپنے شیخ واستاذ کی خدمت میں لگا دیا۔ فنائیت کی ایسی مثالیں کم دیکھنے میں آئی ہوں گی۔ اپنی محنت شاقہ وانہماک وتقویٰ اور فطرتی صلاحیتوں اور بزرگوں کی دعا و برکت سے جلد حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کے شاگرد بااختصاص اور معین بااعتماد بن گئے۔ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کتابیں بتا دیتے تھے اور خوش بخت شاگرد، مقصودہ مضامین کی تلاش وتفحص اور مطلوبہ مطالب کو جمع اور مظان قریبہ وبعیدہ سے حاصل مراد اشیاء کو اکٹھا کرتے اور استاذ کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت سہارنپوری انتخاب کے بعد املا کرواتے اور آپ لکھتے جاتے، یہاں تک کہ یہ عظیم کارنامہ مکمل ہوا، اس وقت حضرت شیخؒ کی عمر صرف تیس سال تھی۔ استاذ رحمہ اللہ نے مسرت میں جو مقدمہ میں لکھا، وہ گزر چکا۔ یہاں وہ جملہ نقل کرتا ہوں جو حضرت شیخؒ نے یہ کہہ کر قلم زد کر دیا تھا کہ اس میں گو میری تعریف ہے، لیکن بذل کی توہین ہے۔ وہ جملہ یہ تھا:

وهو جدير بان ينسب هٰذا التعليق اليه.

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یہ مولانا محمد زکریا اس لائق ہیں کہ یہ شرح ان کی طرف منسوب کی جائے۔

اس سے بڑھ کر ایک شاگرد کی اور کیا تعریف ہوسکتی ہے؟

اس اعانت کا سب سے بڑا فائدہ حضرت شیخ قدس سرہ کو یہ ہوا کہ آپ کو حدیث مبارکہ کے ساتھ خاص مناسبت اور مباحث علمیہ سے شغف، تصنیف وتالیف کا طبعی ذوق اور تلاش وتحقیق کا شوق اور علوم حدیث سے گہرا تعلق اور مختلف مظان سے مطلوبہ مطالب کو جمع کر کے سلیقہ سے اکٹھا کرنے کا مادہ پیدا ہو گیا اور یہ اعانت استاذ آپ کی زندگی کی علمی تحقیقات وتصنیفات کے لئے بنیاد بن گئی۔ جس پر آپ نے علوم کی وہ عظیم الشان عمارت اٹھائی جس کی نظیر دور دور تک نہیں دکھائی دیتی۔ الا ماشاء اللہ

اوجز المسالک:

مدینہ طیبہ میں بذل المجہود کے خاتمہ پر غرہ ربیع الاول 45ھ میں اقدام عالیہ میں بیٹھ کر مدینہ منورہ کی مناسبت سے امام دار الہجرۃ کی کتاب مؤطا امام مالک کی بسم اللہ لکھی گئی جو بالآخر چالیس سال کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کے بعد 85ھ میں مکمل ہوئی۔ اگر حضرت شیخ رحمہ اللہ کی کوئی اور تالیف نہ بھی ہوتی تو یہی ایک کتاب ان کے رسوخ فی العلم، وسعت مطالعہ، عمق نظر، مہارت فن، دقیقہ رسی، عمل تحقیق پر دلیل قاطع اور شاہد عدل تھی۔

بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے مؤطا امام مالک دیگر کتب حدیث کے متن کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لئے اس کی شرح گویا جملہ کتب کی ایک معنی میں شرح بن جاتی ہے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے جس استیعاب اور احاطت سے ہر مسئلہ اور مضمون کو کھنگالا ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے۔ اس لئے دیگر کتب حدیث کے مطالعہ میں بھی اس شرح مؤطا سے مفر نہیں۔ گنجائش نہیں ورنہ اس حیرت انگیز کتاب کی خصوصیات پر بھی کچھ لکھتا۔ تاہم ایک واقعہ اس کتاب کی مقبولیت کے ضمن میں بر سبیل تذکرہ بیان کرنا شاید نامناسب نہ ہو۔

''گزشتہ سال پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے ''رجم'' کو شرعی حد ماننے سے انکار کر دیا۔ جس سے ملک میں ہیجان پیدا ہو گیا اور علماء کے زور پر حکومت نے انہیں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کے

لئے کہا۔ انہوں نے مختلف لوگوں سے دلائل مانگے۔ فقیر سے بھی کہا گیا۔ بندہ اس وقت شدید بیماری میں ہسپتال میں تھا۔ لیکن قدرتاً شدید داعیہ پیدا ہوا۔ ڈاکٹروں کے علی الرغم ہسپتال میں کتابیں منگوائیں۔ دیکھتا تھا اور املا کراتا تھا۔ آخر ایک بڑا بیان تیار ہو گیا اور بندہ ڈاکٹروں کے ممانعت کے باوجود بمشکل عدالت میں پہنچا، بیان دیا۔ عدالت بحمد اللہ متاثر ہوئی۔ صرف دو اشکال رہ گئے۔ ایک یہ کہ ''سنین رجم'' کون سے ہیں اور دوسرا کیا ''حد'' تعزیر میں بدل سکتی ہے۔ بندہ نے جواب لکھ کر بھیجے اور بحمد اللہ عدالت نے اپنے غلط فیصلہ سے رجوع کر کے پھر سے ''رجم'' کو شرعی حد قرار دے دیا۔ اس بارے میں ''سنین رجم'' کے سلسلے میں مواد نہیں مل رہا تھا۔ خواب میں حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی کہ میرے دائیں طرف تشریف فرما ہیں اور سامنے حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ بندہ کی طرف پیٹھ کیے بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے مولوی صاحب کا منہ میری طرف ہے۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان سے پوچھ! دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں: مجھ سے؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں: تجھ سے کون کہتا ہے؟ ان سے اور حضرت شیخ الحدیث کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ بندہ نے بیداری کے بعد سمجھا کہ حضور انور ﷺ کا مقصد حضرت شیخ رحمہ اللہ کی کتابوں سے استفادہ کا ہے۔ اوجز کی ''کتاب الحدود'' نکالی اور فوراً ہی سنین کا مسئلہ حل ہو گیا۔

حل ایں نکتہ از روئے نگار آخر شد

حضرت قدس سرہ کو یہ خواب لکھ کر جناب صوفی اقبال مدنی کے ہاتھ بھیجا گیا، حضرت شیخؒ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور اپنی یادداشت میں نقل کر لیا، بندہ سمجھتا ہے کہ یہ ''اوجز'' کی مقبولیت کا نشان ہے۔

لامع الدراری علی جامع البخاری:

اصح الکتاب بعد کتاب اللہ جامع صحیح بخاری کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو حسن قبولیت بخشا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی ذہانت، فراست، بنوغ، مہارت اور سب سے بڑھ کر تدین وتقویٰ نے کتاب کو جن محاسن ومزایا کا مجموعہ بنا دیا ہے اور ''ابواب وتراجم'' میں جن غوامض اور بعید عن الادراک امور کا اہتمام

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فرمایا ہے۔اس نے اس کتاب کو جملہ دیگر امہات کتب سے ممتاز وممیز کر دیا ہے۔اس وجہ سے امت میں اس کتاب کو جو اہمیت اور اعتنا نصیب ہوا، وہ قرآن کریم کے بعد کسی کتاب کو میسر نہیں ہوا۔اس کے علوم ومعارف، اسرار ورموز پر ہر دور میں کام ہوتا رہا۔پھر بھی ''لاتنقضی عجائبہ'' کے الفاظ اس کتاب پر بھی صادق رہے۔امام ربانی حضرت گنگوہی ؒ نے اپنی تقاریر بخاری میں (جو حضرت ؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب ؒ نے قلم بند کی تھیں،) بخاری کے اسرار ومعارف، مشکلات و غوامض و دقائق کے بارے میں جو نکات بیان فرمائے تھے، وہ جواہر ریزے، ان علوم غامضہ اور افادات مبتکرہ پر مشتمل تھے، جن کی نظیر نہیں ملتی، ان جواہر پاروں کی شرح وتوضیح کی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ الحدیث قدس روحہ کے قلم حقیقت رقم اور کلک سیال نے ان کی شرح ٹائپ کے تقریباً پانچ ہزار صفحات پر دس جلدوں میں فرمائی۔آپ نے اس کتاب میں جملہ مباحث کی جس شان ووسعت اور حسین اسلوب سے شرح فرمائی ہے، وہ قاری کیلئے تشفی کا سبب ہے اور یہ کتاب اپنے مباحث فاضلہ، دقائق فائقہ، حقائق رائقہ، معلومات واسعہ، معارف عالیہ اور رموز عجیبہ کی وجہ سے اسم بامسمیٰ ہے۔علم کا بحر ذخار ہے جو ضخامت وحجم میں فتح الباری وعمدۃ القاری کی ہمسری کر سکتا ہے اور مطالب وفوائد کے لحاظ سے غنیمت باردہ اور تشنگان علم کے لئے آب زلال ہے۔کتاب گو کامل بخاری شریف کی شرح نہیں بلکہ صرف ان نکات غریبہ کی توضیح ہے، جو حضرت گنگوہی ؒ نے دوران درس میں فرمائی۔لیکن شارح کا فیاض قلم افادہ کی وسعتوں اور مطالب کے احتواء میں تقریباً جملہ مہم مقامات کو لے لیتا ہے۔مؤلف کے ذاتی علوم وافرہ اور دقیقہ رسی کے علاوہ جہابذہ فن کے اقوال قیمہ اور مستند اور عسیر الوصول کتب کے اقتباسات نے کتاب کو بخاری کے ہر طالب کے لئے ضروری کر دیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ حضرت شیخ ؒ کے تجربہ اور تحقیق کا شاہکار ہے۔ویسے تو تمام مباحث قابل دید ہیں، لیکن اصول تراجم بخاری کو جس شرح وبسط سے کھولا ہے۔تراجم بخاری پر جس دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے کلام فرمایا ہے اور تراجم کے متعلق ابواب کی جو ستر مفاتیح مہیا فرما دی ہیں، وہ حضرت شیخ ؒ ہی کا حصہ ہے۔

فقیر نے ربیع الاول 1392ھ رسالہ ''الحق'' اکوڑہ میں اپنے ایک مقالہ میں لکھا تھا کہ

''علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ بخاری کی شرح کا قرض امت پر ہے۔(کہ اس وقت تک علماء امت میں سے کسی نے بھی بخاری کی شایان شان شرح نہیں لکھی تھی،) حافظ ابن حجر ؒ کے شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی نے الضوء الامع میں لکھا ہے کہ یہ قرض علامہ ابن حجر ؒ نے فتح الباری لکھ کر پورا کر دیا۔حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری ؒ نے تحفۃ العنبر صفحہ 104 میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ کا قول مجھ تک پہنچا ہے کہ حافظ ابن حجر ؒ سے تراجم صحیح بخاری کا حق پورا نہ ہو سکا۔حضرت علامہ بنوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: شیخ الہند ؒ نے جو صحیح بخاری کے ابواب کی شرح لکھنی فرمائی تھی، مکمل ہو جاتی تو ان شاء اللہ تعالیٰ تراجم کا حق بھی ادا ہو جاتا۔لیکن افسوس وہ کام مکمل نہ کر سکے۔تاہم جو حصہ انہوں نے تالیف فرمایا اور شائع ہوا۔وہ مستفدین کیلئے چراغ ومعیار ہے۔ہیچ مدان راقم اپنی کم مائیگی کا مقر ہے، تاہم خیال آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کے مقدمہ لامع الدراری سے شاید یہ قرض ادا ہو گیا۔(واللہ اعلم)''

الحمد للہ تعالیٰ ٹائپ شدہ مطبوعہ لامع پر حضرت البنوری ؒ کی ''تقدیم'' 15 رمضان 1394ھ کی لکھی ہوئی پڑھ کر اس عبارت سے مسرت ہوئی کہ حضرت الاستاذ ؒ نے کودک نادان کی بات کی تصدیق کر دی اور لکھا:

> ''اب میں کہتا ہوں کہ یہ ازلی سعادت ''الشیخ زکریا'' کے حصہ میں تھی کہ اٹھے اور ''ابواب و تراجم'' کے اس قرض کو چکائے۔میں امید کرتا ہوں کہ انہوں نے ان شاء اللہ تعالیٰ شرح ابواب وتراجم کی خدمت سے اس قرض کو چکا دیا ہوگا۔''

اس ضمن میں حضرت شیخ ؒ کی جدید کتاب ''الابواب والتراجم'' بھی ہے۔جس میں حضرت شیخ ؒ نے ایک ایک باب کو لے کر اس پر سیر حاصل بحث فرما کر ''ترجمۃ الباب'' سے تطبیق فرمائی ہے۔اپنی شان میں بے نظیر اور بڑا کارنامہ ہے۔ہیچ مدان کے نزدیک پورے دفتر اسلامی میں شاید اس کی مثال نہ ہو۔

حضرت شیخ ؒ نے 1366ھ کے حج کے موقع پر دیگر کتابوں کے ساتھ اس کے تین مطبوعہ اجزاء عطا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فرمائے اور ازراہ عنایت فرمایا کہ ''اس کے دو جز ابھی شائع نہیں ہوئے۔ اگر میری زندگی میں شائع ہو گئے تو مجھ سے مانگ کر لے لیجیو اور اگر میں مر گیا تو میرے ورثاء سے تقاضا کر کے لے لیجیو۔''

''الکوکب الدری'' پر حضرت رحمہ اللہ کے مفید حواشی ہیں۔

حجۃ الوداع و جزء عمرات النبی ﷺ

حضرت شیخ کی 330 صفحات پر مشتمل حجۃ الوداع پر شاہکار اور اچھوتی اور بے مثل کتاب ہے۔ آپ نے یہ کتاب 27 سال کی عمر میں تیس گھنٹوں میں لکھی تھی۔ آخری عمر میں ایک خواب کی بناء پر عمرات النبی ﷺ کا جزء بڑھایا اور اصل کتاب میں اضافہ فرمایا۔ کتاب میں فقہی احکام کو واضح الفاظ میں نقل فرمایا گیا ہے اور ایسے مضامین بھی تحریر فرمائے ہیں، جو بڑے بڑے علماء اور شارحین کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ غرض یہ کتاب حج پر ایک جلیل القدر، اہم اور عجیب تصنیف ہے۔

شاید اس مختصر خاکہ سے کسی حد تک فقیر کی اس بات پر روشنی پڑ سکے کہ اس میں نیابت نبوت ﷺ کا جو کام حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے لیا گیا، یہ انہیں کا حصہ تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی موہبت خاصہ اور انعام مخصوص تھا جو حضرت ذی شان قدس سرہ پر ہوا۔

مضمون بڑھتا جا رہا ہے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے محاسن و مزایا، کمالات و خدمات کا عشر عشیر بھی یہ قاصر قلم پیش نہ کر سکا۔ اول تو یہ درماندہ و دور افتادہ، بے علم و کم سواد حضرت شیخ قدس روحہ کے مقام و کمالات کو کیا جانے؟ اور کیا پہچانے؟ اور پھر ذرہ میں صحرا اور قطرہ میں دریا کو کیسے دکھایا جائے؟ ان پر قلم اٹھانا حقیقت میں مجھ جیسوں کا کام نہیں لیکن اپنے مخدوم و مکرم حضرت مولانا نعمانی دامت فیوضہم کے حکم نے امتثال امر پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ان کی برکت سے راقم کی ہرزہ سرائی حضرت شیخ کے مقام رفیع کے لئے نامناسب نہ ہو۔

فقیر کو 1393ھ میں خواب میں کہا گیا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ قطب الارشاد ہیں۔ چودھویں صدی کے ختم ہونے سے دو تین سال پہلے سے خیال آتا تھا کہ شاید حضرت شیخ رحمہ اللہ کو

پندرہویں صدی کے کچھ سال مل جائیں کہ بعض مجددِ نئی صدی کے شروع میں فوت ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کا وصال 505ھ میں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا 101ھ میں ہوا۔

بہرحال کیا یہ بندہ اور کیا اس کا خام خیالیاں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے امت کے نمونہ کے لئے اس پچھلے دور میں ایسی ہستی پیدا فرمائی جو علم و عمل، ورع و تقویٰ، اخلاص و توکل، مجاہدہ و ایثار، للّٰہیت و اخبات، محبت و خشیت الٰہی اور جملہ دینی کمالات میں اسوہ تھی۔ اللہ تعالیٰ امت کے جملہ طبقات کو ان کی برکات سے نوازے اور ان کے بعد ان کے فیوض سے امت کو محروم نہ فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ خير خلقه محمد واله واصحابه واتباعه اجمعين.

محمد اشرف سلیمانی پشاوری

27/محرم 1403ھ

بوقت 30-11 شب

❀❀❀

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۷)

مقدمہ ''مشاہیر علمائے سرحد''

مصنفہ ڈاکٹر فیوض الرحمن

الحمد لله الخالق البارى المصور الملك القدوس العزيز الحكيم الذى قدر و هدى وخلق الارض والسمٰوات العلىٰ وبعث النبيين مبشرين ومنذرين وجعل صفوتهم وأفضلهم محمدن النبى الامى خير البرية صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وخاتم الرسل والانبياء وارسله بين يدى الساعة شاهدا و مبشرا ونذيرا و داعيا الىٰ الله باذنه و سراجا منيرا۔ وختم به النبوة والرسالة واكمل دينه واتم الشريعة الغراء وابتعث امته لتخرج الناس من عبادة الاوثان الى عبادته ومن جور الاديان الى عدل الاسلام ومن ضيق الدنيا الى سعتها، ومن ظلمات الكفر الى نور الايمان والهدىٰ وجعلها خير الامم واكرمها واعزها بالعلماء الربانيين ،شموس الهداية و ورثه الانبياء، واشهد ان لا اله الا الله شهادة تنال بها النجاة والقرب والرضا۔ واشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده ورسوله المصطفىٰ اللهم صل وسلم وبارك على عبدك ورسولك محمدن النبى الامى المبلغ المزكى المعلم خير الورىٰ و ازواجه المطهرات واله الازكياء واصحابه نجوم الهداية والتقى و علماء امته اولى الايدى و الابصار والنهى وفقهاء دينه حماة الدين وينابيع الحكمة والعلوم العليا وصوفية ملته كنوز المعارف والصدق والصفاء واتباعه الكرام كواكب النيرة فى الضلالة والدجىٰ وعلى

سائر امته ابدا ابدا و بعد!

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین اور قرآن کریم ہدایت ربانی کا آخری پیام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ کی رسالت دائمی، آپ کی بعثت عمومی اور آپ کی دعوت عرب وعجم اور جملہ جن وانس کے لئے ہے۔ آپ کا دورۂ نبوت نہ صرف تا قیام قیامت مستمر ہے بلکہ ابد الآباد تک قائم ودائم ہے۔ آپ کے اعلان نبوت کے بعد جو شخص بھی پیدا ہوگا اور جہاں بھی ہوگا، اس کے لئے ہدایت ونجات کا واحد راستہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہوگی۔ اب جسے بھی ملے گا اور جہاں بھی ملے گا حضور انور ﷺ کے فیض وبرکت سے ملے گا۔ آپ کے ان خصائص منفردہ کی برکت سے آپ کی امت بھی آخری وجاودانی امت قرار پائی جو آپ کے دین کی امین، آپ کے اسوۂ پاک کی حامل، آپ کے پیام کی دائمی اور آپ کی لائی ہوئی ابدی صداقتوں کی محافظ ہے۔ اس بنا پر زبان وحی نے اسے خیر الامم واکرم الامم کے القاب سے نوازا، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

[سورة آل عمران: 110]

تَرجَمَة: ''تم لوگ بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

دہانِ نبوت ﷺ نے گواہی دی:

انتم تتمون سبعين امة وانتم وخيرها واكرمها.

(مشكوة بحواله الترمذى، ابن ماجه، الدارمى، قال الترمذى هذا حديث حسن)

تَرجَمَة: ''(اے مسلمانو!) تم ستر (بڑی بڑی) امتوں کو پورا کرتے ہو لیکن ان کے آخر میں ہو اور تم تمام امتوں میں بہترین اور سب کے زیادہ عزت والے ہو۔''

حکمت الٰہیہ نے ہدایت ربانی کی بقا، حفاظت دین کے انصرام ونظام اور اس کی دعوت واشاعت اور علوم الٰہیہ کی خدمت وتبلیغ کے لئے ''ختم نبوت'' کی برکت سے اس امت کو چنا، جو من حیث الامت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شاہد الامم قرار پائی اور اس کا فریضہ اللہ تعالیٰ کی میزان عدل کو قائم رکھنا، نیکیوں کو پھیلانا، برائیوں سے روکنا اور دین وشریعت کے نظام کو پورے عالم میں برپا کرنا تھا۔ یوں تو یہ پوری امت جملہ انبیاء اور خصوصاً سید المرسلین امام الانبیاء خاتم النبیین ﷺ کی وارث ٹھہری، لیکن اس میں کا ایک خاص طبقہ امت کے دل ودماغ کی حیثیت سے اس نظام عدل وشریعت الٰہیہ کی حفاظت واشاعت وخدمت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا، جسے امت کی نگرانی ونگہبانی اور تربیت سپرد کی گئی۔

یہ طبقہ نبی انور ﷺ کے ان نائبین اور علمائے امت کا ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی میراثِ علم وہدایت، ورثۂ دین وشریعت، ترکۂ تزکیہ وتربیت، اسوۂ تقویٰ وللّٰہیت اور وراثت جہد وجہاد اور دعوت وارشاد کا حامل ہے۔ ارشاد رسالت ہے:

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلف نبي وانه لانبي بعدى وسيكون خلفاء.

(صحيح بخارى كتاب المناقب باب ذكر عن بنى اسرائيل وصحيح مسلم كتاب الامارة)

تَرجَمَة: ''بنی اسرائیل کی نگہبانی انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے جب کوئی نبی ﷺ وفات پاجاتا تھا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ (نائب) ہوجاتا تھا، (یعنی اس کا کام سنبھال لیتا تھا) لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (بلکہ) خلفاء ہوں گے (جو کہ امت کے کام کو میری نیابت میں سنبھالیں گے۔)

ایک دوسری روایت میں ہے:

ان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر.

(جمع الفوائد، ج: ۱، ص :۳۷ كتاب العلم بحواله ترمذى)

تَرجَمَة: ''علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء نے دینار ودرہم کی میراث نہیں چھوڑی بلکہ ان کی میراث علم ہے، پس جس نے (ان کا) علم حاصل کیا، اس نے بڑا حصہ

پایا۔''

حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور انور ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وتاويل الجاهلين وانتحال المبطلين.

(مجمع الزوائد بحواله البزار، ج: ۱، ص: ۱٤ باب اخذ العلم من الثقات)

تَرجَمَة: ''اس علم دین کو ہر آئندہ نسل کے ایسے دیانت دار لوگ حاصل کرتے رہیں گے، جو غلو پسندوں کی تحریف، جاہلوں کی تاویل فاسد، باطل پرستوں کے غلط دعاوی کی نفی کرتے رہیں گے۔''

علماء امت اور خلفائے نبوت کے کمالات اور جلالت شان پر قرآن کریم شاہد ہے ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝﴾ [سورة المجادلة: 11]

تَرجَمَة: ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم ملا ہے، اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے آگاہ ہے۔''

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [سورة فاطر: 28]

تَرجَمَة: ''اللہ تعالیٰ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں، جو علم رکھتے ہیں۔''

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [سورة الزمر: 9]

تَرجَمَة: ''آپ کہیے کہ کیا علم والے اور بے علم (کہیں) برابر ہوسکتے ہیں۔''

استقصاء مقصود نہیں، ورنہ متعدد آیات قرآنی علماء کی فضیلت پر گواہ اور احادیث کے دفاتر ان کی بڑائی پر نص ناطق ہیں۔

علماء کرام ہر دور میں نیابت نبوت کا فریضہ بخیر وخوبی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مختلف ممالک میں ان سے حفاظت دین، اشاعت علم، تبلیغ اسلام، احقاق حق، ابطال باطل اور خدمت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ملت کا کام کیا۔ اسلام کی رونق انہیں کے دم قدم سے رہی اور اسلام پر بہار انہیں کے مجاہدات سے آئی، دین ہدایت اور علوم اسلامیہ کے یہ امین فقر و فاقہ اور بوریا و حصیر میں دلوں پر بادشاہی کرتے اور اسلام کے سرمایہ کی حفاظت فرماتے رہے۔ ان کی سرگرمیاں عرب و عجم اور اقطار عالم کے چپہ چپہ میں جاری و ساری ہیں، کبھی انہوں نے منبر و محراب کو زینت بخشی، کبھی دار و رسن نے ان کی جلوہ سامانیوں سے عزت پائی، کبھی طوق و سلاسل نے ان کے قدموں کو چوما، کبھی زندان کی تیرہ و تار کوٹھڑیاں ان سے منور ہوئیں، کبھی تلواروں کے سائے میں انہوں نے کلمہ حق بلند کیا، کبھی تخت و تاج ان کی ہیبت سے کانپے، کبھی قوت و شوکت نے انہیں خراج تحسین پیش کیا، کبھی مسند درس نے ان سے رونق پائی، کبھی مدارس ان کے قال اللہ و قال الرسول کے نغموں سے گونجے، کبھی خانقاہیں ان کے وجد و حال اور ذکر و اشغال کے بقعہ نور رہیں، کبھی میدان وفا میں ان کی تیغ بے نیام، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے برق بن کر کوندی، کبھی جنگ گاہ میں کشور کشاؤں کے سر قلم ہو کر ان کے قدموں پر گرے، کبھی اسلام کے پرچم کو ان کے خون کی قربانی نے سربلندی بخشی، کبھی ان کی حق گوئی نے قصر امارت میں زلزلہ بپا کیا، کبھی ایوان سیاست پر ان کی حق گوئی سے کپکپی طاری ہوگئی، غرض اہل حق کا یہ قافلہ عشق الٰہی میں سرشار ہو کر عالم کے ذرہ ذرہ کو اپنی قربانیوں، جہد و محنت و جہاد و ارشاد سے پر بہار بناتا رہا۔

ہمہ دیر تختہ گل زجبین سجدہ ریزم
کہ نیاز من نگنجد بدو رکعت نمازے

تاریخ شاہد ہے کہ نائبین رسالت کا یہ گروہ ہر دور میں خلافت نبوت کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیتا رہا اور ان شاء اللہ قیامت تک ان کی یہ حرکت جاری اور ان کا کاروانِ ہدایت رواں دواں رہے گا۔

بشارت نبوت ہے:

لا يزال من امتى امة قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى ياتى امر الله وهم على ذلك.

(مشكوٰة باب ثواب هذه الامة بحواله بخارى ومسلم)

تَرجَمَة: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم یعنی احکام پر عمل کرنے پر قائم رہے گا۔ انہیں کسی کا چھوڑ دینا اور مخالفت نقصان نہیں پہنچائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر (قیامت) آجائے اور وہ اسی طرح ہوں گے۔''

برکو چک ہندو پاک بھی نائبین رسالت، خلفائے نبوت اور علمائے امت کی ضیاباریوں سے محروم نہ رہا اور ''مخبر اسلام'' اور صحابہ کے عصر سعادت ہی سے یہ خطہ ان کے انوار سے منور اور ان کے قدموں سے سعادت پا چکا تھا۔

برصغیر میں اسلام کا داخلہ عہد فاروقی میں ہو چکا تھا۔ مؤرخ البلاذری نے تصریح کی ہے کہ ۱۵ھ میں مسلمان سمندر کے راستے تھانہ ساحل کاٹھیاوار بھروچ و کھمبایت وغیرہ پہنچے۔ بلوچستان و مکران کا کچھ حصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سایہ خلافت میں آچکا تھا، ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ درہ خیبر کی راہ ہندوستان میں داخل ہوئے اور پشاور کی وادیوں کو روندتے ہوئے بنوں (بنہ) کو فتح کرتے ہوئے قلات تک جا پہنچے، یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے موجودہ پاکستان کے اکثر حصہ فتح کر لئے تھے۔ مسلمان جہاں بھی جاتے، قصر خلافت سے پیشتر مسجد کی بنیاد رکھتے تھے۔ مؤرخین نے وضاحت سے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عمومی مزاج و رواج کے مطابق دیبل، منصورہ، ملتان وغیرہ میں سب سے پہلے مساجد کو تعمیر کیا۔ ظاہر ہے مساجد کی آبادی بغیر ائمہ و علماء کے ممکن نہیں، مزید برآں مجاہدین میں خود ایک گروہ علماء، فقہا اور قراء کا ہوتا تھا، بلکہ بسا اوقات حاکم اور والی فقیہ اور عالم مقرر کئے جاتے تھے، چنانچہ سندھ کے والیوں میں کئی بزرگ ایسے ملتے ہیں جو عالم و فقیہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دستور تو یہ تھا کہ حاکم و والی دین سکھانے کے لئے مقرر کرتے تھے، چنانچہ ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ايّها الناس إنى اشهدكم على امراء الامصار اِنى لم أبعثهم اِلّا ليفقهوا الناس فى دينهم.(كتاب الخراج، ص: ۱۱۸ لابى يوسف)

تَرجَمَة: ''لوگوں میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے جو مختلف علاقوں میں حاکم بھیجے ہیں،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صرف اسی ہی مقصد کے لئے بھیجے ہیں کہ لوگوں کو ان کا دین سمجھائیں (یا فقہ کی تعلیم دیں)۔

ایک دوسرے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

إنّی و الله ما ابعث الیکم عمالی لیضربوا ابشارکم و لا لیاخذوا من اموالکم ولکنی ابعثهم الیکم لیعلموکم دینکم وسنة نبیکم. (کتاب الخراج ،ص: ۱۱۵)

تَرجَمَة :''واللہ میں نے اپنے حکام تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجے کہ تمہارے جسموں کو پیٹیں اور تمہارے مال تم سے لے لیں، بلکہ انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں تمہارے دین اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت کی تعلیم دیں۔''

غرض مسلمان جہاں پہنچے وہ حاکم کی حیثیت سے ہوں یا تاجر وسیاح کی حیثیت سے، دین کی دعوت واشاعت ان کا کام تھا۔ ان کے ہر قافلہ میں ایسے رجالِ دین وعلم ہوتے تھے، جو اقامت دین کی ذمہ داری سنبھالے ہوتے تھے۔ چنانچہ برہندو پاک مسلمانوں کی آمد کے ساتھ علماء ومشائخ کا ایک بڑا مرکز بن گیا، جن کی تفصیل سوانح وتاریخ کے صفحات میں دیکھی جاسکتی ہے۔ خصوصاً نزهة الخواطر (مصنفہ علامہ حکیم عبدالحئ لکھنوی) کی ضخیم مجلدات سے اس کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔

جو مسلمان افغانستان کے راستے برصغیر میں داخل ہوئے، ان میں اکثر کی گذرگاہ صوبہ سرحد تھا۔ غزنوی وغوری کے خاندانوں سے لے کر بابر وابدالی تک مسلمان کشور کشا اسی رہ گزر سے گزرتے رہے اور ان کی فتح مندیوں کے سایہ میں مسلمان علماء، مشائخ، صوفیہ وحکماء، شعراء، ادباء فوج درفوج علاقہ در علاقہ پھیلتے چلے گئے۔ ہندو پاک کے علماء مشائخ کے ناموں میں ایک کثیر تعداد ان بزرگوں کی ملے گی جو اس سمت کے برکو چک کی رونق بڑھانے کے لئے آئے تھے۔ مسلمان بادشاہ علم پرور تھے، بلکہ انہیں سے کئی خود عالم تھے۔ مجاہد کبیر، فاتح ہند، یمین الدولہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ خود صاحب تصنیف فقیہ تھے، مختلف جانبازوں کے نام لئے جاسکتے ہیں، جو نہ صرف میدان جنگ کے شاہسوار تھے، بلکہ ان کی مجلس علم وحکمت کی آبیاری اور ان کی راتیں شب بیداری کا منظر پیش کرتی تھیں، علم سے ان کے درباروں کی رونق تھی اور

وہ خود علم اور علماء کے خادم تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کی علم پروریوں سے جہاں برکو چک کے دیگر خطے سیراب ہوئے۔ ان کی پہلی منزل صوبہ سرحد یقیناً فیض یاب ہوئی ہوگی اور علماء ومشائخ نے یہاں بھی ڈیرے ڈالے ہوں گے اور علم وحکمت اور ہدایت وعرفان کی شمعیں روشن کی ہوں گی۔ اہل سرحد کی قومی روایات اور ان کی معاشرت میں جس طرح اسلام سمویا ہوا ہے، وہ اس میں علاقے میں علمائے امت، مبلغین اسلام اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ کی دوررس اور کامیاب محنت ہی کا ثمرہ ہے۔ چترال کی بلندیوں سے لے کر جنوبی وزیرستان کی پہاڑیوں تک اور کوہ قراقرام ودربند سے لے کر ٹانک کی پہنائیوں تک ہر قوم وقبیلہ جس طرح اسلام کی کا پرستار ہے، وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس علاقے میں اسلام کی بنیاد انتہائی مضبوط بنیادوں پر اٹھائی گئی ہے، جو علماء کرام، صوفیائے عظام ومبلغین اسلام ہی کا کارنامہ ہے۔

غیر منقسم ہندوستان میں سرحدی علماء وطلباء برہندو پاک کے دور دراز علاقوں تک اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے اور مساجد ومدارس کو اپنے علم وتقویٰ سے منور کرتے رہے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند دارالعلوم سہارنپور، ڈابھیل وسملک، ٹونک وحیدرآباد دکن، رامپور وبھوپال، میرٹھ ولکھنؤ، کلکتہ ومدراس تک مدارس ومساجد ان کی علمی سرگرمیوں اور استفادہ وافادہ کا میدان تھیں اور یہ بات صرف ماضی قریب ہی میں دکھائی نہیں دیتی، بلکہ ولایتی علماء اور پٹھان مولوی صدیوں سے اپنی اس روایت کو قائم رکھے ہوئے تھے چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں میں بھی ان کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سرزمین کی مردم خیزی کا اندازہ عصر حاضر کے ہی چند علماء کرام کے اسمائے گرامی سے ہوسکتا ہے۔ بقیۃ السلف رفیق شیخ الہند اسیر مالٹا مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ، علامہ عبدالحق نافع گل رحمۃ اللہ علیہ، استاد الاساتذہ جامع المعقول و المنقول مولانا رسول خان مدظلہ، نابغہ روزگار، شیخ الاسلام والمسلمین محدث کبیر فاتح قادیانیت علامہ محمد یوسف البنوری مدظلہ، محقق کبیر علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ، علامہ محمد زکریا البنوری مدظلہ، حضرت مولانا عبدالحق شیخ الحدیث حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا محمد ایوب البنوری مدظلہ، فقیہ النفس مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ وغیرہ اس سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں لیکن تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ گنتی کے چند علماء ومشائخ کے ناموں اور کارناموں کے سوا ان کے تذکروں سے کتابیں یکسر خالی ہیں۔ ہما شما اور ہر کہ ومہ کا تو کیا کہنا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بڑے بڑے علماء کے حالات شاذ ہی ملتے ہیں۔علامہ صوفی فقیر اللہ قندھاری ثم پشاوری ثم شکارپوری جو ایک عظیم عالم وصوفی اور پچھلی صدی کے بزرگ ہیں، اپنے ایک استاذ علامہ مسعود پشاوری کا تذکرہ اپنی کتابوں میں بہت عقیدت وعظمت سے کرتے ہیں، لیکن ان کے حالات بھی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اہل نظر کو یہ خلا بری طرح محسوس ہوتا رہا، چنانچہ داعی کبیر مصنف شہیر ابوالحسن علی الندوی (جنہوں نے تذکرہ نگاری وتاریخ کا ذوق اپنے والد ماجد علامہ حکیم عبدالحئ لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر جو ہندوستان کے ابن ندیم وابن خلکان تھے، سے پایا ہے۔) نے ۱۹۶۳ء میں مکہ مکرمہ میں فقیر سے ارشاد فرمایا تھا: ''کہ علماء سرحد کے تذکرے نہیں تھے، آپ اس کام کو کرسکیں تو بڑی خدمت ہوگی۔''

فقیر اپنی بے بضاعتی اور بے انضباط زندگی کی وجہ سے اس راہ میں ایک قدم نہ اٹھا سکا، گو پچھلے سالوں میں اعجاز الحق صاحب قدوسی کی کتاب تذکرہ صوفیائے سرحد اور جناب سید امیر شاہ صاحب قادری پشاوری کی کتابیں اور چند دیگر حضرات کی تالیفات منظر عام پر آئیں، لیکن ہنوز یہ میدان تشنۂ تحقیق ہے۔اس سلسلہ کی جدید ترین کاوش عزیز محترم جوانِ صالح قاری حافظ فیوض الرحمن صاحب ایم-اے ہزاروی صدر شعبہ اسلامیات ایبٹ آباد وہ کتابیں ہیں جن کا پیش لفظ لکھنے کی سعادت آں عزیز کے مسلسل تقاضے پر ہیچ مدان کو حاصل ہوئی ہے، ان کی ہمت وکوشش قابل ستائش ومبارک باد ہے کہ وہ اس سنگلاخ سرزمین میں مردانہ وار بڑھے اور علمائے ہزارہ، علمائے سرحد اور مشاہیر علمائے سرحد کے ناموں سے اس علاقہ کے ماضی قریب اور موجودہ دور کے صدہا علماء ومشائخ کے تذکرے اور تعارف نامے مرتب کردیے۔

ناموں، تذکروں اور حالات کی حصول کی دشواریوں کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو تحقیق و تالیف کی ان گھاٹیوں سے گزر چکے ہیں، نامعلوم قاری صاحب موصوف کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، لیکن ان کی جواں ہمتی قابل داد ہے، کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے اور دوسو سے زائد علمائے سرحد کے تذکرے قلم بند فرمادیئے، جس میں محدث کبیر یوسف مصر فضل علم وکمال، حضرت الاستاذ علامہ سید محمد یوسف البنوری مدظلہ، محقق شہیر علامہ شمس الحق افغانی جیسے شہرہ آفاق صاحب تصنیف بزرگ

بھی ہیں اور گوشہ خمول میں پڑے ہوئے گمنام دین کے خدمت گزار بھی۔استاذ الاساتذہ مولانا رسول خان شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ایسے نامور علماء بھی ہیں اور کنج عزلت میں فروکش صاحبان جبہ ودستار بھی۔مولانا مفتی محمود ومولانا غلام غوث ہزاروی جیسے میدان سیاست کے شاہسوار بھی ہیں اور صاحب مساجد وسجادہ، زاویہ نشینان راہ سلوک بھی۔

حضرت تھانوی وحضرت مدنی نور اللہ مراقدہما اور دیگر مشائخ کرام رحمہم اللہ کے باصفا خلفاء بھی ہیں اور علوم ظاہر ومعقولات کے بادہ پیما بھی اور اساتذۂ مدارس بھی ہیں اور جامعات اور سرکاری مدارس کے معلمین بھی۔غرض یہ کتابیں ہر طبقہ اور ہر سطح کے علمائے سرحد کا ایک بوقلموں مرقع بن گئی ہیں۔ممکن ہے مشاہیر علما کے پہلو بہ پہلو گمنام وہیچ میرس علماء کے تذکرے بعض اذواق پر گراں ہوں لیکن خدام علم کے اگر نام وکام صفحۂ قرطاس کے سپرد کردیے جائیں گو کسی سطح کے بھی ہوں، تو علم کی یہ بھی ایک گونہ خدمت ہے بہرحال للناس فیما یعشقون مذاهب

چونکہ یہ اس طرز وراہ میں ان کی یہ پہلی کوشش ہے، اس لیے بعض تذکرے تشنہ رہ گئے ہیں، امید ہے آئندہ مؤلف اس کمی کو پورا کر پائیں گے۔اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان کی یہ کاوش اس علاقہ کے علماء اور ان کے کارناموں کو روشناس کرانے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھے گی اور آئندہ کام کرنے والوں کے لئے رہنما ثابت ہوگی، ان کی زبان شستہ اور رواں اور تذکرہ نگاری دلکش ودلچسپ ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول فرمائیں اور ان کی عمر وعلم میں برکت دے کہ دین کی بیش از بیش خدمات انجام دے سکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

صدر شعبہ عربی

محمد اشرف اسلامیہ کالج پشاور

۳ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

۲۷ مارچ ۱۹۷۵ء

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۸)

سیّدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدّس سرہٗ

شیخ کبیر، محدث شہیر، حضرت سیّدنا غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ کے نام نامی اور جلالت شان سے کون ناواقف ہے۔ ظاہری و باطنی علوم کی جامعیت و امامت، مسند درس وارشاد کی صدر نشینی، فیض باطنی کی وسعت، مردہ دلوں کی مسیحائی، گمراہوں کی رہنمائی، مواعظ کی اثر پذیری، صحبت پاک کی تاثیر و برکت، کرامات کی کثرت، دین و شریعت کی خدمت، علمی تبحر، وسعتِ نگاہ اور دقتِ نظر، کس کس بات کو گنا جائے۔

بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اسم گرامی عبدالقادر، کنیت ابومحمد، محی الدین لقب تھا۔ محبوب سبحانی، غوث اعظم، قطب ربانی کے نام سے امت نے پکارا اور حق یہ ہے کہ امت کے اس رجل جلیل کے لئے یہ القاب حقیقت تھے۔ آپ کی پیدائش ۴۷۰ھ میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب دس واسطوں سے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور سلسلہ مادری امام حسین رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ مولد شریف جیلان نواح طبرستان ہے۔ تاریخ وصال بالاتفاق ربیع الثانی ۵۶۱ھ ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد تشریف لائے اور باوجود عبادات و مجاہدات کی فطری کشش کے ہمہ تن علم کے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ باکمال استادوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ فرما کر علوم میں پوری مہارت حاصل کر لی۔ آپ کے اساتذہ میں ابوالوفا، ابن عقیل، محمد بن الحسن الباقلانی، ابوزکریا تبریزی جیسے نامور علماء کے نام پائے جاتے ہیں۔ آپ کی علمی وسعت نظر

اور تبحر پر آپ کی تصانیف غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب شاہد ہیں، غنیۃ الطالبین میں آپ ایک ٹھیٹھ محدث کی حیثیت سے جلوہ فرما نظر آتے ہیں۔ فقہ میں آپ امام احمد بن حنبل کے پیروکار تھے۔ چنانچہ غنیۃ میں کئی جگہ امام موصوف کو ''امامنا'' کے لقب سے یاد فرمایا۔ طریقت کی تعلیم شیخ حماد، شیخ ابویعقوب یوسف ہمدانی سے پائی اور قاضی ابوسعید مخرمی سے تکمیل و اجازت پائی اور اس راہ کی ان ترقیات پر فائز ہوئے جو آپ ہی کا حصہ تھیں۔ امام یافعی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کی کرامات کی تعداد حد شمار سے افزوں ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آپ کی کرامات حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔ لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی، بے راہوں کو راہ حق پر لگانا، غافلوں کو ذاکر و شاغل اور گنہگاروں کو احکام الٰہی کا پابند بنانا تھا۔ ایک لاکھ کے قریب اشخاص آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور پانچ ہزار کے لگ بھگ یہودی و عیسائی آپ کے دست مبارک پر مشرف با اسلام ہوئے۔

آپ علم و سلوک کی تکمیل کے بعد لوگوں کی اصلاح و تعلیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ برسہا برس تک تدریس و افتاد کا سلسلہ جاری رہا اور بے شمار اشخاص نے آپ سے ظاہری علوم میں بھی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

آپ نے اپنے شیخ قاضی ابوسعید مخرمی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں تعلیم و تلقین اور وعظ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ مخلصین کو عمارت میں اضافہ کرنا پڑا۔ آپ کی مجلس میں اس قدر ہجوم ہوتا تھا، کہ تل رکھنے کی جگہ نہ رہتی تھی۔ اثر کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات مجلس وعظ سے لوگوں کے جنازے تک اٹھ جاتے تھے۔ علماء و فقہاء کثرت سے آپ کی مجلس میں آتے تھے۔ مجلس میں چار چار سو تک دواتیں شمار کی گئی ہیں جو آپ کے وعظ لکھنے کے لئے لائی جاتی تھیں۔

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ میں نے کسی شخص کی عزت دین کی وجہ سے آپ سے زیادہ ہوتی نہیں دیکھی۔ بادشاہ و وزراء خدمت اقدس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے تھے، جو آتا، فیوض سے مالا مال ہو کر جاتا تھا، اصلاح و ہدایت و تربیت و ارشاد کی برکات نے بغداد کو متواتر پچاس ساٹھ سال تک مرجع خلائق بنائے رکھا۔ آپ کے وعظ، پند و نصائح، حق کی دعوت، رب کی محبت، آخرت کی فکر، حلال و حرام، جائز و ناجائز کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اہتمام، معاشرت کی درستگی، اخلاق کی اصلاح، معاملات کی صفائی، دنیا سے بے رغبتی، بدعات سے نفرت، توحید کاملہ کے حصول، خداوند قدوس پر کامل اعتماد ویقین، توکل واخلاص اور طریقت وشریعت کے حقائق و معارف کے مضامین پر مشتمل ہوتے تھے، ہر لفظ اندر سے پھوٹ کر نکلتا تھا، جو سنتا تھا، تاثیر میں ڈوب جاتا تھا کہ ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ کے مواعظ وتصانیف کا سب سے بڑا کمال اور برکت یہ ہے کہ آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کے مضامین دلوں کی زندگی کو بدل دیتے ہیں اور انسان کے تعلق کو مخلوق سے خالق کی طرف، دنیا سے عقبیٰ کی سمت اور رسوم وبدعات سے احکام الٰہی اور سنت کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ آپ کے مجموعہ وعظ ''الفتح الربانی'' کی تاثیر آج بھی دلوں کو گرما دیتی اور آنکھوں کو پرنم بنا دیتی ہے۔ کاش! حضرت محبوب سبحانی نور اللہ مرقدہٗ کے محبین ومعتقدین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو حرز جان بناتے، تو آج بھی حضرت والا کی اصل تعلیمات اور فیوض سے لوگ بہرہ مند ہوتے کہ حضرت کا فیض ان میں بند ہے۔ اس طرح پچھلے دور کے غلط رسوم وقیود وبدعات سے محفوظ ہو جاتے اور حقیقت میں حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کی اصل محبت وعقیدت یہی ہے کہ ان کی بابرکت تعلیمات واسوہ کو اپنا یا جائے اور جن چیزوں سے حضرت نے منع فرمایا ہے، ان سے بچا جائے۔

حضرت سیدنا شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جن کو تقدیر الٰہی اس عالم میں نیابت نبوت کے لئے چنتی ہے، اسی لئے آپ کی سیرت واخلاق سید کونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق کا نمونہ تھا، آپ کے دیکھنے والے اور معاصرین آپ کے اونچے اخلاق، بلند حوصلگی، عاجزی وفروتنی، سخاوت وایثار، نیک طینتی وپاکبازی اور دیگر اوصافِ حمیدہ کی تعریف میں متفق ہیں۔ ایک بزرگ جنہوں نے بہت سارے بزرگوں کو دیکھا اور ان کی صحبت اٹھائی ہے، کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے حضرت شیخ عبدالقادر سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق، فراخ حوصلہ، کریم النفس، نرم دل، محبت اور تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اپنی بزرگی، مرتبہ کی بلندی اور وسعت علم کے باوجود چھوٹے کی رعایت فرماتے، سلام میں پہل کرتے، کمزوروں کے پاس اٹھتے بیٹھتے، غریبوں کے پاس تواضع اور عاجزی سے پیش آتے، حالانکہ کسی سربرآوردہ یا رئیس کے تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے

تھے اور نہ کسی وزیر یا حاکم کے دروازے پر کبھی تشریف لے گئے۔

امام ابوعبداللہ الاشبیلی فرماتے ہیں: آپ مستجاب الدعوات تھے۔ (اللہ کی محبت وخشیت میں) جلد رو دینے والے، ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہنے والے، نرم دل، ہنس مکھ، شریف النفس، فراخ دست، بڑے علم والے، بلند اخلاق اور عالی نفس تھے۔ عبادات ومجاہدات میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔

تسلیم وتفویض اور توحید کامل حضرت کا خصوصی حال تھا، غرض آپ کی ذات حسین اخلاق کا نمونہ، بھلائی ونیکی کا نشان اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ تھا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ امر بالمعروف اور حق گوئی میں دنیا کی کسی طاقت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ خلیفہ وقت تک کو خلاف دین بات پر اس طرح ڈانٹ دیتے تھے کہ وہ لرز اٹھتا تھا۔ جب خلیفہ مقتضی لامر اللہ نے قاضی ابوالوفا کو قاضی بنایا، تو حضرت نے برسر منبر خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے جو ''اظلم الظالمین'' یعنی سب سے بڑھ کر ظالم ہے۔ کل قیامت میں تم اس رب العالمین کو جو ارحم الراحمین ہے کیا جواب دو گے؟'' خلیفہ پر یہ سن کر کپکپی اور گریہ طاری ہو گیا اور اس نے اسی وقت قاضی کو عہدہ سے ہٹا دیا۔ اسی طرح درباری اور سرکاری علماء اور مشائخ کی پرزور تردید اور پردہ دری فرماتے تھے، جو اپنے ذاتی وقار اور نفع کے لئے ظالم سلاطین اور حکام کی صحبت اختیار کرتے اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ ایک موقع پر اسی طبقہ کے ایک فرد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمت گاری اور حرام خوری پر آمادہ کر دیا ہے، تو کب تک حرام کھاتا اور ان ظالم بادشاہوں کا خدمت گار بنا رہے گا، جن کی خدمت میں تو لگا ہوا ہے ان کی بادشاہت عنقریب ختم ہو جائیگی اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں آنا پڑے گا جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں۔'' داعیان حق کا ہمیشہ شعار اور دستور رہا ہے کہ دین کی شکست وبربادی پر اُن کا دل پارہ پارہ ہو جاتا تھا اور اس کے لئے اپنی پوری ہمت، بیداری اور دل سوزی وعزیمت سے اپنے تن من کی بازی لگا دیتے تھے۔ حضرت اقدس کا سوز دروں گویا ہوتا ہے: ''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں اور اس کی بنیادی بکھری جاتی ہیں، اے باشندگان زمین آؤ جو گر گیا ہے، اس کو مضبوط کر دیں اور جو باقی رہ گیا ہے اس کو درست کر دیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی سب کو مل کر کرنا چاہئے۔ اے سورج! اے چاند! اور اے دن آؤ کہ سب مل کر دین کی گرتی عمارت کو سنبھال دیں۔'' اپنی بات کو حضرت محبوبِ سبحانی قدس سرہٗ کی اس وصیت پر ختم کرتے ہیں، جو حضرت نے مشائخ کے بڑے مجمع میں اپنے بڑے صاحبزادہ شیخ سیف الدین عبدالوہاب کو وصال سے پیشتر ارشاد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کے جملہ محبین اور پوری امت کو حق کے ان کلمات کی پیروی نصیب فرمائے:

'' تقویٰ اور اطاعت الٰہی کو اختیار کرو۔ خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو، نہ کسی سے امید رکھو، تمام حاجات خدا ہی کو سونپ دو اور اسی سے طلب کرتے رہو۔ بجز خدا کے کسی پر اعتماد نہ رکھو، اپنے اوپر توحید کو لازم پکڑو.....اپنے اوپر توحید کو لازم پکڑو کہ توحید ہی پر سب کا اتفاق ہے۔''

ایک نادرۂ روزگار ہستی آئی اور اپنے فیوض و برکات سے ملت کی کھیتی کو سرسبز و شاداب کر کے چلی گئی:

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

❀❀❀

(۹)

حدیث ناگفتنی

میری علمی ومطالعاتی زندگی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ:

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کی انتظامیہ نے حضرت مولانا محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی علمی ومطالعاتی زندگی کے بارے میں ایک سوالنامہ ارسال کیا تھا جس کے جواب میں حضرت مولانا صاحب نے ''حدیث ناگفتنی'' کے عنوان سے ایک تحریر بھجوائی۔ یہ تحریر مع سوال نامہ پیش خدمت ہے۔

ایڈیٹر الحق کا سوالنامہ

☆ آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟

☆ ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیت۔

☆ آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درس گاہوں سے خاص اثرات لیے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلباء کی تعمیر وتربیت میں مدد ملی۔

☆ اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث ونوازل کا سامنا ہے اس کے لیے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہوسکتی ہیں؟

☆ علمی اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجدیدی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عقلیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرن ازم) مصروف ہیں۔ان کے سنجیدہ علمی احتساب میں کونسی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کرسکتی ہیں؟

☆ موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

☆ مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے مؤثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔حسب وعدہ (گو بہت تاخیر سے) مطلوبہ مضمون میری مطالعاتی زندگی ''حدیث ناگفتنی'' کے عنوان سے بھیج رہا ہوں کہ جو بات سراپا خفا وسرء (خفیہ) اپنے تک محدود ہونی چاہئے تھی، اس کے اظہار واعلان سے اپنی کم سوادی کو رسوائے عام کر رہا ہوں۔ بہت سی باتوں سے شاید آپ کا اتفاق نہ ہو، لیکن

للناس فیما یعشقون مذاهب

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور اس ریاء ونمائش سے درگذر فرمائے اور اس سیاہ کار کی اس سخن طرازی وہرزہ سرائی کو معاف فرمائے آمین۔کہ حقیقتاً ہر لحاظ سے صفر ہوں اور دعا کا محتاج ہوں۔

(محمد اشرف ۱۷۔۳۔۹۳ھ)

☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فقیر پر جو بے شمار احسانات ہیں ان میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ علم وعمل کی جملہ کوتاہیوں کے باوجود اس کے بہت سے نیک بندے اس بے مایہ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔اس نیک گمانی کا کرشمہ ہے کہ اس شکستہ قلم ابجد ناشناس سے جواں سال و بزرگ خصال صاحب الحق (مولانا سمیع الحق صاحب سلمہ) مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک نے وہ چند سوال کر ڈالے جن کے تخاطب کا مستحق یہ نااہل کسی صورت میں نہیں۔اپنی مطالعاتی زندگی کی داستان سرائی پر صرف اس وجہ سے قلم اٹھا رہا ہوں کہ شاید اس تباہ حال کی یہ درازنفسی وپریشان حالی کسی کے لیے سبب عبرت وسرمۂ بصیرت بن جائے کہ اپنی بے ربط وبے انضباط زندگی اس لحاظ سے ایک المیہ ہے کہ استفادہ وافادہ کی جن راہوں کو کھولا جاسکتا تھا وہ ناکشودہ رہ گئیں:

ناکامی حیات نہ بودے دو روز بیش
آن ہم کلیم با تو چہ گویم کہ ہم گذشت

ترجمہ: زندگی کی ناکامی دو دنوں سے زیادہ نہیں تھی، اے کلیم آپ سے کیا کہیں کہ عمر گزر گئی۔

تاہم:

میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

ابتدائی زندگی: انسان ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ماں کی گود، گھر، مکتب ومعاشرہ انسان کو بنا یا بگاڑ دیتا ہے۔یہی وہ حقیقت کبریٰ ہے جسکی طرف اشارہ حقائق کے سب سے بڑے نقاب کشا نبی الانبیاء حبیب خدا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهِ اَوْ یُنَصِّرَانِهِ اَوْیُمَجِّسَانِهِ. (بخاری، تفسیر سورہ روم)

ترجمہ: کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت (دین توحید) پر پیدا نہیں ہوتا لیکن ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔

فقیر نے بحمد اللہ تعالیٰ ہوش کی آنکھیں ایک دیندار گھرانے میں کھولیں۔والد مرحوم ☆ باوجود ایک بڑے تجارتی کاروبار کے، صوم وصلوٰۃ کے پابند، متشرع اور اسلامی شعار واقدار کے گرویدہ تھے، گو عالم نہ تھے لیکن علمائے اہل حق سے قریبی روابط تھے۔

☆ محمد اکبر خان ابن سکندر علی ابن سعادت خان ابن نور خان المتوفی ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۱ء مطابق ۲۹ رمضان ۱۳۶۰ھ نسلاً پٹھان تھے، پشاور وطن تھا۔تجارتی کاروبار وسیع تھا۔شملہ، دہلی، کلکتہ، دارجیلنگ وغیرہ میں دکانیں تھیں۔اس سلسلہ میں اکثر وقت دہلی وشملہ میں گذرتا تھا۔۱۹۰۱ء سے جائیداد بنائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

فارسی اور اردو کی دینی کتابوں کا اچھا مطالعہ اور فارسی ادب کا ذوق تھا۔کیمیائے سعادت ہمیشہ مطالعہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں رہتی تھی، فقیر منش اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ والدہ محترمہ دام ظلّہا اچھی خاصی دینی معلومات کی حامل، نیکی و پارسائی کا نمونہ، ذکر و اشغال و تلاوت کی پابند اور سخی و غریب پرور ہیں۔ والدہ محترمہ نے ترجمہ قرآنی اور اردو و فارسی میں اکثر متداول تفاسیر اور احادیث و فقہ و سیر کی متعدد کتابیں ہمارے تایا اور اپنے خالہ زاد بھائی مولوی حکیم غلام سرور صاحب سے پڑھی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں وہ ہمیں کہانیوں کے بجائے انبیاء علیہم السلام کے قصّے اور واقعات ہر رات سناتی تھیں۔ بندہ نے قرآن کریم اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا ہے اور ابتدائی فارسی والد مرحوم سے۔ والدہ محترمہ کے علمی و ادبی ذوق پر آج حیرانی ہوتی ہیں۔ ان کے کتب خانہ میں اردو فارسی دینی کتب کے علاوہ مخزن لاہور، الہلال کلکتہ، تہذیب نسواں لاہور، پیشوا دہلی، مولوی دہلی، عصمت دہلی ساقی دہلی، ہزار داستان لاہور، نیرنگ خیال، ہمایوں اور دیگر ادبی اور دینی رسائل کے پرانے فائل کچھ عرصہ بیشتر تک موجود تھے، جن کا کثیر حصہ شملہ میں تقسیم کی نذر ہو گیا اور کچھ ہماری نقل مکانی وغیرہ سے ضائع ہو گئے۔ بہرحال اس دراز نفسی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ نے گھر میں علمی و دینی و ادبی فضا پائی جس کی وجہ سے آٹھ نو سال کی عمر تک توبۃ النصوح، مرأۃ العروس، بناۃ النعش، مسدس حالی جیسی کتابیں پڑھ چکا تھا اور اردو کا مطالعہ اچھا خاصا ہو گیا تھا۔ خیر یہ تو ضمنی بات تھی جس کا اظہار اپنے بچپن کے ماحول کے اظہار کے لیے ضروری تھا۔

بندہ کی کم نصیبی ہے کہ کسی دینی مدرسہ یا دارالعلوم میں ابجد خوانی کا شرف حاصل نہ ہو سکا بلکہ جو شد بد نصیب ہوئی وہ اصلاً والدین کی برکت، مسجد کا فیض اور ثانوی و ادنیٰ درجہ میں سکول و یونیورسٹی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

بندہ کو سب سے پہلے جس کتاب نے متاثر کیا وہ پہلی جماعت کی کتاب ''اسلام کی پہلی کتاب''[1]

[1] انجمن حمایت اسلام لاہور کی دینی خدمات میں اس کی اسلام کی پہلی کتاب سے چودھویں کتاب تک کا قدیم سلسلہ جو مولوی اسماعیل میرٹھی اور مولانا عبدالرحیم صاحب کا تیار کردہ تھا بہت کارآمد و مفید تھا۔ اس سلسلہ کا خاص امتیاز اردو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مفید معلومات، تاریخ اسلام اور دینی علوم کا تعارف تھا۔ سیرۃ النبی کے علاوہ مسنون دعائیں، ترغیب و ترہیب، منذری کا آسان زبان میں خلاصہ پانچویں سے نویں کتاب تک آ گیا تھا۔ احادیث ترغیب و ترہیب کا اثر اخلاق سازی میں بین و ظاہر ہے۔ دسویں جلد تاریخ پر تھی وقس علی هذا. بحمداللہ چوتھی جماعت تک بندہ نے یہ پورا سلسلہ پڑھ ڈالا تھا۔

(شائع کردہ انجمن حمایت اسلام لاہور) تھی، جس کے ابتدائی لفظ مدت گذر جانے کے بعد بھی کچھ کچھ یاد آتے ہیں۔ ''اللہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے، اس جیسا کوئی نہیں، اس نے سب کو پیدا کیا، وہ سب کا پالنے والا ہے۔''[1]

توحید کا جو نقش ان سیدھے سادے الفاظ میں دل پر مرتسم ہوا بحمداللہ تعالیٰ اعمال کی بے شمار تاہیوں کے باوجود شرک و بدعات سے نفرت کا سبب بن گیا اور پھر چند سال بعد جب مسدس حالی پڑھی تو اس کے یہ الفاظ رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے،

یہ سنتے ہی تھرّا گیا گلہ سارا — یہ داعی نے للکار کر جب پکارا
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اس کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق — اس کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ — جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

بچپن اور مطالعہ: گھر کے ماحول کی وجہ سے بچپن میں شوق مطالعہ اس قدر جوان تھا کہ سکول کی لائبریری کے علاوہ جو کتاب و رسالہ یا اخبار مل جاتا تھا پڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس سلسلے میں دس بارہ سال کی عمر تک رطب و یابس کے ڈھیر پڑھ ڈالے۔ چوتھی جماعت میں ایک ہندو استاد نے ''تسہیل الاملا'' نامی ایک کتاب کا پتہ دیا۔ یہ ''تسہیل'' عربی فارسی اور اردو کے مشکل و ثقیل الفاظ کا اچھا خاصا مجموعہ تھا۔ بندہ نے نہ صرف اس سے ''املا'' کے لیے استفادہ کیا بلکہ اس کے الفاظ و معانی کو یاد کر لیا جس کا آئندہ اردو کتابوں کے پڑھنے میں بہت فائدہ ہوا۔

اسلامی تاریخ کا شوق والدہ محترمہ مدظلہا کے بیان کردہ تاریخی قصّوں سے پیدا ہو چکا تھا۔ ان دنوں گرمی ہم شملہ میں گذارا کرتے تھے، وہاں مکان کے قریب ایک لائبریری تھی جہاں کتابیں کرایہ

[1] ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء تک ایسی کتابیں کہیں کہیں مدارس میں رائج تھیں، ہماری تعلیمی تاریخ کا یہ بھی المیہ ہے کہ پھر جو کتابیں آئیں ان کے ابتدائی فقرے توحید باری کی بجائے یہ تھے ''ابّا بیٹھا حقہ پی رہا ہے''۔ ''اماں چرخہ کات رہی ہے۔'' پھر مزید ترقی ہوئی تو یہ الفاظ آئے ''بلی آئی، چوہا دوڑا''۔ اب Father Dances,Mummy sings یعنی ماں گاتی ہے، باپ ناچتا ہے۔ انا للہ۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پر پڑھنے کے لیے ملتی تھیں۔تیسری جماعت میں تھا،سکول سے آتے ہوئے ایک تاریخی ناول ''فتح یرموک'' مصنفہ صادق صدیقی سردھنوی کرایہ پر لیا اور چونکہ والد مرحوم ناول پڑھنے سے منع کرتے تھے اس لیے بستہ میں چھپا کر لایا اور گھر والوں کی نظر بچا کر بستر میں کتاب پڑھنا شروع کی۔میری ہیئت کذائی نے غمازی کی اور بڑے بھائی محمد اکرم صاحب نے بھانپ لیا،کمبل ہٹایا،دیکھا تو ناول تھا جس کے پہلے باب کا عنوان تھا ''تیر نظر''۔بندش نے شوق کو مہمیز کیا چپکے چپکے پہلے صادق صدیقی اور پھر مولانا عبدالحلیم شرر کے تقریباً سب تاریخی ناول پڑھ ڈالے۔صدیقی کی فتح انطاکیہ اور شرر کے ماہ ملک،عبد العزیز ورجینا اور فلورا فلورنڈا وغیرہ سے طبیعت نے اثر لیا۔اسی پانچ سات سال کے عرصہ میں پرانی طرز کی کتابیں گل بکاؤلی،قصہ چہار درویش،قصہ ممتاز، حاتم طائی،طلسم ہوشربا،فسانہ آزاد وغیرہ نظر سے گذریں۔(آہ!زندگی کے قیمتی لمحات کہاں صرف ہوئے۔)

مطالعہ کا ایک پوشیدہ رخ یہ تھا۔دوسری طرف گھر میں اردو میں جو دینی ذخیرہ کتب موجود تھا اس کا کثیر حصہ بھی مطالعہ کی زد سے باہر نہ رہا۔تفسیر حقانی،احسن التفاسیر،موضح القرآن،ترجمہ حضرت تھانوی، ترجمہ تجرید بخاری،بہشتی زیور وغیرہ اسی زمانہ میں نظر سے گذریں۔ابن تیمیہ کی کچھ کتابوں کے تراجم، اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت،درۃ الناصحین،کچھ تاریخی کتب بھی اسی دور میں پڑھیں۔مزید برآں نئے اور پرانے رسائل واخبارات کا مطالعہ بھی جاری رہا۔آج تک الہلال کی وہ فائل آنکھوں کے سامنے ہیں جو بڑی تقطیع اور چکنے کاغذ پر ٹائپ میں چھپے ہوئے تھے۔اور جن میں ابوالکلام مرحوم کے پہلے دور کی الہلالی اردو جو اپنی برنائی وروانی شان وشوکت اور تحدّیانہ اسلوب میں اپنی خاتم آپ تھی،اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔مخزن کے پرانے فائل،الہلال جدید،ہزار داستان،نیرنگ خیال،ہمایوں،زمانہ،تہذیب نسواں،رومان وغیرہ کونسے رسالے تھے جو مطالعہ میں نہ آئے ہوں۔راتیں بیت جاتی تھیں لیکن شوق ختم نہیں ہوتا تھا۔یہاں مولانا ظفر علی خان کے زمیندار کے اداریوں کا تذکرہ بھی بیجا نہ ہوگا جو مسلمانوں کی شریفانہ اور غیر تمندانہ صحافت کا نقیب اور ادب کی ایک خاص صنف کا نمونہ تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ اس رطب و یابس کا مطالعہ ہرصورت مفید نہیں ہوسکتا اور اپنی ادبیت کے باوجود

عمرو عیار کی عیاریاں (طلسم ہوشربا) خوجی کی قرولی (فسانہ آزاد) کوہ ندا کی صدائیں (حاتم طائی کے قصے) سب افسانہ وفسوں اور بے فکر وآزاد اذہان کی پیداوار اور مسلمانوں کے دور زوال کی یادگار ہیں۔

سکول کے زمانہ میں جن شعراء نے زیادہ متاثر کیا وہ حالی،اقبال اور حفیظ جالندھری تھے۔مسدس حالی،بانگ درا اور شاہنامہ اسلام کے صفحات ازبر (زبانی یاد) تھے اور ان سے ایک گونہ ایمانی قوت وملّی حمیت پاتا تھا۔بارہا اقبال کی بعض نظموں نے اشکبار کیا۔مسدس حالی کے نعت میں اشعار سہل ممتنع اور اپنا جواب آپ ہیں۔آج بھی ان کی تازگی وحلاوت میں فرق نہیں آیا۔حفیظ کا سلام،صحرا کی دعاء،بدر واحد کے معرکے اردو نظم میں خاصہ کی چیزیں ہیں۔سکول کے زمانۂ تعلیم میں دینی کتب میں سے سب سے زیادہ اثر اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت کا رہا۔

کیمیائے سعادت امام غزالیؒ کی آخر عمر کی تصانیف میں سے ہے۔ان کی زندگی کے تجارب کا نچوڑ اور احیاء العلوم کے مبہم مباحث کا خلاصہ ہے۔ترجمہ کیمیائے سعادت سے احیاء العلوم کے ترجمہ مذاق العارفین کا شوق پیدا ہوا۔احیاء کی وہ تاثیر آج بھی یاد ہے کہ چند سطریں پڑھ کر دل بیٹھتا معلوم ہوتا تھا، جس کی وجہ سے کئی مرتبہ کتاب کا مطالعہ رک جاتا تھا۔غزالیؒ نے جس حال وکیفیت میں احیاء کو لکھا ہے اس کا کیف ایک ایک سطر سے جھلکتا ہے اور ان کے دل کی دھڑکن ہر لفظ سے سنی جاسکتی ہے۔

عربی کتب کا مطالعہ:

میری علمی زندگی میں ۱۹۴۰ء و ۱۹۴۱ء خاص اہمیت کے سال ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں بندہ نے اپنی عمر کے پندرھویں سال میں میٹرک پاس کیا۔امتحان کے بعد حضرت الاستاذ [1] مولانا نور الاعظم ابن

[1] حضرت الاستاذ مولانا قاضی نور الاعظم صدیقی باجوڑی ﷾ ہمارے قدیم مساجد کے طرز تعلیم کی ایک عمدہ یادگار تھے۔حدیث شریف میں ید طولیٰ حاصل تھا۔فقہ حنفی پر گہری اور وسیع نظر تھی۔فقہی مسائل کا خصوصاً فقہ حنفی کا استحضار خوب تھا۔تاہم فقہی مسلک میں وسیع المشرب تھے،متداول علوم عربیہ میں مہارت تھی۔آپ کا سلسلۂ حدیث دو واسطوں ((1) حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب دربھنگوی مدظلہ، (2) مولانا شاہ رسول صاحب بالاگڑھوی سرحدی) سے قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالرشید گنگوہی نوراللہ مرقدہ سے منسلک تھا۔بیعت طریقت مجاہد کبیر حضرت حاجی فضل احمد صاحب ترنگزئی نوراللہ مرقدہ (المتوفی ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء) سے تھی۔(حاجی صاحب ترنگزئی قادریہ سلسلہ میں حضرت نجم الدین اخوندزادہ صاحب ؒ معروف بہ اڈے ملا صاحب ؒ سے بیعت تھے۔حضرت حاجی صاحب کی تمام عمر انگریزوں سے جہاد میں گزری) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

منصور علی باجوڑی رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت وتوجہ سے (عربی میں) حدیث شریف کے باقاعدہ مطالعہ کی ابتدا ہوئی [1] اوراس ہیچمدان کی عربی ابجدخوانی کی داغ بیل پڑ گئی۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

استاذ مرحوم کا نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پہلے مشہد آئے پھر افغانستان منتقل ہوئے۔ ان بزرگوں کا مشغلہ دینی تعلیم وتعلم تھا۔ اس لیے مدتوں افغانستان میں قضا کا عہدہ ان کے خاندان میں رہا۔ آخرش بعض نامساعد حالات کے پیش نظر کنڑ سے ہوتے ہوئے حضرت الاستاذ کے مورث اعلیٰ آزاد قبائل کے علاقہ باجوڑ میں متوطن ہوگئے۔ اس علاقہ میں بھی قضا کا عہدہ انہیں کے خاندان میں رہا۔ استاذ مرحوم کے پردادا عثمان علی بڑے جید عالم تھے اور علاقہ میں ان کا بڑا اثر تھا۔ عثمان علی کے بیٹے حضرت علی بھی عالم تھے۔ ان کے بیٹے استاذ مرحوم کے والد گو عالم نہ تھے تاہم علم طب میں مہارت تھی۔ طبابت کا کام کرتے تھے۔ علاقہ انبار میں کچھ مدت فروکش رہے اور وہاں بمقام خوگہ ۱۹۰۰ء میں استاذ مرحوم کی پیدائش ہوئی۔ استاذ مرحوم کا بچپن انبار میں گذرا۔ پھر والد اپنے علاقہ باجوڑ (سلار زئی) چلے گئے۔ ابتدائی کتابیں اپنے علاقہ کے علماء سے پڑھیں۔ پھر صریح مروزئی (تحصیل چارسدہ) میں تحصیل علم کے لیے مقیم ہوئے اور صریح کے صاحب الحق صاحب سے فلسفہ اور منطق کا درس لیا۔ ۱۹۲۷ء میں پشاور آئے اور یہاں مختلف علماء سے فقہ اور دیگر متداول علوم حاصل کیے۔ پھر اہل حدیث پشاور کے مدرسہ میں داخل ہوکر حدیث وغیرہ سے باقاعدہ فراغت حاصل کی اور پھر درس وتدریس میں آخر وقت تک مصروف رہے۔

حضرت الاستاذ زہد وورع اور تقویٰ کا نمونہ تھے۔ تقویٰ کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بندہ فجر کے بعد اور پھر مغرب کے بعد حضرت سے حدیث کا درس پڑھتا تھا، کمرہ میں روشنی کی ضرورت پڑتی تھی بجلی موجود تھی لیکن فرماتے تھے کہ واقف (وقف کرنے والے) کی نیت کے مطابق نماز کے دوران میں بجلی کے استعمال کی اجازت ہے، اس لیے ہم اپنے لیے نہیں جلا سکتے۔ چنانچہ بندہ کو چراغ کی روشنی میں اکثر کتابیں پڑھائیں۔ طلبہ کو للہ وجہ اللہ پڑھاتے تھے۔ بندہ تقریباً بارہ سال ان سے پڑھتا رہا لیکن بندہ سے کبھی ایک حبہ تک قبول نہیں فرمایا۔ طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل اور نام ونمود اور شہرت سے نفور تھی۔ صلہ رحمی اور اقربا پروری کا جذبہ غالب تھا۔ شفقت ورأفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تلامذہ کے ساتھ پدرانہ محبت سے پیش آتے تھے، عمر بھر تجرد کی زندگی گزاردی۔ آپ کے مختلف کتابوں کے اسباق مختلف طلبہ کے ساتھ فجر کی اذان سے شروع ہوتے اور عشاء کے بعد تک جاری رہتے تھے، درمیان میں وقفہ صرف حوائج بشری اور عصر کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا تھا۔ معاشی ضرورتوں کے لیے طب کا پیشہ اختیار کیا تھا، جو مریض آجاتا اسے نسخہ لکھ دیتے، اللہ تعالیٰ نے ہاتھ میں شفا دی تھی چاہتے تو بہت کچھ کما لیتے لیکن اس میں بھی رزقِ کفاف پر قناعت کی تھی۔ تقریباً باسٹھ سال کی عمر میں حج کے موقع پر عرفات سے مزدلفہ کی واپسی پر اچانک طبیعت بگڑی اور ۱۳۸۰ھ کو جان جانِ آفریں کے سپرد کردی اور وہیں مدفون ہوئے۔

[1] احادیث کی امہات الکتب کا نرا ترجمہ محض اردو میں پڑھ لینا متعدد قباحتوں کا مورث وسبب بن سکتا ہے۔ فقیر کے نزدیک چکڑالویت وپرویزیت کے برگ وبار نرا اردو میں احادیث کے پڑھنے سے پیدا ہوجاتے ہیں، خصوصاً جبکہ استاد کی رہنمائی یا کسی اچھے محشی وشارح کے حواشی بھی نہ ہوں۔ علوم عربیہ فنون تفسیر وحدیث وفقہ سے ناواقفیت حدیث کے منشاء اور صحیح مطلب کے سمجھنے میں رکاوٹ پیدا کردیتی ہے اور آخرش انکارِ حدیث کی راہ کھل جاتی ہے۔ تاہم جو کتب محقق علماء نے عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھی ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں مدارس کے اجراء وشیوع سے بیشتر مساجد میں علماء کے اپنے ''درس'' ہوتے تھے۔ استاذ مختلف طلباء کو فرداً فرداً اسباق پڑھاتا تھا اور جب ان کی ایک کتاب ختم ہوجاتی تو دوسری شروع کرا دیتا تھا۔ اس قدیم طرز [1] پر ہمارے آبائی محلہ (مقرب خان پشاور) کی مسجد میں حضرت الاستاذ مرحوم کے درسوں کا سلسلہ قائم تھا۔ مختلف طلبہ کے اسباق ترجمۃ القرآن [2] سے لیکر جلالین وبیضاوی تک منیۃ المصلّی سے ہدایہ تک، مشکوٰۃ سے لیکر صحیح بخاری تک بشرط گنجائش وقت جاری رہتے تھے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہیچمدان نے حرفاً حرفاً مشکوٰۃ شریف، صحیح بخاری، صحیح مسلم سنن ابی داؤد، جامع ترمذی ونسائی پڑھی، اور ابن ماجہ اور دیگر کتب کا ان کی نگرانی میں خود مطالعہ کیا۔ صحیح بخاری کا حاشیۂ سہارنپوری (حضرت مولانا احمد علی محدّث سہارنپوری رحمہ اللہ) بھی استاذ مرحوم نے سبقاً پڑھایا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ شروحِ حدیث سے ایک گونہ مناسبت ہوگئی۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ کا حاشیہ صحیح بخاری کی مختصر شروح میں خاصہ کی چیز ہے۔ فقیر کی محسن کتابوں میں اس حاشیہ کو ایک اونچا مقام حاصل ہے۔ محدث سہارنپوری نے مطول شروح کا عطر کھینچ لیا ہے۔ ایک مبتدی طالبعلم کو مختصر وموجز شروح وحواشی بخاری میں اس سے بہتر رہنما کم ہی

[1] اس طرز تعلیم کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر طالبعلم فرداً فرداً استاذ کی پوری توجہ سے مستفید ہوسکتا تھا اور استاذ شاگرد کی صلاحیتوں کا اندازہ لگا کر اس کی استعداد کے بقدر اسے اپنے علوم سے بہرہ مند کرتا تھا۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر طالبعلم استاذ کی نگرانی میں پوری کتاب پڑھتا تھا، اس لیے ہر طالبعلم تیار ہوکر جاتا تھا اور سبق کے دوران میں پورے تیقظ ودھیان سے استاذ کی تقریر سنتا، سمجھتا اور اسے ہضم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اچھے اساتذہ اپنے تلامذہ کی جانچ وامتحان کے ساتھ ان کی صلاحیتوں کو اجاگر اور بارآور کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ اس درس میں استاذ کا تعلق محض تعلیم وتدریس کا نہیں ہوتا تھا بلکہ استاذ ایک شفیق مربّی واتالیق بھی ہوتا تھا۔

[2] حضرت الاستاذ کے ہاں فقہ میں (اصول فقہ کی کتابوں کے علاوہ) ترتیب یہ تھی، منیۃ المصلی، قدوری، کنز، مستخلص، شرح وقایہ، ہدایہ..... ہدایہ کے اسباق کی تیاری میں استاذ مرحوم کے اپنے مطالعہ میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے حواشی کے علاوہ فتح القدیر وکفایہ وغیرہ رہتی تھی۔ سبق میں حنفی مسلک کو احادیث سے خوب مدلل کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ترتیب یہ تھی، مشکوٰۃ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد۔ ان کے اپنے مطالعہ میں حواشی کے علاوہ بعض متداول شروح ہوتی تھیں۔ فارسی کا نصاب یہ تھا، پنج گنج، بوستان، گلستان، انوار سہیلی، یوسف زلیخا، سکندر نامہ (بعض اوقات دیوان حافظ بھی پڑھا دیتے تھے)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ملے گا۔صحیح بخاری کی مطول شروح میں جیسے فتح الباری وسعت، دقیقہ سنجی اور علوم کی فراوانی میں اور عمدۃ القاری عمق اور حنفی نقطۂ نظر کی ترجمانی میں بے مثل ہیں، اس طرح یہ مختصر حاشیہ ایجاز احتوا میں اپنی نظیر آپ ہے۔ متوسط شروح میں قسطلانی (ارشاد الساری) خوب ہے۔جدید شروح بخاری میں فیض الباری علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے علوم عمیقہ طرز انیقہ معارف متبکرہ کا خزینہ اور ان کی وسعت فکر ونظر کی ترجمان اور گونا گوں خصائص ومزایا کی حامل ہے (کاش معارف انوریہ کا یہ خزینہ کلک یوسفی [1] سے مزید گرانبار ہو پاتا)

شیخ الحدیث مسند الوقت حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری مدظلہٗ کی جدید تصنیف لامع الدراری علی جامع البخاری خصوصاً اس کا مقدمہ حضرت شیخ کے تبحر وتدقیق، مہارت فن وتحقیق کا شاہکار ہے۔ایسے تو تمام مباحث ہی قابل دید اور حرز جاں بنانے کے لائق ہیں لیکن اصول تراجم بخاری کو جس شرح وبسط سے کھولا ہے، تراجم بخاری پر جس دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے کلام فرمایا ہے اور تراجم کے مغلق ابواب کی جو ستر مفاتیح مہیا فرمادی ہیں وہ حضرت شیخ ہی کا حصّہ ہے۔ [2]

صحیح بخاری:

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کا فیض وبرکت، امام بخاری کا اخلاص، الجامع الصحیح کی نورانیت، ندرت و البیلا پن تھا کہ بحمد اللہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ دل ودماغ پر چھا گئی اور ایک عرصہ تک اس کی تلاوت قرآن کریم کی طرح روزانہ کرتا رہا۔ کتب حدیث میں سب سے زیادہ تأثر اس عظیم کتاب کا

[1] حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری مدظلہٗ۔

[2] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ بخاری کی شرح کا قرض امت پر ہے (کہ اس وقفۂ وقت تک علماءِ امت میں سے کسی نے بھی بخاری کی شایانِ شان شرح نہیں لکھی تھی) حافظ ابن حجر کے شاگرد حافظ شمس الدّین سخاوی نے الضوء الامع میں لکھا ہے کہ یہ قرض علامہ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر پورا کر دیا ہے۔حضرت الاستاذ علامہ یوسف البنوری نے تحفۃ العنبر صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کا قول مجھ تک پہنچا ہے کہ حافظ ابن حجر سے تراجم صحیح بخاری کا حق پورا نہ ہوسکا۔حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''شیخ الہند رحمہ اللہ نے جو صحیح بخاری کے ابواب کی شرح لکھنی شروع فرمائی تھی، مکمل ہوجاتی تو انشاء اللہ التراجم کا حق بھی ادا ہوجاتا لیکن افسوس وہ کام مکمل نہ کر سکے تاہم جو حصہ انہوں نے تالیف فرمایا اور شائع ہوا وہ مستفیدین کے لیے چراغ ومعیار ہے۔'' ہیچمدان اپنی کم مائیگی کا مقر ہے، تاہم خیال آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے مقدمہ لامع الدراری سے شاید یہ قرض ادا ہوگیا۔ (واللہ اعلم)

رہا۔ بخاری شریف صرف صحیح روایات حدیث کا ہی گنجینہ نہیں بلکہ بخاری کے وفورِ علمی، ذہانت وفقاہت نے اسے خزینہ علوم بنا دیا ہے۔اگر کسی طالبعلم پر بخاری شریف اپنے مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ کھل جائے تو یقیناً علوم حدیث کا دروازہ اس پر وا ہوجاتا ہے۔ایسے بھی ''صحاح'' میں اصل محنت ایک کتاب پر ہی ہوتی ہے، وہی ''متن'' بن کر باقی کتب کو اپنا حاشیہ وشرح بنالیتی ہے۔احاطہ احادیث اثر پذیری اور دیگر فوائد مہمہ کے لیے کتب صحاح ودوسری کتب احادیث واسفارفن کا مطالعہ ناگزیر ہے۔تاہم اگر طالبعلم ایک کتاب پر پوری محنت کرلے تو دیگر کتب احادیث سے استفادہ آسان وممکن ہوجاتا ہے۔اور دیگر علوم میں بھی امہات کتب کا یہ حال ہے کہ ایک میں مہارت دوسری کتابوں کی اکثر گرہ کشا ہوجاتی ہے۔ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ''اس کتاب (بخاری شریف) کی ایسی برکت ہے کہ اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیا تو انشاء اللہ کہیں رکاوٹ نہیں ہوگی۔'' اصلاح باطن کے لیے صحیح بخاری کی کتاب الرقاق اور جامع ترمذی کے ابواب الزہد والرقاق کا بار بار مطالعہ بہت مفید رہا۔

کتب صحاح اور ان کی شروح:

صحیح مسلم کی شروح میں امام نووی کی شرح عام ومتداول ہے اور سہولت واختصار کے لحاظ سے طلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔ فتح الملہم گو مکمل نہ ہوسکی تاہم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا قابل فخر کارنامہ ہے۔ابوداؤد کے قاری کے لیے بذل المجہود سے مفر نہیں۔جامع ترمذی کی شروح میں مخدومی الاستاد علامہ سید محمد یوسف صاحب البنوری رحمہ اللہ [1] کی مبسوط شرح معارف السنن اسم بامسمّٰی مصنف کے وفور علمی وسعت ودقت نظر حذاقت ومہارتِ فن پر شاہد عدل اور عمق وتحقیق کا نمونہ ہے۔مباحث

[1] یوسف اقلیم فضل وکمال مخدومی الاستاذ العلامہ السید محمد یوسف صاحب البنوری البشاوری مدظلہٗ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے جانشین وعاشق، ان کے علوم کے راوی اپنی ذات میں اسلامی علوم کا چلتا پھرتا جامعہ حدیث وفقہ وتفسیر کے متبحر وناقد عالم، عظیم ادیب اور بحر العلوم ہیں۔حسن اخلاق، جود وسخا، تقویٰ وورع، خشیت ورقیق القلبی، شیریں کلامی وحسن بیان میں نمونہ، دقت نظر، وسعت معلومات کثرت مطالعہ میں اپنی نظیر آپ اور حافظہ اور استحضار علوم کے بادشاہ ہیں:

بسیار شیوہ ہااست بتاں را کہ نام نیست

فقیر کو بھی حضرۃ علامہ مدظلہٗ سے حدیث شریف کی سند واجازت سے سعادت حاصل ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

فاضلہ، دقائق فائقہ، حقائق رائقہ، معلومات واسعہ، معارف عالیہ و رموز عجیبہ پر مشتمل ہے۔ علامہ موصوف نے اس کتاب میں نہ صرف اپنے یگانۂ روزگار استاد علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و تحقیقات کو یکجا کر دیا ہے بلکہ محول محدثین و ائمہ اعلام کے نوادرات علمی کا مفید و جامع ملخص پیش کر دیا ہے۔ مسلک حنفیہ کو احادیث مبارکہ کی روشنی میں جس عدل و فراخدلی اور وضاحت و خوبی سے منقح و مبرہن فرمایا ہے قابل داد و حیرت انگیز ہے۔

اہمیت احادیث نبوی:

کتب حدیث کے بحر زخّار کی شناوری مجھ جیسے بے مایہ کی بساط نہیں۔ علوم و ملفوظات نبویہ کا یہ خزینہ سید الانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارات کا حامل، ہدایت ربانی کا سرچشمہ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ [سورۃ النجم] کا کرشمہ انّی اوتیت جوامع الکلم کی تفسیر، منشاء رسالت کا محافظ اور قرآن کا علمی و حقیقی بیان و ترجمان ہے۔ کتب حدیث کا دائمی مطالعہ و ممارست صحبت نبوت کے انوارات و فیوض و برکات سے ایک گونہ بہرہ مند کر دیتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے اهل الحديث هم واهل النبي وان لم يصبحو انفسه انفاسه صحبوا. اثر پذیری کے لیے حدیث شریف کے مختلف مجموعے مطالعہ میں رکھے جا سکتے ہیں۔ جمع الفوائد کنز العمال، [1] مجمع الزوائد، فیض القدیر مشکوٰۃ وغیرہ ''تجویدی'' مطالعہ کے لیے مفید ہیں۔ حسن عمل اور اعمال میں ''ایمانی و احتسابی'' کیفیت پیدا کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب و فضائل اعمال کی احادیث کا مطالعہ ناگزیر [2] ہے۔ فن علوم حدیث نوع در نوع علوم کا مجموعہ ہے۔ مہارت فن و مناسبت ان علوم کی پیہم تحصیل ہی سے ممکن ہے ورنہ ہر گام پر لغزش کا اندیشہ ہے۔

بات لمبی ہوگئی۔ عرض کر رہا تھا کہ حضرت الاستاذ مولانا نور الاعظم الباجوڑی کی شفقت نے حدیث

[1] اپنی تشنہ تکمیل کتاب نظام ہدایت کے سلسلہ میں کنز العمال کے بالاستیعاب مطالعہ سے بہت فائدہ پہنچا۔

[2] اس سلسلہ میں عربی میں ترغیب و ترہیب، منذری، ریاض الصالحین و کتاب الاذکار نووی اور اردو میں معارف الحدیث مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہٗ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کا مجموعہ فضائل اور چھوٹے بچوں کے لیے جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا (مولانا احمد سعید دہلوی) مفید ہیں۔

مبارکہ کے کوچہ تک پہنچا دیا۔ ان کا یہ احسان اتنا عظیم ہے کہ اس سے سبکدوشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ گو اپنی نااہلی سے استاذ مرحوم یا اس فن شریف کا حق تو ادا نہ کر سکا تاہم ''نفسات نبوت'' کی نسیم جانفزا کا ایک جھونکا بھی مایہ سعادت ہے۔ ورنہ

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگارِ پردۂ در دیکھتے رہے

اردو تراجم قرآن و تفاسیر:

اردو کے تفسیری لٹریچر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بیان القرآن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے حواشی، تفسیر ماجدی اور احسن التفاسیر سے فقیر نے بھرپور استفادہ کیا۔ بیان القرآن (تھانوی رحمہ اللہ) [1] اردو کی احسن التفاسیر ہے۔ مصنف کے محتاط قلم نے اس تفسیر میں اپنے خداداد علوم و معارف کے ساتھ تفاسیر ماقبل کا خلاصہ، روح المعانی کا عطر اور اقوال مفسرین میں راجح قول کو کمال حسن کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ تفسیری باریکیاں، علمی نکات کا بیان اور ذہنی اشکالات کا حل اس انمول تفسیر کا خلاصہ ہے، عربی بلاغت و معانی و لغت کی مشکلات ''حل اللغات'' کے مستقل عنوان سے واضح فرمائی ہیں۔ [2] حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے حواشی قرآنی باوجود ایجاز و اختصار کے مولانا کا تفسیری اعجاز اور علوم نادرہ کا خزینہ ہیں۔ مؤثر و دلنشین بلیغ اردو میں خود بخود تفسیری گتھیاں سلجھتی جاتی ہیں اور جدید اشکالات کے جوابات ملتے جاتے ہیں۔ تفسیر ماجدی (اردو) بیک وقت قدیم و جدید عالم و عامی کی تسلی کا سامان ہے۔ تفاسیر ماقبل سے ''مغز سخن'' کا موجز انتخاب ''قلم ماجدی'' کا کمال ہے۔ عربی کے مختصر جملوں میں طویل و مبسوط تفاسیر سے مقصد کی بات اور روحِ کلام چھانٹ لینا ہنرمند کلک ماجدی کا وہ کارنامہ ہے جس سے بڑی بڑی تفاسیر خالی ہیں۔ ان ''جان مطالب'' جملوں کا مفہوم اردو میں دلکش

[1] محمد علی ایم اے لاہوری قادیانی نے بھی اسی نام سے ایک تفسیر لکھی ہے، نام کے التماس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

[2] افسوس ہے کہ تاج کمپنی (لاہور۔ کراچی) کے تاجداروں نے اپنے تجارتی مفاد کی بنا پر اس اہم اور مفید حصہ کو جو تفسیر کا حجم میں ایک چوتھائی حصہ ہے اپنے مطبوعہ ایڈیشن میں شائع نہیں کیا۔ اناللہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

انشائے ماجدی میں پیش کر دیا گیا ہے۔ مستشرقین کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں، ابلہ فریبیوں کے جوابات، مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور عصری سوالات واشکالات کا حل بھی آ گیا ہے۔

تفسیر حقانی گو سرسید کی اغلاط تفسیری اور نیچریت کے جواب میں لکھی گئی ہے تاہم مفید معلومات کا مجموعہ ہے اور ملاحدہ ودیگر مذاہب کے جوابات اور متشکک اذہان کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ کی جدید تفسیر معارف القرآن شگفتہ اور آسان زبان میں قرآنی معارف ومسائل کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر جدید وقدیم شخص کے مطالعہ کے لائق ہے۔

انگریزی تفاسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر وترجمہ مولانا کے قلم کا شاہکار ہے۔ دیگر خوبیوں کے علاوہ مولانا نے جس تفحص واستعیاب کے ساتھ بائبل وکتب ماقبل سے قرآنی آیات کے شواہد جمع فرمائے ہیں اس سے قرآن کا پہلی کتابوں پر مہیمن ہونا اظہر من الشمس ہوگیا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے اس سے بہتر تفسیر انگریزی میں شاید ہی مل سکے۔ علامہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ وتفسیری حواشی بھی مفید ہیں اور پکتھال کا ترجمہ انگریزی بھی اچھا ہے۔

قرآن کریم کے اردو تراجم میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کا بامحاورہ ترجمہ شاہ رفیع الدّین صاحب کا تحت اللفظ ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب حضرت تھانوی اور مولانا عبد الماجد دریابادی کے تراجم خوب ومستند ہیں، اردو خوان طبقہ کو انہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ اردو میں لغت قرآن پر جو کام کیا گیا ہے اس میں مولانا عبدالرشید نعمانی اور مولانا دائم جلالی کی لغات القرآن [1] اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اردو دان طبقہ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ پچھلی دو جلدوں میں گو نسبتاً اختصار ہے تاہم غنیمت ہیں۔

عربی تفاسیر:

مختلف متداول عربی تفاسیر زیر نظر رہیں۔ لغات کی تحقیق میں مفردات راغب اصفہانی سے فائدہ

[1] منکر حدیث غلام احمد پرویز نے لغات القرآن کے نام سے جو کتاب شائع کی ہے وہ تحریف وتاویلِ فاسد کا پلندہ، لغت نویسی سے مذاق اور تلمیح ودجل کا مرقع اور پرویزی حیلہ گری کا نمونہ ہے جو اس کے ذہن کی عکاسی ہے۔ اگر لغت نویسی یہی ہے تو لغت نویسی سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔

اٹھایا، جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف ادب وبلاغت قرآنی کی کاشف اور لغت ونحو کے مباحث میں بلند مقام رکھتی ہے، قرآن کریم کا کوئی طالبعلم اس کی تحقیقات سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ زمخشری معتزلی ہے اس لیے دوران مطالعہ اس کے ''اعتزالی نظریات'' سے احتیاط ضروری ہے۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں زمخشری سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور تفسیر اسرار التنزیل میں بعض سورتوں کے ذیل میں زمخشری کی عبارات لفظ بلفظ نقل کر دی ہیں۔

منقولی تفاسیر میں ابن جریر طبری ام التفاسیر ہے جس میں لغت، نحو، بلاغت، احادیث وآثار اور اقوال سلف کو اکٹھا کر دیا ہے۔ گو بعض ضعیف روایات بھی نقل کر دی گئی ہیں تاہم ان سے تفسیر کی عمومی ثقاہت پر اثر نہیں پڑتا۔ فوائد عربیہ اور علوم نافعہ کا خزانہ ہے جس سے بعد کے آنے والے ہر مفسر نے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔ علامہ ابن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر میں صحیح روایات کے اہتمام کے ساتھ ابن جریر کی بیشتر خوبیوں کو اپنے میں سمو لیا ہے اور اسے علوم قرآنی کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ گو تفسیر ابن کثیر ایک متوسط تفسیر ہے تاہم اپنے افادات کثیرہ، حسن ترتیب اور فنی کمالات کی بنا پر ہر دور میں ہر دلعزیز ومقبول رہی ہے۔ امام فراء البغوی کی معالم التنزیل اور اس کا ملخص تفسیر خازن منقولی تفاسیر میں اچھی ہیں۔

الجامع الاحکام القرآن یا تفسیر قرطبی اور بحر المحیط (مرتبہ اثیر الدّین ابوحیان الغرناطی اندلس) مرحوم کے علمی سمندر کے دو انمول موتی ہیں، جن کا شمار اوّل درجہ کی تفاسیر میں ہے۔ دیگر کمالات کے علاوہ محقق اقوال کی نقل میں قرطبی اور نحوی گرہ کشائیوں میں بحر المحیط خوب ہے۔

بندہ احکام القرآن جصاص رازی سے بہت زیادہ مستفید ومتاثر ہوا، حنفیہ کی قدیم تفاسیر میں یہ کتاب خاصہ کی چیز ہے اور باوجود اختصار کے بعض مطول تفاسیر پر سبقت لے گئی ہے۔

امام فخر الدّین رازی کی تفسیر کبیر حکمت قرآنی اور استدلالِ عقلی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ رازی قرآن کے اندر ڈوب کر اپنی عمیق وخداداد ذہانت سے پوشیدہ جواہر قرآنی کو صفحہ قرطاس پر بکھیرتے جاتے ہیں۔ ان کی نکتہ سنجیاں کشادِ فکر کا سبب ہیں۔

علامہ آلوسی بغدادی کی روح المعانی اسم بامسمّٰی اور متاخرین کے لیے سرمایہ نازش ہے۔ ادب و

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بلاغت کی گرہ کشائیاں تفاسیر ماقبل کا ماحصل، حنفی نکتہ نظر سے فقہی استدلال، اپنی محققانہ رائے کے ساتھ مستقلاً سلوک ومعرفت کے نکات۔

از سر تا بقدم ہر کجا کہ می نگر
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

تفسیر ابی السعود گومختصر ہے مگر مفید اور حنفی نکتہ نظر کی ترجمان ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی درمنثور تفسیری احادیث کا قابل قدر مجموعہ ہے اور اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ قرآن احادیث کا منبع بھی ہے اور اعمال واقوال محمدیہ کا موئید بھی۔ احادیث نبویہ قرآن پاک کی تشریح وبیان بھی ہیں۔ نزول قرآنی کے مواقع وماحول، منظر پس منظر، عموم وخصوص وغیرہ کی بتلانے والی بھی۔ قرآن وحدیث دونوں باہم لازم و ملزوم، متن وشرح، اجمال وتفصیل، دعویٰ ودلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ احادیث کے بغیر قرآن نہیں سمجھا جاسکتا اور احادیث کی حقیقت قرآنی روشنی ہی میں کھلتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تفسیر فتح العزیز خاندان ولی الٰہی کے علوم قرآنی کی خازن، امین اور حقائق نگاری میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس رنگ میں فقیر کی نگاہ سے کوئی تفسیر نہیں گزری کاش مکمل ہوجاتی تو تفسیری خزانہ عامرہ کا بے بہا موتی ہوتی۔ تاہم حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علمی و عرفانی مقام کا اندازہ اس نامکمل تفسیر سے ہی ہوجاتا ہے۔ [1]

جلالین اس قدر مختصر ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ سے اس کے الفاظ کچھ ہی زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود سلیم الطبع عربی دان کے لیے ایک حد تک مطالب قرآنی کا حل ہے۔

اعجاز قرآن:

قرآن کریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے جس کی وجوہ اعجاز بیشمار ہیں اور اس کا کلی

[1] حضرت علامہ بنوری مدظلہ حضرت علامہ کشمیری نوراللہ مرقدہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ ''قرآن کی تفسیر کا حق ادا کرنے سے مخلوق قاصر ہے تاہم اگر تفسیر فتح العزیز مکمل ہوجاتی تو شاید بشری حد تک تفسیر قرآن کا ایک گونہ حق ادا ہوجاتا۔ (بندہ نے جو مفہوم خیال میں ہے لکھا ہے الفاظ میں فرق ہوسکتا ہے)''

ادراک ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کا اعجاز حرف وصوت نشست الفاظ، انتخاب کلمات و تقاطیع اصوات ترتیب وترکیب کلام، سلاست وروانی ترتیل وسہولت ادائیگی، فصاحت و بلاغت و اسلوب بیان میں نمایاں۔ اس کے مطالب ومعانی پیام واحکام مقاصد وحقائق اخبار غیب وقصص غرض جزوکل میں جاری وساری اور ظاہر وباہر ہے۔ [1]

اعجاز قرآنی پر ہر دور میں علمائے امت نے کام کیا اور ہر ایک نے اپنی بساط کے بقدر اس عمیق فن کے مختلف پہلوؤں کو کھولنے کی کوشش کی۔ جاحظ وزمخشری سے لیکر اس وقت تک علمائے محققین اپنی کاوشوں کے ثمرات کو امت کے سامنے پیش کرتے رہے۔ تاہم احقر کے نزدیک اعجاز قرآنی پر مفید اور مہم کتابیں دلائل الاعجاز (امام عبدالقاہر جرجانی) اعجاز القرآن (علامہ الباقلانی) اعجاز القرآن (ابن تیمیہ)، المثل السائر (ابوفتح ضیاء الدّین المعروف ابن الاثیر الوصل) للیرافعی، البیان مقدمہ مشکلات القرآن (علامہ محمد یوسف البنوری) ہیں [2] جن سے فقیر نے اپنی بساط کے بقدر فائدہ اٹھایا ہے۔ فقیر نے دلائل اعجاز القرآن الباقلانی اپنے مصری استاذ حسین الکاتب سے پڑھیں۔

رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحب البنوری مدظلہٗ نے اپنے مدرسہ میں اعجاز القرآن پر خصوصی درس دئے تھے۔ بندہ کو ان میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت ممدوح کی اعجاز کے بارے میں توضیحات اور علامہ کشمیری [3] رحمہ اللہ کے نظریہ اعجاز القرآن [4] کی

[1] اردو میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا رسالہ اعجاز القرآن اور حضرت سیّد الملت علامہ سیّد سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہ کا اعجاز القرآن پر مضمون سیرت النبی (جلد ثالث) خوب ہیں۔

[2] وجوہ اعجاز کی ان جملہ صورتوں میں ہر صورت ووجہ مستقل تشریح ومضمون کی طالب ہے جس کا محتمل ہمارا یہ رسالہ نہیں۔

[3] علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ دیگر علوم کے علاوہ بلاغت ووجوہ اعجاز کی معرفت میں بھی مجتہد وامام تھے۔ چنانچہ مشہور قول ''لم یدر اعجاز القرآن الا الجرجان'' علامہ بنوری مدظلہ علامہ موصوف کا ارشاد بیان فرماتے تھے احدھما زمخشر ولآخر من جرجان ''و انا ثالثھما'' علامہ بنوری مدظلہٗ علامہ موصوف کا ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ ''بلاغت پر میرا بیان وتقریر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو معلول جیبی کتاب لکھ سکتا ہو اور جسے شعرائے جاہلیت کے دس بارہ ہزار اشعار یاد ہوں۔

[4] اعجاز القرآن عمیق وگہرا فن ہے اس کے ماہر ہر دور میں محدود وشاذ ہوئے ہیں۔ حضرت بنوری کا ارشاد ہے ''علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک تو کچے تھے پک گئے۔ کچھ علوم ایسے ہیں کہ پک کر جل گئے اور کچھ علوم ایسے ہیں جو کچے کے کچے رہ گئے اور ابھی تک نہیں پکے اور یہ علوم ہیں قرآن کریم کے وجوہ اعجاز اور علم بلاغت۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تفصیلات سننے اور ان سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ علامہ بنوری مدظلہ نے دیگر وجوہ اعجاز کے علاوہ اس بات کو خوب واضح اور مدلل فرمایا کہ ''قرآن کریم نہ صرف اسلوب بیان وترکیب کلام میں معجزہ ہے (جیسا کہ امام جرجانی وغیرہ کا قول ہے) بلکہ قرآن باعتبار مفردات ومرکبات کے بھی معجزہ ہے۔

عربی ادب:

عربی ادب کے کوچہ سے ادنیٰ شناسائی اپنے استاذ الدکتور محسن الحسینی الاسکندری المصری (سابق صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی) کے شرف تلمذ کا صدقہ ہے۔ خاکسار نے ان سے عربی نحو و بلاغت میں بعض کتب نقد الشعر، نقد الشعر الوساطہ بین المتنبی وخصوماتہ الموازنہ بین ابی تمام والبحتری کاملاً اور الذخیرہ فی محاسن اہل الجزیرہ، کتاب البخلاء للجاحظ اور دیوان متنبی کا کچھ حصہ اور جدید ادب کی بعض کتابیں پڑھیں۔ استاذی الحسینی صاحب کا ادب کا ذوق بہت پختہ تھا۔ ''نقد'' کی کتابیں خوب شوق سے پڑھاتے تھے۔ انکی شاگردی کی برکت تھی کہ جامعہ پشاور میں نقد کی کتابیں کئی سال تک پڑھاتا رہا۔ استاذ مرحوم زیر درس کتابوں کے علاوہ اس فن کی دیگر کتابوں کی نشاندہی اور ان کا مطالعہ بھی طلبہ سے کراتے رہتے تھے۔ جاحظ کی کتابوں میں البخلاء کے علاوہ کتاب البیان والتبیین (جو بقول شبلی نثر کا حماسہ ہے) سے استفادہ کیا۔ ابن الاثیر کی المثل السائر، ابن اشیق کی کتاب العمدہ، ابن مقفع کی الکلیۃ الدھنہ، الجرجانی کی اسرار البلاغۃ مختارات اوّل ودوم (ابوالحسن علی الندوی) فقیر کی محسن کتابوں میں سے ہیں۔ الاغانی کے کچھ حصے، انثر الغنی، الشعر الغنی، الادب الغنی فی القرن الرابع، مقامات الحریری و مقامات بدیع الزمان ہمدانی اور دیگر کئی کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔ طٰہٰ حسین کے ذہن میں گو الحاد ہے تاہم اپنے اسلوب میں سلاست و اطناب کا بادشاہ ہے۔ اس کی کئی کتابیں پڑھیں۔ امیر شکیب ارسلان، مخدومی ابوالحسن علی الندوی، الطنطاوی وغیرہ کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ تاریخ ادب میں جوجی زیدان کی الاداب اللغۃ العربیہ (چار جلدیں) اسکندرانی کی الوسیط، حسن الزیات کی تاریخ ادب العربی اور حنا الفاخوری وغیرہ کی کتابیں مطالعہ سے گذریں۔ ادبی تاریخ کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو ہر دور کے ادیبوں اور شاعروں سے ایک گونہ واقفیت، ان کے زمانہ کے رنگ ومزاج اور ادبی تغیرات کا پتہ چل جاتا

ہے۔ عیسائی اور مستشرق (اسلامی علوم کے عیسائی اور یہودی علماء) ادب میں بھی اپنے زیغ (ٹیڑھا پن) اور مقصودہ مفادات کی رعایت سے باز نہیں آتے۔ چنانچہ جرجی زیدان اور حنا الفاخوری نکلسن وغیرہ کی کتابیں اس پر شاہد ہیں۔ دینی لٹریچر کے بارے میں عموماً ان کی آراء جانبدارنہ اور مسموم (زہریلی) ہوتی ہیں۔ اس لیے ان پر دینی ادب اور علوم کے بارے میں اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم پختہ اذہان کے لیے ان کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

نظم میں مختلف شعراء کے دواوین کے علاوہ الجمہرۃ الاشعار العرف، المعلقات السبع، الحماسہ لابی تمام دیوان المتنبی وغیرہ شعری مطالعہ کا اثاثہ رہا۔ دیوان المتنبی پر العکبری کی شرح مستند عمیق اور عمدہ ہے تاہم البرتوتی کی جدید شرح مبتدی طلبہ کے لیے زیادہ مفید وسہل ہے۔ دیوان ابی تمام میں بعض مقامات پر گو تعقید و غموض (گہرائی اور دشواری) ہے لیکن غریب لغات ومشکل وثقیل الفاظ کی معرفت اس سے اچھی ہوجاتی ہے۔

اردو ادب:

گذر چکا ہے کہ ۱۹۴۱ء میری علمی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اسی سال اردو ادب کے اساطین کی کتابوں کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ اردو کی ''کتب قیمہ'' کا ایک اچھا ذخیرہ نگاہوں سے گذر گیا۔ مکتوباتِ غالب کی ''عود ہندی''[1] میں بسی ہوئی ''اردوئے معلّی''[2] کی شیریں و پاکیزہ روزمرہ میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی ہے۔

حالی کی کتابیں سنجیدہ ومعیاری، شریفانہ ادب اور پر اثر وسادہ انشاء کا نمونہ ہیں۔ حیات سعدی، یادگار غالب اور مقدمہ شعر وشاعری وحیات جاوید لفظ لفظ پڑھیں۔ حالی کی ادبی تنقید، سوانح نگاری اور اپنے ہیرو سے ''وفاداری'' کا نقش ذہن نے قبول کیا۔

سرسید کی آثار الصنادید، مضامین اور تفسیر القرآن کے بعض اجزاء نظر سے گزرے۔ آثار الصنادید مفید کتاب ہے۔ سرسید کے مذہبی نظریات بحمد اللہ متاثر نہ کر سکے۔ نیچریت وحقیقت سے بعید تر تاویلات (جن کے ڈانڈے تحریف سے مل جاتے ہیں) اور مغرب کی ذہنی مرعوبیت سے طبیعت نفور

[1] [2] غالب کے مکتوبات ان دونا موں سے بھی شائع ہوئے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(بےزار) رہی۔ [1]

شعرا کے تذکروں و تاریخ میں گل رعناء (حکیم عبدالحئ) [2] کا ایک خاص مقام ہے۔ زبان کی شیرینی و سلاست سنجیدگی اور ثقاہت کے ساتھ تاریخی اسناد و معتدل انتقاد اور منصفانہ تقریضات نے کتاب کو ادبِ اردو میں ایک اونچی جگہ بخش دی ہے۔ گل رعناء کے مطالعہ سے آب حیات کی تاریخی حیثیت گو مجروح ہوگئی تاہم اس کی ادبی قدر و منزلت سالم و باقی رہی۔

اردو شعر و ادب کی تاریخ میں شعر الہند (عبدالسلام ندوی) اردو اصناف شاعری اور اس کے مختلف ادوار پر قابل قدر محققانہ تبصرہ و تقریظ [3] ہے۔ تاریخ ادب اردو (عسکری) غالباً اردو نثر و شعر کی واحد

[1] سرسید احمد خان مسلمانوں کی محبت و قومی درد و خلوص کے باوجود امت کے صحیح مرض و علاج کی تشخیص و تجویز نہ کر سکے اور ان کی مساعی کی وجہ سے اسلامیان ہند و پاک نے ایک ایسے نظام تعلیم کو قبول کر لیا جس سے کسی حد تک گو وقتی معاشی مفادات وابستہ تھے..... لیکن حقیقتاً وہ مزاج امت کے منافی تھا اور اس میں امراض امت کا مداوا نہ تھا۔ اقبال نے اس حقیقت کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

رہبر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا مجھے
لیکن نگاہ نکتہ بیں دیکھے زبوں بختی مری
رفتم کہ خاک از پاکشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

تَرجَمَة: رہبر (سرسید احمد خان) کے کہنے پر مجھے تعلیم کا شوق ہوا لیکن سمجھدار نظر نے میرے برے حال کو دیکھا کہ میں چلا کہ پیر سے کانٹا نکالوں اور اونٹ کا کجاوہ نظروں سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر غافل ہوا اور سینکڑوں سال راستے سے دور ہو گیا۔ کیا قیامت ہے کہ ایک چوتھائی صدی گزر جانے پر بھی پاکستان اس فرسودہ نظام تعلیم اور تقویم پارینہ سے اپنا دامن نہ چھڑا سکا اور اس قدیم صد چاک ''قبا'' پر پیوند پر پیوند لگا رہا ہے۔

[2] مولانا حکیم عبدالحئ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ بقول حضرت سید سلیمان ندوی ہندوستان کے ابن خلکان و ابن ندیم (عظیم مسلمان دانشور) تھے۔ ان کی آٹھ مجلدات میں ضخیم تصنیف نزہت الخواطر برصغیر ہند و پاک کے اعیان و فضلا کا بے مثل و نادر (عربی میں) تذکرہ ہے۔ یہ کتاب اور ثقافۃ الہند فی عہد الاسلامی، یادایام اور دیگر تصنیفات ان کی فضیلت پر شاہد عدل ہیں۔ ان کا مسبوط تذکرہ ''تذکرہ عبدالحئ'' کے نام سے ان کے مایہ ناز فرزند رشید مخدومی مولانا ابوالحسن الندوی مدظلہٗ نے لکھا ہے۔ ان کا خاندان ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہے۔

[3] آج زمانہ کا رنگ بدل گیا۔ ہماری قدیم ''تنقید و تحقیق'' کے معیار آج فرسودہ گردانے جا رہے ہیں اور مشرقی ادب کو ''مغربی پیمانوں'' سے جانچا جا رہا ہے۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ زبان و معاشرت و ثقافت کے تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے جو مغرب میں ہے اسے مشرق میں دکھانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جو ''ان کے'' نزدیک ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا اسے ''ہدف ملامت'' بنا دیا جاتا ہے۔ گو وہ خود ہی کہتے ہیں مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، نہ وہ کبھی ملے ہیں اور نہ ملیں گے لیکن واحسرتا ذہنی شکست کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ انا للہ

مبسوط معیاری تاریخ ہے۔ مترجم (مرزا محمد عسکری) کا کمال ہے کہ کتاب طبع زاد معلوم ہوتی ہے اور ترجمہ [1] کا گمان تک نہیں ہوتا۔ تاریخ ادب میں جدید اردو شاعری وغیرہ کئی دوسری کتابیں بھی نظر سے گذریں۔

صاحب طرز انشا پرداز مہدی الافادی کی افادات مہدی کے مضامین اردو ادب عالیہ میں اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ مہدی کا طرز تحریر شبلی و محمد حسین آزاد کے اسالیب کا آمیزہ دلکش اور پر اثر ہے۔ بندہ اس کے اسلوب سے بہت متاثر ہوا۔ نذیر احمد کی بنات النعش مرأۃ العروس اور توبۃ النصوح بچپن میں پڑھ چکا تھا۔ ابن الوقت، رؤیائے صادقہ اور ترجمہ قرآنی [2] بعد میں نظر سے گزرے۔

شبلی:

شبلی کی سیرت النبی اور الفاروق والدہ محترمہ کے کتب خانہ میں تھیں۔ الفاروق پڑھی، شبلی کی تحقیق و تاریخ نگاری نے مسخر کر لیا۔ الفاروق شبلی کا بڑا کارنامہ ہے جس نے بہت سے مغرب زدہ اذہان کو اسلامی عدل و نظریۂ سیاست کی فوقیت کا قائل کر دیا۔ کاش وقتی تقاضوں کے مداوا کے ساتھ مولانا مرحوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دینی و روحانی مزایا و کمالات کو بھی پورا اجاگر کر دیتے تو کتاب کی افادیت مزید بڑھ جاتی۔ تاہم جو ہے تاریخی لٹریچر کا قابل فخر سرمایہ ہے۔

الفاروق کے مطالعہ نے شبلی کی عظمت و محبت پیدا کر دی اور شبلی کی ایک ایک کتاب و مقالہ مزہ لے لے کر پڑھتا رہا۔ المامون، الغزالی، الکلام الجزیہ، موازنہ انیس و دبیر، شعر العجم مقالات (آٹھ جلدیں) نظر سے گزریں۔ تاریخ و ادبیت و علم کا ایک عظیم مجسمہ شبلی دل و دماغ پر چھا گیا اور ان کی علمی و تحقیقی فتوحات نے اس وقت تک کے دیگر تمام نقوش ماند کر دیے۔ شعر العجم جو ان کی ادبی کتابوں میں شاہکار ہے میرے ادبی ذوق کو جلا بخشتی رہی اور ان کی دیگر کتابوں سے اپنی علمی پیاس بجھاتا رہا۔

---

[1] اصل کتاب انگریزی میں رام بابو سکسینہ کی تالیف ہے۔

[2] ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ علمی لحاظ سے غلطیوں سے معمور اور بعض جگہوں پر احکامات کی غلط بیانیوں پر مشتمل تھا۔ یہ اغلاط حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اصلاح ترجمہ دہلویہ کے نام سے شائع فرمائی ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سیرت النبی ﷺ (اوّل و دوم) برسوں سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سوتا تھا۔ مجھ پر شبلی کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی سیرت النبی نے سیرت سے شغف بخشا اور اسی مطالعہ سیرت کے سلسلہ میں جب سیرت النبی (جلد چہارم) کی ''صفات الٰہیہ'' کی بحث پر پہنچا تو قلب و دماغ شدّت تاثیر سے دگرگوں تھے۔ اور اسی کا اثر تھا کہ آخرش سیرت نگار نبوی جانشین شبلی اپنے شیخ قیّم و مربّی اوّل حضرت سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کو غائبانہ اپنا دل دے بیٹھا:

اتانی هواها حين لم اعرف الهوى
فصادف قلباً خالياً فتمكّنا

میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اک نظر
جس نے دنیا بھی بدل دی عشق کی میرے لیے

گویا شبلی مرحوم حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی بارگاہ تک رسائی کا سبب اوّل بنے۔ ان کی سیرت نہ ہوتی تو فقیر کو چۂ سلیمانی کی گرد کو سرمۂ چشم نہ بنا سکتا۔ فجزاهم الله تعالى احسن الجزا.

حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے در سے کیا ملا یہ الگ داستان ہے جس کا یہ عجالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ گو جی چاہتا ہے:

باز گو از نجد و از یاران نجد
تادرو دیوار را آری بوجد

تَرْجَمَة: نجد کے علاقے (قیس مجنون کا علاقہ) اور نجد کے دوستوں کی ذرا پھر بات کہو تا کہ دروازے اور دیواریں بھی وجد میں آجائیں۔

سیرت النبی ﷺ:

علامہ شبلی و حضرت سید سلیمان ندوی رحمہما اللہ کی سیرت النبی ﷺ [1] میرے آقا سید دو عالم نبی

[1] بشری لغزشوں سے کون برّی ہے۔ چند مقامات سے دیانتاً اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس سے کتاب کی مجموعی ثقاہت و استناد پر اثر نہیں پڑتا۔

الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سوانح و تعلیمات کا دائرۃ المعارف (انسائکلو پیڈیا) ہے اور سیرت پر اپنی نوعیت کی پہلی و آخری کتاب ہے جس کی نظیر پورے اسلامی کتب خانے میں نہیں ملتی۔ شبلی و حضرت سلیمان ندوی پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ خاص تھا کہ ان سے یہ کام لے لیا گیا۔ [1] سیرت نبویہ کے اس خزانہ سے اپنی استعداد و ظرف کے بقدر استفادہ کی کوشش کرتا رہا اور یہ بات برملا کہہ سکتا ہوں کہ فقیر کی زندگی میں یہ کتاب مستطاب جس قدر دخیل رہی شاید ہی کوئی کتاب اتنی مؤثر رہی ہو۔ [2]

سلسلۂ سیرت میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مختصر کتاب ''خطبات مدراس'' [3] سیرت کے دفاتر اور بعض ضخیم مجلدات سیرات پر بھاری ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام (روحی فداہ) ﷺ کی حقانیت کی دلیل، نبوت محمدی پر شاہد عدل، ہر جدید و قدیم پڑھے لکھے کے مطالعہ کے لائق اپنے طرز استدلال و پیشکش میں اچھوتی اور دلکش ہے۔ سیرت پر مختصر کتابوں میں خطباتِ مدراس اور النبی الخاتم (سید مناظر احسن گیلانی) نشر الطیب (حضرت تھانوی) سے زیادہ (اپنے اپنے رنگ میں) مؤثر، عظیم، جامع، دلکش اور البیلی کتابیں فقیر کی نظر سے نہیں گذریں۔ رحمتِ عالم (حضرت سید سلیمان ندوی) اور اوجز السیر بھی خاص تاثیر رکھتی ہیں اور عام طلبہ کے لیے مفید اور دلچسپ ہیں۔ مولانا سید سلیمان منصور

[1] یہ لطیفہ سن کر شاید تعجب کیا جائے کہ فقیر کا اصلاح کا تعلق ۱۹۴۳ء سے حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ سے خط و کتابت کے ذریعہ قائم ہو گیا تھا جو حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مجاز بیعت و خلیفہ تھے لیکن ۱۹۵۰ء میں جب حضرت سید صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت کے استفسار پر کہ حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات و دیگر سلوک کی کتابیں پڑھی ہیں، عرض کیا کہ اس بارہ میں بھی ''سیرت'' کی جلدوں سے استفادہ کرتا رہا۔ متواضع شیخ نے فرمایا ''حضرت تھانوی کی کتابیں پڑھئے وہاں ہر چیز اندر سے پھوٹ کر نکلی ہے''۔ غرض سلوک کی راہ اور حضرت تھانویؒ سے عقیدت بھی سیرت ہی کا فیض ہے۔

[2] سیرت النبی کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ پشتو اکیڈمی کے زیر نگرانی مولانا محمد اسرائیل صاحب نے پوری چھ جلدوں کا ترجمہ کر لیا ہے جس میں سے صرف ایک جلد طبع ہو سکی ہے۔ کاش صوبائی حکومت و جامعہ پشاور اس کی اشاعت کی سبیل کر سکے۔ دوسری صورت پشتو جاننے والے مخیّر حضرات کی اعانت بھی ہو سکتی ہے۔

[3] کتاب عربی و انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ خطباتِ مدراس میں ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ یہ حقیقت واضح و ثابت کی گئی کہ احادیث مبارکہ کا ایک کثیر حصہ صحابہ کرام خود قلمبند فرما چکے تھے۔..... ''پرویزی حیلہ گروں'' کی ابلہ فریبیاں اور دسیسہ کاریاں فیض نبوت سے امت کو محروم کرنے کے لیے ہزار دھول اڑاتی رہیں حقیقت نبوت کا شمس بازغہ اپنی نورانیت سے انشاء اللہ قیامت تک امت کے دلوں کو روشن کرتا رہے گا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پوری کی رحمۃ اللعالمین سیرت کے ذخیرہ میں ایک اچھا اضافہ اور بعض تحقیقات ومباحث میں منفرد ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب کی خاتم الانبیاء اور مولانا عبدالماجد دریابادی کی سیرت قرآنی بھی خوب ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب [1] کی رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی اپنے طرز میں خوب ہے۔

عربی ذخیرہ سیرت میں علامہ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کی پہلی چھ جلدیں (نصف اوّل کو چھوڑ کر) سیرت النبی پر مشتمل ہیں۔ بحمد اللہ مدتوں مطالعہ میں رہی اور بھرپور استفادہ بقدر ظرف کرتا رہا۔ حافظ نے سیرت طیبہ کے دفاتر کو کھنگال لیا ہے اور حیاۃ نبویہ کا مبسوط تذکرہ امت کے سامنے پیش کر دیا ہے، جس کا مطالعہ عربی دان طبقہ کے لیے مفید ہے۔ چھٹی جلد روایات معجزات پر ہے اور قابل دید ہے۔ البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر ایک عظیم مؤرخ بصیر محدث، دقیقہ رس محقق و ناقد کی حیثیت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ حافظ موصوف کی صرف یہ کتاب ان کی جلالت شان اور وفور علمی پر دلالت کے لیے کافی ہے۔ سیرت ابن ہشام (عربی) موجود کتب سیر میں مقدم اور ام الکتب [2] ہے جس سے کوئی شائق سیرت بے نیاز نہیں

[1] ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی ثم فرنساوی (مقیم پیرس) شہرۂ آفاق محقق اور متعدد زبانوں میں بلند پایہ محققانہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی اردو، عربی، انگریزی کتابوں سے خوب استفادہ کیا۔ صحیفہ ابن ہمام الوثائق السیاسیۃ النبویہ Intrductonto Islam,Muslim conduct of state,Islamic Jurispurdence نبی انور ﷺ کے زمانے کے میدان جنگ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، مؤتمر جرائد میں ان کے مقالات خاصہ کی چیزیں ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے فرانسیسی میں قرآن کا ترجمہ بھی کیا ہے اور سیرت النبی (دو جلدوں میں) لکھی ہے۔ باوجود ایک عظیم محقق وعلمی شخصیت ہونے کے انتہائی متواضع، ملنسار اور صورت ولباس میں مشرقی ودینی طرز کے پابند ہیں۔ فقیر نے انھیں حضرت سید صاحب کی ایک مجلس میں دیکھا جب وہ تعلیمات اسلامی بورڈ سے استعفیٰ دے کر فرانس جانے والے تھے۔

[2] حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری مدظلہٗ نے عقبات کے مقدمہ میں خوب کہا ہے، اذا قلنا الرجل انه صحابی اوانه صحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فناهیك به مزیة و فضیلة فی قوة ایمانه و شده یقینه و کمال اخلاصه و عمق علمه و حسنه عمله و جهاد فیه سبیله و ایثار لما عند الله و زهد فی الدّنیا فکاننا اثبتنا کل کمال و جمال و کل فضل ونبل فاذن ذالك ابلغ تعبیر واوجزه لاثبات فضل و کمال قال سید نا عبدالله ابن مسعود رضی الله عنه ذالك الصحابی الجلیل الذی قال فیه سیدنا الفاروق رضی الله عنه کنیف ملئی علما و فقها فی اصحاب سیدنا الرسول صلی الله علیه وسلم اولئك اصحابِ محمد صلی الله علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرها قلباً واعمقها علما و اقلها تکلفا (الی ان قال فاعرفو الهم فضلهم الخ عقبات ص۱) اختار هم الله لصحبة نبیه (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رہ سکتا۔ کتاب عصر رسالت کی عکاس ہے۔ ابن ہشام کی حقیقت نگاری وخلوص دل پر اثر کرتا ہے۔

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں سیرت نبوی کا قدآدم آئینہ امت کے لیے مرتب کر دیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف سیرت ووقائع محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کی امین ورہنما ہے بلکہ سیرت آموز و سیرت ساز بھی ہے۔ زندگی کے ہر گوشہ میں اسوۂ نبوت کو نمایاں اور اجاگر کر دیا ہے کہ جادۂ حبیب ﷺ کے راہی ہر قدم پر نقش رسالت کی گرد کو سرمۂ چشم بنا سکیں اور مشعلِ ہدایت کی ضوفشانیاں ان کے ظاہر و باطن کو روشن کرتی رہیں۔

..... ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ایک قرآنی حقیقت ہے جس پر عمل سیرت مبارکہ کے تفصیلی مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے۔ الحمد للہ علمائے امت (ابن اسحٰق، زرقانی وسہیلی، قسطلانی و قاضی عیاض سے لے کر اس وقت تک کے محقق ومحتاط سیرت نگاروں نے اس فریضہ کو کمال خوبی سے ادا کیا ہے اور ہر زبان میں سیرت پر بڑی چھوٹی اور منجھولی کتابیں مہیا فرما کر حضور انور نبی الانبیاء سید الرسل ﷺ کے جمال جہاں آراء سے عالم کو روشنی بخشی ہے۔ سعادت مند وخوش نصیب ہیں وہ حضرات جو اس قدسی الصفات ذاتِ گرامی ﷺ کے پرتو سے اپنے کاشانۂ زندگی کو منور کر سکیں۔

سیرت النبی (شبلی وسلیمان ندوی) کے ضمن میں سیرت پر یہ چند باتیں زبانِ قلم پر آ گئیں۔ بات اردو کے مصنفین اور کتابوں پر چل رہی تھی۔ بحمد اللہ تعالیٰ اردو اساطینِ ادب کی کتب قیمہ ایک ایک کر

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)

صلی الله علیه وسلم ولا قامة دینه فاعرفوهم فضلهم واتبعو هم علی اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم فانهم کانوعلی الهدا المستقیم. (جمع الفوائد ص ۲۸، ج۱)

تَرجَمَة: جب ہم کسی شخص کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ صحابی ہے یا اس نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے تو صحابہ کی قوت ایمان، شدت یقین، کمال اخلاص، علمی گہراؤ، حسن عمل، جہاد اور اللہ تعالیٰ کی مرغوبہ چیزوں کی ترجیح اور دنیا سے بے رغبتی میں فضیلت وکمال سمجھنے کے لیے یہ لفظ (صحابی) تیرے لیے کافی ہے۔ گویا (جب ہم کسی شخص کو صحابی یا اس کے لیے صحبت رسول ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں) تو اس شخص کے لیے ہم ہر کمال وحسن، فضیلت وشرافت کو ثابت کر دیتے ہیں (کہ لفظ صحابی میں یہ سب کچھ موجود ہے۔) اس طرح صحابی کے لفظ کا استعمال فضل وکمال کے ثابت کرنے کے لیے بلیغ ترین اور موجز ترین تعبیر ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے پڑھیں اور اردو کلاسیکی لٹریچر کا خوب مطالعہ کیا۔ دل و دماغ بقدر ظرف مستفید ہوتا رہا۔

جادو بیان محمد حسین آزاد اور سحر طراز ابوالکلام آزاد دونوں اپنے خاص طرزِ انشاء کے بادشاہ موجد و خاتم ہیں۔ دونوں کا طرز نگارش دل کو لبھاتا رہا، تاہم اقلیمِ دل پر شبلی کے قلم کا سکّہ جم چکا تھا اور ''شبلوی انشاء'' نے دیگر نقشوں کو ماند کر دیا تھا۔ چنانچہ شبلی اور ان کے تلامذہ اور منتسبین کی کتابیں اوڑھنا بچھونا بن گئیں۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ (جسے جانشینِ شبلی سید الطائفہ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے برصغیر میں اسلامی علم و دانش کا حقیقی اعظم گڑھ بنا دیا تھا) کی کونسی کتاب ہے جو نظر سے نہ گذری ہو۔ اردو کے سید المصنفین سلیمان اعظم (علامہ ندوی) کی کتابیں تو خیر علم و ادب کا معیار اور تحقیق و دانش کا نمونہ ہیں ہی، میرے لیے شبلی اکادمی کی ہر کتاب حسن صوری و معنوی کا مجموعہ اور علم و حکمت کا خزینہ تھی۔

سیر الصحابہ:

دارالمصنفین کی کتابوں میں سیرت النبی کے بعد سیر الصحابہ کی ضخیم مجلدات کا میری ذہنی ساخت پر گہرا اثر رہا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پاک ہستیاں انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کا خلاصہ، رشد و ہدایت کا مینار اور ختم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے علم و عمل کی حامل و امین و داعی اور ان کی زندگی کی شاہد و گواہ ہیں۔ صحابہ کرام کی ذواتِ عالیہ حقیقتاً اسلام کی برتری و حقانیت کا ثبوت ہیں جن کی فضیلت پر نصوصِ قرآنیہ و ارشاداتِ نبویہ کافی ہیں۔ امت ہر دور میں ان کے اسوہ و نمونہ کی محتاج ہے۔[1] حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے اسوۂ صحابہ کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر اردو میں احوال صحابہ کا ایک پاکیزہ و مستند ذخیرہ گیارہ جلدوں میں امت کے سامنے اپنے رفقاء سے لکھوا کر پیش کرا دیا جو سلجھی ہوئی زبان میں تاریخ و سوانح نگاری کی جدید خوبیوں کے ساتھ علم و عمل کی ایک اچھی دعوت ہے۔ سیر الصحابہ کے سلسلے کے

[1] صحابی جلیل سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ (جن کے بارے میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ علم و فقہ سے بھرپور تھیلی ہیں) کا ارشاد ہے، اصحاب محمد ﷺ اس امت میں سب سے افضل تھے جن کے دل سب سے پاکیزہ، جن کا علم سب سے گہرا، جو سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ (اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چنا تھا تاکہ وہ ان کے دین کو قائم کریں۔ پس ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو اور جس قدر ممکن ہو ان کے اخلاق و سیرت کو مضبوطی سے پکڑو کہ وہ سیدھے راستے پر تھے۔

بعد سیرت ساز کتابوں میں تابعین و تبع تابعین کے مجموعے بھی خوب ہیں۔ جو دارالمصنفین کی حسنات میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ سیر الصحابہ کی تدوین میں دارالمصنفین کو اردو زبان میں سبقت الی الخیر کا شرف حاصل ہے۔ اردو میں شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مدظلہٗ کی مقبول ترین تالیف ''حکایات صحابہ''[1] جو بہشتی زیور کی طرح گھر گھر پھیل چکی ہے اپنی تاثیر و سہولت میں لاجواب ہے۔

امت نے صحابہ کی زندگی و سیرت کے جاننے کے لیے ہر زمانہ میں اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ عربی میں طبقات و رجال و سیر کے دفاتر صحابہ کے احوال سے پر ہیں۔ متعدد کتابیں خاص صحابہ کے حالات میں لکھی گئی جن میں زیادہ متداول اور مقبول اصابہ، اسد الغابہ اور استیعاب ابن عبدالبر وغیرہ ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں وفیات کے ضمن میں التزاماً صحابہ کے حالات جمع کیے ہیں۔ مخدومنا حضرت علامہ محمد یوسف الکاندھلوی رحمہ اللہ کی حیاۃ الصحابہ (تین ضخیم جلدوں میں) صحابہ کی زندگی کا اچھوتا و مستند و عمدہ مجموعہ ہے۔ جو داعیانہ ذہن کا عکاس اور محدثانہ طرز کی پیشکش ہے اور قوت تاثیر و افادیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ عربی جاننے والوں کے لیے صحابہ کی زندگی سے آگاہی اور اثر پذیری کے لیے محولہ بالا کتب کا مطالعہ مفید بلکہ ناگزیر ہے۔

کتب تاریخ:

دارالمصنفین اعظم گڑھ کی تاریخی کتب تاریخِ اسلام، تاریخِ دولتِ عثمانیہ، تاریخ اندلس، تاریخ صقلیہ وغیرہ ایک ایک نظر سے گذریں۔ شبلی مرحوم کا ایک قول حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے حیاتِ شبلی میں نقل کیا ہے کہ ''تاریخ تو شبلی کے دسترخوان کی چٹنی تھی۔'' یہ چٹنی زبان کا چٹخارہ بن گئی اور اپنے تاریخی ذوق کی آبیاری عربی اردو اور انگریزی کی کتابوں سے کرتا رہا۔ عربی میں طبری، ابن خلدون، ابن اثیر، ابن کثیر، ابن قتیبہ، بلاذری وغیرہ کتابیں دیکھیں۔ انگریزی میں فلپ ہٹی کی ہسٹری آف عربز اور ہسٹری آف سیریا، گبن کی Decline and fall of Roman empire میور کی The Caliphate اور دیگر متعدد کتب اور انسائکلو پیڈیا بریٹانیکا اور انسائکلو پیڈیا آف اسلام وغیرہ کے

[1] حکایات صحابہ کا ترجمہ انگریزی، جاپانی اور فارسی میں ہو چکا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

متعدد حصے پڑھے اور ان کا تریاق اپنے بوریا نشین مؤرخین ہی کی کتابوں میں دکھائی دیا۔ مستشرقین کا طبقہ بڑا پرکار ہے، ان کے شہد نما سم قاتل (ہلاک کرنے والا زہر) سے بچنے کے لیے گہری نگاہ اور ہوشمند دل کی ضرورت ہے۔

دارالمصنفین نے استشراق کے فتنہ کا جس بے جگری سے مقابلہ کیا اس کی مثال معاصر عہد میں کم ہی ملتی ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ خوش نصیبی ہے کہ وہاں دارالمصنفین اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین، دائرۃ المعارف حیدرآباد، تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنؤ جیسے متعدد ادارے موجود ہیں، جن کی اکثر کتابیں دنیا کی کسی بھی مجلس علمی کے لیے فخر ومباہات کا سبب بن سکتی ہیں۔

دارالمصنفین نے سوانح پر جو کتابیں شائع کی ہیں وہ تحقیق واستناد کی بلندی کے ساتھ اردو ادب کا اعلیٰ سرمایہ ہے۔ غرض ہیچمدان دارالمصنفین کی کتابوں کا ہمیشہ زلہ بار رہا اور اپنی جہالت کی پردہ پوشی ان کتابوں کی ورق گردانی سے کرتا رہا۔ دارالمصنفین کے ساتھ تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ اور ندوۃ المصنفین دہلی کی علمی وادبی تصنیفات سے خوشہ چینی کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی۔ فقیر جدید طبقہ اور عام مسلمانوں کی ذہنی الجھنوں کا مداوا بڑی حد تک ان اداروں کی مطبوعات میں پاتا ہے۔

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ:

عرض کر چکا کہ شبلی کی سیرت نے سیدی ومطاعی حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بارگاہ تک پہنچا دیا۔ حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہٗ میرے صرف دینی اور روحانی پیشوا ہی نہ تھے بلکہ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۳ء تک کا دس سالہ زمانہ ایسا گذرا کہ جہاں بھی رہا دل ان کے پاس تھا، اور ان کی ہر تحریر وہر سطر فقیر کے لیے سرمۂ بینش، مایۂ تسکین، مہمیزِ عمل اور روشنی کا مینار تھی۔ سیرۃ النبی کے بعد ''سلیمانیات'' کا جو حرف وشوشہ ملا حرزِ جان تھا۔ میرے لیے علم وعمل کی بلندیوں کا دائرہ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذات بن گئی تھی۔ گو ان کی نگاہِ پاک اور پرِ پرواز کا جو تقاضا تھا اس کی پرکاہ کو بھی نہ پا سکا کہ.....

فیضِ ساقی ہے باندازۂ ظرف میخوار
دل حریف مئے بسیار کہاں سے لاؤں

تاہم اپنی کوتاہیوں کے باوجود فکر ونظر کی رہنمائی ہمیشہ حضرت والاؒ کی تحریروں اور ارشادات سے پائی اور بحمد اللہ تعالیٰ یہی فقیر کا سرمایۂ زندگی ہے:

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

حضرت والا قدس سرہٗ کو دین ومذہب کے علاوہ تاریخی [1] ادبی، علمی، تحقیقی غرض ہر راہ میں اپنا امام سمجھا اور بحمد اللہ آج بھی حال یہ ہے کہ:

خدا جانے مجھے کیا کہہ کے ساقی نے پلایا ہے
وہ کب کا جا چکا پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

حضرت والا قدس اللہ روحہ کی تحریریں میری زندگی پر کس کس طرح اثر انداز ہوتی تھیں اس کا اندازہ صرف دو واقعات سے فرمالیجئے۔

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتابیں بہشتی زیور، التکشف وغیرہ والدہ صاحبہ مدظلہا کے کتب خانہ میں موجود تھیں، لیکن ان دونوں کتابوں میں ''پیر ومرید'' کے باہمی آداب وضوابط پڑھ کر 'راہِ سلوک' مجھ جیسے کوتاہ ہمت کو پہاڑ معلوم ہوتی تھی۔ اور اس گھاٹی کے قریب جانا بھی دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اس بارے میں ذہنی کشمکش وحیص بیص میں مبتلا تھا کہ ۲۲ جولائی ۱۹۴۳ء (۱۵ رجب ۱۳۶۲ھ) کو شیخ الکل حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کا وصال ہو گیا۔ اخبار ''ڈان'' دہلی میں سانحہ ارتحال کی خبر پڑھی اور اس میں حضرت قدس سرہٗ کے خلفاء میں

---

[1] حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کا تاریخ میں مقام مسلمہ ہے۔ آپ کی نظر تاریخ کے جملہ شعبوں پر انتہائی عمیق تھی۔ آپ کی تحریروں میں اتنا رہنما مواد مل جاتا ہے جس کی بنیاد پر تحقیق کی نئی اور عظیم راہیں کھل سکتی ہیں۔ فقیر نے اپنے انگریزی مقالہ The early Indo-Arabic Relations میں حضرت ہی کی کتابوں کو بنیاد بنا کر اپنے خاکہ میں رنگ بھرا ہے۔ گو دیگر مصادر بھی کافی ہیں لیکن بنیاد اور خیال انگیز حضرت ہی کا سرمایہ ہے۔ اس مقالہ میں چار ہزار قبل مسیح سے لے کر عربوں کی فتح سندھ تک عرب وہند کے تعلقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ میرا ایم۔اے عربی کا مقالہ تھا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ حضرت کی اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''عرب وہند کے تعلقات'' کے نام سے موجود ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت سید صاحبؒ کا نام پڑھا۔ خوش بختی نے کہا:

آمد آں یارے کہ مامی خواستیم

اس تقریب کو حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رسائی کا بہانہ بنایا۔ خط لکھا، چوتھے دن خط کا جواب اعظم گڑھ سے پشاور پہنچا۔ مقصد بر آیا اور سلوک کی مہیب راہ حکمتِ سلیمانی سے گلگلدہ جنت معلوم ہونے لگی۔ سچ ہے:

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

پھر کیا تھا، درِ مکاتبت وا تھا، دل بے اختیار پکار رہا تھا۔

﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۴۴﴾ [سورة النمل]

تَرْجَمَة: اے میرے پروردگار میں نے اب تک اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں اب سلیمان کے ساتھ اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے پر ایمان لائی۔

اور زبانِ حال کہہ رہی تھی:

اب درِ پیرِ مغاں چھوٹے نہیں
اسکی مٹی میں بھی فیضِ جام ہے

حضرت حکیم الامت قدس روحہ کے وصال پر جو مضمون معارف اعظم گڑھ [1] میں آیا اس نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور کوچۂ سلیمانی کی گرد ہمیشہ کے لیے سرمۂ چشم [2] بن گئی اور طریق اشرفی کی بادہ پیمائی سرمایۂ سعادت ٹھہری.....

---

1. پہلے خط کے بعد اگست ۱۹۴۳ء کا معارف آیا۔ حضرت سید صاحب نے ارتحالِ شیخ قدس سرہٗ پر ''موت العالم موت العالَم'' کے عنوان سے کاغذ پر اپنے سوختہ اور خون شدہ دل کے ٹکڑے بکھیر دیے تھے۔ اس منثور مرثیہ کی ہر بات نشتر بن کر دل میں پیوست ہوگئی اور عظمتِ اشرفیہ کا انمٹ نقش قلب پر مرتسم ہوگیا۔
2. حضرت والا نور اللہ مرقدہ کے سلوک پر بندہ کی ایک کتاب ''سلوکِ سلیمانی'' شائع ہو چکی ہے۔ اور دوسری ضخیم کتاب ''شاہراہ معرفت'' (جس پر حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے مقدمات اور حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب مدظلہٗ جیسے اکابر کی تقریظ ہے) ہنوز تشنۂ طباعت ہے۔

حیاتِ نو مجھے ان کی نگاہِ ناز نے بخشی
بھرا ہے آبِ حیواں کاسۂ زہر ہلاہل میں

2. معارف ستمبر ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا الیاس اور ان کے سفر لکھنؤ و کانپور وغیرہ کے حالات کلکِ سلیمانی نے اس تاثیر میں ڈوب کر لکھے تھے کہ ہر بات اپنا اثر دکھاتی گئی۔

ادھر کہتا گیا وہ ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوی باطل میں

اور نتیجتاً زندگی ان کی تحریک [1] کی گرد بن کر رہ گئی۔

علامہ شبلی مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ انھیں سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ جیسا ہونہار و باوفا شاگرد مل گیا جس نے استاذ مرحوم کے کاموں کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ چالیس سال تک اپنی خداداد صلاحیتوں سے اسے نکھارتے اور آگے بڑھاتے رہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ استاذ مرحوم سے علم و تقویٰ میں گوئے سبقت لے گئے تھے لیکن وفا شعاری کا کمال تھا کہ اپنی تمام رفعتوں کو استاذ کے آستانہ پر قربان کرتے رہے اور جب تک سلیمان ندوی رحمہ اللہ زندہ رہے شبلی کی مسند علم خالی نہ ہوسکی۔ کاش حضرت سید صاحبؒ کو اپنے جیسا کوئی امام الاد قیاء (پیچیدہ باتوں کو سمجھنے والا) اور فدائی مل جاتا جو ان کے محاسن و فضائل، مزایا و کمالات اور کارناموں کو نہ صرف اجاگر کرتا بلکہ انھیں مزید جلا بخشتا۔

فمن یسع او یرکب جناحی نعامة
لیدرك ما قدمت بالامس یسبق

---

1. تبلیغی کام اعلائے کلمۃ اللہ اور احیاءِ دین کے لیے ایک عملی جد و جہد اور کوشش ہے جس کا خاکہ و عملی ڈھانچہ نصوص قرآن و سنت اور اسوۂ صحابہ کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کام نظری سے زیادہ عملی ہے اس لیے اصلاً اس کے مالہ و ماعلیہ کے سمجھنے کے لیے اس کام کے ذمہ دار حضرات کے ساتھ معتد بہ وقت گذارنا ناگزیر و ضروری ہے۔ تاہم دیگر تحریری کوششوں کے علاوہ فقیر کی بعض قلمی کاوشیں ایک گونہ اس کام کے وضوح میں ممد و معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ① الفرقان لکھنؤ میں چھ نمبروں پر متعدد مضامین ② کتاب پیام رساں امت ③ الفرقان لکھنؤ کے حضرت مولانا یوسف نمبر میں بندہ کا مقالہ ''صدیق وقت و یوسف اقلیم تبلیغ و دعوت۔'' کاش فقیر کی تشنۂ تکمیل کتاب ''نظام ہدایت'' مکمل ہوجاتی تو اس سلسلہ میں کافی مواد منظرِ عام پر آجاتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات شبلی لکھ کر نہ صرف استاذ مرحوم کے کارناموں کو نکھارا بلکہ مسلمانانِ ہند و پاک کی پچاس سالہ علمی وثقافتی، ادبی وسیاسی تاریخ بھی قلمبند فرما گئے۔ اس مبسوط سوانح کا بڑا کمال یہ ہے کہ استاذ کی بے مثال محبت تاریخیت وحقیقت کو مجروح نہ کر سکی۔ حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی قلمی دیانت وتاریخی غیر جانبداری کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ شبلی کی بے پایاں عقیدت کے باوجود یہ بلیغ فقرہ حیات شبلی میں رقم فرما دیتے ہیں: ''بہر حال شبلی شبلی تھے جنید وشبلی نہ تھے۔''

حیاتِ شبلی کا دیباچہ ومقدمہ مستقل اہمیت کی وقیع علمی دستاویزیں ہیں۔ غرض اپنی گوناں گوں خوبیوں کی بنا پر یہ کتاب اردو کی مبسوط سوانح عمریوں میں سب پر گوئے سبقت لے گئی ہے اور اردو کلاسیکی ادب میں ایک عظیم اضافہ ہے۔ حضرت سید صاحب کی کتابوں میں ''خیام'' اپنی نظیر آپ ہے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے سید صاحب کو اس کتاب کے بارے میں خوب لکھا تھا ''عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمد للہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔'' یہ کتاب خیام پر مباحث کے علاوہ دیگر کئی مسائل پر عجیب ونادر تحقیقات کا انمول مجموعہ ہے۔ مثلاً فارسی رباعی کی تاریخ اور فلسفیانہ تصوف وغیرہ کی بحثیں قابل دید ہیں۔ یہ کتاب اردو ادب کے تحقیقی سرمایہ کا فخر ہے۔

تاریخ ارض القرآن جوانی کی ابتدائی تصنیف ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر پہلی اور سب سے زیادہ کامیاب کتاب ہے۔ گو حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ خود فرماتے تھے کہ یہ کتاب اب نیا پر پرواز چاہتی ہے لیکن اس کی تالیف پر ساٹھ سال گذر جانے پر بھی اس موضوع پر معتد بہ اضافہ نہ کیا جا سکا اور یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہی رہی۔

سیرت عائشہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی بے مثل سوانح ہے یا یوں کہئے ''سیرت نبوی'' کا صنف نازک کی نسبت سے تتمہ ہے۔ جو حضرت صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کمالات علمی وعملی کا نادر مرقع وآئینہ ہے جسے دیکھ کر ہر زمانے کی عورتیں اپنی زندگی سنوار سکتی ہیں۔ ''حیات مالک'' امام دار الہجرۃ کی بہترین

سوانح ہے۔

''عربوں کی جہاز رانی'' اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ ''عرب وہند کے تعلقات'' حضرت سید صاحب کی تاریخی بالغ نظری ووسعت مطالعہ پر شاہد ہے۔

سید القلم تقریباً نصف صدی تک رواں دواں رہا۔ تصنیفی عمر کے ان پچاس سالوں میں حضرت سید صاحب رحمہ اللہ نے متعدد وضخیم کتابوں کے علاوہ بے شمار علمی وادبی مقالات اور کتابوں پر مقدمات لکھے، صدارتی علمی خطبات پڑھے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر علم ودانش، تحقیق وادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ مزید برآں ہزارہا علمی وتحقیقی مسائل کے جواب لکھے، بے شمار مکتوبات تحریر فرمائے جن کی افادیت مسلمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دار المصنفین کے اس زاویہ نشین درویشِ بے گلیم نے علم وتحقیق کی کتنی محفلیں سجائیں اور دین ومذہب کی کتنی گتھیاں سلجھائیں اور عہد حاضر کے استشراق اور علمی فتنوں کا کس بے جگری وکامیابی سے مقابلہ کیا۔ مجھ سا کم ظرف (جو سراپا ان کی نگاہ کا پروردہ ہے) ان کے کمالات کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

دامن نگاہ تنگ و گل حسن تو بسیار

تاہم فقیر کی جستجو وکوشش یہی رہی کہ دانش وعرفان سلیمانی کا کوئی گوشہ نگاہوں سے اوجھل نہ رہے، گو.....

برنتابد کوہ را یک برگِ کاہ

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کی کفش برداری نے شیخ الکل حکیم الامت مجدد الملّت حضرت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی بارگاہِ قدس تک پہنچا دیا۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں جب کراچی میں سید صاحب رحمہ اللہ کی خدمت عالیہ میں پہلی حاضری ہوئی تو استفسار فرمایا ''آپ نے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ (حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ) کے مواعظ وملفوظات پڑھے ہیں؟'' فقیر نے نفی میں جواب دیا۔ ارشاد فرمایا ''حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات ومواعظ پڑھئے، وہاں ہر بات اندر سے پھوٹ کر نکلی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے۔'' پھر کیا تھا، حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ وملفوظات، رسائل وکتابیں فقیر کے روز وشب کا مشغلہ بن گئیں.....اور بحمداللہ تعالیٰ آج پوری بصیرت ودیانت کے ساتھ یہ بات کہنے میں باک نہیں کہ حضرت تھانوی کی کتابیں امت کے ہر مرض کا مداوا اور ہر بیماری کے لیے تریاق ہیں۔ ایک دور افتادہ قصبہ میں بیٹھ کر یہ مردِ درویش، علم و دین کی جتنی علمی وعملی، ذہنی و روحانی خدمت کر گیا پوری پوری اکادمیاں اور مدارس وخانقاہیں بمشکل کر پاتی ہیں۔ نوسو کے قریب کتابیں، چارسو مواعظ (جو عام تقطیع کے تقریباً چوبیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں، ملفوظات کے ہزاروں صفحات اپنے ورثۂ علمی میں امت کی رہنمائی کے لیے چھوڑ گئے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ وملفوظات جدید وقدیم، عامی وعالم ہر طبقہ کے امراضِ روحانی کے لیے قرابادین (Pharmacopia) شفا ہیں۔ تربیت السالک، انفاس عیسیٰ وغیرہ میں نفسانی و باطنی امراض کے جو تیر بہدف علاج بتائے ہیں اور جس دقت نظری اور ایمانی بصیرت سے امراض کی تشخیص کی ہے پورے اسلامی کتب خانہ میں اس کی نظیر شاذ ہی ملے گی۔ حضرت مجدد الملت نوراللہ مرقدہ کی ہر کتاب علم ومعرفت کا گنجینہ اور برکاتِ ظاہری وباطنی کا خزینہ ہے۔ مبتدی طالبعلم کے لیے ابتدا میں حضرت والا قدس سرہ کے پچاس سے سوتک مواعظ اور ملفوظات (حسن العزیز وغیرہ) کا مطالعہ مفید رہتا ہے۔ پھر تعلیم الدّین، قصد السبیل، اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، حیاۃ المسلمین اور بہشتی زیور کا بغرض استفادہ وعمل مطالعہ بفضلہٖ تعالیٰ کفایت کر دیتا ہے۔ گو طالب صادق آخر دم تک طالب علم اور سالک آخر وقت تک سعی وکوشش میں مصروف رہتا ہے،

اندریں راہ می تراش ومی خراش
تا دم آخر دمے فارغ مباش

قصد السبیل گو ۶۴ صفحات کا رسالہ ہے لیکن حکمت اشرفیہ نے سلوک کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ بہشتی زیور گو عورتوں کے لیے لکھی گئی ہے لیکن حقیقتاً حنفی نکتہ نظر سے مسائل کا ایک قیمتی ومحتاط ذخیرہ ہے، جس کا مطالعہ واستحضار ایک وسطانی عالم کی فقہی معلومات کے بقدر ہے۔ بیان القرآن اور نشر

الطیب کے بارے میں فقیر کی معروضات گذر چکی ہیں سلوک میں حضرت کی کتاب ''التکشف عن مہمات التصوف'' خصوصاً اس کا پانچواں حصہ خاصہ کی چیز ہے اور فقیر کی ذہنی ساخت میں اس کا عظیم حصہ ہے۔ التشرف احادیث سلوک کا اچھوتا مجموعہ ہے اور مسائلِ سلوک میں قرآنی نصوص سے فنی اعتبارات وحقائق کو ثابت کیا گیا ہے، ''کلیدِ مثنوی'' رومیؒ کے حقائق ورموز کی شاہ کلید ہے اور فنی نکتہ نظر سے مثنوی کی شروح میں اشرف الشروح ہے۔ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی اور بحر العلوم کی غامض شرح بھی اپنے رنگ میں خوب ہیں۔ شیخ الکل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سلف صالحین کے طریقے کے مطابق سلوک کو ہر غل وغش سے پاک کر کے کتاب وسنت کی روشنی میں نکھار کر امت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آپؒ کی صوفیانہ تصنیفات انشاء اللہ رہتی دنیا تک امت کے لیے قندیلِ ہدایت بنی رہیں گی، تجدیدِ تصوف وسلوک کا یہ کارنامہ مجددیت اشرفیہ کے تاج کا تابندہ گوہر ہے۔

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

یہ عجالہ اس دور کے اعظم المصنفین کے علوم وکمالات کا متحمل نہیں ہوسکتا ہے اور نہ یہاں استقصاء مقصود ہے تاہم یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ علوم اشرفیہ کا بحر ناپیدا کنار بقدر طلب وظرف ہر طالب کی پیاس بجھانے کے لیے کافی ہے۔

کتب تصوف:

حضرت سید صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے مکاتیب کا تعلق ۱۹۴۳ء میں قائم ہوا۔ سلوک کی طرف توجہ ہوئی، گھر میں مکتوباتِ امام ربانی (مجدد الف ثانی رحمہ اللہ) کا ترجمہ موجود تھا، ابتداء اس سے ہوئی۔ حضرت مجدد کے مکتوبات نے شرعی تصوف، شریعت وطریقت کی عینیت ویکجائی، ذات باری تعالیٰ کی تنزیہ، وحدۃ الوجود ووحدۃ الشہود اور دیگر مسائل سلوک کی حقیقت واضح فرمادی۔ اور اس راہ میں اپنا مسلک یہ بن گیا ہے ''مارانص درکار است نہ بافص، مارافتوحات مدینہ ازفتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است'' (مکتوب ۱۰۰)

حضرت تھانوی اعلی اللہ مقامہ کی کتابوں حقیقۃ الطریقہ من السنہ الانیقہ (التکشف جلد پنجم) اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مسائل سلوک سے بھی یہ بات دل میں پیوست ہوگئی کہ شریعت عین طریقت ہے اور طریقت عین شریعت، دیگر ہیچ، اس کے سوا جس نے کچھ کہا وہ یا شریعت کو نہیں جانتا یا طریقت سے ناواقف ہے۔

سلوک کی کتابوں میں سراج طوسی کی کتاب اللمع، محاسبی کے رسائل خصوصاً رسالۃ المسترشدین، عبداللہ انصار ہرنی کی منازل السائرین، طالب مکی کی قوت القلوب، امام قشیری کا رسالۃ القشیریہ، علی ہجویری کی کشف المحجوب، امام غزالی کی احیاء العلوم (مع تخریج عراقی) و کیمیائے سعادت، شیخ سہروردی کی عوارف المعارف، حضرت شیخ جیلانی کی غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، یحییٰ منیری کے مکتوبات صدی، نظام الدّین اولیاء کے فوائد الفواد، ابن عربی کی فصوص الحکم و فتوحات مکیہ، مولوی رومی کی مثنوی معنوی، ابن قیم کی مدارج السالکین، الوابل الصیب وغیرہ، امام شعرانی کی کتابیں، مجدد سرہندی کے مکتوبات، شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابیں خصوصاً قول الجمیل، تفہیمات الٰہیہ کے بعض مقامات، حجۃ اللہ البالغہ، مباحث احسان وغیرہ شاہ اسمٰعیل شہید کی صراط مستقیم و عبقات، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی جملہ تصنیفات اور ان کے سلسلۃ الذہب سے منسلک مشاہیر اکابر متقدمین و متاخرین کی صوفیانہ کتابیں اور دیگر ائمہ سلوک کی مہم کتب و رسائل اسلامی سلوک کا بیش بہا سرمایہ ہے۔

گو سلوک سراپا عمل ہے تاہم علمی اعتبار سے ان اساطین صوفیاء کی کتابیں اسلامی سلوک کی حقیقت اور عہد بعہد کی فکری تاریخ سے ایک گونہ آگاہ کر سکتی ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں علمی معلومات کا انبار کفایت نہیں کرتا بلکہ کسی شیخِ کامل کی تربیت اور عملی محنت و کوشش منزل تک پہنچاتی ہے اس لیے کہا گیا ہے:

صد کتاب و صد ورق در نار کن
قلبِ خود را جانبِ دلدار کن

حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی برکات کا اثر ہے کہ ان کے انتساب کی وجہ سے یہ "بدنام کنندہ نکو نامے چند" اپنے دور کی بعض عظیم دینی و علمی شخصیتوں کی نظر کرم، الطاف و توجہات کے قابل ٹھہرا "الحمد للہ علی ذالك."

مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ:

ان میں پہلے بزرگ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق قدیم حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ و مجاز بیعت، قدیم و جدید فلسفہ کے ماہر ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ ہیں جن کی کتابوں کا تجدیدی سلسلہ..... تجدید تصوف و سلوک، تجدید دین کامل، تجدید تعلیم و تبلیغ، تجدید معاشیات..... علوم اشرفیہ کی ترجمانی و وضاحت میں اپنی افادیت میں بے مثل ہیں اور جدید طبقہ کے لیے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے علوم کی کلید ہیں۔ حضرت موصوف کی ان چاروں کتابوں سے بندہ فیضیاب ہوا۔

"سورۃ العصر کی تفسیر" اپنے رنگ میں لاجواب ہے، فریضہ تبلیغ و دعوت پر خاصہ کی چیز اور ہر مسلمان کے پڑھنے کے قابل ہے۔

"مذہب اور سائنس" تو مولانا کا شاہکار، ان کی قدیم و جدید علوم سے واقفیت کی شاہد اور سائنسی علوم سے مرعوب اشخاص کے لیے نادر تحفہ ہے۔

عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ:

دوسری شخصیت حضرت سیدی قدس سرہ کے صدیق حمیم اردو کے صاحبِ طرز و فخر ادیب، "صدق" کے مدیر شہیر، مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ کی ہے۔ مذاہبِ عالم اور عصری علوم پر ان کی نگاہ بہت گہری و ہمہ گیر ہے۔ مشرقی و مغربی علوم سے یکساں بہرہ ور ہیں جس پر ان کی تفسیر (انگریزی [1] اور اردو.....) اور صدق کی نگارشات شاہد ہیں۔

یوں تو صدق اور صاحب صدق کی تحریر [2] مدتوں سے قلب و نظر کی بالیدگی اور ادبی ذوق کی پاکیزگی کا سبب بنتی رہی اور ان کی اکثر دینی و ادبی کتب سے استفادہ کیا لیکن مولانا کی جس تصنیف نے

---

[1] تفسیر ماجدی (انگریزی) دینی لٹریچر کا ایک گرانمایہ سرمایہ، قابل قدر علمی کوشش، قرآن کے "مهين" مصدقا لما معهم ہونے پر دلیل ناطق اور برہان قاطع ہے۔ تفسیر میں دیگر ادیان کی مختلف کتب سے قرآنی آیات کے شواہد اور ہم معنی آیتیں اس قدر کثرت سے نقل کر دی گئی ہیں کہ استقصاء پر حیرت ہوتی ہے۔ تقابل ادیان اور اہل کتاب کے صحف سے موازنہ اور ان کی شہادتوں سے قرآن کی سچائی کا ثبوت خاصہ کی چیز ہے۔ غالباً تفسیری ادب اس قسم کی نظیر سے خالی ہے۔

[2] سوائے ان کے ایک معلوم تفرد کے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ابتداء میں متاثر کیا وہ سفرنامۂ حجاز ہے جو والہانہ عقیدت، قلبی واردات، عالمانہ حزم واحتیاط، دینی حقائق، فقہی مسائل، صوفیانہ نکات، سفری معلومات، قیمتی مشوروں، سنجیدہ و دردمندانہ تبصروں کا عجیب حسین امتزاج ہے۔ طرز بیان دلکش ورواں انشائے ماجدی کا اعلیٰ نمونہ، ہر ذوق کے قاری کے لیے وافر مواد مہیا ہے۔ شروع کیجئے تو تمت بغیر چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ مولانا کی باقیات صالحات میں یہ سفرنامہ انشاء اللہ اونچا مقام پائے گا۔ کتاب کا مقدمہ حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ کا لکھا ہوا ہے اور سلیمانی جامعیت وادبیت کا مرقع ہے۔

دوسری کتاب ''حکیم الامت'' ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کئی سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں لیکن قلم ماجدی نے حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی کے جو حکیمانہ نقوش و والہانہ خاکہ ہوشمندانہ سراپا کھینچا ہے اسلوبِ بیان، طرز اور پیشکش میں اچھوتا مقام رکھتا ہے۔ حضرت قدس سرہ کی دلبرانہ ادائیں، علمی ذوق، ادبی مذاق، تربیتی دقیقہ رسی و پاسداریٔ حقوق، رعایت جلیس، ضبط اوقات، نظم معمولات..... بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست کی جو تصویر ''حکیم الامت'' میں دکھائی دیتی ہے دلکشی وزیبائی کی بہترین مثال ہے۔

تیسری کتاب ''محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند اوراق'' ہے۔ زندگی میں جن چند کتابوں نے سب سے زیادہ متاثر کیا یہ کتاب ان میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ کلک ماجدی کو محمد علی کا نام ہی گویا وجد میں لاتا ہے۔ مولانا کا شدت تاثر ہر لفظ سے چھلکتا ہے، کاغذ پر الفاظ کی بجائے درد دل اور خون جگر عجب بیتابانہ انداز میں بکھرا دکھائی دیتا ہے۔ شاید کوئی منظوم مرثیہ اتنا دردناک اور کرب انگیز نہ ہو جتنے محمد علی جوہر کی زندگی کے یہ سادہ ومنثور واقعات..... محمد علی کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ دل میں اتر جانے والی نصیحت درس بصیرت اور مرقع عبرت [1] ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم کو زندگی میں جن محرومیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا ان کی کامیاب موت کے بعد سیرت جوہر کی یہ معجز نما نقاب کشائی ان کی مابعد الموت کا مرانیوں کا ایک حصہ ہے اور ان کے شعر:

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

[1] باب ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۸۸ اور اس کے ضمیمے تو قیامت ہیں۔

کی جیتی جاگتی تعبیر ہے۔

صاحب صدق کے یہ جواہر پارے جوہر کے حق میں '' وَجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْآخِرِیْنَ. وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ'' کے مصداق ہوں گے۔

ناسپاسی ہوگی اگر مولانا دریابادی رحمۃ اللہ کے مرتب کردہ مکتوباتِ سلیمانی [1] کا یہاں تذکرہ نہ کیا جائے۔ محشی مکتوبات کے اس مجموعہ میں برصغیر کے مسلمانوں کی چالیس سالہ علمی وادبی ودینی وسیاسی تاریخ کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ مولانا کی علمی وادبی خدمت وابستگانِ دامن سلیمانی پر ایک عظیم احسان ہے۔

ابوالحسن علی ندوی:

اس سلسلہ میں تیسری شخصیت مخدوم ومحترم حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی کی ہے جو اپنی جلالتِ شان، علمی ونظری خدمات، دینی ودعوتی سرگرمیوں کی بنا پر عرب وعجم میں یکساں مقبول اور عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ ان کی کتابیں متعدد مشرقی ومغربی زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکی ہیں۔ اردو عربی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت وعبور [2] ہے عربی میں ایک خاص ومتبکر اسلوب

[1] فقیر کا دونوں جلدوں پر تبصرہ صدق جدید لکھنؤ کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔ حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی کے مولانا دریابادی رحمۃ اللہ کے نام مکتوبات کا یہ مجموعہ مولانا موصوف نے فقیر اور دیگر دوستوں کے اصرار پر اپنے مفصل حواشی کے ساتھ مرتب فرمایا، ادبی تاریخ میں دو نادرۂ روزگار ادیبوں اور فاضلوں کی باہمی مکاتبت کا اتنا طویل زمانہ شاید ہی ملا ہو۔ مکتوبات کا یہ مرقع دو عظیم وشریف دوستوں کی چالیس سالہ رفاقت ومودت کی حسین روداد ہے جو بیش بہا علمی، ادبی اور تاریخی فوائد پر مشتمل ہے۔

[2] علی الطنطاوی نے خوب کہا ہے: ولقد كنت احب حسين اقرأ لابی الحسن فأجد لرجل من الهند هذا الاسلوب البليغ وهذه الاصالة و هذا الطبع ثم زال العجب راظهر السبب و علمت ان ابا الحسن عربی صريح صحيح النسب كالاسبهانی مؤلف الاغانی والابيسوردی الشاعر و هما قريشان امويان والفير و زآبادی صاحب المقاموس وان خبر عربية متواتر مستفيض فی الهند فمن هنا جاء هذا البيان الذی قل نظيره فی هذه الايام.
وقل يشعل غير العربی بعلوم العربية حتی يكون اماما فيها فی اللغة والنهو والصوف والاشتقاق و فی سعة الرواية بل ان اكثر علماء العربية كانوفی الواقع من غير العرب ولكن من النادر ان يكون فيهم من له مثل هذا (الذوق الاهابی) الذی تعرفه لابی الحسن فلولم تثبت عربيه بصحة النسب ثتبت باصالة الادب. (المسلمون فی الهند ص؟)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نگارش کے مؤجد ہیں۔ یہ طرز تحریر عربی ادب عالیہ کی ایسی صنف ہے جس میں دینی علوم وکمالِ فصاحت و بلاغت وعمدہ زبان میں عذوبت وحلاوت (مٹھاس)، درد وسوز، بلند فکر داعیانہ ولولہ، عاشقانہ جذب و مؤرخانہ تحقیق، عالمانہ احتیاط، حکیمانہ دانش، ادیبانہ رعنائی اور ساحرانہ تاثیر پائی جاتی ہے۔ وہ خود سراپا سوز و درد ہیں، ان کا خمیر محبت ونرمی سے عبارت ہے، علم وتقویٰ نے ان سے فروغ پایا ہے اور جامعیت علوم کی سند اُن سے مزین ہے۔ مشرق ومغرب کے دینی وعصری تقاضوں اور جدید طبقے کے نبض آشنا ہیں۔ ان کی تحریر دلوں کے اندر اُتر جاتی ہے اور بیک وقت دل اور دماغ دونوں کی تسلی کا سامان مہیا کر دیتی ہے۔

مولانا موصوف کی جس کتاب نے سب سے پہلے گھائل کیا وہ سوانح مولانا الیاس رحمہ اللہ [1] ہے جو بار بار پڑھی اور ہر مرتبہ قلب وروح نے لطفِ تازہ پایا۔ ایک مرد حق آگاہ جس کی زندگی کا عملی نمونہ تھی۔ اس کا سراپا وسوانح ایک دل فگار قلم نے آبِ دیدہ وخون جگر سے لکھا ہے۔ کمال یہ ہے کہ جذبات کا تلاطم اور جوشِ محبت کتاب کی سنجیدگی، فقاہت اور ہوش پر غالب نہیں آیا۔ سچ ہے:

مسلمانی غمِ دل در خریدن
چو سیماب از تپ یاراں تپیدن
حضور ملت از خود درگذشتن
دگر بانگ انا الملت کشیدن

تَرجَمَة: مسلمانی دل میں ایک غم خریدنا ہے۔ پارے کی طرح دوستوں کے غم بخار سے گرم ہونا ہے۔ ملت کے لئے اپنے سے گزر جانا اور میں ہی ملت ہوں اس کا نعرہ بلند کرنا۔

در کفِ جام شریعت و در کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام سندان باختن

تَرجَمَة: ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہو اور دوسرے ہاتھ میں عشق کا سندان (جس پر لوہار لوہا کُوٹتا ہے) ہو ہر ہوسناک ان دونوں کا نباہ نہیں کر سکتا۔

[1] کتاب کا مقدمہ سیدی الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ کے ایجاز رقم کا اعجاز ہے۔

دوسری کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' ہے جو امت مسلمہ کے لافانی کمالات، جاودانی اثرات، دائمی ثمرات، بارآور مزاج اور زرخیزیٔ زمین کا بین ثبوت ہے۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

حضرت علی میاں مدظلہ نے یہ کتاب لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے [1] اسلامی دعوت و عزیمت کے اعاظم الرجال اپنے ماحول میں جن فتن وآزمائشوں سے دوچار ہوئے اور انہوں نے اپنی خداداد بصیرت وذہانت، علم ومعرفت، للّٰہیت وتقویٰ، جی داری وعزم، قربانی وفتوہ سے تاریخ کے مختلف ادوار میں امت کی شکستہ صفوں کو ثبات بخشا۔ ان کی رہنمائی کی اور اسے ساحل مراد تک پہنچایا۔ وہ امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص، امت کی فضیلت اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کا مستقل معجزہ ہے۔ اس اعجاز وکمال کا ایک زندہ وپرشور، جاندار وپرسوز محرک عمل ومفید علم مرقع ومجموعہ ایک سید وسعید کے ہاتھوں سے مرتب ہو گیا ہے، جس کے مطالعہ سے امت کی بقاوترقی کے بارے میں یاس وقنوطیت کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور مستقبل میں بھی رحمت الٰہیہ سے ایسے نفوس قدسیہ کے پیدا ہونے کی امید پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ امت لافانی اور یہ دین ابدی ہے.....

یریدون ان یطفؤ نوراللہ بافواھھم واللہ متم نورہ و لو کرہ الکفرون.

تیسری کتاب سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ہے، جس کی ہر سطر کسی سوختہ سامان، ربودہ قلب اور سینہ بریاں کی پکار ہے۔ علی میاں نے اپنے شیخ کو محض ذاکر وشاغل، بزرگ وزاہد مرتاض کی حیثیت سے پیش نہیں کیا، نہ ہی ان کی کرامات حسی کا تذکرہ کیا، بلکہ اپنے شیخ عالی مقام کی بصیرت فن،

[1] اسلامی دینی علمی ومعاشرتی تاریخ سے ناواقفیت (شاہی خانوادوں کی تاریخ کی سرسری شُدبُد رکھنے والے) اپنی بے بصری سے ''عصر سعادت'' کے بعد اسلام کے زوال کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں گویا (خام بدہن) اسلام کے ان نادان دوستوں کے نزدیک خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اپنا پیام ونظام، چلن ودعوت ختم ہی ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ خلافت راشدہ کا اختتام اسلام کے ''معیاری اور نمونہ'' کے دور کا اختتام تھا۔ ملوکیت سے اسلام نہیں مٹا، صرف اسلامی آئین کی ایک دفعہ اپنی جگہ سے ہٹی، جسے مسلمانوں نے آسانی سے برداشت نہیں کیا۔ واقعۂ کربلا، واقعۂ حرہ، نفس ذکیہ کا خروج وغیرہ اس احتجاج کا رنگین ثبوت ہیں۔ امت کا عمومی مزاج باقی رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اعتدال مسلک، وسعت قلب وجامعیت، حقائق بینی ومہارت سلوک اور تربیت کے غوامض ودقیقہ رسی کا بیان اس انداز سے فرمایا ہے کہ دل ودماغ، نفس وروح، سیراب وشاداب ہوجاتے ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات بتاتے ہیں کہ ہمارے بوریانشین گلیمِ فقر (فقر کی گُدڑی) میں کس طرح مختلف طبقات کے دلوں پر شاہی کرتے تھے اور معاشرہ پر اثر انداز ہوتے تھے۔ سچ ہے:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
وہ سپاہ کی تیغ بازی یہ نگاہ کی تیغ بازی

چوتھی کتاب ''سیرت سید احمد شہید رحمہ اللہ'' ہے۔ امیر المؤمنین فی الہند، مجاہدِ کبیر حضرت سید احمد شہید (رائے بریلوی) ہماری بزم دوشین کے گوہر شب چراغ قافلہ پسین کے سالار، جہاد وحریت کے علمبردار، ناموس شریعت کے پاسبان تھے۔ امیر شہید اور امام شہید (سید اسمٰعیل شہید) کے کارناموں میں صحابہ کی جیداری وفدائیت، اخلاص وتقویٰ اور اتباع شریعت کی جھلک پائی جاتی تھی۔ آہ!

درمیان کار زار کفر و دیں
ترکش مارا خدنگ آخریں

تَرجَمَة: کفر اور دین کے میدانِ کارزار کے درمیان ہمارے ترکش کا آخری تیر

انگریز نے اپنے استعماری مفادات کے پیش نظر ان کی مخالفت کا ایسا صور پھونکا کہ ہما شما یگانے و بیگانے اس کی آواز میں گم ہو گئے اور مظلوم امیر شہید کو (سوائے ایک مخصوص حلقے کے) غیر تو کیا اپنوں نے بھی ہدف ملامت بنایا۔ خدا کا شکر ہے کہ انہیں کے خاندان کے ایک فردِ فرید کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور انہوں نے امیر شہید اور ان کے رفقاء پر سے گرد وغبار کے تو برتو پردوں کو ہٹایا اور ان کی عظمت جس کے سامنے بالاکوٹ کی بلندیاں پست ہیں، دنیا کے سامنے ظاہر ہوگئی۔ فقیر کے علم میں سید احمد شہید پر حضرت علی میاں اور مولانا غلام رسول مہر کی کتابوں سے بہتر کتابیں نہیں لکھی گئیں۔

یوں تو مولانا موصوف کی ہر کتاب قابل قدر، مفید اور وقتی تقاضوں کے مطابق ہے۔ سب کتابوں پر گفتگو اس مختصر مقالے میں نہیں ہوسکتی تاہم ''مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش'' کی افادیت کا

تذکرہ کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ موجودہ دور میں فتنۂ افرنگ نے اپنی ہوش ربائی، مکر وکید..... ظاہری چمک دمک، مادی ترقیات سے جس طرح اسلامی ممالک کو مسحور کیا ہے اور انہیں اپنی راہ پر لگا دیا ہے، مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ اس کتاب میں مختلف رُخوں سے اس کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کتاب قابل دید و لائق داد [1] ہے۔ اسی طرح ''ماذا خسر العالم بانحطا المسلمین'' کا اردو ترجمہ ''مسلمانوں کے عروج وزوال کا دنیا پر اثر'' اپنی نوع کی منفرد کتاب اور مصنف کی دیدہ ور تاریخ دانی، بصیرت اور فکر دینی کا ثبوت اور ان کی زندگی کا روشن کارنامہ ہے۔ [2] ''ردۃ ولا ابا بکر لھا'' (بغاوت جس کے لئے کوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں ہے) کا ترجمہ ''موجودہ طوفان اور اس کا مقابلہ'' ایک نہایت اہم رفیع اور پر اثر مقالہ ہے جس کا پڑھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ [3] اقبال نے اپنی غزل کے بارے میں کہا ہے:

میں کہ میری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
خونِ جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں صاحبِ ساز کا لہو

یہی بات علی میاں کی نثر پر صادق آتی ہے کہ ان کی تحریر میں ان کے دردمند دل کے ٹکڑے اور سوختہ جگر کا لہو شامل ہوتا ہے۔ ان کی ہر کتاب علم وادب کا قیمتی سرمایہ، دین اور دانش کا خزینہ، عشق وعقل کا آمیزہ اور قدیم وجدید کا سنگم ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کے یہ جواہر سب سے زیادہ ان کی جدید اور قابل فخر بلکہ شاہکار کتاب ''الارکان الاربعہ'' میں چمکے کھلے اور نکھرے ہیں۔ یہ کتاب ادب وانشاء [4] کا

1. برکوچک ہندو پاک کے ضمن میں حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی مساعی کے تذکرہ کا فقدان طبیعت پر گراں ہے، جس کا تذکرہ فقیر نے مصنف کے نام سے کر دیا ہے۔
2. کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی فقیر کی نظر سے گزرا ہے۔ خوب ہے اور ہر جدید تعلیم یافتہ کے پڑھنے کے لائق ہے۔
3. اس مقالہ پر فقیر کے تاثرات صدق جدید لکھنؤ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوئے تھے۔
4. تاریخ ادب کا یہ المیہ ہے کہ بہت سے عظیم ادیب جن کے ادبی شہ پارے زبان وادب کا اعلیٰ نمونہ تھے ''بزمِ ادب'' اور ''ادیبوں کی محفل'' میں اس لیے جگہ نہ پا سکے کہ وہ علم وتقویٰ کی مجالس کے بھی رکن رکین تھے اور ''روایتی ادیبوں'' کا جامہ پہن کر نہیں آئے تھے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بہترین نمونہ، حرف ومعنی کا اعجاز، وارداتِ قلبی اور دلائل عقلی کا حسین امتزاج اور بیک وقت دل ودماغ کی طمانیت وتسلی کا سامان ہے۔ دیگر مذاہب سے عباداتِ اسلامی کا موازنہ اور اسلامی عبادات کی خوبی و فوقیت پر استدلال..... جدید وقدیم دونوں طبقات کے لیے برہان ساطع ودلیل قاطع، امید ہے کہ علی میاں مدظلہٗ کی یہ کاوش احیاء العلوم الدّین (امام غزالی رحمہ اللہ) وحجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کے پہلو بہ پہلو حیات جاوید پائے گی اور حقانیت دینی کا روشن مینار بنی رہے گی۔

ابوالحسن علی الندوی مدظلہٗ کی عربی کتابوں میں الارکان الاربعہ اور ..... ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کے علاوہ الطریق الی المدینۃ،[1] ربّانیہ لا رہبانیہ، روائع اقبال، حدیث مع الغرب، الصراع عن الایمان والمادیۃ، مذاکرات سائح فی الشرق العربی، المسلمون فی الہند، نزہۃ الخواطر (ہشتم) وغیرہ اور دیگر کئی چھوٹے کتابچے نظر سے گذرے، ہر کتاب ان کی تحریر کے خصوصی امتیازات کی حامل، ان کی بے چین روح اور پرسوز دل کی پکار ہے، جس کا بنیادی مقصد احیاء دینی اور ملّت کی نشاۃ الثانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے اور امت کو ان سے استفادہ کی توفیق بخشے۔ (اب حضرت کی وفات ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔)

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ:

بندہ شملہ میں والد مرحوم کے ساتھ مقیم تھا۔ جون ۱۹۴۱ء کی کوئی تاریخ تھی کہ میرے بڑے بھائی

[1] لطیفہ: ۱۳۸۲ھ میں اللہ تعالیٰ نے پہلے حج کی سعادت نصیب فرمائی۔ اس سفر میں بحمد اللہ حج سے قبل مدینہ طیبہ میں تقریباً ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔ دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرت علی میاں کی صحبتوں سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ ان دنوں وہ اپنی کتاب الطریق الی المدینۃ مرتب فرما رہے تھے۔ جب جدہ پہنچا تو دل نے کہا..... لیوپولڈ اسر نے الطریق الی المکہ (Roadto Makkah) لکھی۔ علی میاں نے الطریق الی المدینہ مرتب فرمائی۔ تم الطریق الی الجہنم یعنی الطریق الی الغرب لکھ ڈالو کہ حقیقتاً ''تہذیبِ مغرب'' طریق الی الجہنم ہے کہ اس کی بناونشوونما ''شہوات'' پر کلیۃً مبنی ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ (جہنم شہوات سے ڈھکی ہوئی ہے) یعنی جہنم میں دخول شہوات کی بنا پر ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مغربی تہذیب وتمدن اپنے تمام بے خدا و بے حیاء مناظر کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آ گیا:

بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

محمد اکرم صاحب اپنے دفتر کی لائبریری سے رسالہ معارف اعظم گڑھ لے کر آئے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اردو کے سب سے وقیع رسالہ پر نگاہ پڑی، کاغذ وطباعت کی نفاست سے نگاہوں نے لذّت پائی۔ رسالہ بار بار پڑھا۔ اتنا متاثر ہوا کہ تقریباً پورا رسالہ بیاض میں نقل کر لیا۔ رسالہ معارف پر تو بعد میں گفتگو ہوگی یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس رسالہ میں پہلی مرتبہ متکلم وقت، مناظر اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کے مضمون ''تدوینِ حدیث'' کی ایک قسط نظر سے گذری۔ مولانا کی ہر بات دل میں گھر کرتی چلی گئی، جو مصنف کے اخلاص وصداقت کی دلیل تھی۔

ادھر کہتا گیا وہ ادھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعویٰ باطل میں

وہ پہلا دن تھا کہ مولانا گیلانی کی تحریر کا اشتیاق پیدا ہوا۔ پھر ان کی ہر تحریر جہاں بھی میسر آئی شوق وذوق سے پڑھتا رہا۔ مولانا کا میلان علم وذوق افادہ اپنی تحریر میں رسمی حدود وقیودِ تصنیف کا پابند نہ تھا۔ بقول اقبال:

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

ان کی افتادِ طبع قاری کے سامنے بیک وقت مختلف النوع علوم ومسائل، رموز ودقائق، نکات وحقائق کو پیش کرتی چلی جاتی ہیں۔ گویا ایک مخلص وشفیق معلم کی طرح اپنے علم کے بحر زخار سے قاری کی تشنگی کو ایک ہی بار بجھا دینا چاہتے ہیں اور اسے وہ سب کچھ دکھا دینا چاہتے ہیں جو ان کی بصیر نگاہ کے سامنے ہے اور اسے وہ ہر بات بتا دینا چاہتے ہیں جسے وہ جانتے ہیں، اس بارے میں ان کے ہاں صبر وامساک، تاخیر وہش بھی گناہ معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی تحریر کی سلوٹوں میں بھی ایسے علمی نکات مل جاتے ہیں جن تک عام رسائی مشکل ہے۔ ان کی ہر بات ان کی وسعت مطالعہ، عمیق علم، دقیقہ رسی، حقائق بینی، بصیرت دینی، ژرف نگاہی پر دلالت کرتی ہے۔ اسلوب بیان میں اطناب کے بادشاہ ہیں۔ افادہ کا دریا ہر وقت متلاطم رہتا ہے اور سیلِ معانی اپنی روانی میں موتی بکھیرتا جاتا ہے۔ بقول اقبال:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

مولانا گیلانی کی کتابوں میں النبی الخاتم، تدوینِ حدیث، اسلامی معاشیات، مقالات احسانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، سوانح قاسمی خاصہ کی کتابیں ہیں۔ مولانا گیلانی کے جو مقالات مختلف رسائل میں چھپتے رہے اگر وہ یکجا مرتب ہوجاتے تو ایک مفید علمی خدمت ہوتی۔ مولانا گیلانی طرز قدیم کے پروردہ اور جدید تقاضوں سے آشنا تھے، اس لیے ان کی تحریر قدیم وجدید دونوں طبقات کے لیے مفید ہے۔ بہرحال مولانا گیلانی نے جو ورثۂ تصانیف چھوڑا ہے وہ ملّت کا قیمتی سرمایہ ہے جس سے کوئی شخص مستغنی نہیں رہ سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

حجۃ اللہ فی الارض، افضل المحققین حضرت شاہ ولی اللہ نوراللہ مرقدہ کی کتابوں میں حجۃ اللہ البالغہ، البدور البازغہ، ازالۃ الخفاء، تفہیمات الٰہیہ، الفوز الکبیر، الخیر الکثیر، فیوض الحرمین، القول الجمیل وغیرہ ذہن وقلب کی بالیدگی کا سبب بنتی رہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن وحدیث، فقہ وکلام، تصوف وفلسفہ کے آمیزہ سے اپنی منفرد راہ نکالی ہے جس میں یہ سب علوم رچے بسے ہیں۔ شاہ صاحب کے علوم سراپا موہبت وعطا والقاء ہیں جس میں کسب کا دخل کم اور وارداتِ الٰہیہ اور توفیقِ ربّانی کی رہنمائی زیادہ ہے۔ ملاءِ اعلیٰ کا فیضان ان کی ہر تحریر سے امڈتا دکھائی دیتا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ علوم ظاہریہ وباطنیہ اور عقلیہ سب کے شہسوار وامام ہیں۔ اس لیے آپ نے علوم نبویہ کی توفیق ربّانی سے جو تشریح فرمائی ہے اور جن رموز وحقائق کو کھولا اور جس اسرار وحقائق کو فاش فرمایا ہے وہ بیک وقت دل ودماغ، عقل وروح کو مطمئن کردیتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتابیں جلوتیاں مدرسہ اور خلوتیاں میکدہ دونوں کے لیے مفید اور سامانِ تسلی ہیں اور اقبال کے اس شعر کی مصداق ہیں:

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب، جستجو! عشق، حضور، اضطراب!

علمِ اسرار دین ایک غامض وادق فن ہے جو ''دانشِ برہانی'' سے زیادہ حکمتِ ایمانی اور ''نورِ عرفانی'' کا محتاج ہے۔ امت میں اس فن کے ماہرین کی جو گنی چنی محدود ہستیاں گذری ہیں ان کے ائمہ میں حضرت شاہ صاحب کا نام بے تکلف لیا جاسکتا ہے۔ حکمتِ ولی اللّٰہی نے شریعت کے جن غوامض کو کھولا ہے اور جیسی تشریح فرمائی ہے اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

''حجۃ اللہ البالغہ'' ولی اللّٰہی حکمت وعرفان کا شاہکار، ان کی مجددیت کا امتیاز اور اسلام کے عظیم کتب خانہ کا کوہِ نور ہے۔ اپنی طرز کی پہلی اور آخری کتاب ہے۔ شریعت کے اصول وفروع کے اسرار و حقیقت پر ایسی جامع اور پرمغز کتاب کی نظیر شاید ہی مل سکے۔

ازالۃ الخفاء کا موضوع گو خلفائے ثلاثہ کی حمایت ہے لیکن حقیقتاً خلافتِ اسلامی اور اسلامی سیاست وطرزِ حکومت کی حقیقت اور اس کے رموز ودقائق پر اس سے گہری کتاب فقیر کے محدود علم میں نہیں۔ کتاب میں بے شمار علمی حقائق ونکات ضمناً آگئے ہیں۔

''الفوز الکبیر'' اصول تفسیر پر ولی اللّٰہی ذوق وبصیرت کا عمدہ نمونہ ہے۔ خیال ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں الاتقان (سیوطی) اور برہان (الزرکشی) سے بھی استفادہ فرمایا ہے۔

القول الجمیل، تفہیماتِ الٰہیہ، فیوض الحرمین اور دیگر کتابوں میں بھی حکمتِ ولی اللّٰہی کے جواہر بکھرے پڑے ہیں۔ حضرت کی تصوف پر کتابیں ہمعات، سطعات وغیرہ عام اذہان کی سطح سے بلند ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اصل میں ایک عظیم محدث، قرآن کے مترجم اور صوفی ہیں۔ اس لیے اپنی کتابوں میں انہوں نے جن خاص اصطلاحات کو استعمال کیا ہے وہ سب کتاب وسنت سے مستنبط ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمتِ حدیث کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اجمالاً کہا جاسکتا ہے کہ تحریری خدماتِ حدیث کے علاوہ اس شجرِ طوبیٰ کا سایہ درسًا اور سندًا عالم پر محیط ہے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم:

سنِ شعور کی ابتداء تھی، فضا حکیم شاعر ڈاکٹر اقبال کے نغموں سے پرشور تھی..... مسلمانانِ ہند ان کی شعلہ نوائیوں سے نئی زندگی پا رہے تھے، اور اسلامیانِ برکوچک کے درماندہ قافلہ کے لیے ان کا پُردرد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کلام بانگِ درا اور ان کی ہر صدا آوازِ رحیل [1] تھی۔ بچہ بچہ کی زبان پر ان کے اشعار رواں تھے۔ طبیعت نے اثر لیا، ''بانگِ درا'' کی متعدد نظمیں حافظہ میں مرتسم ہوگئیں اور اقبال شعر وسخن کی عبقری (Genius) شخصیت اور اسلامی اقدار کے داعی کی حیثیت سے دل و دماغ پر چھا گیا۔ جب ہوش و آگاہی نے پر وبال نکالے تو ''بالِ جبریل'' اپنی پسندیدہ کتاب تھی، متعدد بار پڑھی، ہر بار دل و دماغ نے اثر لیا، متعدد غزلیں ساقی نامہ، مسجدِ قرطبہ، طارق کی دعا، ذوق وشوق وغیرہ ازبر ہوگئیں۔ اسی زمانہ میں ضربِ کلیم پڑھی۔ مکتوباتِ اقبال ''اقبال نامہ'' بھی اسی وقت نظر سے گذرا جو اقبال کے سمجھنے کے لیے مدثابت ہوا۔ سن کی پختگی نے اقبال کے فارسی کلام کی طرف متوجہ کیا۔ اسرار ورموز، زبورِعجم، جاوید نامہ، پیامِ مشرق، ارمغانِ حجاز، مسافر اور پس چہ باید کرد، متواتر نظر سے گزرتی رہیں۔ آج بھی اقبال اپنی تازگی اور اثر انگیزی میں جوان اور دل و دماغ کی تسکین کا سامان ہے۔ اقبال اوّل وآخر اسلامی شاعر ہے۔ وہ حضورِ انور ﷺ کا شیدائی، دینِ حق کا داعی اور اسلام کی عظمتِ رفتہ کا متلاشی ہے۔ اس کا قلب مضطر، اس کی فکر بلند، اس کی آرزوئیں اور تمنائیں، اس کی خلوت وانجمن کا گداز اور اس کے دیدۂ تر کی بے خوابیاں دنیا میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور قرونِ اولیٰ کے نقشہ کو دیکھنا چاہتی ہیں۔

اقبال کا کلام اسلام کی محبت، حضرت محمد ﷺ کے عشق، امت کے دردوفکر، مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کے احساس اور تجدیدِ ملت کے جذبہ کے آمیزہ سے تیار ہوا ہے، جسے اس کی مشرقی ومغربی علوم پر دسترس، حکمتِ ایمانی، دانشِ برہانی اور حب وشوق کی فراوانی نے جلا بخشی ہے۔ فقیر کے نزدیک اقبال کا شاعرانہ حاسہ اسلام کے بارے میں اتنا حسّاس اور جذباتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہر چبھتی چیز وکھٹک ان کا شاعرانہ تجربہ وکیفیت بن کر ان کی زبان کو گوہر بار کر دیتی ہے۔

اقبال مشرق ومغرب کے علوم سے بہرہ مند ہوئے۔ حکمتِ مغرب کے وہ آشنا اور ماہر نقاد ہیں۔

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

[1] تقسیمِ ہند سے پیشتر مسلمانوں کے تشخص اور ملی ذہن کی ساخت میں اقبال کا بڑا حصہ ہے۔

ان کی زندگی کا کارنامہ مسلمانوں اور خصوصاً نژادِ نو کو تہذیبِ حاضر کے مضر اثرات سے آگاہ کرنا اور اس کا تریاق اسلام میں بتانا ہے۔ انہوں نے مغرب کو ایک بصیر نگاہ سے جانچا اور پرکھا اور پھر پکار اٹھے:

مے از مے خانۂ مغرب چشیدم بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی ازاں بے سوز تر روزے ندیدم
طلسمِ علمِ حاضر را شکستم ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانندِ براہیم بہ نارِ او چہ بے پروا نشستم

تَرجَمَة: مغرب کے میخانے سے شراب پی یعنی اُن کے افکار کو سیکھا، میری بربادی کہ دردِ سر خریدا۔ انگریزوں کے دانشوروں کے پاس بیٹھا، اُن سے زیادہ بے سوز کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے موجودہ دور کے علم کے جادو کو توڑا اور ان کے جال اور پرندے کو گرفتار کرنے والے دانے دونوں کو بیکار کر دیا۔ اللہ جانتا ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان کی آگ سے کیسا بے پروا رہا۔

اقبال دانشِ مغرب کے محرم ہیں لیکن اس سے مسحور ومتاثر نہیں۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ان کا پیام اسلام کی دعوت اور پاکانِ امت کے افکار کا چربہ ہے۔

شنیدم آں چہ از پاکانِ امت
تر ابا شوخی رندانہ گفتم

تَرجَمَة: جو کچھ میں نے امت کے پاکبازوں سے سنا وہ پوری جرأت کے ساتھ میں نے کہہ دیا۔

اقبال کے خیالات کی وسعت وگہرائی اسلام کے ''بے حدود وبے تغور'' عالمگیر وہمہ گیر ادبی سرمایہ کا فیض ہے، جسے اقبال کی بلند وحکیمانہ نگاہ نے عصرِ حاضر کے لیے اپنے رنگ میں پیش کر دیا ہے۔ یوں تو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اقبال کے ماخذ بے شمار ہیں لیکن رومی کا اثر اور چھاپ ان کے کلام پر بہت نمایاں ہے، جس کا اظہار وہ بار بار کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

چوں رومی در حرم دادم اذانِ من
ازاو آموختم اسرارِ جانِ من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن او
بہ دور فتنۂ عصر روانِ من

تَرجَمَة : جب میں نے رومی کے حرم اذان دی یعنی رومی سے واقف ہوا تو ان سے میں جان وروح کے راز معلوم کئے۔ وہ پرانے زمانے کے فتنے کا مقابلہ کر رہے ہیں اور میں نئے زمانے کے فتنے کا مقابلہ کر رہا ہوں۔

اقبال کے سمجھنے کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے دینی وادبی سرمایہ کی معتد بہ واقفیت ضروری ہے۔ اس کی اپنی اصطلاحات ہیں جو اکثر اسلامی ادبی و دینی پس منظر رکھتی ہیں۔ جدید تعلیم جو ملی و دینی تقاضوں کو پورا کرنے سے قطعاً قاصر ہے اقبال سے استفادہ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ آج اقبال اپنے ملک میں ناآشنا ہے کہ ''یارانِ محرم'' سے محروم ہے:

من اندر مشرق و مغرب غریبم کہ از یارانِ محرم بے نصیبم
غمِ خود را بگویم با دلِ خویش چہ معصومانہ غربت را فریبم
چہ پرسی از مقاماتِ نوایم ندیمان کم شناسد از کجایم
کشادم رختِ خود اندردریں دشت کہ اندر خلوتش تنہا سرایم

تَرجَمَة : میں مشرق ومغرب میں اجنبی ہوں کیونکہ اپنے راز کے جاننے والے دوستوں سے محروم ہوں۔ اپنے غم کو اپنے ہی دل سے کہہ رہا ہوں اور اپنی معصوم اجنبیت کو فریب دے رہا ہوں۔ میری فریاد کے مقامات کا کیا پوچھتے ہو دوست کم جانتے ہیں کہ میں کہاں سے ہوں۔ میں نے اپنے سامان کو اس صحرا میں کھولا جس کی تنہائی میں تنہا ہی بول رہا ہوں۔

بلکہ یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ آج اقبال مظلوم وغریب ہے کہ ہر برخود غلط ملحدانہ نظریات کا حامل اپنی دون فطرتی اور کم نگہی اور دین باختگی کو اقبال سے منسوب کر رہا ہے۔ خصوصاً سوشلزم کے نام نہاد دعویدار اسے اپنی صفوں میں شمار کروانے کی سعی نامسعود میں مشغول ہیں۔ کاش پاکستان میں اقبال کے صحیح پیغام کی ترجمانی واشاعت ہوجاتی۔

اقبالیات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اقبال کامل (مولانا عبدالسلام ندوی) روائع اقبال (ابو الحسن ندوی) [1] فیضانِ اقبال (شورش کاشمیری) خوب ہیں۔ اس مختصر سرگزشت میں اقبال پر پوری گفتگو ممکن نہیں، چند باتیں زبان پر آگئیں جو عرض کردیں۔

کتبِ فارسی:

بندہ کی فارسی ابجد خوانی کی ابتدا والد مرحوم نے ''کریما'' سے کروائی۔ پھر گلستان و بوستان کی بودوباش مشامِ روح کی عطر بیزی کا سبب بنی..... کریما، گلستان، بوستان تو ہمارے قدیم (آہ مرحوم) دبستانِ اخلاق کی بہار تھی۔ فارسی شرفا کے گھرانوں سے کیا اٹھی ہماری قدیم قدروں اور روایات کا خاتمہ ہوگیا۔ فارسی عربی کے بعد ہمارے قدیم ثقافتی ورثہ کی امین تھی۔ تصوف میں فارسی شاعری کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر سے لے کر خاتم الشعراء جامی تک فارسی اشعار میں جو کچھ کہا گیا ہے دیگر زبانوں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ ہمارے اپنے اقبال سے استفادہ بغیر فارسی کے ناممکن ہے۔ فارسی نظم میں مرشدِ رومی کی مثنوی دل ودماغ پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی:

مرشدِ رومی حکیم پاک زاد
سرِّ مرگ و زندگی بر ما کشاد

تَرجَمَة : مرشد رومی وہ پاکیزہ دانشور وحکیم ہیں جنہوں نے زندگی اور موت کے راز مجھ پر کھولے۔

مثنوی کے ضخیم دفاتر صدیوں سے معارف وحقائق کے امین ہیں۔ رومی نے اپنی پرسوز ''نے'' سے حکمتِ

[1] اس کا ترجمہ نقوشِ اقبال کے نام سے اردو میں شائع ہوگیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایمانیاں کا جوصور پھونکا ہے وہ رہتی دنیا تک قلب وروح کو حیاتِ نو بخشتا رہے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔ رومی ومثنوی پر فارسی و.....اردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ بحر العلوم کی دقیق و بسیط اور مفید شرح سے لے کر ''الہام منظوم'' تک رومیات پر اچھا خاصا کام ہو چکا ہے۔ تاہم عصرِ حاضر کو رومی سے آشنا کرانے کی ضرورت [1] ہے۔

عصر حاضر کے سب سے بڑے حکیم شاعر اقبال نے خوب کہا ہے۔

پیر رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست
پائے او محکم فتد در کوئے دوست

تَرجَمَة: پیرِ رومی کو راہ کا ساتھی بنا تا کہ خدا تمہیں سوز وگداز بخشے۔ رومی مغز کو چھلکے سے علیٰحدہ کرتے ہیں اور ان کے پاؤں دوست کی گلی میں بڑے پکے پڑتے ہیں۔

رومیات پر مثنوی معنوی کا نپور ایڈیشن جسے اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ نے بڑے اہتمام سے شائع کروایا تھا خاصہ کی چیز ہے۔ حسین طباعت کے ساتھ حواشی کی معنویت وخوبی ''بقامت کہتر وبقیمت بہتر'' کی مصداق ہے۔ شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ''کلید مثنوی'' فن کے لحاظ سے اردو میں شاہکار ہے۔ مفتاح العلوم بھی خوب ہے۔ تلمذ حسین کی مراۃ المثنوی مضامین مثنوی کا لاجواب آئینہ اور مصنف کی کاوش کا کامیاب نشان ہے۔ تلمذ حسین صاحب کی کتاب ''صاحب المثنوی'' ''رومیات'' میں اچھا اضافہ اور محققانہ کتاب ہے۔ شبلی کی ''سوانح مولانا روم'' کی افادیت ہنوز مسلمہ ہے۔ رومی کے علاوہ حافظ وسعدی، خسرو اور عراقی وغیرہ کی غزلیات، سنائی وعطار کا کلام، حسن دہلوی وجامی وغیرہ کی نعتیں، ابوسعید ابوالخیر وخیام کی رباعیات اس کو رذوق کی تشنگی شوق کو مہمیز کرتی رہیں۔ شاہنامۂ فردوسؔ، سکندر نامہ نظامیؔ، گلشن راز شبستری، قصائد خاقانی وقاآنی غرض قند پارسی کام ودہن کی شیرینی کا سامان رہی۔

[1] فقیر کی ایک تقریر ''رومی کا پیام عصرِ حاضر کے نام'' سے شائع ہو چکی ہے۔ جدید بے مقصد تعلیم میں عربی وفارسی کے غیاب کے بعد کاش! ہم نجی طور پر اپنے اس ملّی سرمائے سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے۔

گہے شعر عراقی را بخوانم
گہے جامی زند آتش بجانم

تَرجَمَة: کبھی عراقی کے اشعار پڑھتا ہوں اور کبھی جامی میری جان کو آگ لگاتا ہے۔

آج نیا زمانہ ہے، نئے افکار ہیں، نئی اقدار ہیں۔ ہماری بزمِ دوشین کے چراغوں کے پروانے آج کہاں میسر آتے ہیں۔ نہ وہ دل رہے نہ وہ دماغ، نہ وہ طبیعتیں رہیں نہ وہ مزاج۔ آج کسے کہا جائے دل کی بہار قلب کا سوز وگداز انہیں کی نواؤں سے تھا۔ نئی نسل کو کون بتائے کہ عربی وفارسی کو کھو کر اور مغرب کو اپنا کر ہم نے کیا پایا اور کیا کھویا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اس ژولیدہ بیان کی ہرزہ سرائی بہت طویل ہوگئی۔ بہت کچھ کہا اور بہت کچھ کہنے سے رہ گیا۔ ''ناگفتنی'' گفتنی بن کر بھی ناگفتنی رہی۔ تاہم اختتام سے بیشتر شیخین ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ اور ابن جوزی کی کتابوں سے استفادہ کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی ہوگی۔ اپنی بے حاصل زندگی میں جو کچھ پڑھا لکھا یا سنا اس کا استقصاء مقصود نہیں۔ مدعا یہ تھا کہ شاید تحریر کسی خوش بخت کے لیے مفیدِ علم ومحرک عمل بن جائے اور فقیر کے لیے دلالت علی الخیر کی بشارت اور نجات کا سبب بن سکے، ورنہ یہ تباہ تو عمر بھر کی ورق گردانی کے باوجود علمی اعتبار سے اور حقیقت رسی کے رخ سے:

چو پایہ بر و کتابے چند
ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما
چہ قیامت است نہ می رسی ز کنار ما بکنار ما

تَرجَمَة: ''ساری عمر تمہارے ساتھ شراب کے پیالے پیئے لیکن میرا نشے کا غم ختم نہیں ہوا۔ کیا قیامت ہے کہ میرے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کو نہ پہنچ سکے۔''

❀❀❀

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۱۰)

جادۂ حبیب

سیاحت نامہ، تاثرات وکوائف بیرون تبلیغی سفر ۱۹۵۷ء

مولانا صاحب بمع تین رفقاء جناب ضیاء الاسلام (امیر جماعت)، مولانا ظاہر شاہ صاحب اور میاں محمد انور صاحب فیصل آباد بیرونی ممالک ایران، عراق، شام، ترکی، یوگوسلاویہ، آسٹریا اور جرمنی میں تبلیغ کے لئے ۳۱ جولائی ۱۹۵۷ء بروز بدھ کراچی سے بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوئے، یہ ایک سفرنامہ نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں دینی دعوت کے اصول، طریقہ کار و مشکلات اور غیبی نصرتوں کے علاوہ ان ممالک اور شہروں کی جغرافیہ و تاریخ، سیاسی و معاشرتی زندگی، اسلامی و دینی حالات کا ایک جامع بیش بہا خزانہ ہے جس کو مولانا صاحب نے اپنے روزنامچے میں روزانہ کی بنیاد پر تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ یہ تفصیل ۲۰ اگست ۱۹۵۷ء تک استنبول کے قیام تک موجود ہے لیکن اس کے بعد دستیاب نہیں یا مولانا صاحب نے لکھی نہ ہو معلوم نہیں۔ بہرحال مولانا صاحب نے اس کی بعد کی تاریخوں میں مختصر اشارات و یادداشتیں لکھی ہیں جن کو جوڑ کر ہم نے اس سفرنامے کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سفر سے واپسی ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔ از مرتب

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده۔ اللهم صل وسلم على عبدك و رسول محمد الامى و آله قدر حسنه وجماله۔ اما بعد فاعوذ بالله من

الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم۔

هوالذى بعث فى الاميين رسولاً منهم يتلو عليهم اٰيته ويزكيهم و يعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلال مبين واٰخرين منهم لما يلحقوا بهم وهو العزيز الحكيم۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشآء والله ذو الفضل العظيم۔

انما الاعمال بالنيات، اللهم وفقنى لما تحب وترضى من القول والعمل والفعل والنية والهدىٰ انك على كل شئى قدير۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على سيد المرسلين۔

نسبت کیا عجب چیز ہے، شاید اسی کا نام کیمیا ہو، ذرہ نسبت ہی سے آفتاب بن جاتا ہے اور خاک زرِ خالص میں تبدیل ہو جاتی ہے، جو نگاہیں کسی سے آشنا ہو جاتی ہیں، جو دل کسی سے سکون پانے لگ جاتے ہیں، وہی جانتے ہیں کہ کسی سے منسوب اشیاء اپنے میں کیسی کسک و کیف آگیں درد کو لئے ہوتی ہیں۔ ایک دل گرفتہ کے لئے ہر وہ چیز شوق و محبت کا پیام ہے جو اپنے اندر کس کی نسبت لئے ہوئے ہے۔

سلام على النجد ومن حل بالنجد

بسا ہے کون تیرے دل میں گل بدن اے درد
کہ بو گلاب کی آئی تیرے پسینے سے

اگر پیرِ شیراز محبوب سے پائی ہوئی مشت خاک میں مشک و عنبر کی خوشبو پاتا ہے۔ قیس کو نجد کی ہر گھاٹی لیلیٰ کی جلوہ سامانیوں اور عطر بیزیوں سے معمور نظر آتی ہے۔ فرہاد ہر ضرب تیشہ میں وصالِ دوست کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ عرب کا جاہلی شاعر ''اطلال دارسہ'' پر آنسوؤں کی لڑی پرو دیتا ہے، تو یہی اظہار فطرت ہے کہ کسی کا تعلق ہر اُس چیز کو محبوب بنا دیتا ہے، جو محبوب سے نسبت رکھنے والی ہے۔ انسان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کا امتیاز بھی تو یہی ہے کہ اس میں حجلہ نشین ازل کی نسبت والی روح پھونک دی گئی۔ ایک ''جسد خاکی'' اس نسبت والی روح کے فیضان سے ہی سجدۂ ملائک وخلافت خداوندی کے قابل بن گیا۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
طور در رقص آمد و چالاک شد

روح کی اس الٰہی نسبت پر وجد میں آکر پکارنے والے پکار اٹھے ہیں:

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ
بزیر کنگرۂ کبریائش مردا نند
فرشتہ صید و پیمبر شکار ویزداں گیر

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولٰکن یسعنی قلب عبدی المؤمن۔

اس مقام کی نشاندہی ہے، لیکن کمالِ روح کی اس الٰہی نسبت کو اس قدر قوی کر دینے میں ہے کہ انصباغ الٰہی سے روح اپنے میں مشغول نہ ہو، لیکن ہر آن مطالعہ حق میں مشغول ہو کر رہ جائے کہ الٰہی نسبت ''رجوع الی اللہ''، ''انابت الی اللہ''، سیر فی اللہ ہی سے نکھرتی، ترقی پاتی اور مقامِ قرب ورضا اور معیت حق سے سرفراز ہو جاتی ہے۔ ایمان نام ہی اس چیز کا ہے کہ سب نسبتیں ٹوٹ کر ایک الٰہی نسبت باقی رہ جائے، جس سے پھر جملہ نسبتیں الٰہی رنگ میں رنگین ہو کر اس طرح پھوٹیں جس طرح ایک بیج سے درخت کی مختلف شاخیں، کونپلیں، پھل اور پتے وجود میں آتے ہیں۔ کہنا یہ تھا کہ نسبت ہی سے ہر چیز وقیع ہوتی ہے۔ ایک چوکور مکان جب الٰہی نسبت کے انوارات خاصہ کا محل قرار دیا گیا تو بیت اللہ کے نام سے کعبہ کی چار دیواری کی صورت میں نسبت والی ذات عالی جل ذکرہ کی طرف سجدہ کا ظاہری نشان، عالم کے وجود کا مرکز ومرجع اور طواف وزیارت کے قابل ٹھہرا دیا گیا۔ نسبتیں اپنے اندر منسوب الیہ کی کیفیتوں کو لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ کیا مبارک ہے وہ راستہ جسے محبوب ازل اپنا راستہ پکارے۔ سبیل اللہ، اپنے اندر کیف ووجد کے کتنے سامان لئے ہوئے ہے۔

بیا جانان تماشا کن کہ در انبوہ جان بازاں
بصد انداز رسوائی سر بازار مے رقصم

اللہ کا راستہ اس عظیم وجلیل، جمیل وحمید ذات کا راستہ، ودود وکریم، محبوب ومطلوب ذات کا راستہ، جس کے کانٹے پھول، جس کے پتھر پرنیاں، جس کی ہوائیں مشک ریز، جس کی فضائیں انوارات وتجلیات سے معمور، ہر قدم منزل وہر گام مقصد، اس راہ کے اگر راہی ہر قدم پر جلیل ذات کی جلوہ سامانیوں کو دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں: انك كنت بنا بصيرا۔ تو حریم قدس سے نغمہ سرمدی ہر قدم پر سامعہ نواز ہوتا ہے: فانك باعيننا۔

تری درزدیدہ نگاہی کے نثار
آج ہی آغاز کا انجام ہے
ریگ آں کوئے درشتیہائے او
زیر پائے پرنیاں آئد ہمے

جادۂ حبیب کی بادہ پیمائیاں ہی تو تھیں جو انبیاء وصدیقین وشہدا وصالحین کے سلوک کی گزرگاہ قرار دی گئیں۔ اس گزرگاہ پر گزرنے والے سیدنا نوح علیہ السلام سے لے کر سیدنا سید المرسلین ﷺ کی ذات گرامی تک اگر جملہ انبیاء کا گروہ مع اپنے انصار وحوارین کے نظر آتا ہے تو ان کے تابعین میں بھی داعیان حق اور خاصان خدا کا گروہ بھی ہمیشہ اس وادی میں اپنا خون وپسینہ بہاتا رہا۔ گویا جہاں یہ راستہ اپنے اندر الٰہی تجلیات وانوارات کی نسبتیں لئے ہوئے ہیں اور مواعید ربانی اپنے ملنے کا اس راستے پر وعدہ فرماتے ہیں۔ وہاں انبیاء علیہم السلام کے فیوض وبرکات اور انوارات بھی ہر راہی کو بقدر استعداد وجہد ملتے ہیں، وہ راستہ خود کتنا قیمتی ہوگا جس کی گرد جہنم کی آگ سے بچانے والی، دخان نار سے دور کرنے والی، مشک وعنبر کی خوشبو دینے والی جنت کی مٹی، چہرہ کا نور قرار دے دی جائے۔

مبارک ہیں وہ لوگ، جو راہ حبیب میں دار ورسن کو زینت دے کر حیات جاوداں اور مقام قرب ورضا پا گئے اور خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں، جو اخلاص کے ساتھ اللہ کے راستے کی چلت پھرت، جہد ومشقت کے لئے قبول کی گئیں، جن کا جینا مرنا اللہ کے لئے تھا اور دعوت الی اللہ کے میدان میں اپنا سب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کچھ قربان اس لئے کر دیا کہ رضائے دوست مل جائے۔

از پئے دین رخت ھمچو صبا فتادہ ام
خانہ بہ خانہ درب در کو چہ بہ کوچہ کو بہ کو
ٹھہرے نہیں ایک جا عاشق بدنا م کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
عشق خانہ خرب کے مارے
در بدر شہریار پھرتے ہیں

اللہ کے راستے کی نسبت کتنی بلند ہے کہ سید الانبیاء (روحی فدا ﷺ) اپنی انگلی کے زخمی ہونے پر اپنی واردات قلبی کو عین کیف آگین الفاظ میں بیان فرما گئے:

هل انت الا اصبع دميت وفی سبيل الله ما لقيت

بہر حال مبارک ہیں وہ قدم جو اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے۔ مبارک ہیں وہ جسم جس کے خون و پسینہ کو اس راستے کے لئے قبول کیا گیا، جن کی مشقتوں اور مجاہدوں کو دین کی کھیتی کی سیرابی کے لئے ارادۂ الٰہی نے آلہ اور وسیلہ کے طور پر پسند فرمایا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نگہت گل
نسیم صبا تیری مہربانی

ختم نبوت اور دعوت تبلیغ

سید الانبیاء فخر الرسل ﷺ کی رحمت اللعالمینی شان کا ایک بڑا مظہر ختم نبوت کی صورت میں ظاہر ہوا اور انسانیت علاقائی، نسلی اور ملکی حدوں کے محدود دائروں سے نکل کر بلوغ کے اس درجے پر پہنچ گئی کہ ام القریٰ کے اس داعی ﷺ کی دعوت کی قبولیت کے شرف سے الٰہی رحمتوں فیوض و برکات کے ان سرچشموں کی کلی حامل بن سکے، جو جزوی طور پر ہادی اکرم ﷺ سے پیشتر داعیانِ حق صلی اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین کے ذریعے سے مختلف قبائل وملل، شہروں اور بستیوں میں تقسیم ہوتی تھیں، گویا ختم نبوت نے دنیا کے ہر حصہ کے ہر انسان کو اپنی استعداد اور اولین و آخرین کے جملہ علمی خزائن کا خاتم النبیین ﷺ کے توسط سے حامل بنا دیا اور اب ہر گورا اور کالا، فرنگی و زنگی، ہندی و چینی، رومی و فارسی، عجمی و عربی علوم و دعوت الٰہیہ کے کامل خزینہ سے (جتنا حکمت الٰہیہ میں انسان کے لئے مقدر تھا) بہرہ ور ہو جائے۔

وہ مولائے کل ختم الرسل دانائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ
عجب کیا گرمہ وپروین میرے نخچیر ہو جائیں
کہ برفتراک صاحب دولتے بستم سرخود را

اس لئے ختم نبوت کا انکار نا صرف انسانیت کی سب سے عظیم اور حاصل کائنات شخصیت اور اس کے ہر زمانے میں دائر و سائر فیوض و برکات سے محرومی کا سبب ہے بلکہ اس حرمان نصیبی کو کیا کہئے کہ نادانی انسانیت کی ترقی پذیر اور ہر دم ارتقائی رفتار کے رخ کو ماضی کے اس طفولیت کے دور پر پہنچانا چاہتی ہے، جب مختلف قومیں اور ذوات اپنے اپنے محدود نسلی و وطنی دائروں میں منقسم تھے اور 'مربی ازل' ان کی ہدایت اور تربیت کے لئے ان کی محدود ضرورتوں اور استعدادوں کے لئے ہادی اور رسول بھیج دیا کرتا تھا۔ ام القریٰ کے ہادی اعظم اور رسول اکرم ﷺ کی ہمہ گیر اور عالمگیر دائمی دعوت و پیام جہاں رحمت الٰہی کے لامحدود خزانے پوری انسانیت کے لئے لٹا گئی، وہاں الٰہی انعامات و ہدایات کا ایسا جامع و مانع، کامل و مکمل مجموعہ پورے انسانیت کے سپرد کر گئی جس کے بعد ترقی و معراج کا کوئی نقطہ نہیں اور اوج و کمال کا کوئی زینہ نہیں، اب انسانیت کا کمال اس میں ہو کر رہ گیا کہ مکہ کے یتیم، کوہ صفا کے داعی، فاران کے قدوسی جماعت کے رہنما کے ساتھ رابطہ و تعلق قائم کیا جائے کہ اب ہدایت جہاں بھی بٹے گی اور جسے بھی ملے گی اس کا سوتا غارِ حرا کے امی نبی (فداہ ابی و امی) ﷺ کے سینہ اقدس سے ہی پھوٹا ہوگا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بمصطفیٰ برسان خویش راکہ دین ہمہ اوست
اگر با او نرسیدی تمام بولہبی ست

ختم نبوت اللہ تعالیٰ کا ایک انتہائی عظیم انعام ہے، انسانی بلوغ و عالمگیر انسانی برادری کی تشکیل اسی نعمت ورحمت الٰہی کے ذریعے ممکن تھی۔ ایک غیر فانی اور آئیڈیل دین وحدت انسانیت کا ہی علمبردار ہو سکتا ہے، جس کا نقطہ ارتکاز ایک ایسے نبی کی ذات ہو جو تمام عالم کی طرف مبعوث اور جس کا دائرہ نبوت تمام زمانوں پر محیط ہو، ختم نبوت اور تکمیل دین ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں، اس لئے ختم نبوت کا انکار ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف اور ہمہ گیر اور عالمگیر دائمی دعوت کی بنیادی روح سے لاعلمی کا نتیجہ ہے، ختم نبوت کا انکار انسانیت کے کمال وعروج کا انکار، جاہلی مصیبتوں اور گمراہیوں کی توسیع اور اسلام کی عظیم وسعتوں سے نکل کر، عصری، وقتی، نسلی ولونی، وطنی اور قومی تنگناؤں میں گم ہو جانا، انسانی اعلیٰ اور اجتماعی ادوار سے غفلت، علم الٰہی کی لامحدودیت میں شک، نظام شرعی (ہدایت) کی حقیقت و ارتقاء سے ناواقفیت، ختم نبوت کے مقام سے عدم آگہی ایسے عظیم گمراہی کا سبب ہے۔

مبارک ہے وہ امت جو النبی الخاتم کے حصہ میں آئی، خوش نصیب ہے انسانیت کا وہ حصہ جو ختم نبوت کی برکت سے نیابت نبوت کے لئے چنا گیا اور کیا خوش بخت وہ آخری امت جو آخری نبی کے فیض وبرکت سے خیر الامم کے مقام رفیع پر فائض کی گئی۔ پوری انسانیت، سارا عالم اور قیامت تک کا زمانہ اس کی ہدایت کی محنت وکوشش کے لئے میدانِ عمل قرار دیا گیا۔ سلام ہو اس نبی پر جو ہر زمانے کی ہدایت کے لئے سبب ووسیلہ بنایا گیا اور درود وسلام اس رسول ﷺ پر جو توحید کا ملہ وتامہ کا پیامبر بن کر آیا اور وحدت آدمیت، دین ودنیا کی یکجائی اور زمانی ومکانی حد بندیوں سے ماورا ایک معاشرہ کی وحدت کا سبق دے گیا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، نوازنے والا جسے چاہے نواز دے۔

آغازِ سفر کراچی سے روانگی

۳۱ جولائی ۱۹۵۷ء محرم الحرام ۱۳۷۷ھ کی ۴ تاریخ ہے۔ بدھ کا دن اور دوپہر کے تین بجے کا وقت

ہے کہ یہ ناکارہ اپنے تین عزیز رفقاء ضیاء الاسلام صاحب (امیر جماعت)، مولانا ظاہر شاہ صاحب اور محمد انور صاحب کے ساتھ اپنی عمر میں پہلی مرتبہ بحری جہاز پر قدم رکھتا ہے۔ باقی رفقا حج وتبلیغ کے سلسلے میں پہلے بھی بحری سفر کر چکے ہیں، میں ہی نو وارد ہوں۔ ضیاء الاسلام صاحب ڈھاکہ میں سپرنٹنڈنٹ انجینئر ایریگیشن ہیں۔ چٹاگانگ سے جدہ کا سفر کر چکے ہیں۔ اسی طرح مولانا ظاہر شاہ صاحب دعوت کے سلسلے میں دو مرتبہ عرب و پاکستان آجا چکے ہیں۔ محمد انور صاحب (پائنر زینت ٹیکسٹائل ملز لائل پور) ایک مرتبہ حج کے سفر پر جا چکے ہیں اور ایک مرتبہ دینی دعوت کے سلسلے میں ملایا اور سنگاپور جا چکے ہیں۔

جہاز کا نام دوارکا ہے اور بی۔ آئی کمپنی کا کافی کشادہ جہاز ہے، سب رفقاء نے عرشے کے ٹکٹ بصرہ تک کے لئے خریدے ہیں، ۱۱۴ روپے فی ٹکٹ صرف ہوا ہے۔ رفقاء کا خیال خورد ونوش کا انتظام جہاز میں خود ہی کرنے کا ہے، اس لئے اشیاء ضروری خرید لی ہیں، وجہ یہ ہے کہ جہاز کا عملہ غیر مسلم ہے، جس اونچے راستے پر نکلے ہیں اس کا اصل توشہ تقویٰ ہے، احتیاط وتقویٰ کی راہ اسی میں نظر آتی ہے کہ اکل وشرب میں بھی محتاط رہا جائے۔ کھانے کا بندوبست محمد انور صاحب کے سپرد کیا گیا۔

جہاز پر اکثر مسافر غیر مسلم ہیں، پہلا کام جہاز پر سوار ہونے کے بعد جگہ کا انتخاب تھا، ہمیں ایسی جگہ چاہئے جہاں نماز باجماعت کا اہتمام، مسافر عورتوں سے بچاؤ، تعلیم کا نظم اور دعوت کا کام ہو سکے۔ بحمد اللہ دو تین جگہ بدلنے کے بعد قابل اطمینان تو نہیں البتہ گزارے کی جگہ مل گئی۔ مشورہ ہوا، امیر صاحب اور راقم کو ذکر کے لئے کہا گیا اور باقی دو ساتھی تعارف کے لئے خصوصی گشت پر روانہ ہوئے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ جہاز میں کن کن حضرات میں کام کیا جا سکتا ہے کیونکہ فی الحال اپنے مسلمان بھائیوں کو ہی دین کی اس اہم ذمہ داری کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔

اس لئے انہیں کی تلاش، اتا پتہ مقدم ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہر مسلمان امت مسلمہ کی بعثت کے مقصد کو سمجھتا اور اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتا تھا، لیکن بساط الٹ گئی، زندگی کا وہ خاکہ ٹوٹ گیا، آج جو امت پوری انسانیت کے لئے داعی کی حیثیت سے مبعوث بنا کر بھیجی گئی تھی خود مدعو بن چکی ہے۔ داعی تھی تو غالب تھی، دعوت میں قوت ہے، جس قوم کے پاس دعوت ہوگی وہ دوسروں کے افکار واعمال سے متاثر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نہیں ہوگی، بلکہ انہیں متاثر کرے گی، امت کا پہلا طبقہ دعوت الی اللہ کے جذبہ سے سرشار عرب کے ریگستانوں سے نکلا تھا، اپنی جہد ومشقت اور دعوت کے شغف کی برکت سے جہاں پہنچا خداوند قدوس کے دین اور اسی رنگ میں ملکوں اور قوموں کو رنگ کر دیا۔ چین کی دیوار سے اٹلانٹک کی ساحل تک اور سندھ سے لے کر فرانس کے سرحد تک دنیا اسلامی معاشرت، عدل ومساوات، عبدیت وطاعت گزاری کی جنت میں تبدیل ہوگئی۔ کاش امت کا یہ طبقہ بھی اسلاف کے نمونہ کو اپنا سکے اور غیر دینی اور حق سبحانہ وتعالیٰ سے غافل کر دینے والے نظامات کو اپنانے کے بجائے اسلام کی سیاست عادلہ، اقتصاد، عمران، معاشرت و معیشت، اخلاق واعمال، تعلق مع اللہ اور اوامر الٰہی کی پابندی والی زندگی گزارنے والی بن جائے اور دوسروں کی نقال بننے کے بجائے، قوموں کی امانت، خلافت الٰہی اور نیابت نبوت کے عالی مقام پر پھر سے فائز ہو سکے۔

عصر کی نماز سے پیشتر سمندر کو دیکھنے کے لئے اوپر والی منزل پر گئے۔ انسان کا مشاہدہ انتہائی ناقص ہے، جس طرح سمندر کو دیکھے بغیر اس کی وسعتوں کا اندازہ، اس کی موجوں کا اتار چڑھاؤ انسان صحیح نہیں سمجھ سکتا، اسی طرح موت کے بعد زندگی کی حقیقتیں ہمارے ناقص ادراک میں نہیں آسکتیں۔ سمندر کا تموج انتہائی شدید تھا، مجھے اور بھائی انور صاحب کو متلی اور قے شروع ہوگئی، بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ مغرب کے بعد میں تو بالکل نڈھال تھا، رات کو کھانا نہ کھا سکے، عشاء بیٹھ کر میں نے اور انور صاحب نے پڑھی، تاہم بحمد اللہ جماعت کی شرکت نصیب ہوگئی۔

آج یکم اگست ۱۹۵۷ء جمعرات کا دن ہے۔ چکر، متلی انتہائی شدت اختیار کر گئی، چائے پی، قے ہوگئی اور حیرت یہ تھی کہ اس کے بعد مجھے خون کی قے ہوئی، جس سے ضعف بہت بڑھ گیا، خدا کا شکر ہے کسی طرح کوئی قطرہ خون تو اس کے راستے میں گرا، رحمت بہانہ چاہتی ہے، اخلاص کا خواستگار ہوں، ممکن ہے یہی اس نابکار کی نجات کی صورت ہو جائے۔ تمام دن لیٹا رہا کھانا کھایا، وہ بھی قے ہوگیا۔ چھاتی میں درد تھا، بہرحال جس کے راستے میں نکلے ہیں، سب اسی طرف سے پیش آرہا ہے، عافیت کا طلبگار ہوں۔ رات تک میں اور انور بھائی اسی طرح نڈھال لیٹے رہے، نماز فقط جماعت سے بیٹھ کر پڑھ

لیتے تھے۔ باقی دونوں رفقاء باجود اپنی بزرگی کے ہماری خدمت میں انتہائی شفقت سے مشغول تھے۔ امیر صاحب اور مولانا صاحب نے گشت بھی کیا، تعلیم بھی کی، معلوم ہوا کچھ پنجابی مسلمان تاجر ہیں، تعلیم میں شامل ہوئے، نماز میں شرکت کی، اس طرح جہاز میں کام کی ابتدا ہوگئی۔ ہم لیٹے ہوئے اپنے جوان ہمت رفقاء کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے، دل ودماغ میں خیالات کا ایک تلاطم تھا۔

گوادر کی بندرگاہ

آج گوادر کی بندرگاہ آئی۔ جہاز نے ساڑھے چار بجے لنگر ڈالا اور پانچ بجے تک کھڑا رہا۔ لیکن اُٹھ کر دیکھنے کی ہمت کہاں تھی۔ گوادر پاکستانی علاقے میں برطانیہ کے زیر اثر سلطان مسقط کی بلوچستان میں بندرگاہ ہے۔ یہاں اپنا ایک پرانا رفیق سفر (جس سے قلات کے تبلیغی سفر میں شرکت کا شرف حاصل رہا) غربت کی نیند سو رہا ہے۔ پہلی حج کی پیدل جماعت جو حضرت شیخ قدس سرہ کی دعاؤں کے ساتھ کراچی سے رخصت ہوئی تھی، اس میں یہ رفیق عبدالغفور سواتی بھی شریک تھا۔ اللہ کی دین کے لئے پیدل سفر کی صعوبتیں جھیلے ہوئے، اللہ کے راستے میں اسہال اور ضعف کے عارضہ سے اس نے جان جانِ آفریں کے سپرد کی تھی۔ اس زمانے میں بھی کچھ اللہ کی رضا کے لئے عالی مقصد کے لئے جانیں قربان کرنے والے موجود ہیں۔

سر خاک شہیدے برگ ہائے لالہ مے پاشم
کہ خوش برنہال ملت ما سازگار آید

(میں شہید کے سرہانے گلِ لالہ کے پتے نچھاور کر رہا ہوں کہ اس کا خون ہمارے ملت کے شاخوں کی آبیاری کرے گا۔)

آج ۲ اگست ۱۹۵۷ء کا دن ہے۔ خلاف توقع طبیعت صبح اُٹھتے ہی ہشاش بشاش تھی۔ نہ معلوم یہ فوری توانائی کہاں سے آگئی، دوائی تو کھائی نہیں، شافی مطلق کی کرشمہ سازی ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ. (سورۃ الشعراء: ۸۰)

تَرْجَمَة: ''اور جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہ ہی شفا دیتے ہیں۔''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خلیل کی زبان سے ایسے ہی تو ادا نہیں ہو گیا تھا۔ بیماری وشفا، موت وحیات، حرکت وسکون ہر چیز کا اس کی ذات سے براہ راست تعلق ہے، جلاتا ہے جی اُٹھتے ہیں، مارتا ہے مرجاتے ہیں۔ ہر چیز اس کی ذات سے آرہی ہے۔

اللھم بک نحی وبک نموت۔

اے اللہ آپ ہی کے حکم سے ہم جیتے اور مرتے ہیں۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر:۵۰۶۸)

ہر چیز اپنے وجود، بقا، نشوونما میں ہر آن اور ہر لحظہ اس کی محتاج ہے، اسی سے وجود وبقا، حیات وصفات اور نمو کو لے رہی ہے۔ ظاہری مشاہدہ غیبی حقیقتوں کے چہرے کا نقاب ہے۔ انبیاء علیہم السلام اس پردے کو اُٹھانے آتے ہیں۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ. (اور وہ غیب یعنی ان دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں۔)

کتاب الٰہی میں صحیفہ ربانی سے ہدایت یابی کے لئے پہلی شرط قرار دی گئی ہے۔

انسان جس سے ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، سے نظر ہٹا کر جس سے ہو رہا ہے، پر نظر جمالے، یعنی مخلوق کو نہ دیکھے خالق کو دیکھے۔ یقین اس کا نام ہے کہ ذاتی مشاہدہ پر سے یقین ہٹ کر انبیاء علیہم السلام کی بتلائی ہوئی حقیقتوں پر یقین آجائے کہ اللہ سب کچھ کرنے والے ہیں۔ فاعل حقیقی ومؤثر حقیقی انہیں کی ذات ہے۔ ایقان واذعان کی یہ کیفیت اگر پیدا ہو جائے تو توحید ابراہیمی کی لذت سے انسان سرشار ہو جائے۔

اللھم رزقنا حلاوۃ الایمان۔

(یا اللہ ہمیں ایمان کی مٹھاس نصیب فرما)۔

مسقط کی بندرگاہ

مسقط کی بندرگارہ ساڑھے آٹھ بجے آگئی، سمندر کا تلاطم ختم ہو چکا تھا، سکون ہے، جہاز ساحل سے کوئی چار فرلانگ دور ہی کھڑا ہو گیا، منظر دلکش ہے، چھوٹی چھوٹی چٹیلی پہاڑیاں تین طرف پھیلی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ ان کے درمیان میں کچھ بستیاں دروں کی صورت میں نمایاں ہیں۔ جہاں پر مکانات وغیرہ بنے ہوئے نظر آرہے ہیں، اس جگہ ایک چھوٹا سا قلعہ دکھائی دے رہا ہے، اس سے دائیں طرف پہاڑ کا ایک چھوٹا

قلعہ نما قصر نظر آتا ہے۔ اس کے نیچے shehzad Ali New castle 1957 پڑھا جا سکتا ہے۔ مسقط سے چھوٹے چھوٹے بجروں میں حبش اور عرب (خوانچہ فروش) خوردونوش اور عام ضروریات کی چیزیں لے کر جہاز پر آئے۔ جہاز سے باہر کچھ عرب سیپیاں اور گونگے بیچ رہے ہیں۔ ان کے بچے سمندر میں کود کر پیسے وغیرہ جو جہاز کے مسافر پھینکتے ہیں نکال لاتے ہیں۔ کن کی اولاد، کس کے نام لیوا، آج اپنے مقصد سے بے نیاز، اپنے فریضہ کو بھلا کر پست مشاغل میں مشغول ہو گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

ان اللہ یحب معالی الامور اشرافھا ویبغض سفسافھا۔ (رواہ الطبرانی:2894)

بے شک اللہ اونچے اور عزت والے کاموں کو پسند فرماتے ہیں اور ادنیٰ اور پست کاموں کو مبغوض رکھتے ہیں۔

کیا ایک مؤمن کے لئے اس سے بڑھ کر دنائت اور پستی ہو سکتی ہے کہ پیسہ پیسہ کے لئے مسلم وغیر مسلم کی نگاہوں میں تماشہ بن جائے۔

جہاز یہاں مسقط میں چار گھنٹے ٹھہرا، یہاں نام کی حکومت سلطان مسقط کی ہے لیکن اصل اقتدار انگریز کا ہے، آج جب انگریز کا سورج ڈوب رہا ہے اور اہم ناکوں سے ہنوز چمٹا ہوا ہے، استعماریت کتنی سخت جان ہوتی ہے۔ مجھے خیال آیا کرتا ہے کہ وَاقْعُدُوْا لَھُمْ کُلَّ مَرْصَدٍ (توبۃ 5) 'کل مرصد' سے یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ اس شاہد علی الناس امت کے لئے انسانیت کی نگہبانی کے واسطے دنیا کے تمام اہم ناکے اس کے تصرف میں ہونے چاہئیں۔

آہ! ''گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا''

(چینیوں نے حج کے لئے احرام باندھا ہے اور مکہ والے بطحا میں میٹھی نیند سو رہے ہیں۔)

آج طبیعت بحال رہی، بھائی انور بھی اچھے تھے، ظہر کے بعد اوپر جانا ہوا۔ بحمد اللہ تعالیٰ فضائل کی کتابوں کی تعلیم ہوئی۔ ہنوز امت میں جان باقی ہے۔ بس جان کھپانے کی ضرورت ہے۔ اچھا خاصہ مجمع ہو گیا تھا۔ سب نے ذوق وشوق سے حدیث کو سنا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ کی عنایت ہے کہ ترغیب وترہیب کے رنگ میں اعمال کی قیمتیں بتا کر اپنی رضا کے مختلف مدارج بتا دیے۔ جن کے سننے سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

معروفات اور نیکیوں کے لئے خود بخود شوق ورغبت اور منہیات اور برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے، اگر انسان عمل پر موعود نعمتوں کو عطیہ الٰہی سمجھتے ہوئے ہر عمل کے وقت ان اجر وانعامات کو سوچ لیا کرے تو ایک تو منعم کی محبت پیدا ہوگی۔ دوسرے احتساب کی کیفیت پیدا ہوگی جو ایمانی اعمال کی جان ہے اور جس سے تصدیق ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی، اس لئے اکثر اعمال کرتے ہوئے ایمان واحتساب کی کیفیت کو تازہ اور مستحضر رکھنے کا حکم متعدد احادیث میں ملتا ہے۔ جیسا کہ جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ یاد آتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ البالغہ میں انبیاء علیہم السلام کے اصول دعوت میں ترہیب و ترغیب کا اس قدر وضوح اور تفصیل سے علم جناب سید عالم محمد ﷺ کا خاصہ بیان فرمایا ہے۔ یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ترغیب سے اعمال محبوب ہو کر طبعی تقاضے کی صورت اختیار کر لیں اور ترغیبات سے منکرات سے اتنا متنفر کر لیا جائے کہ ان سے طبعی کراہیت ہونے لگے۔ جیسا کہ مؤمنین صحابہؓ کی صفت قرآن نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ۔ (الحجرات:۷)

اور حضور ﷺ کی مشہور دعا ہے:

اللهم حبب الينا الايمان و زينه فى قلوبنا و كره الينا الكفر و الفسوق و العصيان و اجعلنا من الراشدين۔ (راوہ احمد۔ مناجات مقبول اشرف علی تھانوی)

(اے اللہ ایمان کو ہمارے لئے پسندیدہ بنادے اور اس سے ہمارے دلوں کو زینت بخش دے اور کفر، نافرمانی اور گناہوں کو ہمارے لئے ناپسندیدہ بنادے اور ہمیں سیدھے راہ پر چلنے والا بنادے۔)

ترغیب وترہیب (فضائل) کی جملہ احادیث پر وہی ایک رنگ چھایا ہوا ہے جو انسان میں نیکی کی محبت اور برائی سے نفرت اور آقا کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ ابھی مسلمانوں میں جان باقی ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

عصر کی نماز میں کئی نئے ساتھی شریک ہو گئے، جماعت بھی اوپر کی منزل میں آسمان کے نیچے ہوئی۔ حضور ﷺ نے امت کے بعض لوگوں کو سطح سمندر پر بادشاہوں کی طرح (دین کے لئے) چلتے دیکھا تھا، اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے اہم نا اہلوں کو بھی حصہ نصیب فرمائے۔ عصر کے بعد کا وقت ذاتی معمولات واذکار میں گزارا، مغرب پھر اوپر کی منزل میں ادا کی، جماعت بحمداللہ اچھی خاصی تھی۔

دبئی کی بندرگاہ

آج 3 اگست 1957ء ہفتہ کا دن ہے۔ فجر کے بعد سے طبیعت معمول پر بفضلہٖ تعالیٰ آچکی ہے، ضعف بھی جاچکا ہے، مطلع بالکل صاف ہے، اس لئے گرمی محسوس ہو رہی ہے، تلاوت وناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل میں مصروف رہے، 12 بجے کے قریب دبئی کی بندرگاہ پر جہاز لنگر انداز ہوا، دور ساحل پر درخت دور دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں، پانی کی کمی کی بنا پر جہاز قریب نہ جاسکا۔ موٹر لانچوں کے ذریعے بار بردار بجرے اور مسافروں کے لئے کشتیاں جہاز کے قریب آتیں، مسقط سے زیادہ مسافر سوار بھی ہوئے اور اترے بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے کی خاص بندرگاہ یہی ہے، کل سے لمبی عباؤں والے جہاز پر آنے شروع ہوئے، زبان خاص نہیں، فارسی کے الفاظ بھی ملے جلے ہیں، لیکن اردو کی جہانگیری کا سکہ ہر جگہ چل رہا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے ہیں اور بات سمجھ لیتے ہیں۔ اپنے مولد ومنشا سے اردو کو نکالنے کی ناکام کوشش کرنے والوں کے لئے اس میں عبرت ہے۔ کاش اپنا ملک ہی اس کو جائز مقام دیتا۔

عربی تاجر عموماً ریشمی عباؤں میں ملبوس ہیں، میری توجہ دلانے پر رفیق سفر انور صاحب نے کہا کہ طاؤس ورباب کا دور ہے، شمشیر وسنان کا زمانہ گزر گیا، یعنی وہ ابتدا تھی یہ انتہا ہے، وہ عروج تھا، یہ زوال ہے، جو قوم پیہم محنت وجہد اور جہاد کے لئے پیدا کی گئی ہو وہ تنعم کی زندگی کب گزار سکتی ہے۔

آج 4 اگست 1957ء اتوار کا دن ہے، کراچی سے چلے ہوئے آج پانچواں دن ہے، قدرت کا نظام بھی کس قدر مرتب اور حیران کن ہے، ہر چیز ایک کرشمہ اور اس ذات عالی کی صناعی کا نمونہ ہے۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (نمل:88)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رات ودن کے نظام اوراس کی کمی بیشی وگردش کو لے لیجئے، اگر دل ودماغ سلامت روی کی راہ نہیں بھولے تو اللہ تعالیٰ کی پہچان ومعرفت کے لئے یہی ایک نشانی کافی ہے۔مختلف انداز سے قرآن کریم نے جورات دن کے اندھیرے اوراجالے، کمی وبیشی کے تذکرے کئے ہیں تو یہ کوئی مضمون آفرینی کے لئے نہ تھے۔ہم دن کرتے ہیں، رات گزارتے ہیں، ہماری زندگی اسی لیل ونہار کی گردش سے عبارت ہے، لیکن غفلت کا کیا کہئے کہ نہ دن کا اجالا، دن کی پیدا کرنے والے کی روشنی سے سے ہمیں آشنا کرتا ہے، نہ رات کا گھٹاٹوپ اندھیرا ہمارے دل ودماغ کی سیاہی کو دور کرتا ہے۔سیدھی سادی بات قرآن نے بتا دی تھی کہ رات دن کی الٹ پھیر اور زمین آسمان کی خلقت صرف انہیں سوچ بوجھ رکھنے والوں کے لئے ہدایت ورہنمائی کی نشانی بن سکتی ہے، جن کے سوچنے کا ڈھنگ نہیں بگڑا اور وہ مخلوق سے خالق کو مصنوع سے صانع کو پہچاننے کی کوشش میں ہمیشہ لگے رہتے ہیں۔ان کا فکر انہیں بتاتا ہے کہ یہ نظام عالم یونہی ایک اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ کسی حکیم وعلیم، خبیر وقادر صانع کے بااختیار اور محکم ارادے سے وجود میں آیا۔ انسان کا ذہن جب پستی کی طرف جاتا ہے تو وہ اعلیٰ سے اسفل کی طرف عود کر جاتا ہے۔مخلوق میں اس کا تفکر اس کو ایک ایسے معمہ میں پھنسا دیتا ہے جو عقدہ لاینحل بن کر اس کی تمام کاوشوں کو مخلوق ہی میں مرکوز کر دیتا ہے۔وہ مخلوق سے عارضی استفادہ اور مخلوق کے مستعار اور وہبی صفات سے کچھ فائدہ تو حاصل کر لیتا ہے لیکن یہ فائدہ اس قدر گراں ہوتا ہے کہ خالق کی صفاتِ عالیہ اور صانع کے کمالات سے بالذات استفادہ کی صلاحیتیں اس سے سلب کر لیتا ہے۔خیر یہ تو بات کا معاملہ ہے، اس سے بڑھ کر حسرت ویاس کا مقام کون سا ہوگا کہ مخلوق کا باشعور ترین اور حاصل کائنات فرد انسان اپنی پوری زندگی بہر نوع اپنے سے ادنی درجے کی مخلوقات کی صفات اوران سے استفادہ میں اس طرح صرف کر دیتا ہے کہ خالق کی طرف نہ نگاہ اٹھتی ہے، نا اپنے جواہر وکمالات کو جو کائنات کا حاصل ہیں، پہچان سکتا ہے۔

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ (الحشر:19)

(انہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے۔)

اسی غفلت ونامرادی کا اظہار ہے نہ خالق کو پہچان سکے اور غضب تو یہ کیا کہ اپنے وجود سے بھی تمام

عمر نا آشنا رہے۔کیا قیامت ہے کہ انسان سب کی تلاش کرتا ہے اپنی تلاش نہیں کرتا۔اگر وہ اپنے میں بھی ڈوب جاتا، تو وہ جواہر پالیتا جو اسے مخلوق میں سرگرادانی سے نکال کر خالق سے مربوط کر دیتے۔اس کے اندر تو وہ جوہر قدس پھونکا گیا ہے جس کی ہر وقت نگاہ ملا اعلی کے فیضان کی منتظر اور اپنے پروردگار کی تلاش میں بے قرار رہتی ہے۔روحی کی اضافت سے یہ فائدہ ذہن میں آتا ہے کہ روح اپنے منسوب الیہ ہی کے تعلق سے روح کہے جانے کی مستحق ہے۔اس کا عروج اسی ذات حق کی طرف ہے، یہ حیات ونمواسی سے پاتی ہے، اس کے اوامر سے پلتی ہے، اس کی چاہت اور رضا سے پنپتی ہے۔کاش ہم روح کی قدر کر لیتے، جو ذات الٰہی کی قدردانی کا زینہ بن جاتا۔خاصان خدا کا قول ہے:

من عرف نفسه عرف ربه۔

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اسے خدا کی پہچان نصیب ہوگی۔)

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، کہہ یہ رہا تھا کہ قدرت کی کرشمہ سازیاں ہر چیز کی طرح وقت کے الٹ پھیر میں بھی موجود ہیں، ہم کراچی سے جس وقت چلے تھے، وہاں صبح صادق چار بج کر بیس منٹ پر ہوتی تھی اور یہاں ساڑھے پانچ بجے پاکستانی ٹائم کے مطابق صبح صادق ہو رہی ہے، یعنی ایک گھنٹہ کا فرق۔ اسی طرح مغرب بھی دیر سے ہو رہی ہے اور جوں جوں مغرب کی طرف جائے گا، یہ فرق بڑھتا جائے گا۔ اوقات وتقویم پر کچھ کہنا نہیں چاہتا، مقصد صرف اتنا ہے کہ عقل ودانش سے بعید یہ جو بعض نام نہاد عقلمندوں نے مفروضہ قائم کر لیا ہے کہ یہ عالم ایک اتفاقی حادثہ ہے جو خود بخود وجود میں آ گیا۔کہاں تک ایک مکان وزماں کی مرتب اور منظم تکوین کا سبب بن سکتا ہے۔زمان ومکاں کی بحثیں اپنی جگہ پر، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ جو کچھ ہے، اسی سے ہے۔اس کا ارادہ ہی ہر چیز کا وجود ہے۔اس نے چاہا تو زمان کا وجود بھی قائم ہو گیا اور مکان بھی پیدا ہو گیا۔زمان کی نئی بحثوں میں الجھنے سے پیشتر قرآن کریم کی ان آیات کو نظر میں ضرور رکھنا چاہیے، جن میں لیل ونہار کے متعلق مختلف حقائق کو کھولا ہے۔قرآن تکونیات کے مسائل کی تفصیلات میں نہیں جاتا، لیکن کلام اللہ کے اشارے بھی حکیم وخبیر خالق کے اشارے ہیں:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (سورۃ الحدید:3)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ترجمہ: وہ سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور اپنی قدرتوں سے سب پر ظاہر اور اپنی ذات سے پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے۔

آج صبح سے گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ مشورے کے مطابق جہاز کے ساتھیوں کے لئے صبح کے دس بجے سے گیارہ بجے تک ہی تعلیم کا نظم کیا گیا۔ کچھ اردو جاننے والے ہندوستانی پاکستانی حضرات تھے اور کچھ عرب حضرات مسقط، بحرین، کویت وغیرہ کے تھے، بحمداللہ تعلیم ہوئی۔ تاثر خاص کر عرب حضرات میں اچھا تھا، یہ عرب غریب کم لکھے پڑھے ہیں، لیکن اسلام کی عظمت اور احادیث نبوی ﷺ کی محبت کی چنگاری ہنوز قلوب میں موجود ہے۔ کاش اس نور ایمان کے روشن کرنے اور یقین کے بڑھانے کے لئے نبوی طریقہ کے مطابق مسلمانوں میں عمومی طور پر جان کھپانے کا رواج ہو جاتا، ابھی وقت ہے کہ اس سرمایہ کو ضیاع سے بچایا جائے۔ اخلاص محنت، دلسوزی اور اصول صحیحہ کے مطابق دعوت کی ضرورت ہے۔

بحرین کی بندرگاہ

جہاز گیارہ بجے کے قریب بحرین پہنچا، ساحل سے کوئی ایک آدھ میل کے فاصلے پر لنگر ڈال دیا گیا، جزیرے کی سفید عمارات دور سے مدہم مدہم نظر آ رہی ہیں، کسی مسجد کا ایک مینار بھی دور سے نظر آ رہا ہے، جہاز تمام دن کھڑا رہا، رات کے سوا دس بجے روانہ ہوا، اکثر مسافر اتر گئے ہیں، اترنے والوں میں ایک صاحب محمد اسحاق نامی بھی ہے، جو تیل کی کمپنی میں ملازم ہے، موضع نوح ضلع گوڑگاؤں میوات کا رہنے والا ہے، تبلیغی کام سے آشنا ہے، سامان کے اترنے میں کافی وقت صرف ہوا، رات کے وقت میں دور سے جزیرہ کی بجلیاں عجیب دلکش اور بھلی معلوم ہوتی ہیں، اب معلوم ہوتا ہے گویا سمندر میں قمقمے آویزاں کر دئے گئے ہیں۔ یہ بحرین وہ نہیں جس کا حضور ﷺ کے زمانے میں مال غنیمت آیا تھا، وہ ساحل عرب ہے اور اسے آج کل الحسا کہتے ہیں، تیل کی دریافت نے اسے مغرب کے استحصال اور حرص و آز کی جولانگاہ بنا دیا ہے۔ الخبر کی بندرگاہ آج کل مشہور ہے۔ پہلے زمانے میں ''الخط'' کی بندرگاہ مشہور تھی جس کی نسبت سے عربی ادب میں زمام الخط کا لفظ کثرت سے آتا ہے۔

بہرحال یہ علیحدہ جزیرہ خلیج فارس میں ہے، تیل کے چشموں کی بنا پر مشہور برطانوی و امریکن تیل کی

کمپنیاں یہاں موجود ہیں، سمندر سے موتی بھی نکالے جاتے ہیں، یہاں کی Pearl Fisheries مشہور ہیں، یونانی مؤرخ Pliny کا خیال ہے کہ فنیقی Foenicians شروع میں اس جزیرے کے بسنے والے تھے، اس نے یہ قیاس اس بنا پر کہا تھا کہ اسے اس جزیرے میں فنیقی طرز کے مقابر وغیرہ ملے تھے۔ فنیقی وہی قوم ہے جس نے یونان کی ترقی سے پیشتر اپنی صنعت کاریوں کی دھوم مچا دی تھی، یہ ساحل بحیرہ روم پر فلسطین وغیرہ کے قریب آباد تھے اور بقول ہٹی (Hity) بحیرہ روم رومن جھیل بننے سے صدیوں پہلے فنیقی جھیل بن چکا تھا اور اسی قوم کے ملاحوں نے واسکوڈیگاما سے تین ہزار سال پیشتر افریقہ کے گرد کیپ ٹاؤن ہوتے ہوئے چکر لگایا تھا، یہ بھی ہٹی کا قول ہے۔

یورپ کی عادت ہے کہ ان تمام مفاخر کو جو غیر یورپین اقوام سے متعلق ہوں نظر انداز کر دیتا ہے۔ یا اس قدر ہلکا اور مدہم کر کے بتا دیتا ہے اور اپنے کارناموں کو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے کہ اس کے تمدن و تسلط کی ظاہری روشنی میں سننے والا ہر چیز کو اس کا کمال و یافت سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کراچی سے مسقط تک سمندر کی تلاطم خیزیاں دیکھ کر بار بار قرون ماضیہ کے ان بہادر ملاحوں کو آفرین کہنے کو جی چاہتا ہے، جو بادبانی کشتیوں میں ہزارہا سال پیشتر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر موجوں کے خطرناک تھپیڑوں کا مقابلہ کرتے تھے۔

اس سمندر کو لے لیجئے۔ عرب ملاحوں کا ہندوسند کی بندرگاہوں میں آنا جانا تین ہزار قبل مسیح تک قیاس کیا گیا ہے۔ پندرہ سو قبل مسیح میں ہندو عرب کی آمد و رفت تاریخی شہادتوں کی بنا پر ظن غالب کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔ بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ملکہ سبا کے تحائف کا تذکرہ ہے، ان میں کئی یقیناً صرف ہندوستان کی پیداوار ہیں۔ بعد کے زمانے میں سکندر مقدونی کا سمندر کے راستے واپس ہونا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ تعجب ہے کہ بعض یونانی مؤرخین نے اس سکندر کے بیڑے کے رہنما Illitrate امی قوم کے افراد بتائے، کیا وہ عرب تھے؟ اس کے عہد میں بلوچستان کے علاقے میں Arabians اور Arabi کے مقامات ملتے ہیں۔ کیا یہ عربوں کی نوآبادیاں تھیں؟ سیلون میں ہون شانگ چن 120 عیسوی میں عرب تاجروں کو پاتا ہے، مالابار کے ساحل پر موپلے اور بعض دوسری قومیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عرب ملاحوں کی اولاد ہیں، قیاس یہ ہے کہ شروع زمانے میں ساحل کے ساتھ ساتھ عرب ملاح سندھ کے ساحل پہنچے ہوں گے اور ابتداء اتفاقیہ مون سون نے عرب کشتیوں کو ساحل ہند تک پہنچا دیا ہوگا۔ مسالوں اور عطریات کی تلاش تو انہیں قدرتاً تھی، مسالوں کی سرزمین اس طرح ہاتھ آ گئی تو مون سون کے تغیر کو انہوں نے عطیہ الٰہی سمجھ کر اپنی کشتیوں کے ہند سے آمد و رفت کے ایسے اوقات مقرر کر لیے جن کے ذریعے ہوائیں انہیں ایک یا دوسری طرف پہنچا دیتی تھیں۔ ساحل عرب پر واپسی کے بعد یہ اس درآمد کو خشکی کے راستے شام و مصر تک پہنچاتے تھے اور یہ سلسلہ اسلام کی ابتدا تک اسی طرح جاری تھا۔

رحلة الشتاء والصيف (سورۃ قریش:2) اور امام مبین (سورۃ الحجر:79) کے اجمال کی تفصیل کے لئے عربوں کی تجارت قبل الاسلام کا حال معلوم کرنا ضروری ہے۔ جاہلی شاعر اعشی نے ابن یمین طرفہ کے جہازوں اور حدوج مالکیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ حضرت سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی کی عربوں کی جہاز رانی، ارض القرآن وغیرہ میں اس کا کافی تذکرہ مل سکتا ہے۔

كان حدوج المالكية غدوة

خلايا سفين بالنواصف من دد

(صبح کے وقت خولہ مالکیہ کے کجاوے ایسے دکھائی دیتے تھے کہ گویا وہ مقام ددکی دھاروں میں بڑی کشتیاں ہیں۔)

93ھ سے پیشتر سیلون عرب تاجروں کے ذریعے اسلام پہنچ چکا تھا، جن کے حاجیوں پر مکران کے لٹیروں کا حملہ سندھ پر حملے کا سبب بنا، اسلام کے بعد تو بحیرہ عرب یا عالمی سمندر عرب سفینوں کے جولان گاہ تھے۔ ابوزید سیرانی، ابودلف، ابن بطوطہ سے لے کر اسدا لبحر تک پورا عالم انہیں کے جہازوں سے آباد تھا۔

تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی

بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

فن لینڈ، جزائر برطانیہ، افریقہ کا مغربی ساحل، اٹلانٹک کے جزیروں سے لے کر بحر ہند کے سمندر اور بحر الکاہل کے جزیرے جاپان و فلپائن تک ان کی تاجرانہ و داعیانہ سرگرمیوں سے آباد تھے۔ انڈونیشیا

کا پورا ملک، فلپائن کے بعض جزائر انہیں مسلمان تاجروں اور ملاحوں کی برکت سے آج اسلام کے آغوش میں ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ امریکہ کی دریافت کا سہرا یورپ کی عیسائی اقوام میں سے کولمبس کے سر اگر ہو تو ہو سکتا ہے لیکن حقیقی دریافت اس کی بھی ان عرب بہادروں کی مرہون منت ہے، جن کے کارناموں کو اتنا دھندلا کر کے بتلایا جا رہا ہے جیسے وہ کچھ تھے ہی نہیں۔ بات سے بات پیدا ہوتی ہے، مقصد صرف اتنا ہے کہ سمندروں کو جنہوں نے ایک معمولی دریا کی طرح اپنی داعیانہ سرگرمیوں اور تاجرانہ تگ و دو کا میدان بنا رکھا تھا وہ مسلمان اور عرب ملاح آج کہاں ہیں؟

صد حیف از قبیلہ مجنون کسے نماند

(ہزار افسوس کہ مجنون کے قبیلہ کا کوئی فرد باقی نہیں رہا۔)

بوشہر کی بندرگاہ

آج 15 اگست 1957ء پیر کا دن ہے۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد جماعتی رفقاء کی تعلیم آپس میں نو سے گیارہ بجے تک ہوئی، اس کے بعد کھانے کے نظم میں لگا ہی چاہتے تھے کہ بوشہر کی بندرگاہ آ گئی، یہ ایرانی ساحل پر ہے، جہاز کوئی چھ گھنٹے ٹھہرا، سامان کافی اترا، کچھ ایرانی مسافر مع مستورات کے سوار ہوئے، بحمد اللہ تعالیٰ مستورات پورے پردے میں تھیں، برقع پوش اور چہرے پر نقاب ایران میں گویا اب بھی پردہ بالکل مفقود نہیں ہوا۔ محرم کی آٹھ تاریخ ہے، زائرین کربلا کے ارادے سے بھی جا رہے ہیں شیعیت خالص مذہبی فرقہ نہیں، بلکہ ایرانی سیاسی دماغ و افکار کی پیداوار ہے، جس کی جڑیں ساسانی و کیانی خاندانوں سے گزر کر اخمنشی خاندان تک چلی گئی ہیں، اسلام کے لئے یہ تمام تصورات عجمی اور بیگانہ ہیں، وہ نئے خاندانی نظام نہیں بنانے آیا تھا، وہ تو ایک دعوت تھی۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (سورۃ البقرہ 135)

''اے پیغمبر! کہہ دو (انہیں) بلکہ ہم دین ابراہیم اختیار کئے ہوئے ہیں، جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

اپنی دعوتی سرگرمیاں بحمد اللہ تعالیٰ رفقاء کی ہمت سے کچھ نہ کچھ جاری رہیں، میں تو بس شمار ہی کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لئے ان باہمت دوستوں کا رفیق ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص سے حصہ نصیب فرمائے، خدمت بھی کرتے ہیں اور تعلیم و دیگر مشاغل میں بھی سرگرم ہیں۔ مجھ سا بیکار ان کے سہارے کچھ کما لے تو اللہ کی رحمت سے بعید نہیں۔ عصر میں عمومی تعلیم ہوئی، جماعت بحمد اللہ تعالیٰ عرب مسافروں سے کافی بارونق ہو جاتی ہے، نماز اکثر پڑھتے ہیں، کاش ارکان کی تعدیل اور خشوع کا اہتمام ہوتا، عربی بولتے ہیں، کمال ہے مسلمان جہاں بھی ملتا ہے، ایک دوسرے سے اجنبیت محسوس نہیں کرتے بلکہ انس ہی پاتا ہے۔

ایک حبشی النسل کویت کے ایک دمش اسنبل نوجوان سے کافی دیر تک بات چیت ہوئی، دینی جذبات اور مسلمانوں کی محبت کی بنا پر مجھے تو اس سے انسیت معلوم ہونے لگی، ایک عجیب بات یہ تھی کہ گھڑی قائداعظم کی تصویر والی باندھ رکھی تھی، تصویر کا عدم جواز اپنی جگہ پر مسلم، لیکن اگر ہم اس طرح مسلمانوں کی خوبیاں تلاش کرنے والے اور ان سے محبت کرنے والے بن جائیں تو آج امت پھر "بنیان مرصوص" بن سکتی ہے۔

دیارکم تکتب آثارکم۔ (صحیح مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ)

(اپنے اپنے مکانوں پر ٹھہرے رہو۔ کیونکہ تمہارے قدموں کے برابر نیکیوں کو لکھا جاتا ہے۔)

رات کے پونے بارہ بجے (پاکستانی ٹائم) ہے، چاندنی سمندر پر اپنی شعاعیں بکھیر رہی ہے، قلم پر خمار نیم شبی طاری ہوا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری راتوں کو اپنے خواص کی راتوں کی طرح اور دنوں کو اپنے محبوبین کے ایام کی طرح بنا دے، جو دن کے مجاہد اور رات کے راہب تھے، دین کی تڑپ اور فکر تو سینہ نبوی کا سرمایہ ہے، کسی کے ہاتھ آجائے تو اس کی راتوں کا کیا کہنا اور اس کے دنوں کا کیا ٹھکانہ۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

کویت کی بندرگاہ

آج 16 اگست 1957ء منگل کا دن ہے۔ صبح چار بجے آنکھ کھلی تو جہاز کویت کے بندرگاہ پر لنگر انداز ہو چکا تھا، تقریباً ایک میل کی مسافت میں دور تک بجلیاں جگمگ جگمگ کر رہی تھیں، دوسری طرف کوئی نو

کے قریب جہاز لنگر انداز تھے، رات کے پچھلے حصے میں ساحل اور جہاز کی بجلیاں چاند کی دلفریب روشنی میں عجب سہانا منظر پیش کرتی تھیں، بحری سفر مجھ جیسے اجنبی کے لئے ایک انوکھا تجربہ تھا کہ جہاز موجوں کی حرکت اور ہوا کے زور سے باوجود لنگر انداز ہونے کے سمت بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ فجر سے پیشتر ساتھیوں کو نوافل میں تین مرتبہ قبلہ نما دیکھ کر بدلنا پڑا اور اس کا احساس اس طرح ہوتا کہ دور کی آبادی کبھی دائیں کبھی بائیں ہو جاتی تھی۔

فجر کی اذان اوپر کی منزل پر آسمان کے نیچے عرشۂ جہاز پر فقیر نے اس نیت سے پوری آواز سے دی کہ سمندر اور زمین کا یہ قطعہ کل قیامت میں گواہی دے کہ ایک روسیاہ نے تیرا یہاں نام پکارا تھا۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا۔ (الزلزال:4)

ترجمہ: اس روز وہ اپنے حالات بیان کرے گی۔

صبح صادق کے وقت شفق کی سرخی کا عالم، سمندر میں بجلیوں کا عکس، صانع کی صناعی پر فریفتہ کئے دیتا تھا۔ جمیل مطلق کی صفت جمال کا یوں تو ہر ذرے میں انعکاس متلاشی نگاہوں کو مل جاتا ہے لیکن حجلہ نشین ازل جب اپنے زیبائیوں سے پردہ ہٹا دے تو کون قابو میں رہ سکتا ہے۔

شاہ دلربا وہ جب سامنے آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو پر پہلو سے نکلا جائے ہے
وہ اپنے حسن کی مستی سے ہے مجبور پیدائی
میری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسبابِ مستوری

کویت پر انگریز کی علمبرداری میں ایک برائے نام شیخ کی حکومت ہے۔ تیل کے ذخائر آج عرب ممالک کے سلاطین و شیوخ کے لئے سونے کے کان ہیں لیکن یہ دولت آزادی کے لئے مستقل خطرہ بلکہ اکثر مقامات پر غلامی کا سبب بن چکی ہے، عامۃ الناس مفلوک الحال ہیں۔

شیوخ اپنے حال میں مست! کویت میں بھی تیل کے ذخائر پوری افراط سے موجود ہیں۔ انگریز کمپنیاں اپنا تجارتی و سیاسی تسلط جمائے ہوئے ہیں، جزیرۃ العرب کی وہ سرزمین جسے مشرکین سے پاک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رکھنے کا اہتمام کیا گیا تھا، آج جگہ جگہ اس ارض مقدس کے سینے کو اغیار ناسور کی طرح چھلنی کر رہے ہیں۔ عدن، مسقت، کویت وغیرہ۔ فالی اللہ المشتکی و بہ المستغاث (پس اللہ ہی سے فریاد کی جاتی ہے اور اس سے امداد مانگی جاتی ہے۔) اللہ تعالیٰ امت کے انفرادی واجتماعی گناہوں کو معاف فرمائے۔

اے حبیب عفو از ما عفوکن
اے طبیب رنج ناسور کہن

(اے عفو کو پسند فرمانے والے ہمیں معاف فرما۔ اے پرانے سرطان (Cancer) کے طبیب ہمیں صحت دے۔)

کویت میں جہاز تقریباً 23 گھنٹے ٹھہرا۔ ہندوستان سے آیا ہوا سامان اتنا زیادہ تھا کہ صبح سات بجے سے رات کے گیارہ بجے تک کرین کے ذریعے چار جگہ سامان اترتا رہا۔ اس لیے جہاز کے چلنے میں بھی اتنا توقف ہوا۔ اکثر مسافر یہیں اتر گئے۔ جہاز میں بہت کم مسافر رہ گئے، بالکل خالی اور سونا سونا معلوم ہو رہا ہے۔ جہاز سے کویت کی آبادی، عمارات وغیرہ بہت دھندلے نظر آتے ہیں، لیکن میلوں تک آبادی پھیلی نظر آتی ہے۔ جہازوں کی آمد و رفت بھی خوب ہے، صبح نو جہاز تھے اور ہمارے جہاز کی روانگی تک چودہ ہو چکے تھے۔ اکثر تیل لینے کے لیے رکے ہیں یا مال بردار ہیں۔

خیالات کا تلاطم

کویت، مسقط اور دبئی کی طرح عرب کے مشرقی ساحل پر ہے۔ خوش نصیب عرب کی اس سرزمین پر پہلے پہنچتے ہیں، جس کا ایک حصہ عرش و کرسی سے بھی زیادہ پاک و مکرم ہے۔

پاکیزہ تر از ارض و سماء، جنت و فردوس
آرام گہ پاک رسول عربی ہے
خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
اے خنک جائے کہ آنجا دلبر است

(مدینہ طیبہ کی مٹی بھی دونوں جہانوں سے بہتر ہے۔ کیسی مبارک اور آنکھ کی ٹھنڈک ہے وہ جگہ

جہاں دلبر کی جائے سکون ہے)۔

بعض حسرت نصیب باوجود شوق کے بھی محروم رہتے ہیں۔ ممکن ہے نیت کا فساد ہو۔ محبت خام ہو یا حکمت الٰہی میں یہی بہتر ہو۔ اس سال بھی حج کا ارادہ تھا، لیکن ارادہ الٰہی میں مقدر نہ تھا اس لیے ظاہری صورتیں نہ بن سکیں۔

صبت الکاس عنا ام عمرو
وکان الکاس مجراھا یمیناً

اے عمرو کی ماں تو نے ہم سے شراب کا پیالہ روک لیا۔ حالانکہ (دستور کے مطابق) پیالے کے دور کی جگہ داہنی طرف تھی (جس طرف ہم موجود تھے)۔

نسیما جانب بطحا گزر کن
زا حوالم محمد را خبر کن

(اے نسیم صبح بطحا کی طرف چلی جا اور حبیب پاک ﷺ کو ہماری عرضی سنا۔)

اتفاق کہئے کہ حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہ کو بھی وفد خلافت کے سلسلے میں پہلے عرب کو راستے میں چھوڑتے ہوئے یورپ کا سفر پیش آیا اور اس نابکار ہیچ میرز کو بھی اپنے ملک سے باہر پہلا سفر دعوت جو خلافت ہی کا ایک حصہ ہے، کے سلسلے میں ہی ایک وفد و جماعت کی صورت میں یورپ ہی کا پیش نظر ہے۔ اس اتفاق کا تذکرہ کرنے کا منشاء صرف اتنا ہے کہ خدا کے مہربانی نے ایک بے مایہ کو نام ہی کی سہی ایک کام میں تو اپنے شیخ سے ایک درجہ میں مشابہت دے دی۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعلیمات سے بہرہ مند فرمادیں۔ اور ان کے حقوق کے ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

(مجھے نیک لوگوں سے محبت ہے حالانکہ میں ان جیسا نہیں۔ شاید اسی محبت کے وسیلہ سے اللہ نیکوکار بنادے۔)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ابھی پرسوں زیارت منامی سے مشرف ہوا، دیکھتا ہوں کہ دارالمصنفین کا ایک کمرہ ہے۔ عبدالسلام ندوی صاحب بھی تصنیف میں مشغول ہیں، مخدومی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی بھی مصروف کار ہیں۔ حضرت والا قدس سرہ اپنی تصنیفات کو دیکھ رہے ہیں اور راقم کو اپنے بعض اردو فارسی اشعار بتا رہے ہیں اور فرماتے ہیں: یہی وقت ایسا لگا۔ مزید فرمایا کہ ایک مجموعہ مکاتیب کا بھی تو تیار ہو چکا ہے۔ سیرت ہفتم کے متعلق تکمیل کے لئے عرض کرتا ہوں تو فرماتے ہیں: (جس کا مفہوم یہ ہے) کہ میرا سفر آخرت قریب ہے۔ اس لیے اسے مکمل نہیں کر سکتا۔ اپنی کتابوں کی عدم اشاعت پر مشوش سے معلوم ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں: فلاں ۔۔۔۔ وجہ سے ہے۔ میں دارالمصنفین کو صرف ایک کمرے میں محدود پا کر متعجب ہوتا ہوں، تو ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ہو سکتا تو آپ لوگوں کے لئے دوسرا کمرہ بنوا دیتا۔ **واللہ اعلم بتعبیرہ وعلمہ اتم** (ہم کیا اور ہمارا خواب کیا۔)

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چون غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب جویم

(نہ میں رات ہوں نہ اس کا پرستار کہ خوابوں پر یقین رکھوں، جب میں اس آفتاب عالم تاب کا غلام ہوں، تو سب کچھ اس کے وسیلہ سے تلاش کرتا رہوں گا۔)

حضرت شیخ کے نزدیک خواب کی کوئی اہمیت نہ تھی، وہ محض بشارت ہیں۔

دریائے دجلہ و عاشورہ محرم

آج 17 اگست 1957ء بدھ کا دن اور محرم کی دسویں تاریخ ہے۔ ہمارا جہاز صبح ہی سے دریائے دجلہ میں داخل ہو چکا ہے۔ اسے کیا کہیے کہ قسمت نے عاشورہ کے دن ہی دجلہ میں پہنچانا تھا، دل و دماغ میں خیالات کا حشر بپا ہے۔ آہ اقبال

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

اگر اقبال کا یہ شعر نہ ہوتا تو غالباً دل کی بے چینیاں آج کے دن دجلہ کو دیکھ کر شبیر کی یاد اس طرح بے

قرار نہ کر دیتی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو اقبال نے رموز بے خودی میں بہت خوبصورتی اور حکمت سے پیش کیا ہے۔ شبیری اقبال کے نزدیک ملت کے لئے ایک اسوہ ہے اور امت کی نجات کا عنوان ہے۔

زندہ حق از قوت شبیری است

اسی لئے کہتا ہے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

رموز بے خودی کے اشعار اکثر رگ و پے میں وجد کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ کس والہانہ انداز میں کہتا ہے:

زندہ حق از قوت شبیری است — باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت — حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آن سر جلوۂ خیر الامم — چوں سحاب قبلہ باران در قدم
بر زمین کربلا بارید ورفت — لالہ درویر انہا کارید و رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک وخون غلطیدہ است — بس بنائے لا الہ گر دیدہ است
مدعا نش سلطنت بودی اگر — خود نکردی باچنین سامان سفر

(اسرار و رموز: 110)

(حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قوت بازو سے حق زندہ ہے اور باطل داغ حسرت لے کر مرنے والی ہے۔ جب خلافت کا رشتہ قرآن سے ٹوٹا تو آزادی کے حلق میں زہر پڑ گیا۔ وہ سر جو خیر الامم کا جلوہ ہے (یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ) تو قبلہ رخ بادلوں کی طرح بارش کو بھی ساتھ لے گیا، وہ کربلا کے زمین پر برس پڑی اور اپنی راہ لی۔ اپنے پیچھے اس ویرانے میں گل لالہ کی کاشت کر کے گیا۔ اس نے تا قیامت جبر و استبداد کا خاتمہ کیا اور اپنے خون سے اسلام کے باغ کی آبیاری کی۔ وہ حق کی خاطر خاک وخون میں لتھڑا اور لا الہ کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بنیاد بن گیا۔ اگر آپ کا مقصد حصول سلطنت ہوتا تو اس بے سروسامانی کے ساتھ سفر کا ارادہ نہ کرتا۔

یوم عاشورہ کی حرمت تو ابتدائے آفرینش سے چلی آئی ہے۔ چنانچہ اس کے مختلف فضائل کتابوں میں آئے ہیں ۔ یہود میں دسویں محرم کا روزہ فرض تھا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات ملی تھی۔ [1] ابتدائے اسلام میں ہمارے ہاں بھی روزہ فرض تھا لیکن رمضان کی فرضیت کے بعد مستحب رہ گیا۔ جیسا بخاری وغیرہ میں ہے۔ گویا یوم عاشورہ کی حرمت شہادت حسین سے نہیں بلکہ شہادت حسین کے لئے اس مبارک اور محترم دن کا چنا گیا:

ذلک فضل اللہ یؤ تیہ من یشآء۔ (سورۃ الجمعۃ: ۴)

یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے جسکو چاہے دیدے)۔

بہرحال آج امت کا ایک کثیر طبقہ اس دن کی اہمیت کو اس بنا پر سمجھتا ہے کہ ریگ زار کربلا میں جگر گوشہ بتول اور سبط پیمبر نے قربانی، تسلیم ورضا اور تفویض تام کا وہ منظر پیش کیا، جو پدر ابراہیم کی سنت اور قوموں کی حیات اور مقاصد عالی کی بقا کے لئے قیامت تک نمونہ رہے گا۔

سر اسماعیلؑ و ابراہیمؑ بود یعنی آں اجمال را تفصیل بود

(حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی میں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا راز مضمر تھا یعنی اس اجمالی خاکہ کا تفصیلی نمونہ تھا۔)

کربلا کا سانحہ ایک اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ صدیقیت کے اس اعلیٰ مقام کا عملی نمونہ تھا، جس مقام سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی پکارا تھا:

[1] ما ھذا الذی تصومونہ؟ فقالوا ھذا یوم عظیم انجی اللہ فیہ موسیٰ وقومہ وغرق فرعون وقومہ۔ فصامہ موسیٰ شکراً فنحن نصومہ، فقال رسول اللہ ﷺ فنحن احق واولی بموسیٰ منکم۔ فصامہ رسول اللہ ﷺ وامر بصیامہ۔ (صحیح البخاری حدیث نمبر 2004، صحیح مسلم حدیث نمبر 2656)

ترجمہ: حضور ﷺ نے یہود سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تم اس روز روزہ رکھتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک عظیم دن ہے۔ جس میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کا روزہ رکھا اور ہم بھی یہ روزہ رکھتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم تمہاری نسبت سے موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار اور قریب ہیں تو حضور ﷺ نے خود روزہ رکھا اور اس دن کے روزے کا حکم فرمایا۔

اینقص الدین وانا حی

(کیا دین مٹے گا اور میں زندہ رہوں گا۔)

مؤمن کی حیات اوامر الٰہیہ کے فروغ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ جب احکام الٰہی میں نقص آنے لگتا ہے، تو اس کا جذبہ ایمانی بے قرار ہو جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ یا تو نقش حق کو ثبت کر کے رہوں گا یا جان اسی راہ میں دے دوں گا۔ فدائیت کا یہ مقام جن خوش نصیبوں کو حاصل ہو جاتا ہے، وہی اقوام وملل کی بقا وحیات کا عادی سبب بن جاتے ہیں اور ان کی قربانیوں کو حق جل شانہ آلہ کے طور پر قبول فرما کر اپنی مراد فروغ حق یا اتمام حجت پوری کر دیتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فدائیت اور تسلیم ورضا کے جس عالی مقام پر فائز تھے اس کا ادراک بھی مجھ جیسے بے بصر کے لئے ناممکن ہے۔ تاہم خیال یہی ہے کہ اس حادثہ عظمیٰ سے پیشتر امام موصوف کو بشارات نبوت اور رویائے صادقہ اور قرائن سے معلوم ہو چکا تھا کہ کربلا میں خلافت نبوت کو ملک عضوض سے ممتاز کرنے کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کر کے یہ نمونہ قائم کرنا ہے کہ حق کی بقا کے لئے اہل عزیمت شہادت کو زندگی پر ترجیح دے دیتے ہیں۔ حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کا مع اپنے گھرانے کے بغیر اسباب ولشکر کے حریف سے اس طرح روبرو ہو جانا تفویض تام وصبر کے اس عالی مقام کا عملی درس تھا، جیسا کہ اسماعیل علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا:

اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ۔ (سورۃ الصافات: 102)

ترجمہ: ''میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں، تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا: اب جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے۔ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔''

یار دمے کہ برسرت تیغ زند تو دم مزن
سر رافدائے یار کن ہیچ نہ خون بہا طلب

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(جس وقت کہ تیرا دوست تیرے سر پر تلوار کھینچے تو تو گریز نہ کرنا۔ اپنی جان کو اپنے دوست پر قربان کر کے صلہ میں کچھ بھی نہ مانگ۔)

بجرم عشق توام مے کشند و غوغائے است
تو نیز برسر بام آ عجب تماشا ئیست

(تمہارے عشق کے الزام میں مجھے قتل کر کے ایک شور مچ رہا ہے تو بھی سر بام آ کر اس عجیب تماشے کا نظارہ کر۔)

تو آن قاتل کہ از بہر تماشا خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیر خنجر خونخوار می رقصم

(تو وہ قاتل ہے کہ صرف تماشا کے لیے کسی کا خون بہاتا ہے اور میں وہ مقتول ہوں کہ خون لینے والے تلوار کے زیر سایہ ناچتا ہوں، موت سے ڈر نہیں لگتا۔)

شہادت حسین تسلیم ورضا، صبر واستقامت، صدیقیت وفدائیت، قربانی وجرأت کا وہ بے مثل نمونہ ہے جس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ حق کو مٹتا دیکھ کر خود نہ مٹنا، اپنی سی کوشش نہ کرنا اور اگر ضرورت پڑے تو جان پیش نہ کرنا اہل عزیمت کے نزدیک کمال ایمان کے منافی ہے۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے یہ چیز نمایاں کر کے پیش کر دی کہ اہل حق کے لئے غلبہ باطل کو ابھرتا دیکھ کر قعود وسکوت مناسب نہیں، اگر کچھ نہ بن پڑے تو اپنے پاس تو جان ہی ہے۔ وہ محبوب کی راہ میں قربان کر کے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ حق کا فروغ اور بچاؤ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ہمارے ذمہ تو بس اتنا ہے کہ اپنی قربانی پیش کر دیں جتنی عظیم اور اخلاص والی قربانی ہوگی اس قدر اس کے نتائج اللہ تعالیٰ بہتر مرتب فرمائیں گے۔ اپنا کام ہے جان لگا دینا، اس پر نتائج مرتب کرنا جس کا کام ہے وہ خود مرتب کرے گا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن ۔۔۔ نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتي۔

(میں تم میں دو بھاری اور مضبوط چیزیں چھوڑتا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی اولاد۔)

ذہن میں آتا ہے کہ اس حدیث شریف میں عترتی سے تمسک کا ایک مفہوم ان کی دینی قربانیوں کا اتباع بھی ہوسکتا ہے کہ عترت نبوت نے جو دین کے بارے میں قربانیاں دیں اور نقش حق کے باقی رکھنے اور کتاب اللہ کے اوامر کی بقاء اور فروغ کے لئے جس طرح اپنی جانوں کو پیش کیا وہ کتاب عزیمت و فتوت، تفویض وتسلیم کا ایک سنہرا باب ہے۔

شہدائے کربلا ہوں یا زید شہید (نفس زکیہ) یا پچھلی صدی میں مشہد بالاکوٹ کے امیر شہید جس طرح حق کی سربلندی کے لئے ان حضرات نے اپنی جانوں کو پیش کیا وہ امت کے لئے ایک بہترین اسوہ ہوسکتا ہے۔ شہدائے موصوفین کی شہادتوں میں تو مجھے تفویض وتسلیم کی وہ جھلک نظر آتی ہے جو ذبح عظیم، اسماعیلی قربانی کا خاصہ ہے۔ امر الٰہی کے لئے جان پیش کر دو، اپنی جان دے دو، یہ سوال نہیں کہ کیا ہوگا۔ دیکھنا یہ ہے کہ امر الٰہی کے بقا کے لئے حکم خداوندی کے مطابق ہم نے کیا کیا۔ بات یہ ہے کہ اکثر قربانی کی ظاہری کامیابی کو دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصلی کامیابی یہ ہے کہ جان اس کے لئے دی جا رہی ہو اور اس کی رضا کے لئے اس کے دین کا فروغ مقصود ہو۔ یہ اتنا اونچا مقصد ہے کہ خود صاحب نبوت سید الرسل روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقام کی تمنا کی۔

لودوتُ ان اقتل في سبيل الله ثم احي ثم اقتل ثم احي ثم اقتل ثم احي ثم اقتل۔ (بخاری)

(اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ ہوجاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر زندہ ہوجاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ ہوجاؤں پھر مارا جاؤں۔)

اسی بارگاہ کے تربیت یافتہ نے اپنے ان پیارے نغموں سے دار ورسن کو زینت بخشی تھی:

لست ابالی حین اقتل مسلما
علی ای جنب کان لله مصرعی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(مجھے پروانہیں کہ جب اللہ کی راہ میں مؤمن ہوکر قتل کیا جاؤں، جس رخ پر گر جاؤں میرا وہ گرنا اللہ کی رضا کے لئے ہوگا۔)

بہر حال حاصل کلام یہ ہے کہ ہر زمانے میں دین کی بقا کے لئے شبیری اسوہ اور قربانی کی ضرورت پڑتی ہے کہ نتائج سے بے پروا ہوکر اللہ کی رضا اور حق کے فروغ کے لئے اپنی جان و مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے۔ یہاں تک کہ دعوت حق کے لئے جان و خانماں بھی قربان کرنا پڑ جائے تو اس میں دریغ نہ کرے۔

آنکس کہ ترا شناخت جان راچہ کند
فرزند و مال و خانمان راچہ کند

(وہ آدمی جو آپ کو پہچان جائے جان کی کیا پروا کرے گا۔ اولاد، مال اور گھر بار کی کیا پروا کرے گا۔)

یہی شہادت حسین کا درس، یوم عاشورہ کا پیام اور عترتی سے تمسک کا ایک مقصد سمجھ میں آتا ہے۔

کیا عجب ہے کہ ایرانی سیاسی ذہن اور عجمی قنوطی فلسفہ نے صبر و استقامت، قربانی و جیداری، حق کے لئے فدائیت کے ایک اعلیٰ ترین اور عملی نمونہ کو ماتم، تعطل اور اسلامی خلافت کی اعلیٰ اقدار سے گریز اور روگردانی کا قابل افسوس اور مہمل مجموعہ بنا کر رکھ دیا ہے اور ایک طبقہ کے اکثر افراد کو ان مشاغل میں مبتلا کر دیا جس کے متعلق صاف وعید نبوی موجود تھی:

لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاهلیة۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر 1298,1297,1294)

(وہ لوگ ہم میں سے نہیں جو مصیبت کے وقت منہ پر تھپڑ ماریں، گریبان پھاڑیں اور زمانہ جاہلیت جیسے کلمات کہیں۔)

ممکن ہے فراست نبوی ان کریہہ مناظر کو دیکھ رہی ہو، جو جگر گوشہ نبوی کے نام پر آئندہ عالم میں رواج دیے جانے والے تھے۔ فالی اللہ المشتکی وھو یھدی الی سواء السبیل

ایران وعراق کی سنگھم

ہمارا سفر اب دریائے دجلہ میں ہے۔ دریا کا پاٹ کافی چوڑا ہے، ایک کنارے پر عراق کی سرزمین ہے، دوسری طرف ایران کا ملک۔ گویا اس وقت ہم دو ملکوں کے درمیان چل رہے ہیں۔

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ۔ (الرحمن :20)

(دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔)

گاہے ایران کی ہوا آجاتی ہے اور ہر رگ جان تار پارسی زمزموں سے چھڑ جاتی ہے۔

گہے شعر عراقی را بخوانم
گہے آتش زند رومی بجانم

(کبھی عراقی کے اشعار پڑھتا ہوں کبھی رومی کا کلام جان کو آگ لگا دیتی ہے۔)

رومی وجامی

ایران کی سرزمین اگر ہمیں رومی وجامی، عطار وسنائی، حافظ وسعدی کے نغموں کے سوا کچھ بھی نہ دیتی تو اس کا یہ کم احسان نہ تھا، لیکن یہاں تو محدثین، مفسرین، فقہا وصوفیا، صلحا وعلما کا ہر طبقہ اپنے علوم وحکمت کی بارش سے امت کا دامن بھر رہا ہے۔ یہاں تک کہ تعصب کی ایک آندھی اٹھتی ہے اور ایران کی مردم خیز زمین عقیم ہوکر رہ جاتی ہے۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب وگل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

بہر حال شیراز، عشاق کی سرزمین سے گزرتے ہوئے حافظ کے لفظوں میں ان مقدس روحوں کو جو گزر گئیں اپنے کو یہ کہنے پر مجبور پاتا ہوں:

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(اے وہ کہ نظر سے اوجھل ہے لیکن دل کا ہم نشین بن گیا ہے۔ میں تجھ کو بالکل ظاہر دیکھ رہا ہوں اور دعا بھیج رہا ہوں۔)

قفا نبک من ذکریٰ حبیب و منزل

بسقط اللوی بین الدخول فحو مل

(اے میرے دونوں دوستو! تم ٹھہرو تا کہ ہم سب مل کر اپنے دوست اور اس کے مکان کو یاد کر کے روئیں جو کبھی تو وہ ریگ پر واقع تھا اور وہ جگہ دخول اور حومل کے درمیان تھی۔)

اور عراق تو ہمارے باپ ابراہیم خلیل کا مولد و منشا اور ان کی دعوت کا پہلا ٹھکانہ ہے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی توحید خالص کا یہی وہ لاینفک جذبہ قلبی ہے جو گورے کالے، سرخ و زرد، عربی، عجمی، ہندی حبشی، چینی، امریکی، روسی، افریقی مختلف رنگ، مختلف نسل، مختلف ملک، مختلف طبائع کے لوگوں کو ایک ایسے الٰہی رنگ میں رنگ دیتا ہے کہ ہر ایک وجد میں آ کر پکار اٹھتا ہے:

ابی الاسلام لا اب سواہ

اذا فتخرو ابقیس وتمیم

(میرا باپ تو اسلام ہے اور اس کے سوا کوئی اور باپ نہیں جب کہ لوگ قیس اور تمیم پر فخر کریں تو مجھے اسلام پر فخر ہے۔)

ملت مسلمہ کی تاسیس ان اعلیٰ اور ربانی اقدار پر کی گئی ہے کہ ان حقیقتوں کو ماننے والے ایک رابطہ اخوت میں خود بخود منسلک ہو جاتے ہیں۔ باپ ابراہیم علیہ السلام نے جس ملت کا نام مسلمین رکھا تھا اس کے تمام افراد اپنے روحانی باپ کے بیٹے بن کر ایسی مضبوط اخوت کی عروۃ الوثقیٰ میں لازماً بندھ جاتے ہیں جو نسلی اخوت سے بھی قوی اور دائمی ہے۔

سلامتی ہو امت حنفی کے مؤسس اول پر اور درود و سلام ہو ملت اسلامیہ کے اس داعی کامل پر جو سلسلہ انبیاء و مرسلین کے ختم پر آیا اور اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمتوں اور برکات کے لامتناہی خزانے پورے عالم کے لئے ہر زمانے کے واسطے بکھیر گیا۔ جس کی ملت، لونی، نسلی، ملکی، قبائلی محدود حد بندیوں میں سما نہ سکی اور اس

نے پوری انسانیت کو ایک ایسے معاشرے اور عالمگیر برادری کی الٰہی حقائق کے پیمان و یقین سے تشکیل کی دعوت دی جو انسانیت کا سرا امتیاز اور آدمیت کا اوج کمال ہے۔

انوکھا سب سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا

بنا ہمارے حصار ملت کی اتحاد وطن نہیں ہے

آبادان

جہاز آبادان کی طرف روانہ ہے، دریا کے دونوں کناروں پر کھجور کے گھنے اور پکی کھجوروں سے لدے ہوئے درخت دور تک پھیلے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ کراچی کے بعد آج خشکی کے اتنے قریب ہوئے ہیں، انتہائی شاداب علاقہ ہے، اتنے گھنے باغات زرخیز زمین ہی میں لگ سکتے ہیں۔ درختوں کے جھنڈوں کے درمیان کہیں کہیں سبزہ اور گھاس کا خوشنما منظر ہے، کچھ کچھ وقفے پر دیہاتی صاف ستھرے کچے یک منزلہ مکانات نظر آ جاتے ہیں۔ صبح ساڑھے دس بجے سے یہی منظر قائم رہا۔ مجھے تو سرینگر یاد آ گیا۔ دریائے جہلم کے کنارے مکانات ہارس بوٹ اور ڈل کے مناظر ایک ایک کر کے پندرہ سال بعد نگاہوں میں پھر گئے۔ وہ اپنا حسن رکھتا ہے اور اس کا جمال اپنا ہے۔ خالق کائنات خود عین جمال ہے، حسن و جمال کو پسند کرتا ہے۔ جہاں مبدأ فیاض کے خزانہ ازل نے اپنی صنعت کاریوں پر جمال و زیبائش کا چھینٹا زیادہ دے دیا ہے۔ انسان کی جمال پسند طبیعت کی لغزش پا کا سبب بن جاتا ہے۔ ابتلا میں کامیابی یہی ہے کہ جمال کے ''ظلال و عکوس'' میں الجھ نہ جائے، بلکہ اسے دیکھے جو دیکھا نہیں جا سکتا، اس میں کیف پائے جو کیف و کمیت سے پاک ہے۔ وراء الوراء کے حسن و جمال میں جو لذت و سکون، طمانیت و کیف ہے، اس کا ادراک بھی مجھ جیسے ذہنوں کے لئے مشکل ہے، لیکن کیا کیا جائے:

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

قرب بے غیبت نماز عاشقاں فی صلوۃ دائمونم آرزو ست

قلب را تاباں کن از انوار ماہ زانکہ از آسیب ذنب شد دل سیاہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(اپنے دل کو چاند کی روشنی سے منور کر کیونکہ گناہوں کی بیماری سے دل بالکل کالا ہو گیا۔)

کہہ یہ رہا تھا کہ دجلہ حسین ہے، دجلہ کے دونوں کنارے حسین ہیں اور نا معلوم کیا کیا حسن و جمال کھجور کے ہر ہر پتے، درختوں کی ایک ایک ٹہنی، مکانوں کی ایک ایک اینٹ، غرض ہر چیز سے پھوٹ رہا ہے۔

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ (الزمر:69)

(اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اُٹھے گی۔)

جہاز رواں دواں ہے، ہم بھی چل رہے ہیں، دل و دماغ بھی اپنے سفر میں مشغول ہے لیجئے آبادان کی شہرۂ آفاق Rifenry (تیل صاف کرنے کا کارخانہ) شروع ہو گیا۔ مغربی تاجروں کی شاطرانہ سیاست اور آبادان کے واقعات آبادان کی آبادی دیکھتے ہی انگریز مع اپنے جملہ فنون کے نگاہوں میں آ گیا۔ کاش مشرق فتنہ مغرب کے داؤ پیچ کو جانتا اور اپنی زندگی اپنے ہاتھ میں لیتا۔

آبادان کی آبادی ہمارے داہنے ہاتھ چل رہی ہے، میلوں تک کارخانہ پھیلا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ابتدا سیمنٹ سے بنے ہوئے پختہ گوداموں سے ہوتی ہے جو کچی مٹی میں دور تک تیل کے سٹاک کے لئے پھیلے چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد کارخانے کی لوہے کی چادروں وغیرہ کے معمل ہیں۔ دور تک چمنیاں نظر آتی ہیں۔ بلا مبالغہ میلوں تک یہ کارخانہ پھیلا ہوا ہے۔ نلوں اور پائپوں کے ذریعے صاف تیل جہازوں کے لئے دریا تک لایا گیا ہے۔ دریا میں جہازوں کے لئے پٹرول پمپ تیار کئے گئے ہیں۔ نو تک کا نمبر تو میں نے دیکھا۔ جہاز اس کے قریب آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تیل لیتے ہیں۔ تیل بردار جہازوں کے علاوہ دوسرے جہاز بھی اپنا تیل یہاں سے لیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے جہاز نے بھی اس قسم کے ایک پٹرول پمپ پر اپنا لنگر ڈال دیا۔ صبح ساڑھے گیارہ بجے لنگر ڈالا گیا اور دوسرے دن صبح سات بجے تک تیل لینے کا کام ختم ہوا اور روانگی ہوئی۔ دریا میں بہت سارے جہاز کھڑے ہیں تیل کی اتنی افراط ہے کہ دریا کے پانی میں بہہ کر چلا جاتا ہے اور دریا پر صاف تیل و پٹرول نظر آتا ہے اور اس کی بو سے لطیف طبیعتوں پر بوجھ پڑتا ہے۔ یہ تیل دو گھنٹے کی مسافت سے اس معمل میں لایا جاتا ہے اور یہاں صاف ہوتا ہے۔ ٹینکر بھی تیل لے جاتے ہیں، ریل بھی یہاں تک آئی ہے، پٹڑی بچھی ہوئی جہاز سے نظر آتی

ہے۔ کارخانے سے آگے تیل کے ڈرم یعنی پیپے ہیں، جہاں بڑے بڑے پائپوں کے ذریعے تیل ان میں بند کیا جاتا ہے۔ ہمارا جہاز جہاں کھڑا ہے، کارخانے کی بیرونی حالت و نقشہ ایک حد تک نظر آتا ہے۔ موٹروں کی چلت پھرت، لوگوں کی چہل پہل صاف دکھائی دیتی ہے۔ رات کو آبادی بجلی کی روشنی سے بقعہ نور بنی رہی۔ قیاس ہے کام رات دن ہوتا ہے۔ دس محرم کا دن تھا، خلاف قیاس ہمارے جہاز کو تیل مل گیا۔ کارخانہ سے آگے چل کر کام کرنے والوں کے لئے پر فضا اور خوبصورت مکانات بنگلے اور کوارٹر نظر آتے ہیں۔ شاید افسروں کے لئے ہوں گے کہ کافی عمدہ اور اچھے بنے ہوئے تھے۔ ان بنگلوں میں خلاف دستور کھجور کے علاوہ دوسرے درخت لگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بہر حال دس محرم کا دن اور گیارھویں کی رات گزار کر فجر کی نماز کے بعد ساڑھے چھ بجے ہمارا جہاز تیل کی اس آبادی آبادان سے تیل لے کر روانہ ہوا۔ اگلی منزل خرم شہر کی ہے۔

خرم شہر

آج 8 اگست 1957ء جمعرات کا دن ہے۔ دریائے دجلہ کے دونوں کناروں کا منظر دیکھتے ہوئے نو بجے کے قریب خرم شہر (ایران) سے کوئی تین میل کے فاصلے پر جہاز نے لنگر ڈالا اور سامان جہاز سے اترنا شروع ہوا۔ بستی نظر نہیں آتی تھی۔ سامان کشتیوں پر جا رہا تھا۔ نا معلوم یہاں کون بستا ہے کہ شہر کا نام خرم شہر رکھا گیا۔ رومی تو کہتے ہیں:

خرم آں شہرے کہ آنجا دلبر است

(اس شہر میں دل خوش ہوتا ہے جہاں دلبر کی سکونت ہو۔)

بصرہ کی بندرگاہ

ہم اپنی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔ جہاز ساڑھے بارہ بجے روانہ ہو گیا اور ساڑھے چار بجے کے قریب بصرہ کے مضافات میں داخل ہو گیا۔ کنارے پر مسلسل کھجور کے باغات چلے گئے ہیں۔ کہیں باغات میں اچھے نئے طرز کے مکانات بنے ہوئے ہیں، کہیں کچے مکانات اور کہیں جھونپڑے۔ بعض تیراکی اور کشتی رانی کے کلب بھی نظر آئے۔ آخر بصرہ کی بندرگاہ آ ہی گئی اور نو دن کے سفر کے بعد پونے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چھ بجے جہاز نے لنگر ڈال دیا۔ معمولی سا بندرگاہ ہے، زیادہ ڈاکس (Docks) نظر نہیں آئے، جہاز پر ہی پاسپورٹ کا اندراج ودخول ہوگیا اور ڈاکٹری معائنہ بھی جہاز میں ہوا۔ آخر ان سے فارغ ہوکر کسٹم میں آئے۔ قلی نے کسٹم تک لانے کے لئے سامان کا ایک روپیہ (پاکستانی) فی نفر لیا۔ کسٹم میں گو بعض لوگوں کی بڑی سختی سے چھان بین ہوئی اور بعض کے پاس سے قابل کسٹم اشیاء بھی نکلی۔ لیکن بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا معاملہ حساباً یسیراً گویا صرف نام کی جانچ پڑتال ہوئی۔

یہاں بھی سرکاری طور پر قلیوں اور باربرداری کے باہر تک پہنچانے کے لئے دو روپے فی نفر ادا کیے۔ نماز سڑک ہی کے کنارے جماعت سے ادا کی گئی۔ شہر میں داخلے کی دعا پڑھی۔ ایک صاحب جہاز میں حسن نامی عرب ساتھ ہوگئے تھے۔ انہوں نے محمدی ہوٹل تک سامان کی گاڑی کے پانچ روپے پاکستانی طے کئے اور ہم پیدل ہوٹل میں پہنچے۔ پہلے جو امریکہ اور انگلینڈ سے تبلیغی جماعتیں گئی تھیں وہ بھی یہی ٹھہری تھیں۔ ہوٹل بندرگاہ سے چار پانچ منٹ کے راستے پر ہے، اچھا صاف ستھرا ہوٹل ہے، مسجد بھی قریب ہے، چوبیس گھنٹے کے لئے فی کس ایک سو پچاس فلس طے ہوئے، بغیر پلنگ کے سو فلس کرایہ تھا۔ کمرے میں گرمی تھی، اس لیے چھت پر پلنگ کے لئے ایک سو پچاس فلس منظور کیا گیا۔ انتھک اور مستعد بھائی انور اور مولانا صاحب خورد ونوش کے بندوبست کے لئے گئے اور میں اور امیر صاحب لیٹ گئے۔ تھکاوٹ بہت محسوس ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان، بزرگوں کی دعا اور رفقا کی مہربانی ہے کہ مجھ جیسا معذور اس سفر کی سعادتیں حاصل کر رہا ہے۔ ورنہ اپنے ضعف کو دیکھتے ہوئے ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ رب المستضعفین کے قربان جایئے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

جہاز کے چند اور مسافر بھی یہیں پر شریک ہوگئے، کھانے کے بعد ہوٹل ہی میں نماز باجماعت ادا کی، تھکے تو تھے لیٹتے ہی نیند آگئی۔ خدا کا شکر ہے کہ جہاز کا سفر بعافیت تمام ہوا۔ ابتدائی دنوں میں تو گھبرا ہی گیا تھا۔ تبلیغی کام بھی کچھ نہ کچھ ہوتا رہا۔ جہاز کے عملہ اور غیر مسلم متاثر نظر آتے تھے، چنانچہ آخری

دنوں میں بعض نے اس کا اظہار بھی کیا۔

بصرہ میں

آج 19 اگست 1957ء جمعہ کا دن ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ صبح صادق سے پیشتر ہی آنکھ کھلی۔ معمولات وناشتہ سے فراغت کے بعد جمعہ کی بنا پر غسل سے فارغ ہوئے، کپڑے بدلے، مشورہ آج ہی بغداد جانے کا ہے، گاڑی ساڑھے چھ بجے روانہ ہوتی ہے، اس لئے خیال ہوا کہ اس وقت کو غنیمت سمجھا جائے اور جمعہ سے پیشتر اکابر کے مزارات پر حاضری دے دی جائے۔ چنانچہ ایک دینار پر ٹیکسی والے کے ساتھ فیصلہ ہوا اور پہلی مرتبہ یہ ناکارہ صحابہ میں سے تین اکابر صحابہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کے مزارات پر حاضر ہونے کا شرف حاصل کر سکا۔ کیا مبارک ہے وہ سرزمین جس میں آسمان ہدایت کے ستارے پردہ پوش ہوں۔ سید الانبیاء ﷺ کے فیوض وانوارات کو بے واسطہ قبول کرنے کی سعادت اور صحبت نبوت کا شرف انہی کی استعدادوں کے لیے مقدر تھا، نہ معلوم میری خوش عقیدگی ہے یا حقیقت کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزارات کے درمیان انوارت بکھرے ہوئے مشاہد ہوئے تھے۔ میرے لئے تو ہر وہ سرزمین مقدس ہے جس میں فیض یافتگانِ نبوت کے داعیانہ قدم پڑے۔ زمانہ کا کلیجہ نہ تھا کہ عرفان ویقین، تقویٰ وپارسائی کے ان شاہکاروں کو اپنے اندر زیادہ دیر تک سنبھال سکتا۔ آئے چمکے، عالم کو روشن کیا، آثار غریبہ چھوڑے اور چل دیے۔ رضی اللہ عنهم اجمعين وارزقنا اتباعهم واحشرنا في زمرتهم۔

شوفر کار ڈرائیو کرتے ہوئے خاص خاص مقامات کی نشاندہی بھی کرتا جاتا تھا۔ بصرہ میں مکانات اکثر مشرقی طرز کے ہیں۔ بعض میں مشرقی ومغربی طرز کا امتزاج ہے اور بعض بالکل جدید طرز کے ہیں۔ مجھے خوشی اس چیز کی تھی کہ سڑکوں پر جو عورتیں نظر پڑیں، ان کی غالب اکثریت (90 فیصد) برقع پوش تھی۔ برقع ساتر تھا، چہرہ ٹھوڑی سے لے کر نصف پیشانی تک ہی کھلا تھا۔ الا الوجه والكفين (سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے باقی بدن ڈھانپنا ہے) کی اجازت تو حنفیہ کے نزدیک بھی ہے۔ گو خلاف احتیاط ہے، لیکن جس طرح مغربی تہذیب وتمدن نے اسلامی ممالک پر اپنا سایہ ڈالا ہے۔ ان حالات میں یہ بھی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بسا غنیمت ہے۔ تبرج الجاهلية الاولیٰ (جاہلیت اول کے زیب وزینت) کا منظر کم ہی نظر آیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مزار

بہر حال صحابہ کے تذکرے کرتے کرتے راستے کے مناظر دیکھتے اولوالعزم صحابی سیدنا حضرت طلحہ ابن خویلد رضی اللہ عنہ کے مزار پر پہنچ گئے۔ ایک بوسیدہ، شکستہ اور تقریباً منہدم مقبرہ میں جس کا گنبد اور چھت بالکل گر چکی ہے۔ دیواریں کچھ گر چکی ہیں اور اینٹوں کا ڈھیر دروازے کے قریب پرانی عمارت پر نوحہ کر رہا ہے۔ اسلام کا بہادر سپاہی یہاں سو رہا ہے۔ نبی پاک ﷺ کا وہ سپاہی جس نے احد کے دن حضور ﷺ پر ہوئے ہر وار کو اپنے پر لیا اور جیتے جی دھان نبوت سے منهم من قضى نحبه کے زمرہ میں شمار کیا گیا، جسے عشرہ مبشرہ میں ہونے کا فخر حاصل ہے، جسے امیر المؤمنین خلیفہ ثانی نے خلافت کے شوریٰ کے چھ افراد میں نامزد کیا۔ جس کی پوری زندگی اسلام سے لے کر شہادت تک دینی خدمت و حمیت، ایثار و قربانی، بہادری کے کارناموں سے پُر ہے۔ دروازے سے داخل ہوتے ہوئے انہی عظمت کے جذبات سے دل و دماغ مملو تھا، لیکن صحابی رسول ﷺ کے دربار میں خلاف سنت عمل کیسے ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی طبیعت کسی کے فیض نظر سے بدعات سے متنفر ہے۔ دعائے ماثورہ پڑھی، فاتحہ کا ثواب بخشا، اللہ تعالیٰ سے صاحب قبر کے فیوض و برکات و انوارات سے استفادہ کا طالب ہوا۔ نسبت انتہائی الٰہی عظمت و وقار و سکون کو لئے ہوئے ہے۔ باوجود استغنا کے اس قدر کشش محسوس ہوئی کہ باہر نکلنا چاہتا تھا لیکن جیسے قدموں میں کسی نے زنجیر ڈال دی ہو۔ آخر کافی دیر کے سکوت و توجہ کے بعد رفقاء کے پاس آیا۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب نے فرمایا: اتنا وقت نہ صرف کیا کرو۔ عرض کیا گیا کہ چھوڑتے نہیں تھے۔ فرمایا: یہ تو ہوتا ہے۔

حال جامی راچہ پرسی تیر خوردہ در جگر
گاہ خیزاں گاہ افتان از نگاہ مست تو

(جامی کے حال کو کیا پوچھتے ہو۔ وہ تو جگر پر تیر کھائے ہوئے ہیں۔ وہ تو تیری مست نگاہوں کی وجہ سے کبھی اٹھتا ہے اور کبھی گرتا ہے۔ یعنی بے قراری کی حالت میں ہے۔)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مزار

سیدنا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مزار سے درود شریف پڑھتے ہوئے بستی زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف ہو لیے۔ بقول شوفر یہ تمام علاقہ پرانا بصرہ ہے، نامعلوم اس خاک کے ذرہ میں کون کون گوہر شب چراغ چھپے ہوئے ہیں کہ فضا بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کی صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

راستے میں ایک مسجد کا ٹوٹا محراب نظر پڑا کہا گیا کہ جامع سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہے۔

فلم تدع الارواح والماء والبلیٰ من الدار الا ما یشوق ویشغف۔

(پس نہیں چھوڑا ارواح، پانی اور بوسیدہ ہڈیوں نے گھر میں، مگر وہ جو شوق دلاتا ہے اور فریفتہ بناتا ہے۔)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا مزار

باتیں کرتے اور اس دور کے تذکرے کرتے جس کا نمونہ فلک کی آنکھ پھر نہ دیکھ سکی۔ ایک قبرستان پر پہنچے۔ شوفر نے موٹر ایک قبہ کے سامنے کھڑی کی (جو اچھی حالت میں پرانی طرز کا بنا ہوا تھا۔) بتایا: یہاں سرخیل تابعین امام حسن بصریؒ آرام فرما رہے ہیں۔ حسن بصریؒ جن کی مجمع البحرین ذات سے ظاہری و باطنی علوم کا دھارا یکساں بہتا رہا اور عالم کو سیراب کرتا رہا۔ چاروں سلسلے انہیں کی ذات کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسلک ہیں، گو محدثین کے نزدیک حسن بصری کا استماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں، لیکن شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے شفاء العلیل میں لکھا ہے کہ صوفیاء کے نزدیک ان کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فیض پانا مسلمہ اور بدیہی امر ہے، جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں۔ ہمارے حضرت سید الملہ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ حضرت حسن بصری کا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے استفاضہ اس طور پر ہے کہ دور اوال میں جماعت جماعت سے فیض پاتی تھی۔ (او کما قال) اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیض جماعتی حیثیت سے مجتمع ہو کر حضرت حسن بصری کی طرف منتقل ہوا کہ مناسبت و استعداد کا استفاضہ باطنی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وافاضہ میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ گویا فیض بھی محل کی تلاش میں ہوتا ہے جو قابل جو ہر اس امانت کے قابل تقدیر الٰہی میں ہوتا ہے، وہاں یہ امانت الٰہی منتقل ہو ہی جاتی ہے۔ بہر حال یہ مسلم امر ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیوضات باطن سے حصہ پایا۔ مزا پر حاضری ہوئی، مسنون دعا کے بعد کچھ دیر اس پاک ہستی کی طرف متوجہ رہا۔ اپنا سلسلہ بھی تو یہیں پہنچتا ہے، مناسبت فطری ہے، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے فیوض وبرکات باطنی اور تعلیمات سے بہرہ مند فرمائے۔

فیض ساقی ہے بہ اندازہ ظرف مے خوار
دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

دل نے کہا: حسن بصریؒ اگر آج ہوتے تو نا معلوم کیا کہتے کہ ایک قول پر فرمایا تھا:

اعتزل عنا (ہم سے جدا ہو جا۔)

آج صراحتاً وکنایتہً اعتزال عن الاسلام کس قدر ظاہر وباہر ہے۔ سیاست، اقتصاد، فلسفہ، تمدن، تہذیب، سینکڑوں راہوں سے اعتزال کیا الحاد وزندقہ تک آ رہا ہے اور ہم خطرات وحوادث سے غافل وبے فکر۔ اللہ تعالیٰ امت پر رحم فرمائے۔

اللھم احفظنا من مضلات الفتن ما ظھر وما بطن۔ (مسلم، ترمذی، مناجات مقبول)

(اے اللہ گمراہی کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرما، خواہ وہ ظاہری ہوں یا چھپی ہوئی ہوں۔)

محمد ابن سیرینؒ کا مزار

اسی حجرہ میں (تابعی ومحدث شہیر) محمد ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طرف آرام فرما ہیں۔ جب ہم زندہ تھے تو ایک ایک شہر اور ایک ایک عہد میں علم وعمل، تقویٰ وورع کے سینکڑوں نمونے مل جاتے تھے، جب زوال کی آندھی چلی تو ایک ایک آدمی دیکھنے کو نگاہیں ترستی ہیں، ہر چیز مل جاتی ہے، آدمی کا ملنا مشکل ہے۔

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اس زمانہ کی سب سے کمیاب اور نایاب متاع انسان ہے۔ انسانیت کے لئے اس سے بڑا حادثہ فاجعہ کیا ہوگا کہ مٹی اور لوہا بن رہا ہے اور انسان مٹ رہا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ احساس زیاں نہیں بلکہ آج انسانیت کے جوہر وفضائل کی قدر نہیں، بلکہ پورا عالم مادی اضافی قدروں کو پوج رہا ہے۔ زمانہ بدل گیا ہے لیکن لات منات نئی صورتوں میں پوجے جا رہے ہیں۔ کبھی سورج وچاند، درختوں اور دریاؤں کی پوجا تھی تو آج بھی اسفل مادہ صنعت کاری کے مختلف انداز میں پج رہا ہے۔ تہذیب حاضر کے بتان نو مالی وسیاسی قدروں پر مبنی ہوں یا صنعتی وافادی بنیادوں پر قائم ہوں، سب میں وہی لاتی ومناتی روح کام کر رہی ہے۔ مادہ پج رہا ہے، انسان ذلیل ہو رہا ہے اور خاک ومٹی کی کائنات عزیز ومسجود بنی ہوئی ہے۔ افیا ویلاہ یا حسرتاہ۔ ایمان وعلم صالح نہ رہے تو یہی حال ہوتا ہے۔ خالق سے ٹوٹے گا تو مخلوق کے آگے جھکے گا۔ اعمال صالحہ میں تعلق مع اللہ ہی کے نتائج ہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ(۴)ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ(۵)اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ (التین:6-4)

(ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے، پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کر دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔)

حضرت امام حسن بصری نور اللہ مرقدہ اور محمد ابن سیرین رحمہ اللہ کے مزارات ایک بڑے قبرستان کی چار دیواری میں واقع ہیں۔ نا معلوم یہاں کون کون سے اہل کمال سو رہے ہیں۔ سوچنا یہ ہے کہ آج ملت کیوں نہیں ایسے لال جنتی۔ کیا ماحول معاشرے کا اثر ہے، تعلیم وتربیت میں کمی ہے، یا دعوت وتبلیغ، جہد وجہاد میں کمی آ گئی ہے۔ مقاصد کے چھوڑے بغیر ایسا اضمحلال نہیں آیا کرتا۔ شجر امت جب ہرا بھرا ہوتا ہے، تو پھول پتیاں شاخیں اور کونپلیں خود بخود تازہ وشاداب بکثرت پیدا ہوتی ہیں۔ جب درخت جڑوں سے خشک ہونے لگتا ہے تو تمام پھول پتے مرجھا جاتے ہیں، پیداوار ختم ہونے لگتی ہے، ہریالی ختم ہو جاتی ہے، جس طرح درخت کی جڑوں کو پانی نہ ملنے سے درخت کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ جب ملت اپنے بنیاد، عقائد، تقاضوں اور مطالبوں سے اعراض برتتی ہے تو اس کی زندگی پر بھی خزاں آ جاتی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ کا مزار

ان اولیاء حضرات کے مزارات سے نکل کر قریب ہی حواری نبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور ہم زلف، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عشرہ مبشرہ کے ایک رکن رکین سیدنا زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ وہاں پہنچے، دل عظمت ومحبت کے جذبات سے لبریز تھا۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئے، تمام غزوات میں شریک ہوئے، پوری عمر دین کی خدمت و جہاد میں گذار دی، شہادت بھی حق ہی کے راستے میں ہوئی۔ مبارک تھے وہ اختلافات، جن میں بگڑنا، بننا سب اللہ کے لئے تھا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اجتہاداً حق پر سمجھا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے شریک ہوئے۔ جب انشراح دوسری طرف ہوا۔ واپس جارہے تھے کہ ایک خارجی نے شہید کر دیا اور سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گیا۔ جس پر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے ابن صفیہ کے قاتل میں تجھے جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔ آسمان کے نیچے **الحب للہ و البغض للہ** (اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض) کا اس سے بڑھ کر کیا نشان ملے گا۔ کاش اکابر پر زبان کھولنے والے ان کی بے نفسی، صداقت، اخلاص وجرات پر بھی نگاہ رکھ لیا کریں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۔ (البقرۃ:141)

(یہ ایک امت تھی کہ گزر گئی، اس کو وہ ملے گا جو اُس نے کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا۔)

شہید راہ وفا جس کی تمام عمر جہاد میں گزری، جس کی جان ومال اللہ تعالیٰ کے لئے ہر وقت حاضر و قربان تھے۔ کتاب الٰہی نے یہ کہا ہے کہ جو اس کے لئے جان دیتے ہیں، مرتے نہیں۔ دیکھو بھولے سے بھی انہیں مردہ نہ کہہ دینا۔ زندہ ہیں اور ہم انہیں رزق دیتے ہیں۔ اسی طرح برکات الٰہی نے یہ ثابت کر دیا کہ جو مال اللہ تعالیٰ کے راستے اور جہاد وغزیٰ میں بے دریغ صرف کرتا ہے۔ اسے اپنے خزانوں سے مالا مال کر دیا جاتا ہے۔

ولا تخش من ذی العرش اقلالا ۔ (طبرانی، امام احمد والبیہقی)

(اور عرش والے سے کمی کا اندیشہ نہ رکھ) کا عملاً ثبوت پیش کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ مدینے میں آئے تو حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی لخت جگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سالی ذات النطاقین اسماء رضی اللہ عنہ جوان کے حبالہ نکاح میں تھیں، کھجور کی گٹھلیاں اکٹھی کرتی تھیں اور بیچ کر گزارہ ہوتا تھا۔ رزاق مطلق نے بتایا کہ جس طرح ایک جان دینے پر ابدی جان مل جاتی ہے۔ اس طرح کھجور کی گٹھلیاں بیچ کر گزارہ کرنے والا زبیر کا خاندان شہادت زبیر کے بعد جب ترکہ زبیری کو دیکھتا ہے تو حساب سے کل پانچ کروڑ دو لاکھ روپیہ میراث میں تو قرض دے دینے کے بعد بچتا ہے۔ یہ کسی امساک یا بخل کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا نتیجہ تھا۔ جیسے جتنا کنویں سے پانی نکالو وہ مزید پھوٹتا ہے۔ اسی طرح جتنا اللہ کے لئے صرف کرو، اللہ کے غیبی خزانوں سے ملتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے صحیح میں اس بارے میں خاص باب باندھا ہے کہ غازی اور مجاہد کے مال میں کیسے برکت ہوتی ہے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے۔

آن کسے راکش چنین شاہے کشد
سوئے تخت وبہترین جائے کشک

(جس آدمی کو اس جیسے بادشاہ قتل کر دے تو یہ سمجھے قتل نہیں کیا بلکہ اس کو تخت شاہی اور بہترین مقام پر لے جایا گیا۔)

مزار ایک مسجد کے اندر ہے، اس پر سنگ عشب کا سبز قبہ بنا ہوا ہے، جو اچھی حالت میں ہے۔ مسجد کی پہلی صف کی داہنی طرف مزار کے حجرہ کو راستہ ہے، مجاور موجود ہے، ہمارے لئے تالا کھولا گیا۔ اندر قالین وغیرہ کا فرش ہے، مزار کے گرد لکڑی کے عمدہ باریک کام کی جالی ہے۔ حاضری ہوئی، مسنون دعا کے بعد السلام علیکم یا حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے اختیار زبان سے نکل گیا۔ اپنے بزرگوں کے تلقین کردہ طریق کے مطابق متوجہ ہوا۔ کچھ اتنا قرب محسوس ہوا، گویا اپنے پر چھایا پایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کی نسبتیں الٰہی عظمت وہیبت، انس ومحبت کے اثر سے انتہائی وقار وسکون اور کیفیت ایمانی (عقلی) کو لئے ہوئے ہیں، جوش وغیرہ اوامر الٰہی کی عظمت سے پست ہو گیا ہے۔ صحابہ محض مراد الٰہی ہیں، رضی اللہ عنہم اس مرادیت پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دال ہے۔عشق انس ومحبت کے اس مقام پر ہے، جہاں مرید ومراد اسی مقصد کو چاہنے لگتے ہیں۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (سورۃ المائدہ:۵۴)

(اور اللہ ان سے محبت کرتے ہیں اور یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔)

اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، قرآن قلوب سے اس قدر مناسبت لئے ہوئے تھا کہ ہر آیت کی تلاوت ازدیاد ایمان (قوت نسبت) کا سبب تھی گویا ہر قول الٰہی استماع کے ساتھ ہی حال بن جاتا تھا۔ بہرحال اس ہیجمیر زکی ہرزہ سرائی کیا۔ حاضری ہوئی، انوارات کی بارش تھی، کیوں نہ ہو کہ عاش سعیداً ومات شهیداً۔(نیک بخت ہو کے جیا اور شہادت کی موت مرا۔)

اللہ تعالی ان کے فیض سے متمتع فرمائے اور پوری امت کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔دین کی غربت کے عالم میں حواریت اور دین کے لئے قربانیاں ہی دین کے احیاء کا عادی سبب بن جاتی ہیں۔اپنا قیاس یہ ہے:

لاتزال طائفة من امتی قائمین علی الحق۔(مسلم فی کتاب الامارۃ)

(میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔)

یہ گروہ حواریین نبوت کا ہی گروہ ہے اور یہ حدیث سورۃ صف کی آخری آیتوں سے مستفاد معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا مزار

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزار سے نکل کر خادم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مزار کی طرف چلے۔ یہ مزار موجودہ آبادی سے کافی مسافت پر ہے۔غالباً پانچ چھ میل کا راستہ ہے۔سڑک بھی پختہ نہیں، بدقسمتی سے ہمارا شوفر راستہ بھول گیا، بہ دقت تمام ایک گڈریا کے بچے سے پوچھا: این انس۔تو اس نے راستہ بتایا اور کوئی آدھا گھنٹہ کی تگ ودو کے بعد مزار پر پہنچے۔

برمزار ماغریباں نے چراغے نے گلے
نہ پر پروانہ سوزد نہ صدائے بلبلے

(ہم غریبوں کے مزار پر نہ تو چراغ موجود ہے اور نہ گل ہیں، نہ یہاں پروانہ کے پر جلتے ہیں اور نہ ہی یہاں بلبل چہکتی ہے۔)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کون مسلمان ناواقف ہوگا۔آہ جس نے دس سال پیہم خدمت نبوت اور فیضان رسالت کی بہار لوٹی ہو، اس طرح کسمپرسی کے عالم میں ہو کہ اندیشہ یہ ہونے لگے کہ چند سال تک شان بھی باقی نہ رہے گا۔میں پختہ قبوں کا حامی نہیں، پکی قبر کو بھی ناجائز سمجھتا ہوں، لیکن کم از کم ایسی ہستیاں جو عالم کے لئے نمونہ تھیں اور ہیں اگر ان کے نشانات قبر موجود ہیں تو انہیں کیوں اس حالت میں چھوڑا جائے کہ کل یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کہاں تھے۔اگرچہ ہمارے حکیم الامتؒ کے ارشاد کے مطابق اپنا یہ عقیدہ ہے کہ اہل کمال جہاں بھی دفن ہوں معلوم ہوجاتا ہے۔آخر قبور مسلمین کی حرمت بھی تو کچھ ہونی چاہئے۔اللہ تعالیٰ بدعات سے محفوظ رکھے۔آج جب کہ اس عراق میں آثار قدیمہ اور حضریات کے ماہرین بابل ونینوا کی ایک ایک اینٹ اور پتھر کو نکال کر سنبھال رہے ہیں، اپنے اکابر کے آثار کا اس طرح مٹ جانا اگر بے حسی نہیں تو اور کیا ہے۔بہرحال حالت کو دیکھ کر دل بھر آیا اور چند حروف نوک زبان سے ٹپک پڑے۔اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات کے اتباع کی توفیق دے، ان حضرات کی قربانیاں، زندگی، عمل خود نمونہ ہے اور یہ عمل رہتی دنیا تک روشنی کا مینار رہے گا۔

اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم۔

(میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں۔جس کے بھی پیچھے چلو گے، ہدایت پاؤ گے)

ایک لاہوتی اور ان مٹ حقیقت ہے۔

معلوم ہوتا ہے مزار کسی وقت میں سبز پتھر سے بنا ہوا چھ قبوں اور صحن پر مشتمل ہوگا۔سبز پتھر کا قیاس اس واسطے ہے کہ دروازے کے قریب تھوڑا سا نشان سبز پتھر کا اب بھی ملتا ہے، نیچے کچی اینٹیں تھیں، اوپر سبز رنگ کے پتھر جڑے ہوئے تھے۔

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت حسین تھی

آج کل باہر کے تینوں گنبد بالکل گر چکے ہیں۔سامنے کا صحن اور گنبدوں کے نیچے کی زمین ملبے سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اٹی پڑی ہے۔اندر کے تینوں گنبد کمزور وشکستہ حالت میں ابھی تک سالم ہیں، درمیانی گنبد کے نیچے خادم رسول ﷺ آرام فرما رہے ہیں۔سرہانے کی طرف دوسرے گنبد کو جو راستہ جاتا ہے پتہ نہیں کس صاحب دل نے لکھوادیا:

اَلَیْسَ اللہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (الزمر 36)

(کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟)

گویا ان تکلفات کی اس کے بندوں کو پروا نہیں ہوتی، وہ اسی میں مگن ہوتے ہیں۔بائیں طرف معمولی سا محراب ہے، معلوم ہوتا ہے قبر پر کتبہ تھا لیکن اتار لیا گیا ہے۔قبر پر کئی انگریزوں نے اپنے نام کھود رکھے ہیں۔1914ء میں جب پہلی جنگ عظیم میں عربوں نے خلیفہ سے غداری کی، ان دنوں میں شروع میں انگریزی فوج نے سنا ہے یہاں کیمپ ڈالا تھا، نشانات اب تک موجود ہیں، ممکن ہے انہی دنوں میں مقبرہ بھی ٹوٹ گیا ہو اور اس وقت یہ نام لکھے گئے ہوں۔حضرت طلحہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کے مزارات اگر اس طرح کسمپرسی کے عالم میں رہے، تو ممکن ہے آئندہ نسلیں ان کے مزارات کو نہ دیکھ سکیں۔بہرحال دعائے مسنونہ کے بعد رقت کے جذبات سے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگی کہ اللہ تعالیٰ ان خادمان نبوت اور داعیان حق کا اتباع نصیب فرمائے۔عجب انسیت اور رحمت کا منظر تھا۔رحمت للعالمین ﷺ کی جمالی شان کا پرتو نظر آتا تھا۔وھذا ما عندی

وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النجم 28)

(اور ظن یقین کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا۔)

روانگی بغداد بذریعہ ریل

دعا کے بعد جلد واپس ہوئے کہ جمعہ پڑھنا تھا، ایک جامع مسجد میں جمعہ پڑھا، خطیب کا مضمون صلوٰۃ پر تھا، مسجد بھری ہوئی تھی، لیکن جو مسجد سے باہر تھے وہ مسجد کے اندر والوں سے ہزار گنا تعداد میں زیادہ تھے۔نماز کے بعد کھانا کھایا، قیلولہ کیا اور جانے کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔امریکن ایکسپریس سے ووچر لائے تھے، معلوم ہوا کہ دفتر بند ہو چکا ہے، اس لئے مجبوراً گاڑی کے لئے سٹیشن پر پہنچے۔

مسلمان معاملات میں آج ہر جگہ کمزور ہے، سوا چھ بجے گاڑی بغداد کے لئے روانہ ہوگئی۔مغرب اور عشاء بحمداللہ تعالیٰ ٹرین میں جماعت سے پڑھی۔اللہ تعالیٰ مولانا الیاسؒ پر رحمت بھیجے جن کی مساعی سے ریلوں تک میں کسی تعداد میں ہی جماعت کا اہتمام ہونے لگا۔اذان و جماعت کو باقی مسافروں نے تعجب سے دیکھا، بعض خوش ہوئے اور ایک آدھ نے خوشی سے مصافحہ بھی کیا۔لیکن افسوس رہا کہ پورا ڈبہ مسلمانوں سے بھرا ہوا تھا اور جماعت میں ہماری سستی کی بنا پر کوئی شریک نہ ہوسکا اور سوائے ایک دو کے نماز بھی نہیں پڑھی گئی۔والی اللہ المشتکی۔رات جگہ کم تھی اس لئے تمام رات بیٹھے گزار دی، بیٹھے ہی جو سونا تھا، سو لیے، لیکن نیند کب پوری ہوتی ہے۔

بغداد آمد

آج 10 اگست 1957ء ہفتہ کا دن ہے، ریل کا سفر ختم ہوا، بارہ بجے کے قریب بغداد پہنچے، ہم تیسرے درجے کے مسافر تھے، اس لئے عامۃ الناس کی زندگی کا ایک منظر سامنے آیا، کیا کیا جائے؟ مغرب نے ایسا صور پھونکا ہے کہ حشر بپا ہے۔سارا عالم آنکھیں بند کیے قرنائے فرنگ کے پیچھے بھاگا چلا جارہا ہے۔

کَاَنَّھُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ۔ (المعارج 43)

(جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں۔)

جہاں کچھ باتیں اچھی بھی ہم کوتاہ بینوں کو نظر آئیں، وہاں یہ چیز بہت کھٹکتی رہی کہ نماز کا اہتمام نہیں، مرد و عورت کا اختلاط کوئی معیوب بات نہیں۔ایک عورت میرے ساتھ سیٹ پر بے تکلف آ بیٹھی، ان کے آپس میں تو اکثر یہ چیز تھی ہی۔میں نے اٹھتے ہوئے اس کے ساتھی سے کہا کہ ہم عورتوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔وہ بولے: کیوں؟ میں نے کہا کہ بحث و مسائل میں الجھنا تو بات کو لمبا کرنا ہے۔یہی کہا کہ ہم پسند نہیں کرتے۔خیر وہ شریفہ خود بخود اس بات پر اٹھ گئی۔

آج کل کے دستور کے خلاف بات تھی، طبیعت میں مروت بھی بہت ہے، لیکن اگر ایسے موقعوں پر جرأت مردانہ نہ برتی جائے تو بقول حضرت حکیم الامت کے دوسروں کی دل شکنی کے خیال میں اپنی دین شکنی ہوجاتی ہے۔ہم تو ہر اس چیز میں خیر دیکھتے ہیں جسے قرن اولیٰ نے خیر کہا۔حضور ﷺ اور صحابہ کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دور میں جو چیز ناجائز سمجھی گئی۔ تاویل وتعبیر، دجل وفریب، حیلہ وتلبیس کی کوئی کوشش اسے جائز نہیں بنا سکتی۔ عورتیں برقعہ پہنتی ہیں، اکثریت چہرہ وکفین کے علاوہ تمام جسم کو ڈھانکتی ہیں، لیکن پنڈلیاں ننگی ہوتی ہیں، جو ذرا سی حرکت سے کھل جاتی ہیں او برقعہ اور پردہ کے ساتھ یہ دورنگی سمجھ میں نہ آئی۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

دو جوانوں سے بات ہوئی، دعوت دی، اکسایا کہ جوان ہی اس جمود اور دین کے بارے میں موت سے سکون وخاموشی کو ختم کریں گے۔ یہ بات سن کر خوشی ہوئی کہ ہماری بات کو سمجھا اور کہنے لگا: بحمد اللہ ادھیڑ اور معمر حضرات کے علاوہ نوجوان طبقہ اب اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ ہم عراقی شامی یا عرب نہیں، بلکہ ایک ہی مسلمانوں کی مشترکہ امت ہیں اور دین ہی ملانے کا ذریعہ ہے، سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ممکن ہے یہ اس نوجوان کی ذاتی رائے ہو، لیکن جس علاقے میں وطنیت اور نسلیت اس طرح پوجی جارہی ہو کہ ''کالدیہ بابلونیا'' وغیرہ کی پرانی کفریہ تہذیبوں کو اپنی تہذیب سمجھا جانے لگا ہو اور اسلامی روایات ورجال سے کامل اغماض وغفلت برتی جارہی ہو۔ اتنی سے بات سننا بھی ہمت کا باعث ہے۔

بہرحال ان جوانوں نے گھر آنے کی دعوت بھی دی، جو ہم منظور نہ کرسکے۔ خدا جانے مجھے کیا ہوگیا ہے۔ حال کیا مستقبل میں بھی ماضی کی تلاش کررہا ہوں۔

میری تمام زندگی کھوئے ہوؤں کی آرزو

ماضی کی تلاش

نامعلوم وہ کیسا طبقہ تھا، جن کا تصور، جن کے قصص، جن کی زندگی، جن کی ہر ہر ادا پر وجد آتا ہے کہ محبوبین کی ادائیں کسی خاص زمانے کے ساتھ مختص کی جاسکتی ہیں؟ اگر دلبرانہ ادائیں کسی خاص زمانے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ محبوبیت ہر زمانے میں دلوں کو کھینچتی ہیں تو پھر کیوں نہ آج بھی ہمیں حبیب دو عالم ﷺ کے ان رفقاء کی ہر ادا لبھائے جن کی ذاتی ادائیں مٹ کر محبوب کی اداؤں کو اپنا چکی تھیں۔

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ بھی ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

چاہتا ہوں، زمان ومکان کے روح کو آقائے دوعالم ﷺ کے صفات عالیہ کے ساتھ اس طرح رنگین کردیا جائے کہ ہر زمانے اور ہر مکان پر ہر ایک سے وہی نقشہ وجود میں آئے، جس نے مدینہ کی بزم قدس کو اپنی ضیاباریوں سے رشک سینا بنا رکھا تھا۔ بغداد آیا ہوں، بغداد کو دیکھنا چاہتا ہوں، بغداد ہارون ومامون کا بغداد نگاہوں میں پھر رہا ہے، مہذب دنیا کی سب سے بڑی ملت کا دارالحکومت۔ جیلانی و سہروردی کا مسکن، جنید وشبلی کا وطن، غزالی وطوسی کی تعلیمی منشاء میں اسی بغداد کو دیکھنے آیا ہوں جس نے عظمت کسریٰ سطوت روم۔۔۔۔ آہ

وہ بلدہ جو فخر بلاد جہاں تھا بروبحر پر جس کا سکہ رواں تھا
گرا جس جگہ عباسیوں کا نشان تھا

بہا لے گئی موج پندار جس کو اڑا لے گئی سیل تاتار جس کو

آج جس بغداد میں آیا ہوں، بازاروں، دکانوں، مکانوں، منڈیوں، مساجد کسی جگہ وہ نقشہ نظر نہیں آیا، جس کی جستجو میں ایک دیوانہ دل بیتاب رہتا ہے۔ فتنہ مغرب کے متعلق اتقوا من فتنة المغرب (مغرب کے فتنہ سے اپنے کو بچائے رکھو) ایسے ہی تو زبان رسالت سے ادا نہیں ہوا تھا۔ فتنے پیدا ہوئے ہوں گے لیکن اس مغرب کی آگ نے مشرق اور خصوصاً ممالک عربیہ کو جس طرح اپنی لپیٹ میں لیا ہے اس کی مثال شاید ہی ملتی ہو۔ میرے نزدیک امت محمدیہ ﷺ کو دور صحابہ کے بعد جن دو عظیم تاریخی حادثات سے دوچار ہونا پڑا ہے، وہ فتنہ تاتار وفتنہ افرنگ ہیں۔ فتنہ افرنگ کو فتنہ تاتار سے زیادہ اشد سمجھتا ہوں۔ امت محمدیہ کئی بار حادثات سے دوچار ہوئی لیکن عظیم ترین فتنے جنہوں نے ملت اسلامیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا، فتنہ افرنگ ان میں سے ایک ہے۔

المعقل ریلوے سٹیشن

بغداد میں المعقل کے سٹیشن پر اترے، سٹیشن پر قلی کم اور ٹیکسی والے زیادہ سودا چکانے کے لئے موجود تھے، ایک نے نصف دینار کہا، ہم نے چار درہم کہے، رضامند ہوگیا اور ہم جمعیت پاکستان چلے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آئے۔ وہاں ہمارے پاس ربع دینار کا نوٹ تھا، دیا، مزید مطالبہ کرنے لگا، آخر نوٹ لے کر اس کی فیصلہ شدہ مزدوری ادا کی، معاملات میں نہ معلوم ہم اتنی کوتاہی کیوں کرتے ہیں۔ معاملات تو حقوق العباد کا معاملہ ہے، جو انتہائی نازک مسئلہ ہے۔ **لکل امة فتنة و فتنة امتی المال** کا ظہور ہر جگہ ہے۔

(ہر ایک امت کے لئے ایک آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی آزمائش مال سے ہے۔)

(اخرجہ الترمذی والبخاری فی التاریخ الکبیر وابن حبان، والحاکم)

جمعیت پاکستان ایک نیم سرکاری پاکستانی رہائش گاہ ہے، غریب اور درمیانی طبقے کے لئے غنیمت ہے، پچھتر قرش روزانہ کرایہ کی صورت میں فی کس آجاتا ہے۔ موجودہ مینجر علاؤالدین صاحب خلیق نوجوان ہیں۔ بہرحال قیام کا مشورہ کراچی سے بھی اسی جگہ طے ہو چکا تھا۔ یہاں ٹھہرے، کھانے کے بندوبست کے بعد آرام کیا۔ ظہر وعصر کی نمازیں جماعت کے ساتھ اس جگہ پڑھیں۔ عصر کے بعد مسجد کی تلاش میں نکلے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ عروس البلاد کا سہاگ لٹ چکا ہے۔ نئی آبادیوں میں نئی مساجد نہیں ملتیں۔ پرانی مساجد ہیں، لیکن پرانی بستیوں میں۔ بقول شخصے جہاں نمازی مل سکتے ہیں، وہاں مساجد نہیں اور جہاں مساجد ہیں وہاں نمازی نہیں۔ شیعہ حضرات کی بعض مساجد ہیں۔ آخر تلاش کرتے کرتے اس ویرانے سے نکل کر مسجد کی تلاش میں ایسی بستی میں پہنچے، جہاں حضرت معروف کرخی قدس سرہ آرام فرما رہے ہیں۔

مغرب کی نماز ادا کی، عالم اسلامی کا چہرہ تو آج داڑھی کے نور سے محروم ہو چکا ہے، علماء تک مبتلا ہو چکے ہیں۔ غنیمت تھا کہ کافی جستجو کے بعد ویرانے سے نکل کر ایسی آبادی تو نظر پڑی جہاں جماعت کی نماز ادا کر سکے، نماز کے بعد امام صاحب مجاورین اور دیگر حضرات سے دعوت اور امت مسلمہ کے مقصد حیات کے متعلق مولانا ظاہر شاہ صاحب نے عربی میں گفتگو کی، ظاہراً تاثر اچھا تھا۔

معروف کرخیؒ کا مزار

نماز کے بعد معروف کرخی رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری دی، مزار ایک بڑی مسجد کے اندر ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم دولت عثمانیہ کو اجر عطا فرمائے، جہاں پہنچی، عالیشان مساجد کے آثار چھوڑ گئی، یہ مسجد بھی

1313ء کی سلطان ترکی کی بنائی ہوئی ہے۔ مسجد کے نیچے زمین دوز راستہ ہے۔ دوستوں نے کہا: ہم تو آنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، لیکن کشش نے خود پہنچا دیا، طمانیت محسوس کی۔ نسبت الٰہی سے قلوب خود زندہ ہو جاتے ہیں، بلکہ ایک ایسی طمانیت بکھیرنے والا آلہ بن جاتے ہیں کہ جو صحبت میں آتا ہے کچھ نسبت میں قوت اور دل میں اطمینان محسوس کرتا ہے۔ بشرطیکہ کہ سنت کی پیروی، خالق حقیقی کو مقصد اور مؤثر سمجھ کر آئے۔ فاتحہ اور دعا کے بعد واپسی ہوئی۔ علامہ امجد زہادی وصواف سے ملاقات کا خیال تھا، لیکن آج نہ مل سکے۔ تھکاوٹ بہت تھی، واپس جگہ پر پہنچے اور نماز پڑھی اور سو رہے۔

جمعیت پاکستان ہوٹل

آج 11 اگست 1957ء اتوار کا دن ہے، جس جگہ جمعیت پاکستان میں ٹھہرے ہوئے ہیں اکثر حاجی حضرات مقیم ہیں۔ بعض نام نہاد حج کمپنیوں کے ستائے ہوئے ہیں، پاکستان میں ان سے غلط وعدے کر کے لے آتے ہیں، یہاں پہنچ کر رقم وصول کر کے طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے ہیں۔ مال کی محبت جب اندھا کر دے تو پھر اضیاف اللہ ہوں یا غیر حاجی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ **ان حب الشیئی یعمی ویصم**۔ کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔ تاہم حاجیوں کو چلتے ہوئے اس کا خیال کر لینا چاہئے کہ ہم کس کے ساتھ معاملہ کر رہے ہیں۔

مالیات ومعاملات میں اچھے اچھوں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کے اس قول کی اب قدر معلوم ہوئی: **تعاملوا کالاجانب وتعاشروا کالاخوان**۔ (معاملہ کرو اجنبیوں کی طرح اور معاشرت رکھو بھائیوں کی طرح۔) فجر کی نماز کے بعد ہیچمیرز سے کہا گیا کہ حجاج کرام کی خدمت میں کچھ عرض کریں، نہ معلوم کیا کیا کہا۔ اتنا یاد ہے کہ برکات حج کی بقا کے لئے باقی زندگی میں احتیاط وتقویٰ اور اتباع سنت کے متعلق کہا گیا اور عرض کیا کہ حج کا تحفہ حج کے بعد تکمیل ایمان اور کامل دین کو دوسروں تک پہنچانا ہے۔ حج وداع میں امت کو یہی وصیت کی گئی تھی: **فلیبلغ الشاھد منکم الغائب** (صحیح بخاری حدیث نمبر 1741) (پس پہنچا دے تم میں سے جو حاضر ہیں ان کو جو حاضر نہیں۔) دعوت تو اس امت کے جملہ اعمال میں سمو دی گئی ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دعوت اگر منہاج نبوت پر ہو تو خود بخود اپنی زندگی بھی بنتی چلی جاتی ہے۔ ختم نبوت کی نسبت نبوی بغیر فرائض نیابت نبوت کے شاذ ہی حاصل ہوتی ہے۔ قیامت تک ہدایت کا فیضان انہی نیابت نبوت کے اعمال کو بہانہ بنا کر کیا جائے گا۔

حضور ﷺ کی نسبت ختم نبوت اپنے میں قیامت تک کے تمام زمانوں اور دنیا کے تمام علاقوں کو لئے ہوئے ہے۔ اسی نسبت سے عالم کی قیامت تک کی ہدایت کو نیت میں رکھتے ہوئے اور اپنا فریضہ مذہبی سمجھتے ہوئے امت میں جس قدر دعوت الی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، ارشاد و تبلیغ، ہجرت و نصرت وغیرہ کے فرائض باقی رہیں گے۔ ختم نبوت کے فیوض و برکات سے امت مستفید ہوتی رہے گی اور دیگر قومیں اسلام میں داخل ہوتی رہیں گی۔ ختم نبوت محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ اپنے ساتھ ہزاروں اوامر اور برکات کو لئے ہوئے ہے۔ اگر امت کی شیرازہ بندی اور بقا اسی ختم نبوت کی بنا پر ہے تو خیر الامم کی بعثت اور امم عالم کی طرف اس امت مخرجہ کو داعی کی حیثیت سے بھیجا جانا بھی اسی ختم نبوت والی برکات کو لئے ہوئے ہیں۔ انہی اوامر کی بنا پر امت النبی الخاتم کے جوارح اور اعضاء بن کر عالم میں ہدایت و رحمت کا سبب بنتی ہے۔ نصرت الٰہی و فیضان ہدایت انہی اعمال کی بجا آوری کی بنا پر ہوتا ہے۔ یہ امت اپنی بناوٹ میں بالکل انوکھی اور نرالی امت ہے۔ منصب نبوت محمد رسول اللہ ﷺ پر قطعاً ختم فرما کر نبوی سلسلہ کی برکات کا حصول نیابت نبوت کے ان فرائض کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا، جو خصائص نبوت کے علاوہ تمام انبیاء کے وظیفۂ زندگی اور فرائض حیات تھے۔

انبیاء علیہم السلام والی مدد یں اور نصرتیں، فیوضات و برکات انہی اوامر کی بجا آوری اور جہاد بالقرآن کی عملی صورتوں کی بنا پر ہی وجود میں آتی ہیں۔ نظام تشریعی اپنے خاص قوانین و اصول رکھتا ہے، جن میں زمانے کے تغیر و تبدل سے فرق نہیں آیا کرتا۔ بات لمبی ہوتی چلی جا رہی ہے، مختصر یہ کہ جب بھی امت خاتم النبیین ﷺ کی تبعیت میں نیابت نبوت والے فرائض علی منہاج نبوت ادا کرتی رہے گی نظام تشریعی کی اپنی حقیقتوں کا ظہور ہوتا رہے گا، جن سے انبیائے سابقین اور حضور ﷺ کو نوازا جاتا رہا۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ختم نبوت ایک عقیدہ ہے، جس کے اقرار ہی سے امت محمدیہ کا قوام و وجود

تقدیر الٰہی میں مقدر کر دیا گیا ہے۔ اس کے انکار سے نہ امت محمدیہ باقی رہتی ہے نہ نظام تشریعی کا وہ ارتقائی سلسلہ جو محمد ﷺ پر منتہی ہوا اور تکمیل دین اور سبوغ نعمت الٰہی کا سبب ہوا، وہ منطقی طور پر درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اب دین کی تکمیل، قرآنی شریعت سے استفادہ، حضور ﷺ کی برکات سے استفاضہ اور ختم نبوت کے مقصد کی یافت امت مبعوثہ کی دینی جدوجہد اور نیابت نبوت والے فرائض کی پابندی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

ناشتہ کے بعد پاکستانی سفارت خانے میں گئے، سفیر پاکستان شعیب قریشی صاحب بیمار تھے، اس لیے ملاقات نہ ہو سکی۔ زبیری صاحب پولیس اٹیچی سے ملاقات ہوئی، اچھی طرح ملے، دعوت کی اہمیت اور تقاضے ان کے سامنے رکھے، تائید کی۔ لیکن کہا: اس زمانے میں کیا کیا جائے۔ اکبر کا مشہور شعر پڑھا:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

عرض کیا گیا کہ یہ اس زمانے کی بات نہیں، دعوت الی الحق کا ظہور ہمیشہ موانع کے ٹکراؤ کے بعد ہی ہوتا ہے۔ باطل کی سرشت ہمیشہ ایک سی رہی، جب دعوت الی اللہ کے لئے کوئی اٹھے گا، یہ چیزیں پیدا ہوں گی، جملہ انبیاء کے متعلق کہا گیا ہے:

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ۔ (یٰسین:30)
(بندوں پر افسوس ہے کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا مگر اس سے تمسخر کرتے ہیں۔)

اور کفار کی اس فطرتی علت اور متواتر طریق کے متعلق ارشاد ہوا:

أَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۔ (الذاریات:53)
(کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ یہ شریر لوگ ہیں۔)

پھر کہا: اپنے ملک کو سنوارنے کی کوشش کرو، اخلاق و کردار کا مسئلہ پاکستان کا پہلا مسئلہ ہے۔ میں نے عرض کیا: اس بات سے سو فیصد متفق ہوں، اس کی کوشش کچھ نہ کچھ ہو رہی ہے۔ وہاں بھی کام ہو رہا ہے، لیکن اپنا خیال ہے کہ اندرونی کام کے ساتھ بیرونی کام بھی کیا جائے، امت مسلمہ جسد واحد ہے،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سنورے گی تو اس محنت کی بنا پر سنورے گی کہ پوری امت کے درد سے متفکر ہو کر حضور ﷺ کی عالمگیر بعثت کو نظر میں رکھتے ہوئے تمام دنیا میں اس آواز کو حسب استطاعت حضور ﷺ والے طریقے سے پہنچایا جائے، جب ہدایت کے ظہور کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائیں گے تو خود بخود ہدایت وجود میں آجائے گی۔

يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۔ (النصر:۲)

(کہ لوگ گروہ در گروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔) کا منظر قائم ہو جائے گا۔ دعوت کے میدان میں جہد و مشقت اللہ کے راستے میں ملک در ملک ہجرت و نصرت اور دیگر اوامر متعلقہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ بحمد اللہ ایک درجہ تک متفق و متاثر تھے، آج نئے طبقے کو اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے۔ امت جملہ طبقات کے مجموعہ کا نام ہے۔

مسلمانی غم دل در خریدن

(مسلمانی کیا ہے؟ غم دل کو خریدنے کا نام ہے۔)

ان سے رخصت کے بعد ویزا کے لئے شامی سفارت خانہ گئے، لیکن اوقات کار ختم ہو چکے تھے، اس لئے دوسرے دن پر اس کام کو ملتوی کیا۔ یوگوسلاویہ، بلغاریہ، یونان وغیرہ کے ویزے یہاں نہ مل سکے۔ استنبول میں کوشش کریں گے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار

واپسی پر اپنے تعلیم و آرام سے فراغت کے بعد حضرت پیران پیر شیخ عبدلقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے مزار پر حاضری کے لئے چلے۔ شیخ کبیر قدس سرہ کی جلالت شان سے کون ناواقف ہے۔ غنیۃ الطالبین کے مصنف کے مواعظ کی اثر پذیری، ارشاد و ہدایت کی امامت، علوم ظاہری پر عبور، نسبت باطن کی قوت کی تاثیر۔

ہزار شیوہ ہا است بتاں را کہ نام نیست

(معشوقوں کی بہت ساری ادائیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا نام تک موجود نہیں۔)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے تفہیمات الہیہ میں نسبت قادریہ کو نسبت اویسی کے مماثل

قرار دیا ہے۔ نسبت اویسی کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے مؤثر حقیقی اور فاعل حقیقی ہونے کے اذعان کے بغیر نہیں کھلتی۔ بات یہ ہے کہ حقائق الہیہ اس قدر غامض اور دقیق ہوتے ہیں کہ مجھ جیسا شخص اُن کے قشر کو بھی بمشکل پاتا ہے۔ اہل حال حضرات ہی ان کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ قوم کی زبان غیروں کے لئے عجمی ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

(یہاں ہزاروں نکتے ایسے پائے جاتے ہیں جو بالوں سے بھی باریک تر ہیں۔ یہ نہیں کہ جس نے بھی سر مونڈ لیا وہ قلندری کی رازوں کو سمجھ گیا۔)

ہمارے سید الملۃؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی صوفیانہ تعبیرات کے متعلق کہا کرتے تھے کہ انتہائی نازک ہیں، ان کے سمجھنے کے لئے اتنی بصیرت تو ہو کہ حضرت شاہ صاحب کے اصل مفہوم کو پا سکے۔ بہر حال نسبت اویسیہ ہو یا نسبت قادریہ ہدایت الٰہی آلہ کے طور پر انہیں استعمال فرما کر لوگوں کی تربیت و اصلاح فرماتی ہے۔ ان سے استفاضہ بغیر توحید خالص، نبی اکرم ﷺ کے کامل ظاہری و باطنی اتباع کے ممکن نہیں۔ توحید خالص ابراہیمی حنفیت یعنی حضور ﷺ کے باطنی و ظاہری اتباع کا ثمرہ ہے۔ اس لئے عامۃ الناس اور مجھ جیسے ہیچ میرز کے لئے احوط اور آسان طریقہ یہی ہے کہ حضور ﷺ کے کامل ظاہری و باطنی اتباع کی کوشش کی جائے۔ جملہ سلاسل اسی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور تمام نسبتوں سے استفاضہ اسی ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ باقی اپنی مناسبت ہوتی ہے۔ بقول مجدد سرہندیؒ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے بعدد انفاس الخلائق (لوگوں کی تعداد کے بقدر) ہیں، جس کا جہاں حصہ قدرت الٰہی میں مقدر ہوتا ہے، مل جاتا ہے۔ حضور ﷺ کی صفت تزکیہ کا ظہور مختلف سلاسل کے ذریعے اس طرح کر دیا گیا جس طرح مختلف طرق فقہ میں حضور ﷺ کے ظاہری علوم کو مرتب کر دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ اپنی وسعت میں اس قدر عظیم ہیں کہ انہیں اپنے اندر لینے کے لئے تقدیر الٰہی نے جس قدر سلاسل اور طرق کو پسند فرمایا، اسی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

قدر سلاسل کو ظہور بخشا۔ اپنا کام جیسا کہ شاہ صاحب قدس سرہ نے شفاء العلیل میں لکھا ہے: ایک دوسرے پر فوقیت نہیں دینا۔ بلکہ مسلک تھانوی کے مطابق اپنی مناسبت کے لحاظ سے اپنے لئے کسی سلسلہ کو انفع سمجھا جا سکتا ہے، لیکن افضل نہیں کہا جا سکتا۔ بعض قلوب اپنے اندر کئی کئی سلسلوں کے فیوض و برکات کو لے لیتے ہیں۔

بہر حال سلسلہ عالیہ قادریہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کثیر تعداد کو ہدایت سے نوازا ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی امید ہے۔ حضرت شیخ جیلانی قدس سرہ سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ حکمت الٰہی جس زمانے میں اس زمانے کے حالات کے مطابق ہدایت کے لئے جن چیزوں کو مناسب سمجھتی ہے، ظہور بخش دیتی ہے۔ اس زمانہ کا مطالبہ یہی تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے معجزات کثیرہ کا ظہور ہوا۔ مثلاً احیائے موتی اور شفا وغیرہ اس زمانے میں طب یونان کے مقابلہ میں قدرت کاملہ الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کے شافی حقیقی ہونے کا اذعان پیدا کرنا تھا۔

مزار پر پہنچے، ایک پختہ اور عمدہ بڑی چار دیواری ہے، جس کے چاروں طرف زائرین کے لئے رباطیں بنی ہوئی ہیں، درمیان میں غیر مسقّف ایک مسجد ہے، اس کے سامنے قبلہ رخ مزار کی اصل عمارت ہے، پہلا ایک وسیع مستطیل ہال ہے، اس کے اندر ایک چوکور کمرے میں ملت اسلامیہ کا بطل جلیل آرام فرما ہیں، جس کے تقدس و پاکیزی، ظاہر و باطن کی جامعیت و امامت، عظمت و جلالت کے خواص امت تک معترف ہیں۔ مزار کے گرد چاندی کا جنگلہ ہے، گنبد نما چھت ہے، چھت نقش و نگار سے آراستہ ہے، مزار کے پائنتی طرف ایک دوسری مسجد ہے، وہاں بھی مرمت ہو رہی تھی۔

حاضری دی، عظمت حق سے دل درگاہ الٰہی میں سجدہ ریز تھا، دعائے ماثورہ پڑھی، انوارات و کیفیات سرمدی چھائی ہوئی پائیں، قلب کو متوجہ کیا، اللہ تعالیٰ فیوض و برکات سے متمتع فرمائے۔ مغرب وہیں پڑھی، دعا کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے تعلیمات سے بہرہ مند فرمائے اور ارادتمندوں کو حضرت کے اصل طریقے کی جو شریعت مطہرہ کے اندر منحصر ہے، کامل اتباع نصیب فرمائے۔ آمین۔ بعض پشاوری حضرات سے جو حج کے ایک قافلے کے ساتھ واپس آ رہے تھے، ملاقات ہوئی۔ تبلیغی حضرات کا پوچھا،

پیغام بھیجا۔ بحمد اللہ تعالیٰ صبح کو وہ حضرات ملنے آ گئے۔

آج 12 اگست 1957ء پیر کا دن ہے۔ صبح مختصر تعلیم کے بعد شامی سفارت خانے گئے۔ کیا کہئے متعلقہ کلرک انتہائی بے حجابانہ لباس میں ایک نوجوان عورت تھی۔ تین ساتھی ملاقات کے کمرے میں بیٹھ گئے، انور صاحب اور امیر صاحب نے ویزا کے لئے کہا، جواب ملا: پاسپورٹ چھوڑ جاؤ، کل ملیں گے۔ واپسی ہوئی، امریکن ایکسپریس کے دفتر آئے، کرنسی وغیرہ کی بات ہوئی، معلوم ہوا آج ہی ٹرین جا رہی۔ انور صاحب نے پاکستانی سفارت خانے فون کیا اور انہوں نے شامی سفارت خانہ فون کر دیا، بحمد اللہ ویزے مل گئے۔ ٹکٹ مغربی بغداد سے استنبول براستہ موصل تقریباً آٹھ دینار فی کس کے حساب سے خریدے۔ امریکن ایکسپریس نے بتایا کہ دو سوٹر کش لیرا فی کس ساتھ لے جا سکتے ہو۔ قانوناً کوئی بندش نہیں، چھ سو کے قریب لیرا چار آدمیوں نے لیا۔ شامی سکہ راستے کے خرچ کے لئے لیا اور تیاری کے بعد اور مغرب کی نماز پڑھ کے سٹیشن پر آ گئے۔ انٹرنیشنل ٹرین براستہ موصل وتل کوچک تھا۔ ٹرین میں ہجوم بہت معلوم ہوتا تھا لیکن ہمیں بحمد اللہ جگہ مل گئی۔ گو زنانہ مردانہ کی کوئی تمیز نہیں، اس لیے اگر ایک سیٹ پر تو نہیں لیکن آگے پیچھے دائیں بائیں بے پردہ عورتیں آزادانہ شریک سفر تھیں۔ عشاء کی نماز سٹیشن پر بحمد اللہ تعالیٰ اذان و جماعت سے ادا کی، ایک دو اور مسافر بھی شریک ہو گئے، رات قدرے آرام سے گزر گئی۔

موصل میں آمد

آج 13 اگست 1957ء منگل کا دن ہے، صبح کے ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ٹرین موصل پہنچی۔ پرانا شہر ہے، آج کل تیل کے چشموں کی بنا پر تمام عالم میں شہرت رکھتا ہے۔ عمارات کچھ جدید اور باقی قدیم طرز کی ہیں۔ بغداد سے جو عراقی مسافر سوار ہوئے تھے ان میں سے اکثر یہاں اتر گئے۔ یہاں ایک عجیب واقعہ جسے حادثہ کہیے پیش آیا۔ معلوم ہوا کہ ٹرین ایک گھنٹہ ٹھہرے گی۔ اس خیال سے ہمارے دو رفیق انور صاحب اور مولانا صاحب چائے و خورد و نوش کی اشیا خریدنے کی غرض سے سٹیشن کے سامنے بازار چلے گئے۔ اتفاق سے ٹرین تقریباً نصف گھنٹے کے بعد روانہ ہو گئی۔ وہ سمجھے کہ شاید شنٹنگ وغیرہ کے لئے آگے ہوئی ہے لیکن آتے آتے ٹرین سٹیشن چھوڑ چکی تھی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رفقاء کے ساتھ ہمارے ٹکٹ بھی تھے اور ان کے پاسپورٹ ٹرین میں عراقی پولیس کے پاس تھے۔اس اتفاقی حادثہ سے جو پریشانی ہونی تھی ظاہر ہے، امیر صاحب سے کہا۔فرمانے لگے: پریشانی سے کیا ہوتا ہے، اللہ تعالی کا ذکر کیجئے، میں نے منع کیا تھا، بات نہ ماننے کا یہ نتیجہ ہے، لیکن مجھے کہاں قرار آتا تھا۔ایک شامی ہم سفر سے تذکرہ کیا اور ہوتے ہوتے تمام ڈبہ میں ہماری بے وقوفی کا چرچہ ہونے لگا، بعض نے تجاویز بھی بتائیں اور یہی بات چیت جاری تھی کہ ٹکٹ چیک کرنے والا آ گیا۔خیر گذری کہ ٹکٹ نہ ہونے کی بنا پر جرمانہ طلب نہیں کرلیا بلکہ تل کوچک (عراقی سرحد) تک مہلت دے دی۔

اس ہنگامہ میں ہماری حالت عجیب تھی، لیکن افسوس ہوا کہ ہمدردی کا جذبہ عموماً مفقود تھا۔مستورات تو قہقہے تک لگا رہی تھیں، لیکن اس پریشانی کے عالم میں اللہ نے ایک موصل کے نوجوان طالب العلم امیر سے تعارف کرادیا، جو استنبول میں انجنیئرنگ کالج میں پڑھنے کے لئے جارہا تھا۔امیر کی مادری زبان تو عربی ہے ہی ترکی اور انگریزی بھی بول لیتا ہے، یہ نوجوان ماشاءاللہ شرافت ومروت کا پتلا نکلا۔بیچارے نے پوری ہمدردی کی اور رفقاء کے نہ آنے پر کیا کیا جائے اور کس طرح ان سے ملا جائے، پورا مناسب خاکہ بتادیا۔اس کے علاوہ بھی مزید معلومات اس سے حاصل ہوئیں۔ڈیڑھ گھنٹہ اسی کشمکش میں گزرا تھا کہ ایک چھوٹے سے سٹیشن پر ٹرین ٹھہری اور تمام ڈبے والوں کی زبان سے بے اختیار نکلا، وہ تمہارے ساتھی آ گئے۔ہم ان کو سٹیشن پر دیکھ کر مسرت وحیرت کی تصویر تھے۔بات یہ ہوئی کہ موصل میں ٹرین سے رہ جانے کے بعد مقامی حضرات کے مشورہ کے مطابق سوا ایک دینار (پونڈ) پر ٹیکسی کرا کر وہ اگلے سٹیشن کے لئے روانہ ہوگئے اور ٹرین کے آنے سے پیشتر ہی وہاں پہنچ گئے۔بہرحال اس واقعہ نے کئی سبق دیئے اور آئندہ کے لئے محتاط بنادیا اور ایک اچھے رفیق امیر کا ساتھ نصیب ہوگیا جو کہ آگے چل کر کافی فائدہ مند ثابت ہوا۔

شام کی سرحد پر

دوپہر دو بجے کے قریب شامی سرحد پر پہنچے، یہاں ایک چھوٹا سا قصبہ تل کوچک ہے، کسٹم وغیرہ کے لئے تلاشی معمولی سی ہوتی ہے، ہمارا کمپارٹمنٹ یہاں تک کے لئے تھا، اس لئے دوسرا ڈبہ بدلا، امیر موصل

کے مشورہ پر دوسو کے قریب ترکی لیرا شامی سکہ سے مبدل کردیا۔

یہ سکہ کا مبادلہ اور تبدیلی بھی عجیب کھیل ہے۔صراف اور سود کا کاروبار کرنے والے ہزاروں کے وارے نیارے سکوں کی اس فرق کی بنا پر کرتے ہیں۔مولانا مناظر احسن گیلانی نے کہیں لکھا تھا کہ اسلام کا منشاء پورے عالم میں ایک سکہ کا رواج ہے اور بعض سود کے متعلق احادیث سے استدلال کیا تھا۔بہرحال اگر دنیا میں ایک ہی سکہ کا خواب پورا ہوجائے، تو کرنسی ہیر پھیر سے کسی قدر راحت نصیب ہوجائے۔

ترکی کے سرحدی شہر نصیبین میں

تین بجے کے قریب ترکی کا سرحدی شہر نصیبین آیا، پرانا شہر ہے، حدیث میں بھی تذکرہ آتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نصیبین کے جنات ایمان لے کر آئے تھے۔ہمیں نصیبین کے کسٹم کے جنوں سے واسطہ پڑا۔ہمارے پاس ایک سو پچاس یا سو لیرا ترکی فی کس موجود تھا۔امریکن ایکسپریس نے بغداد میں بتلایا تھا کہ دوسو لیرا ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔امیر موصل سے معلوم ہوا کہ سو لیرا لے جایا جا سکتا ہے اور اس بارے میں حکومت ترکیہ کافی نگرانی وسختی کرتی ہے، مگر صرف زبان پر اعتبار کیا جاتا ہے جو بتادیا جائے۔اس پر کسٹم والے بھروسہ کرتے ہیں۔امیر صاحب نے مشورہ کے بعد فیصلہ دیا کہ ہمیں جھوٹ نہیں بولنا چاہئے اور صحیح رقم بتلادینی چاہئے۔حیرت ہے کہ دو ساتھیوں کے پاس سو سو لیرا کی رقم تھی وہ بھی رسید لے کر رکھ لی گئی اور اس طرح ترکی لیرا ہم سے سب کا سب لے لیا گیا۔ہم عربی اور انگریزی میں کہتے بھی رہے کہ سو لیرا کی تو اجازت ہے لیکن وہ ترکی میں یہی جواب دیتے کہ آپ کو استنبول میں مل جائے گا۔امیر موصل کہنے لگا: میں نہ کہتا تھا کہ دروغ مصلحت آمیز یا سکوت بہتر ہے۔مجھے پچھلے سال ایسا تجربہ ہوچکا ہے، آپ نے بات نہ مانی، ترکی میں پونڈ ساڑھے آٹھ لیرا اور یہاں پونڈ کے بتیس تینتیس لیرا مل جاتے ہیں۔بہرحال اس حملہ ترکانہ کے بعد اپنے کمپارٹمنٹ میں گئے۔کافی دیر تک چہ میگوئیاں ہوتی رہیں کہ بعض کے پاس چھوڑ دیا گیا، ہمارے پاس کیوں نہیں چھوڑا۔جو ہونا تھا ہو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گیا، اب کیا بن سکتا تھا، اسی میں بہتری ہوگی۔

ہر چہ از یار می رسد نکوست

(دوست کی مرضی سے جو بھی پہنچتا ہے اس کو اچھا ہی سمجھ لینا چاہئے۔)

ٹرین میں ہمارے کمپارٹمنٹ میں کچھ شامی اور ترکی محبت سے آتے رہے۔ شامیوں سے تو عربی میں بات ہوتی رہی، ترکوں سے محض نگاہوں اور اشاروں پر اکتفا کیا۔

زبان یار من ترکی و من ترکی نمے دانم

(میرے دوست کی زبان ترکی ہے اور میں ترکی جانتا نہیں۔)

بعض اوقات امیر موصل ترجمانی سے ممنون فرماتے۔ آج بھی دین کے درد و فکر والے مخلص نوجوان ہر جگہ موجود ہیں، لیکن اصل سوال تلاش تربیت اور کام لینے کا ہے۔

جوانوں کی میری آہ وسحر دے پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نور بصیرت عام کردے

آج 14 اگست 1957ء بدھ کا دن ہے۔ آج کا دن عجیب رہا، ہم ضعفاء کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف اس کی نصرت پر تکیہ کئے ہوئے جا رہے ہیں۔ نصرت الٰہی ظہور گویا کرامت بن کر ظاہر ہوا۔ رب المستضعفین کی کرم فرمائی کے نثار جایئے، جب نوازنا چاہتا ہے تو اس کی نوازشات انسان کے وہم وگمان سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔ انسان نہیں سمجھتا، لیکن قادر و حکیم جب چاہتا ہے اور جیسا مناسب سمجھتا ہے نصرت و مدد کی صورتیں پیدا فرما دیتا ہے۔ آج کچھ ایسی ہی صورتیں نظر آ رہی ہیں۔ الٰہی کرشمہ سازی رنگ بدل بدل کر ظاہر ہو رہی ہے۔ سچ ہے اقویا تو کچھ کرنے کا زعم بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن جن کا سرمایہ سوائے عجز و ضعف کے کچھ بھی نہ ہو، وہ بے سہارا ''رکن شدید'' کو اپنی پناہ ماویٰ نہ پکڑیں تو کیا کریں۔ ضعفاء کا ایمان اسی کے ذریعہ قوی ہوتا ہے۔ جب سب سہارے ٹوٹ جاتے ہیں، کوئی نظر نہیں آتا تو جو سب کا ہے، اپنے ضعیف بندوں کو اپنے قدرت کے خزانوں کا مشاہدہ کائنات غیبی سے کرا دیتا ہے۔ انسان کا کمال تو یہی ہے کہ فقر تامہ کا حال ہر وقت اس پر غالب رہے۔ انسان کی احتیاج و نیستی کا یقین

محکم اور فاعل مختار قادر مطلق کے بھرپور خزانوں اور ہمہ گیر فاعلیت کا ایقان ہی رحمت الٰہی کو جوش میں لاتا ہے اور نصرت الٰہی اور خصوصی مدد کا سبب بن جاتا ہے۔ مؤمن کو تو کہا گیا تھا کہ جوتی کا تسمہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگے، عبدیت کی حقیقت فقر الی اللہ ہے اور فقر کا ظہور دعا و ابتہال الی اللہ ہے۔ مؤمن کی قوت و اسلحہ، خزانہ، قوتِ دعا ہے۔ جتنا فقر بڑھے گا عبدیت پیدا ہوگی اور اپنے احتیاج پنے کا تصور، مخلوق کی کلیتا محتاجی کا استحضار اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یقین قوتِ دعا کو بڑھاتا ہے۔ انبیاء نے امتوں اور قوموں کے فیصلے قوت دعا سے کرائے ہیں، ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ دو رکعت صلوۃ الحاجۃ پڑھ لو اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت پوری کرا لو۔ دعا ایک نعمت الٰہی ہے، انسان کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کا مظاہرہ اسی کے ذریعہ ہوتا ہے، اس لئے اسے عبدیت کی جان قرار دیا گیا:

الدعاء مخ العبادة۔ (ترمذی عن انس بن مالکؓ)

(دعا عبادت کا مغز ہے۔)

بے شک اللہ تعالیٰ نے دعا کی نعمت دے کر کمزوروں اور ضعیفوں کو وہ عطیہ مرحمت فرمایا ہے جو انسانی کمال کا نشان و عبدیت کا طرۂ امتیاز ہے۔

شہر حلب

اللہ تعالیٰ نے آج ہم ضعفاء کی مدد کی عجیب صورتیں پیدا فرمائیں۔ صبح ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد تعلیم کے لئے سوچ رہے تھے کہ حلب کا سٹیشن آ گیا، حلب کے آتے ہی قلب پر امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آئینہ تھا۔ میرے لئے شیشہ حلبی یہی تھا کہ اس نام کے آئینہ میں اپنے محبوب دور کی تصویر دیکھ لوں، کسی سینہ فگار کے لئے محبوب کی وادی کا ہر ذرہ چراغ طور ہوتا ہے۔ اس حرمان نصیب کے لئے پر وہ نام و مقام جہاں ہمارے صحابہ کے قدم پہنچے ان کی حیات آفرین دعوت پہنچی، جذبات میں ہیجان کا، قلب میں سوز و بے قراری کا اور دماغ میں کسی دوسری دنیا کے تصور کا پیغام ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کیا کروں، جسے اپنے لٹے قافلے کا درد ہے اور میری طرح جس کی زندگی گزرے ہوؤں کی جستجو بن گئی، یہ اشارہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوگا۔ کاش ہم ماضی کو جانتے، اپنے مقصد کو پہچانتے اور ایک نیا عالم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیدا کرتے اور کسی خوش نصیب کی طرح یہ کہتے ہوئے رخصت ہوجاتے:

تپیدم آفریدم آرمیدم

خیر حلب آیا، سٹیشن پر نظر پڑی، یورپ کو ابھی تک نہیں دیکھا، لیکن شاید یورپ ایسا ہی ہوگا۔ آہ

سرو بایت را قبا ہاخواستہ قمریانت را نوا ہاخواستہ
برزبانت گفتگو ہا مستعار در دلت آرزو ہامستعار
من ندانم تو توئی یا دیگری

(سرو کے قبائیں مستعار اور قمریوں کے نالے بھی، زبان پر باتیں بھی اپنی نہیں اور دلوں کی آرزوئیں بھی پرائی۔ میں نہیں جانتا کہ تو اصلی ہے یا نقلی۔)

چند لڑکیوں کے سروں پر سیاہ رومال بالوں کو چھپاتے ہوئے بندھے تھے اور جرابیں پنڈلیاں چھپا رہی تھیں۔ خیال کیا شاید اخوان المسلمین سے متأثر ہوں گی، دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔ باوجود ظاہر کے بگڑے نقشے کے دل ناامید نہیں۔ ممکن ہے اس خرابے میں آبادی کے نشانات مل جائیں۔ دینی زندگی تو قلب سے عبارت ہے، ممکن ہے راکھ کے اس ڈھیر میں ایمانی شرارے چھپے ہوں، اپنا طریق یاس و ناامیدی کا نہیں۔ ہمارے آقا ﷺ نے تو آئندہ نسلوں تک میں نور ایمان کی تلاشی وجستجو کی ہے۔ انبیاء کی دعوت میں ہیجیرز کے خیال میں یہ چیز عام ہے کہ اس وقت تک ہدایت سے ناامید نہیں ہوتے۔ جب تک نبوی فراست اور انباء الٰہی سے موجودہ کفار کی نسلوں تک میں ایمان کی یافت کا گمان باقی رہتا ہے۔

نوح علیہ السلام کا قول:

وَلَا يَلِدُوٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ (سورۃ نوح :27)

(ان سے جو اولاد ہوگی، وہ بھی بدکردار اور ناشکرگزار ہوگی۔)

اور حضور ﷺ کا طائف کے مقام پر یہ کہنا کہ ممکن ہے ان کی نسلوں میں کوئی ایمان لے آئے ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ نبوی فراست ایک مقام پر ہدایت کو نسلوں تک میں نہیں پاتی اور ہلاکت کی دعا

کرتی ہے اور دوسری جگہ نبوی فراست آئندہ نسلوں میں ہدایت کو پاکر ہلاکت میں مانع آجاتی ہے۔

امیر رشید امریکی سے ملاقات

بھائی انور سٹیشن پر کچھ روٹی وغیرہ خریدنے اترے۔ امیر صاحب نے کہا: وہ دیکھو شام میں داڑھی والا آدمی تمہیں دکھاؤں۔ دور سے دیکھا، تعجب ہوا، سر پر قراقلی کی پاکستانی ٹوپی تھی۔ کہا: کوئی ہوگا؟ کچھ دیر گزری تھی، دیکھتا ہوں کہ امیر رشید امریکی ہمارے کمپارٹمنٹ میں مسکراتے ہوئے داخل ہورہے ہیں۔ خوشی واستعجاب سے عجیب کیفیت ہوئی۔ حیرت تھی کہ امیر رشید کہاں اور ہم کہاں۔ بغلگیر ہوئے اور بتایا کہ حج کے بعد بیروت سے ہوتے ہوئے استنبول کے ارادے سے حلب پہنچے ہیں۔ سٹیشن پر ایک پاکستانی انور صاحب کو دور سے دیکھا۔ خیال ہوا ضرور اپنے تبلیغی رفقاء میں سے کوئی ہوگا اور جماعت ٹرین میں موجود ہوگی، اسی تلاش میں تھا کہ آپ کے کمرہ تک پہنچ گیا۔ والد عبدالرشید بھی میرے ساتھ ہے، میرا دل گواہی دیتا تھا کہ واپسی کے سفر میں کہیں نہ کہیں جماعت ملے گی، اللہ تعالیٰ نے وہ بات پوری کردی۔ میں نے عرض کیا: جب سے کوئٹہ اور رائے ونڈ کے بعد آپ سے جدا ہوا ہوں، بارہا خیال آیا۔ خاص طور پر جب پشاور میں ساتھیوں کے ذریعے یہ اطلاع پہنچی کہ آپ کچھ وقت اس ہیجیرز کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تو ندامت وشوق نے بے قرار کیا۔ بہرحال اس کی صورت آج اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دی ہے۔ اس کے بعد ان کے والد عبدالرشید صاحب تشریف لائے اور آتے ہی کہا: آپ سے ملاقات تبلیغ کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے۔ گفتگو ہوئی، عبدالرشید صاحب فرمانے لگے: پہلے خیال تھا کہ استنبول سے بذریعہ جہاز لندن چلا جاؤں اور وہاں سے بذریعہ سٹیمر نیویارک۔ لیکن اب خیال کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ کچھ وقت گزاروں۔ خاص کر جرمنی میں کہ جرمن زبان جانتا ہوں، اس سے ممکن ہے کام میں کچھ مدد مل جائے۔ ہم نے اسے عنایت الٰہی سمجھا اور ان کے اس نیک خیال کی تائید کی۔ ان دو حضرات کے شمولیت سے ہماری جماعت کو بحمد اللہ کافی تقویت پہنچ گئی ہے۔ امیر رشید صاحب نوجوان ہیں، فارمیسی بیچلر کا امتحان پاس کرکے فارمیسی کے کام میں مشغول تھے، ہمارے رفقاء امریکہ پہنچے، دین کے لئے مدد کی دعوت دی، پاکستان چار مہینے کے لئے آئے تھے، وہاں تبلیغی حضرات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے ساتھ تعلیم و ذکر، تبلیغ و دعوت اور فکر آخرت کے کاموں میں مشغول رہے، طبیعت متأثر ہوئی، قیام کا زمانہ ڈیڑھ سال کر دیا، بحمد اللہ متفکر دماغ اور دینی درد والا دل پایا ہے۔

یک ذرہ درد دل از سلطنت جم بہ

(درد دل کا ایک ذرہ بھی جمشید بادشاہ کی سلطنت سے بہتر ہے۔)

پاکستان کے قیام نے ظاہری و باطنی زندگی کو اسلامی قالب میں ڈھال دیا ہے۔ ماشاء اللہ متشرع داڑھی، گوری رنگت پر خوب بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اطوار و اوضاع میں بھی اسلامی سادگی آ گئی ہے۔ زمین پر بیٹھ کر اکٹھا کھا پی لینا معمول ہو چکا ہے۔ ساتھیوں کی خدمت گزاری، سنت کا اتباع، دین کے فروغ کا جذبہ، اسلام کو سلف صالح کے رنگ میں دیکھنا اور عالم کی نجات ہر لحاظ سے قرن اول کی زندگی میں پانا یقیناً ایک نوجوان کے لئے سعادت کا باعث اور اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اس سے بڑھ کر مسرت کا سبب یہ ہے یہ نوجوان کوئی خاندانی اور مشرقی مسلمان خانوادہ سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ ایک نومسلم امریکن خاندان کا رکن ہے۔ سچ ہے مجھے تو اس نوجوان کے تقویٰ وطہارت، دنیا سے بے رغبتی اور مقصد سے دلچسپی پر رشک آتا ہے۔ نیو یارک کے آتشکدہ سے بھی چراغ طور میسر آ سکتا ہے، طلب شرط ہے، اس نوجوان سے بڑی امیدیں ہیں۔ **وفقنا اللہ و ایاہ لما یحب و یرضی**

امیر رشید کے والد عبدالرشید پولینڈ میں پیدا ہوئے، وہاں پرورش پائی، دنیا کے مختلف ممالک کو صحیح دین کی تلاش میں دیکھا، عالم کا دورہ کیا، ہندومت آزمایا، بدھ مت اختیار کی، لیکن بقول ان کے اللہ سے رابطہ انہیں محسوس نہ ہوا۔ مغربی مذاہب جو کہتے ہیں اس پر عمل پیرا نہیں۔ بدھ مت بت پرستی میں مبتلا ہو گیا ہے۔ جاپان میں پہلی جنگ عظیم کے بعد چین کے راستے آئے اور ٹیپو سلطان کی مسجد میں 1914ء میں سورۃ فاتحہ کا ترجمہ انگریزی میں دیکھا اور فاتحۃ القرآن نے اسلام کے لئے دل کھول دیا۔ انگریزوں نے غیر ملکی سیاسی قیدی کے طور پر نظر بند کر دیا، جیل میں قرآن پڑھا، ساڑھے تین سال بعد امریکن سفارت کے ذریعے کلکتہ میں مشرف بالاسلام ہوئے۔ امریکہ جہاں وہ متوطن ہو چکے تھے، چلے گئے، ملازم تھے۔ نماز وغیرہ کے پابند تو تھے ہی، ہماری دعوت پہنچی، بیٹا پاکستان آیا اور باپ کو حالات لکھے

متاثر ہو کر وہ بھی پاکستان آئے۔ چار مہینے جماعت کے ساتھ گزارے، حج پر جماعت کے ساتھ گئے اور واپسی پر آج ہم سے حلب میں آ ملے۔ ضعیف العمر ہیں، ایمان کا جذبہ ہم نسلی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔ نورانی چہرے پر شرعی داڑھی خوب سجتی ہے، سنت کا اتباع اور احیائے دین کا جذبہ اور حقیقی اسلام کو عالم میں پنپتے دیکھنا زندگی کا مقصد بن چکا ہے، اللہ تعالیٰ ان بوڑھے باپ اور جوان بیٹے کو اسلام کے نور سے روشن فرما دے۔ **انہ علی کل شئ قدیر**۔ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔)

تعلیم کے لئے رفقاء کا مشورہ تھا کہ اپنے کمپارٹمنٹ ہی میں کی جائے۔ چھ ساتھی ہم ہو چکے تھے۔ امیر موصلی اور ایک ترک نوجوان جو ملٹری کالج استنبول میں کیڈٹ ہیں اور عربی جانتے ہیں، ہمارے ساتھ عموماً شامل ہو جاتے ہیں۔ تعلیم کے لئے بعض رفقاء دوسرے ڈبوں میں دیگر حضرات کے بلانے کے لئے گئے، بحمد اللہ تعالیٰ شامی طلباء جو استنبول مختلف کالجوں میں پڑھنے جا رہے تھے، ان میں سے اکثر حضرت المخدوم مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب سے متعارف اور تبلیغی دعوت سے شناسا تھے۔ ایک طالب العلم محمد حمویہ صاحب سے معلوم ہوا کہ وہ پچھلے سال ترکی کے سفر میں علی میاں مدظلہ کے ہم سفر تھے، بلکہ انہی کے زبانی معلوم ہوا کہ حضرت موصوف نے اپنے کسی مضمون میں ان کا تذکرہ بھی خوب بڑھ چڑھ کر کیا ہے۔ اچھے واقف اور احیائے دین کی فکر رکھنے والا نوجوان ہیں۔ علی میاں کے ساتھ سفر کا حال سناتے رہے، کہنے لگے: وہ نہ صرف ایک عالم جلیل ہیں، بلکہ ہمارے مرشد و امام ہیں۔ جماعت اسلامی کے لٹریچر سے بھی واقف ہیں۔ کہنے لگے کہ پاکستان میں جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور عرب ممالک میں اخوان المسلمین کی مساعی سے امید بندھی ہے کہ پھر امت اسلام کی طرف لوٹے گی، رجوع الی الاسلام میں نہ صرف ملت کی نجات ہے، بلکہ انسانیت کی بقا اور اس کے مصائب کا علاج بھی یہی ہے، کاش رجوع الی الاسلام کی جہد و محنت میں جملہ مسلمان شریک ہوتے اور اس کی اہمیت کو سمجھتے۔

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز

از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

(تمام دنیا انگریز کی چنگیزیت سے برباد ہو چکی، اے حرم کے معمار (مسلمان) تو دنیا کی آبادی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کے لیے دوبارہ اٹھ کھڑا ہو جا اور اپنی اس انتہائی گہری نیند (غفلت) سے بیدار ہو جا۔)

عرض کیا: مقصد کی وحدت اگر منہاج نبوت کے ساتھ میسر ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اخلاص والی کوششوں کو بار آور فرمائے گا، دین کا ظہور اور غلبہ تو ہو کر رہنا ہے۔ عالم کے احوال، اسلام پر عمل اور اس کی دعوت کی عمومیت کے متقاضی ہیں۔ آج تکوینی حالات تشریعی قوانین کی پابندی کی دعوت دے رہے ہیں کہ نجات اس میں ہے۔

حسین یوسف لطیف البانوی سے ملاقات

شامی طلباء کے علاوہ امیر رشید صاحب کے ذریعہ ایک البانوی مہاجر عالم حسین یوسف لطیف جو مکہ مکرمہ سے تشریف لا رہے تھے اور اسی ٹرین میں سوار ہیں، سے تعارف ہوا اور اپنے کمپارٹمنٹ میں آنے کی انہیں تکلیف دی گئی۔ موصوف البانیہ (ریاست ہائے بلقان) کے رہنے والے ازہر کے فارغ التحصیل اور مدرسہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں آج کل مدرس ہیں، دین کے لئے وطن چھوڑنا پڑا ہے، لیکن اپنے علاقے کے مسلمانوں کے درد میں بے قرار اور اسلام کی بقاء واحیاء کے لئے سوگوار ہیں۔

ان سب حضرات کے اجتماع سے ہمارے سفری حجرہ میں کافی رونق ہوگئی ہے۔ مختصر تعلیم کے بعد باہمی مذاکرات اور تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ شامی طالب العلم محمد حمویہ کے علاوہ سب سے زیادہ پرتاثیر اور درد میں ڈوبی ہوئی باتیں حسین یوسف لطیف البانوی عالم کی تھیں، جن سے ہمیں کافی فائدہ اور ریاست ہائے بلقان کے مسلمانوں کے حالات کا اندازہ ہوا۔ ابتدا ہی اس جملہ سے فرمائی کہ آج مسلمانوں کا ہر ملک اور ہر طبقہ اپنے مسائل میں اس طرح الجھا ہوا ہے کہ دوسرے علاقے کے مسلمانوں کا انتہائی اہم معاملہ بھی اس کی نظر سے اوجھل ہوتا جاتا ہے، حالانکہ اخوت اسلامیہ باہمی رفاقت ومحبت کے اس جذبے کا نام ہے کہ امت کے ہر طبقے اور ہر علاقے کے مسلمانوں کے مصائب سے پوری امت بیتاب اور متفکر ہو جائے۔ آج البانیہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں وہاں سے لوگ کیوں ہجرت کر چکے ہیں، آخر اپنے وطن کو ایسے تو کوئی نہیں چھوڑتا۔ وہ کیا مصائب ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے زمین کے قطعات اور مسلمانوں کے وجود سے علاقے خالی ہو رہے ہیں، مساجد منہدم،

مدارس ویران، اور خانقاہیں سونی ہوئی جاتی ہیں، کوئی ان حالات کی خبر لینے والا ہے؟ ہر ایک کا اپنا مسئلہ اور اس میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ کہیں سیاسی مسائل ہیں، کہیں اقتصادی مسائل، حالانکہ امت کا سب سے بڑا مسئلہ دین کی بقاء اور مسلمانوں کے وجود کا مسئلہ ہے۔ اس کے بعد نقشے پر انہوں نے بالتفصیل ریاست ہائے بلقان میں مسلمانوں کی آبادیاں، ان کے حالات اور موجودہ کوائف بتائے، جس کا ہلکا سا خاکہ ذہن میں رہ گیا ہے جسے سپرد قرطاس کرتا ہوں کہ ذہن سے زیادہ امین ومحافظ ہے۔ ممکن ہے درد والے کی صدا کسی کو آمادہ عمل کر دے۔

ریاست بلقان کی ریاستیں عثمانی ترکوں کی برکت سے 1400ء تا 1526ء میں اسلام کے آغوش میں رہیں۔ عثمانیوں نے جن علاقوں کو اپنی قوت بازو سے فتح کیا ان علاقوں میں ان کے زیر اثر اسلام بھی پھلتا پھولتا رہا۔ ہر ترک سلطان وفاتح جرنیل فتح کے بعد ہر بڑے شہر کو مساجد ودینی مدارس سے آباد کرتا رہا۔ مقامی لوگ کثیر تعداد میں مسلمان ہوتے گئے اور ترکوں کے دوش بدوش اسلامی خدمات سر انجام دیتے رہے، چنانچہ جب تک یہ ریاستیں خلافت عثمانیہ کے زیر اثر رہیں، لوگ اسلام کے پابند، مساجد آباد، مدرسے قائم اور دینی چہل پہل باقی رہی۔ یوگوسلاویہ (ہرزوگوئے بوسنیا) البانیہ، بلغاریہ، یونان حتی کہ ہنگری، آسٹریا، رومانیہ، جنوبی پولینڈ، کریمیا اور جنوبی یوکرین تک میں اسلام کا چراغ عثمانیوں کی برکت سے روشن ہوا۔ لیکن البقاء للہ وحدہ (صرف اللہ ہی کی ذات کو بقا ہے۔)

جب عثمانیوں پر ادبار نے سایہ ڈالا اور ہر قوم کی طرح اپنے عروج کی حسین مقدار پوری کر چکیں تو یورپین مسیحی حکومتوں کا وہ بغض وکینہ جو قسطنطنیہ کی فتح کے وقت سے ہر ایک مسیحی کو ترکوں کا دشمن بنا چکا تھا اور ترکوں کو مٹانا وہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا تھا، رنگ لایا اور یورپ کی مشترکہ ریشہ دوانیاں، اندرونی کمزوریاں خلافت عثمانیہ کے سایہ برکت سے ایک ایک ملک کو نکالتی رہیں۔ یہاں تک کہ 1912ء میں یہ علاقہ مسلمانوں کی حکومت محروم ہو کر رہ گیا۔ تاہم ان علاقوں کے مسلمان دوسری جنگ عظیم تک اپنے دین کو ایک حد تک بچاتے رہے۔ خاص کر البانیہ کی ریاست جہاں آج سے پانچ سو سال پیشتر اسلام پھیلا اور جس کی آبادی آج بھی نوے فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہے اور جو لوگ اپنی قومی خصوصیات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بہادری اور جسارت کی بنا پر عثمانی فوجوں میں خاص طور پر شامل کئے جاتے تھے وہ اپنی آزاد حکومت رکھنے میں کامیاب ہو رہے۔ یہ حکومت اگر مشرقی نہیں تو مستشرق ضرور تھی اور اسلام کے ساتھ قوی روابط رکھتی تھی۔ دو ہزار پانچ سو ستائیس مساجد اور لاتعداد دینی مؤسسات اور ادارے موجود تھے۔ دینی عربی تعلیم کا نظام باقاعدہ تھا۔ مسلمانوں کی تعداد پندرہ لاکھ تھی، یعنی مذہبی حالت کوئی خاصی بری نہ تھی کہ اشتراکیت کا بھوت روسی اقتدار کے رنگ میں اس غریب سرزمین پر سایہ فگن ہوا۔ اشتراکیت محض ایک سیاسی نظام نہیں بلکہ ایک مذہب ہے جو کسی دوسرے مذہب کو نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ اشتراکیت کے منحوس قدموں کے پہنچنے کے ساتھ ہی مسلمانوں پر مظالم کا دور شروع ہوا اور اب تک پندرہ لاکھ مسلمان باشندوں میں سے پانچ لاکھ ہجرت کر چکے ہیں، بڑی تعداد ترکی چلی گئی ہے، ساٹھ ہزار امریکہ برطانیہ میں، پچاس ہزار آسٹریہ، چار ہزار شمال مغربی یونان میں ایک لاکھ ہجرت کر چکے ہیں۔ البانی مسلمانوں پر جو گزر رہی ہے وہ وہی جان سکتا ہے جسے اشتراکی ہتھکنڈوں سے واسطہ پڑا ہے۔ مختصر یہ کہ کوئی غیرتمند مسلمان جو اپنے دین پر کسی حد تک قائم رہنا چاہتا ہو یا بچوں کو دینی تربیت دینا چاہتا ہو وہاں نہیں رہ سکتا۔

یہی حال بلغاریہ کا ہوا، وہاں کی مسلمان آبادی ہجرت کر چکی ہے یا اشتراکی قتل وغارت، حبس وقید کا شکار یا غیر مسلم اکثریت میں گم ہو کر رہ گئی۔ یوگوسلاویہ میں باقاعدہ نظم سے اسلام اور اسلامی شعائر کے مٹانے کا کام جاری ہے، اب تک اسی ہزار کے قریب مسلمان ہجرت کر چکے ہیں اور باقی کی حالت قابل رحم ہے۔ یوگوسلاویہ میں دو ملین مسلمان ہیں، دس لاکھ سکوپلے اور پریشنیا وغیرہ کے علاقے میں آباد ہیں اور باقی آٹھ لاکھ سرایودو کروشنا کے علاقے میں مقیم ہیں۔ اسی البانوی عالم نے کافی تفصیل سے حالات بتائے مختصر خاکہ پیش کیا گیا۔ واقعات کی صحت قابل اعتبار ہی معلوم ہو رہی ہے۔ ایک درد بھری داستان تھی جو بڑے جوش سے بیان فرما رہے تھے۔

اشتراکی ظلم وتعدی کا شکار چھ خاندان روسی ترکستان سے مہاجر جو پاکستان میں رہ چکے تھے، بھی اسی ٹرین میں تھے، اللہ کے بندے اپنے دین کے بچاؤ کے لئے ان آلام ومصائب کا شکار ہوئے۔ کس سختی میں تبت اور پامیر کے دشوار گزار راستوں کو عبور کر کے تباہ حالی میں پاکستان پہنچے، وہاں کچھ حالات

سدھرے۔ ترکوں نے ہم زبان سمجھتے ہوئے ایک تعداد کو اپنے ہاں آباد کرنے کا ارادہ کیا، اسی سلسلے میں یہ ترکی آئے ہیں۔

اردو زبان اچھی بول لیتے ہیں، ہمیں اپنا پاکستانی بھائی سمجھ کر کھانے وغیرہ میں شریک ہوتے رہے، پاکستان میں ان کے دینی حالات بہت اچھے تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند، عورتوں میں شرعی پردے کا رواج تھا۔ خدا کرے ترکیہ کے ماحول میں اپنی دینی خصائص کو باقی رکھ سکے اور جس متاع عزیز کے لئے اتنی قربانیاں اٹھائی ہیں ان کی حفاظت کر سکیں۔

بار بار دل میں یہ کسک اٹھتی ہے کہ یا اللہ آج مسلمان کیوں سارے عالم میں بڑھنے کے بجائے سمٹا چلا جاتا ہے۔ ہجرت کا مسئلہ ایک عمومی نوعیت اختیار کر گیا ہے۔ روسی ترکستان سے ہجرت، بلقانی ریاستوں سے ہجرت، ہندوستان سے ہجرت، اسرائیل سے ہجرت۔ آخر مسلمان کب تک پیچھے ہٹتا رہے گا۔ اسی طرح آبادیاں اللہ تعالیٰ کے نام سے محروم، رحمت وہدایت سے خالی، بے اذان اور عبادت سے خالی ویرانوں میں تبدیل ہوتی رہیں گی۔ وہ کیا اعمال ہیں جن کے ترک نے آج اس حالت پر پہنچا دیا ہے۔ امت محمدیہ کی یہ حیات وبقا خاص اعمال کی پابندی کے ساتھ ہے۔ اگر وہ اعمال امت میں موجود ہوں گے، تو امت زندہ اور بڑھتی رہے گی، ورنہ زوال وانحطاط کا شکار ہو جائیگی اور وہ اعمال خاص کر اجتماعی اوامر الٰہیہ ہیں جن کی بجا آوری امت کی بقا اور نشوونما کا سبب اور ان کا چھوڑنا دینی اضمحلال کا سبب بن جاتا ہے۔ دعوت وتبلیغ، جہاد فی سبیل اللہ نیز اعلاء کلمۃ اللہ، نصرت وہجرت وغیرہ ایسے ہی اعمال ہیں، تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

عصر کے بعد شامی طلباء کے پاس حاضر ہوا۔ اسی کمرہ میں ہمارے امریکن ساتھی بھی تھے۔ محمد حمویہ نے کچھ آیتیں الفت بین المؤمنین کے متعلق پڑھیں اور مجھ سے انگریزی میں امریکیوں کے لئے ترجمہ کے واسطے کہا اور کہا اللہ کا احسان ہے کہ پاکستانی، شامی، امریکن اپنے میں کوئی بیگانگی محسوس نہیں کرتے بلکہ ایک ہی خاندان کے افراد معلوم ہوتے ہیں، اچھا مذاکرہ رہا۔

آج 15 اگست 1957ء جمعرات کا دن ہے۔ آج اپنی طبیعت مضمحل رہی، بخار ہو گیا ہے۔ مولانا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ظاہر شاہ صاحب بھی بخار اور شدید نزلہ میں مبتلا ہیں۔ تاہم ناشتہ کے بعد تعلیم کا پروگرام رکھا گیا۔ کچھ شامی حضرات اور کچھ ترک حضرات تعلیم میں شریک ہوئے۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب عربی میں احادیث پڑھ کر تشریح کرتے تھے اور حسین یوسف صاحب البانوی ترکی میں ترجمہ کرتے تھے۔ تقریباً دو ڈھائی گھنٹہ اچھا خاصا حلقہ قائم رہا۔

امریکن حضرات کے لئے انگریزی میں ترجمہ کی خدمت بندہ کے ذمہ تھی۔ فضائل کے کچھ احادیث ہوئیں۔ آخر میں امت مسلمہ کے مقصد بعثت پر کچھ بات مولانا نے کی۔ جسے البانوی عالم صاحب نے سمجھا اور ترک حضرات کو سمجھایا۔ کہا: یونان میں تھریس کے علاقے میں آپ حضرات کے ساتھ کچھ وقت دعوتی سلسلہ میں گزار سکتا ہوں۔ باقی یونان میں نو ہزار مساجد منہدم کر دی گئیں۔ دین کا نام لینے والا شاید ہی کوئی ہو لیکن تھریس میں مسلمان ہیں۔

انقرہ میں

تمام دن مختلف حضرات آتے رہے اور بات چیت جاری رہی۔ شام کے وقت انقرہ آیا، ساتھیوں نے اتر کر سٹیشن پر اذان و جماعت سے نماز ادا کی، عاجز بخار و ضعف کی بنا پر کمرہ میں علیحدہ پڑھنے پر مجبور تھا۔ البانوی عالم اپنا پتہ دے کر انقرہ پر ہم سے رخصت ہو گئے۔ استنبول میں ہمارے قیام کی شرط کے ساتھ ملنے کا وعدہ فرمایا، دن بھر بحمد اللہ کچھ نہ کچھ ہوتا رہا۔ ہم ضعفاء سے خاص کر ترکی زبان نہ جانتے ہوئے جو بھی کام لیا جائے، ان کا محض فضل ہے۔ **والحمد للہ اولا و اخرا۔**

حیرت ہوئی کہ جب ہمارے ساتھی سٹیشن پر جماعت سے مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے، تو لوگ ان کے اردگرد اس طرح جمع ہو گئے گویا کوئی عجوبہ ہے۔ کیا ترکیہ میں بھی نماز باجماعت قابل حیرت چیز ہو سکتی ہے۔ یقین نہ آتا تھا کہ جو چھ سو سال حرم کی پاسبانی کرتے رہے، نماز کو حیرت و تماشا بنا کر دیکھیں گے، ممکن ہے کوئی اور وجہ ہو۔

استنبول

آج 16 اگست 1957ء جمعہ کا دن ہے۔ ہماری ٹرین بحیرہ مارودا کے ساحل کے ساتھ ساتھ چل

رہی ہے، دائیں بائیں دور تک آبادی پھیلی ہوئی ہے، یورپین طرز کی عمارات ہیں، ساڑھے گیارہ بجے استنبول کا ایشیائی حصہ آ گیا، سٹیشن پر اترے، سامان کچھ ساتھیوں نے اٹھایا کچھ قلی کے حوالے کیا اور سٹیشن سے نکلتے ہی باسفورس کے کنارے آ پہنچے، سٹیشن اور باسفورس میں جہازوں کے گودی کے درمیان صرف ایک سڑک حائل ہے۔ ایک طرف ریلوے سٹیشن ہے دوسری طرف گودی۔ یورپین استنبول باسفورس کے دوسرے کنارے آباد ہے، ٹکٹ لئے جہاز پر بیٹھے اور دو براعظموں کے درمیان اس عجیب شہر کی کہنہ عظمت کو دل میں لئے ہوئے روانہ ہوئے۔ شامی طالب العلم ساتھ تھے جو ترکی جاننے کی بنا پر کافی مدد دے رہے تھے۔

باسفورس میں چلتے ہوئے دونوں طرف کا ساحل صاف نظر آتا ہے۔ ایشیائی شہر تو اتنی توجہ کا مرکز نہ بن سکا لیکن قسطنطنیہ کا وہ حصہ دل و دماغ کی کشش کا مرکز رہا جو بازنطینی حکومت کا دارالخلافہ رہا، جس کے فتح ہونے کی بشارت دہان رسالت روحی فداہ ﷺ نے سنائی، جس بشارت کے حصول کے لئے صحابہ کے زمانے سے مسلمان کوشش کرتے رہے اور جس کی دیواروں کے سایہ میں میزبان رسول جلیل القدر صحابی، جسے موت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے جسم کو آگے بڑھانے کا اشتیاق رہا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آسودہ خواب ہیں۔ غالباً یورپ کی سرزمین اس صحابی رسول کو اپنے دامن میں سنبھالنے کے قابل ہو سکی۔ ہر زمانے میں مسلمان خلفاء نے یورپ کی اس مینارہ بابل کو سر کرنے اور مسیحی عظمت کے اس نشان کو نیچا کرنے کی کوشش کی، لیکن تقدیر الٰہی عثمانیوں کی قسمت میں یہ فخر لکھ چکی تھی۔ آخر محمد فاتح کے ہاتھوں سے رومی اقتدار کا آخری قلعہ اسلامی یمن و برکت کے سایہ میں آیا اور عاشق رسول محمد فاتح نے مسیحی شوکت، رومی جہانبانی کے مرکز پر عثمانی پرچم لہراتے ہوئے اعلان کیا: **فدیت مدینة القیصر علی مدینة النبی** ﷺ (میں نے قیصر کا شہر مدینہ پر قربان کیا۔) عثمانی خلفاء آخر وقت تک اس عہد کو نبھاتے رہے۔ قسطنطنیہ کی فتح تاریخ کا ایک عہد آفرین واقعہ ہے، اس فتح کے بعد مشرق کی طرف سے یورپ کا دروازہ عثمانی خلفا کے لئے کھلا اور پانچ سو سال تک عثمانیوں کی ترکتازیاں وی آنا کے دروازوں اور جنوبی پولینڈ تک خلافت اسلامی کی نشان کو بلند کرتی رہیں اور انہیں کی دم قدم کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بہار تھی کہ پچھلی صدی کے آخر تک جنوب مشرقی یورپ اسلامی مساجد، مدارس، خانقاہوں اور دینی سرگرمیوں سے بارونق تھا۔ ہائے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد قتال فی سبیل اللہ کا فریضہ ادا کرنے والا مسلمان طبقہ اس شان سے نظر نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے لے جان دینا اور عالم میں نقش حق کے ثبات کے لئے مارنا اور مرنا بھی تو خاصان خدا ہی کی شان ہے۔

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ انکی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو — عجب چیز ہے لذت آشنائی

قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ بھی تو اوامر الٰہیہ کے ایک حصہ پر عمل پیرا ہونا وابستہ ہے۔ واہ حسرتا آج غزا، فئ، غنیمت، رقاق وغیرہ کے ابواب فقہ وحدیث کی کتابوں کی زینت بن کر رہ گئے۔ **والی اللہ المشتکی و بہ المستغاث۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔** شاید خدا اس کے بعد کوئی رجعت کی سبیل پیدا کردے۔

قدیم استنبول

باسفورس میں چلتے ہوئے سامنے بائیں ہاتھ پر قدیم استنبول کا شہر، اس کے مساجد کے مینارے اور عمارات اپنی گزشتہ عظمت کے فسانے سنانا شروع کر دیتی ہیں۔ جامع سلطان محمد فاتح اور جامع آیا صوفیا کی عمارات بھی دور سے نظر آتی ہیں، پہاڑی پر شہر آباد ہے، دائیں ہاتھ پر نیا شہر نظر آتا ہے۔ شامی طلباء دور سے مساجد وغیرہ کا پتہ بتاتے رہے اور ہم عبرت وشوق کی تصویر بنے قسطنطنیہ کے ازسرنو آباد کردہ شہر کو دیکھنے کی طرف بڑھتے رہے جو تقریباً پانچ صدیوں تک اسلامی تاریخ کا مرکز رہا اور جس کی سطوت وقوت نے چار صدیوں تک یورپ کے یلغار کو روکے رکھا۔ عثمانیوں کے احسانات کا نامعلوم دل پر کیوں اتنا اثر پاتا ہوں، ایسا دل ملا ہے جو ہر مسلمان کے چھوٹے عمل کو بھی نگاہوں میں اونچا بنا کر دکھا دیتا ہے اور عثمانی تو صدیوں تک اسلامی شوکت کا نشان سنبھالے رہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کسی خاص قوم کی تاریخ نہیں، عرب کا خانوادہ بنی امیہ ہو یا بنی عباس خوارزم شاہی ہوں یا سلجوقی، ترکان تیموری

ہوں یا عثمانی ہر مسلمان خاندان کی تاریخ ملت کا مشترکہ سرمایہ ہے اور اس کے کارنامے پوری امت کیلئے سرمایہ نازش ومہمیز عمل۔

شوکت سنجر وسلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید وبایزید تیرا جمال بے نقاب

یورپی استنبول

ساڑھے بارہ بجے ہمارا چھوٹا سا جہاز یعنی جہاز نما کشتی یورپی استنبول کے ساحل پر آلگا۔ سامان اتارا، شامی طلباء نے مشورہ دیا کہ مارمورا ہوٹل یا کسی اور ہوٹل سے پہلے فون کر کے جگہ کا معلوم کر لیتے ہیں، اس کے بعد ٹیکسی کروائیں گے، بہرحال سڑک پر آکر کھڑے ہوئے تو گویا ہماری شکلیں اور لباس تماشا تھا، چاروں طرف سے ہجوم جمع ہوگیا اور کیمرے اس طرح فوٹو کے مشتاق نظر آنے لگے، گویا پہلے سے اس وقت کے منتظر تھے، کسی کو منع کیا، کسی سے پیٹھ کی، لیکن بات قابو میں آنے والی نہ تھی، کچھ جاتے اور آجاتے۔ علی (شامی طالب العلم) فون کے لئے گئے تھے۔ انہیں کافی وقت لگ گیا، تقریباً پونا گھنٹہ سڑک پر تماشہ بنے کھڑے رہے۔

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جانبازاں
بصد انداز رسوائی سر بازار مے رقصم

(میرے جاناں آؤ اور یہ تماشا دیکھ لو کہ جانبازوں کے جم گھٹے کے ہوتے ہوئے میں انتہائی رسوائی کے عالم میں برسر بازار ناچ رہا ہوں۔)

عشق خانہ خراب کے مارے — دربدر شہر یار پھرتے ہیں
بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ایک دو مرتبہ پولیس والے نے بھی کہا کہ آپ کو سڑک کے پلیٹ فارم سے ہٹ جانا چاہیے کہ ہجوم زیادہ ہوجاتا ہے۔ کہا: فون کا انتظار ہے۔ وہ اپنے ترکی میں کچھ کہہ کر چلے گئے۔ ہم نے کہا: اچھا ہے۔ زبان یارا گر ترکی کی نہ ہوتی تو سمجھنے سے کچھ ذمہ داری ہی عائد ہوجاتی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اتنے میں سفید اچکن میں ملبوس ایک مسلمان آ پہنچے اور شستہ اور ہمدردانہ انداز میں پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں اور کیسے کھڑے ہیں؟ یہاں تو صرف اچکن کی وجہ سے میری طرف انگلیاں اور نظریں اٹھنے لگتی ہیں، آپ کے لباس کے علاوہ چہروں پر داڑھیاں سر بازار اچھا خاصہ تماشا بنا دے گی۔ اس لئے آپ کو جلد اپنا بندوبست کرنا چاہیے، کیا ہوٹل کا پہلے سے نظم نہیں کیا؟ کہا: نہیں۔ کہنے لگا: کاش آنے سے پیشتر عبدالسلام ندوی کی کتاب ''ترکی کا سفر'' پڑھ لیتے تو انہیں جو دقت پیش آئی تھی وہ تمہیں پیش نہ آتی۔ (غالباً موصوف کو حضرت علی میاں کی کتاب ''دو ہفتے ترکی میں'' کا التباس ہو گیا ہوگا۔)

ہم نے عرض کیا: آدمی فون کے لئے بھیجا ہے، جواب کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ فرمانے لگے: میرا نام برکات احمد ہے اور میں انڈین سفارت خانہ میں انفارمیشن سیکرٹری ہوں، تاہم آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں۔ آپ مولانا الیاس کی اصلاحی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا جماعت اسلامی سے۔ ہمارے جواب کے بعد فرمایا کہ جدید استنبول میں تو ہوٹل میں جگہ ملنا مشکل ہے، قدیم میں کوشش کیجئے اور اس کے بعد اپنا پتا اور فون بتا کر رخصت ہوئے۔ ان کی شرافت اور حسن سلوک پر دل نے آفرین کہا، حسن خلق بھی سنت ہے اور مسلمان کا تو امتیاز ہی خلق حسن ہونا چاہیے۔

اتنے میں علی آ گئے اور کہا کہ دونوں ہوٹلوں میں جگہ نہیں۔ اب دوسری جگہ تلاش کے لئے ہم میں سے دو آدمی چلے جائیں۔ باہمی مشورہ کر رہے تھے کہ نصرت غیبی نے عبدالکریم نامی ترکستانی نوجوان مہاجر جو مردان نزد پشاور میں چھ سات سال رہ چکے تھے، ہماری پاکستانی وضع قطع دیکھ کر گودی سے جہاں وہ ملازم ہے، چلے آئے اور ہمیں سامان گودی کے انتظار گاہ میں رکھنے اور وہیں بیٹھنے کا مشورہ دیا۔ ہم راستہ سے خود بھی ایک طرف ہونا چاہتے تھے۔ عبدالکریم کا مشورہ صائب معلوم ہوا اور سامان وغیرہ انتظار گاہ میں لے آئے اور یہ فیصلہ ہوا کہ دو آدمی ہم میں سے احمد حبیب کے مکان پر جائیں۔ احمد حبیب کو ہم بغداد سے خط لکھ چکے تھے۔ ان کے والد گذشتہ چار ماہ سے پاکستان اور پھر تبلیغی سلسلہ ہی میں حج پر گئے ہوئے ہیں۔ میری ان کے والد صاحب سے ملاقات رائے ونڈ میں ہو چکی ہے۔ اچھے قاری ہیں، صبح کی نماز پڑھائی۔ سوز و رقت کا یہ عالم تھا کہ تیسرے صف تک رونے کی آواز سنائی دیتی تھی اور مقتدی بھی

اشک بار تھے۔

انور صاحب اور مولانا صاحب ایک مقامی رہبر کے ساتھ ان کے مکان کی تلاش کے لئے گئے، پتہ معلوم تھا، آدھ گھنٹہ میں واپس آ گئے۔ احمد حبیب تو موجود نہ تھے، ازمیر گئے ہوئے تھے، اس لئے ہمارا خط بھی نہ مل سکا، لیکن ان کے رشتہ دار حاجی مصطفی جو اس سال حج میں ہمارے امریکن رفقاء سے مل چکے تھے معہ اپنے ایک اور ساتھی کے تشریف لے آئے اور بڑی گرمجوشی اور محبت سے ملے۔ ان کی معیت میں قریب ایک مسجد میں جا کر ظہر کی نماز پڑھی اور پھر دو ساتھی معہ عبدالکریم ترکستانی کے جنہوں نے ہماری خاطر چھٹی لے لی تھی، ہوٹل کی تلاش میں گئے، باقی ہم چار وہیں بیٹھے رہے، انتظار کی گھڑیاں ویسے بھی شدید ہوتی ہیں اور اب تو ہمیں جہاز سے اترے پانچ گھنٹے ہو چکے تھے۔ خدا خدا کر کے پونے چھ بجے ساتھی ہوٹل کا بندوبست کر کے آئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور سامان لے کر ہوٹل پہنچے۔

بڑے شہروں میں جہاں یورپین تہذیب اپنے تکلفات کے ساتھ پر تو فگن ہوئی ہے، رہائش کا مسئلہ بھی دردسر بن گیا ہے۔ ہوٹل کی زندگی جہاں یورپین تہذیب کی بے مروتی، مہمان نوازی سے کورے پن میں نمونہ ہے، وہاں غریب اور قلیل سرمایہ والے شخص کے لئے زندگی گزارنا بھی مشکل ہے۔ آج اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس نام نہاد مسیحی دنیا میں گزر ہو جائے تو کوہ زیتون کے وہ پاک مبلغ جس کا جیب و دامن دنیاوی خزف ریزوں سے ہمیشہ پاک رہا، شاید تکلفات کی اس دنیا میں اور ہوٹلوں کی ان سر بفلک عمارتوں میں رہائش کی کوئی گنجائش نہ پا سکے کہ یہاں پہلا سوال روپیہ کا ہے۔ ہماری مرحوم تہذیب ہی کی یہ کرامت تھی کہ سعدی سا درویش صفت مسافر ہو یا ابن بطوطہ سا جہاں گرد سیاح، سارے اسلامی ممالک میں پھر جاتا ہے اور دارالاسلام کے کسی شہر میں تہذیب حاضر کی کرنسی کی الجھنوں یا رہائش کی رکاوٹوں سے دو چار نہیں ہوتا۔ تمام اسلامی دنیا میں یا تو مسافر نوازی ہر شخص کو اہلاً وسہلاً کہہ کر سنبھال لیتی ہے یا مسافر خانے، رباطیں اور رفاہ عامہ کے مرکز اور خانقاہیں ہر قسم کے آسائش کا سامان مہیا کر دیتی ہیں۔ اسلام کی سادگی، مروت، مہمان نوازی کو مغربی مشینی تہذیب جس نے انسان کو بھی بے جان اور بے دل مشین بنا دیا ہے، کہاں سے لائے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش

ہم جس ہوٹل میں ٹھہرے ہیں اس کا نام ترک ہوٹل ہے۔ مالک ایک نوجوان ترک ہیں، عربی سے واقف شائستہ اور خلیق شخص ہیں، مغرب پڑھ کر کھانا کھایا اور ساتھی عشاء کے لئے جامع سلطان احمد کی طرف روانہ ہوگئے۔ بندہ ضعف اور چلنے میں عذر کی بنا پر ساتھیوں کے ساتھ نہ جاسکا اور ایک دوسرے مسجد میں نماز ادا کی، بعد میں ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ وہاں کے امام ہمارے دعوتی کام سے واقف ہیں اور ان سے ہمارے رفقاء کی بات چیت بھی ہوئی اور دوسرے دن عصر میں وہیں جانے پروگرام بن گیا۔ ہوٹل والے سے بھی اپنی بات کی، متاثر ہوا، کہنے لگا: آپ تو مجاہد ہیں جو دین کے لئے اپنے مصارف سے اتنی دور کا سفر کررہے ہیں۔ عرض کیا: بھائی اصل معاملہ اخلاص کا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی طلب ہے۔ ان کے ہاں عمل مقبول ہوجائے تو کامیابی ہے۔

استنبول میں

آج 17 اگست 1957ء ہفتہ کا دن ہے۔ ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ہوٹل کے مینیجر دو ترکوں کے ساتھ تشریف لائے، ان میں ایک کا نام السید علی حیدر ہے، فصیح عربی بولتے ہیں، پچپن ساٹھ سال کی عمر ہوگی، احادیث بکثرت یاد ہیں، ہندی حسین نامی ایک حدیث کے مدرس مدینہ منورہ میں تھے، ان کے درس میں شامل ہوا اور ان سے حدیث پڑھی۔ اس زمانے میں اٹھارہ سبق ان کے متعلق تھے، حدیث کے بڑے عالم تھے۔ کیا یہ حسین حضرت مولانا حسین احمد مدنی تو نہیں؟ پوچھ لیا۔ بتلا نہ سکے۔ کہتے ہیں: پھر ہندوستان چلے گئے۔ دوسرے نظیف جلبی ہیں، تاجر ہیں اور کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں۔ حیدر صاحب نے عربی میں بات شروع کی اور کہا کہ آپ لوگ جس عالی مقصد کے لئے آئے ہیں، اس کا حال معلوم ہوا۔ مہمان نوازی اور اخوت اسلامیہ کے متعلق بہت کچھ کہتے رہے۔ مدعا یہ تھا کہ آج رات کی ضیافت نظیف جلبی صاحب کی قبول کی جائے اور ان ہی کے ساتھ سب سے پہلے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دی جائے۔ ترکی مہمان نوازی کے لئے بے

تاب تھے۔ ہم نے اپنی بات کی اور دعوت کے تقاضے عرض کیے اور اپنی مجبوریاں ظاہر کیں۔ مولانا ظاہر شاہ صاحب نے جماعت کی طرف سے کام کا تعارف خوب وضاحت سے پیش کیا۔ حیدر صاحب اور نظیف صاحب نے تعاون کا یقین دلایا اور رات کے کھانے کا پروگرام طے ہوگیا۔ اس دوران میں گیارہ بج چکے، ان حضرات کے اصرار پر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کے لئے دو کاروں پر روانہ ہوگئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری

مدینۃ النبی کے پہلے میزبان رسول ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی سے کون مسلمان ناواقف ہے، دین کی نصرت کا حق یہی لوگ ادا کر گئے، پچھلے والوں کے لئے گو ان کی زندگی نمونہ ہے لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زہد وقناعت سے متاثر ہوکر جو الفاظ کہے تھے، سب صحابہ کے متعلق کہنے پڑتے ہیں کہ پچھلوں کے لئے اپنا اسوہ کاملہ کو حجت بنا کر معاملہ سخت بنا گئے۔ ایسا طبقہ دنیا نے کب دیکھا تھا، جن کی قربانیاں فوق البشر معلوم ہوتی ہیں۔

راستہ میں اس قدیم فصیل پر نظر پڑی جو سمندر کے کنارے پہاڑی کے اوپر غالباً بیس گز چوڑی شہر کی حفاظت کے لئے بنائی گئی تھی اور جس نے حملہ آوروں کے کئی ریلیوں کو پسپا کردیا تھا۔ ان بہادروں کی یاد سے قلب وجد میں تھا جنہوں نے سمندر کو پار کر کے بازنطینی حکومت کے اس مضبوط قلعہ پر اسلامی پرچم لہرانے کے لئے اپنا خون بہایا تھا۔ دل نے کہا: نامعلوم یہاں کتنے صحابہ اور تابعین کا خون زمین کے ذروں موجود ہوگا۔

سر خاک شہیداں برگ ہائے لالہ مے پاشم
کہ خونش برنہال ملت ما سازگار آید

میں شہیدوں کے سروں پر گل لالہ کے پتے نچھاور کررہا ہوں۔ تاکہ ان کا خون ہماری نئی نسل کے لئے سازگار بن کے رہے۔

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے تربت کے قریب ہوتے جاتے تھے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔(البقرہ:195)

(اوراپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔)

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ۔ (التوبہ:41)

(تم سبک سار یا گراں بار،یعنی مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت گھروں سے نکل نکل آؤ۔)

کی صحیح قولی وعملی تفسیر پیش کرنے والے کی زندگی اپنی غفلت پست ہمتی ، بے عملی اور دین کے تقاضوں کے لئے قربانی دینے سے گریز، ندامت سے پیشانی کو عرق آلود کیے دیتی تھی۔کاش کسی کی زندگی، کسی کا نمونہ، کسی کی جیداری وقربانی، حقیقتاً دین کے لئے مر مٹنے پر تیار کرسکتی۔ یہ الفاظ نرے الفاظ یہ ندامت وتاسف محض آتی جاتی کیفیت نہ ہوتی۔

مزار قریب آ گیا، ترکی طرز تعمیر جوان کی جملہ عمارات میں نمایاں ہے، اس کا خاکہ یہاں بھی نظر آیا، پہلے ایک بڑا دروازہ ہے، اس کے اندر وضو کرنے کی جگہ ہے، داخل ہوتے ہوئے قبلہ رخ مسجد ہے اور پائین میں انصار کا جلیل القدر فرزند محوخواب ہے جو اس خیال سے تمام رات نہ سوسکا تھا کہ حضور ﷺ نچلی منزل میں ہیں اور میں اوپر کی منزل میں کیسے سوسکتا ہوں۔محبت کا آئین وطرز بھی نرالا ہے۔محبوب کی دلکشی اور ادائیں تو مسلم ہیں، چاہنے والوں کو بھی نامعلوم محبت کیا کیا دلربائیاں سکھا دیتی ہیں۔

سید علی حیدر صاحب کے ساتھ مزار پر حاضری دی، اندر جانا نہ ہوا کہ مزار جمعہ ہی کو کھلتا ہے یا خواص کے لئے اہتمام سے کھلوا دیا جاتا ہے۔مواجہہ میں دیکھنے کے لئے دو سوراخ رکھ دیئے گئے ہیں۔حاضر ہوا، دعائے مسنونہ پڑھی، نامعلوم کیوں بدن پر کپکپی طاری ہوئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ہم بھی امت محمدیہ مرحومہ کے افراد ہیں اور یہ بھی اسی رسول کے امتی تھے۔کہاں کی پیدائش اور کہاں مدفن اور مدفن یہاں کیسے بنا۔ایک عبرت کی داستان اور عمل وحرکت کا سراپا درس، یوں تو اکثر صحابہ اپنے مولد وطن عزیز میں دفن نہیں ہوئے، بلکہ راہ حبیب کے جانگزار منازل طے کرتے ہوئے جہاں آقا کا حکم آیا دار ورسن کو زینت بخشی۔ فزت برب الکعبۃ (کعبہ کے رب کی قسم میں تو کامیاب ہوا۔) کہتے ہوئے تیر وپیکان کو دل وجگر میں جگہ دے دی یا اسی بادہ پیمائی میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر

دی۔ چنانچہ صحابہ کے مزار اما وراء النہر سے لے کر بربر وقیروان تک اور آرمینیا سے لے کر سوڈان ویمن، مکران وکابل تک پھیلے ہوئے ملیں گے۔ابن کثیر نے تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عباس (عم نبی) رضی اللہ عنہ کے دس بیٹے تھے اور دو کی قبریں ایک جگہ پر نہیں ہیں۔کوئی اجنادین میں تو کوئی قیروان میں کوئی کس جگہ تو کوئی کس جگہ، غریب الوطنی کی موت ایمان ویقین کی گھاٹی میں ایک عام واقعہ ہے۔لیکن ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی موت اور مدفن اس لحاظ سے اپنا خاص امتیاز رکھتی ہے کہ عمر بھر انفروا خفافاً و ثقالا پر عمل کرتے رہے۔تریاسی سال کی عمر میں جب موت کا وقت آیا تو جو زندگی عمر بھر دین کے لئے حرکت ودعوت میں تھی، مرنے کے بعد لاش کو بھی اللہ کے راستے میں حرکت میں دیکھنا چاہتی تھی، وصیت کی کہ وہاں تک میری لاش کو کفار کے علاقے میں لے جا کر دفن کیا جائے جتنا دور لے جانا ممکن ہو، چنانچہ موجودہ مدفن کی جگہ پر لاش کو پہنچا کر وصیت کے مطابق دفن کیا گیا۔

جب قوموں میں حیات ہوتی ہے تو اس کے افراد کو ایسی ہی چیزیں سوجھا کرتی ہیں۔ طارق کا سفینوں کو جلا دینا، عقبہ کا اٹلانٹک میں اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا دجلہ میں گھوڑے ڈال دینا اسی قبیل کی چیزیں ہیں جس زندگی میں حرکت نہیں وہ تو موت ہے۔حق کے لئے پیہم جہد ومشقت، حرکت و محنت، جان سپری وجادہ پیمائی زندہ قوم کا نشان ہے اور یہ آخر الامم جو خاتم النبیین ﷺ کی نیابت میں پوری انسانیت اور جملہ امم عالم کی طرف مبعوث ہے، اس کے لئے تو سکونی زندگی سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ اخرجت للناس کا تقاضا یہ ہے کہ پورے عالم میں ملک در ملک اس امت کے افراد ہدایت اور سکینت، محبت وبھائی چارہ، توحید ویقین، اخلاق عالیہ اور صفات حسنہ کے الٰہی پیغام کو لے کر پیہم پھرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے غافل مخلوق کا رابطہ جوڑتے رہیں اور انسانی خود ساختہ نظامت میں جکڑی ہوئی اور ظلم و عداوت سے چکنا چور آدمیت کو اسلامی عدل وانصاف اور سچائی کے نظام سے نوازتی چلی جائے۔اس امت کے ایک فرد نے ہی کہا تھا:

انبعثنا لنخرج الناس من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ ومن جور الادیان الی عدل الاسلام ۔(البدایۃ والنہایۃ قول ربعی بن عامر)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(ہم اس لئے بھیجے گئے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی پر لے آئیں اور مذاہب باطلہ کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف ان کی رہنمائی کریں۔)

عالمگیر دعوت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ حرکت و ہجرت، نفر وجہد فی سبیل اللہ اس امت کے اجتماعی اوصاف قرار دئے جائیں۔ فتح مکہ کے بعد جب بظاہر سکون واطمینان کی زندگی کی ابتدا معلوم ہوتی تھی اور ہجرت اور وطن چھوڑنے کے اختتام کی صورتیں نظر آتی تھیں۔ ہجرت کے بدل میں ہیچمیرز کے خیال میں امت کو دائمی حرکت و جہاد میں رکھنے کے لئے نفیر فی سبیل اللہ کے احکامات انتہائی شدومد سے عطا فرمائے گئے۔ سورۃ الانفال والتوبہ جس پر شاہد ہیں کہ دین کا فروغ وبقا ایک حد تک ان اوامر کے ساتھ وابستہ تھا۔ چنانچہ وحی الٰہی نے عدم نفر پر انتہائی سخت الفاظ میں نئی امت کے لئے آنے اور امت کے بدل دینے کی تہدید فرمائی۔ ہجرت کے بدل میں نفیر کے حکم کا اشارہ قرآن کریم میں بھی ہے اور

لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية واذا ستنفرتم فانفروا ۔(رواه الشيخان عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

(فتح مکہ کے بعد اب ہجرت کا حکم نہیں لیکن جہاد اور اس کی نیت کا حکم باقی ہے اور جب تم سے جہاد کے لئے جانے کا مطالبہ ہو تو اس کے جانے کے لئے تیار رہو۔)

کی صحاح کی حدیث اس طرف ہیچمدان کے خیال میں رہنمائی کرتی ہے۔ وجوب نفر کے بارے میں اس بے علم وکوتاہ نظر کی نگاہ میں امام جصاص رازی نے احکام القرآن میں خوب اور دیکھنے کے لائق باب باندھا ہے، ان مباحث کا یہ مقام نہیں۔ زبان پر ایسے ہی بعض باتیں آجاتی ہیں، افتاد طبیعت کی وجہ سے، جنہیں روک نہیں سکتا۔

دعا کے بعد ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں چلے آئے۔ ماشاء اللہ پوری مسجد نمازیوں سے بھرپور تھی جو بڑے وقار، پرسکون اور عظمت سے بیٹھے تھے۔ ترکی مساجد اب تک جو دیکھیں، سب اپنی نظافت و صفائی، قیمتی قالینوں اور فرش وزینت سے مزین، مؤذن کے لئے علیحدہ جگہ بنی ہوئی۔ ممبر بہت اونچا ہر چیز سے شاہانہ جلال وتمکنت نمایاں ہوتی ہے۔ نماز کے وقت میں مساجد کھل جاتی ہیں، مؤذن کچھ قرآن کی

تلاوت کرتا ہے، سنتیں ہوتی ہیں، تکبیر ہوتی ہے اور امام جبہ در بر، سر پر ٹوپی اس پر سفید کپڑا لپٹا ہوا آجاتا ہے، نماز ہوتی ہے، امام تسبیحات فاطمہ تسبیح پر پڑھتا ہے، دعا ہوتی ہے اور پھر کچھ آیتیں نہایت وقار و قرأت سے پڑھ کر فاتحہ کہہ دعا ختم ہو جاتی ہے۔ جامع ایوب کا امام سفید ریش نورانی صورت ہے، نماز پڑھی، کچھ جنازے آئے ہوئے تھے، گو وہ مسجد سے باہر تھے اور وہیں نماز جنازہ کی امامت ہو رہی تھی، لیکن سب نمازیوں نے اندر ہی اقتداء جنازہ کی نیت کر لی، نماز کے بعد سب نمازیوں نے حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دی اور ان کے لئے فاتحہ اور دعا پڑھی۔ ہمارا امام صاحب سے تعارف کرایا گیا اور انہوں نے ہمارے مقصد یعنی ہدایت کے عالم میں عام ہونے کے لئے خوب سوز سے دعا کی۔ عجیب بات ہے، اس دوبارہ حاضری میں بھی رقت طاری ہوگئی۔ اہل اللہ کے الوان مختلف ہوتے ہیں، زائر رحمت الٰہیہ میں سے کچھ حصہ پا کر اپنی استعداد کے بقدر اس لون سے اگر اللہ چاہے تو کچھ نہ کچھ بہرہ یاب ہو جاتا ہے، لیکن یہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ صاحب قبر کا تصرف اور اسے خبر ہونا ضروری نہیں۔

واپسی گوناگوں جذبات کو لئے ہوئے عجب کیفیت میں ہوئی، تھوڑی دور چل کر میزبانوں نے گاڑی کھڑی کر دی اور ایک مکان کی طرف چلنے کو کہا۔ تعمیل کے سوا چارہ کیا ہو سکتا تھا۔ وہاں پہنچے تو بغیر ہماری اطلاع واجازت کے کھانے کا انتظام کیا جا چکا تھا۔ کہنے لگے کہ تم تو اضیاف اللہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فليكرم ضيفه۔

(جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھے تو وہ اپنے مہمان کا خیال رکھے۔) نیز

خير الطعام ما حضر۔

(بہترین کھانا وہ ہے جو بلا تکلف حاضر ہو۔)

(صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ حدیث نمبر:6138)

ہم نے معذرت کی لیکن ترکوں کے اس خوان یغما سے انکار کی کوئی صورت نکل نہ سکی۔ مہمان نوازی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

یہی ہے۔

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ۔(الذاریات: 26)

(تو اپنے گھر جا کر ایک بھنا ہوا بچھڑا لائے۔)

کی ابراہیمی سنت میں ''راغ'' اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ مہمان کو اشارتاً بھی پتہ نہ چلے اور کھانا تیار مل جائے۔کھانے کے بعد قہوہ آیا۔فقیر نے عرض کیا کہ آپ کی دعوت کی اجابت تو ہو چکی، اصل تو اس ضیافت ومحبت کا وہ جذبہ اسلامی ہے جو دین کا نتیجہ ہے۔آج دین کی غربت کا تقاضا یہ ہے کہ دین کی احیاء کے لئے دعوت الی اللہ کے میدان میں جہد ومشقت کو جھیلا جائے اور عالم میں اوامر الٰہیہ اور شریعت مطہرہ کے زندہ کرنے کے لئے منہاج نبوی کے مطابق جان ومال صرف کیا جائے۔اس ضمن میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ نقل کیا کہ ان کی اس خطہ میں آمد اس دعوت کے ضمن ہی میں تھی۔

جامع والدہ

میری باتوں کا ترجمہ ترکی میں علی حیدر صاحب نے کیا۔نوجوان میزبان ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو سن کر آبدیدہ اور متاثر ہوئے۔ان حضرات سے رخصت ہو کر ہوٹل آئے، کچھ استراحت کی اور پھر جامع والدہ سلطان میں ایک عالم مولانا شیخ حاجی فخر الدین کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے چلے۔یہ صاحب ہمارے کام سے واقف ہیں، پچھلے سال امریکہ سے واپسی پر مولانا عبد العزیز گھلنوی ان کے پاس ٹھہرے تھے۔جامع والدہ کی مسجد میں پہنچے، عصر پڑھی، عالم موصوف کا درس تھا، ماشاء اللہ سنت کے مطابق پوری داڑھی ان کے چہرے کو بارونق بنائی ہوئی تھی۔آج عالم اسلام کے چہرہ سے داڑھی کا نور رخصت ہو چکا ہے، علماء تک کے چہرے صاف نظر آتے ہیں۔اس لئے اگر ہم سب اپنی داڑھیوں کی بنا پر لوگوں کی حیرت کا سبب تھے تو ہم بھی جہاں اس سنت کو پاتے تھے طبیعت مسرت محسوس کرتی تھی۔جہاں سنتیں مٹ رہی ہوں وہاں ان پر عمل استقامت فی الدین کا نشان اور جاذب رحمت خاصہ اور بے شمار اجور کے دلوانے والا ہے۔پھر سنت جاذب رحمت الٰہی ہے اور ہر ایک کی خاص برکت ہوتی ہے جو سنت مٹتی ہے اپنے ساتھ بے شمار خیر وبرکت اور رحمت کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ادا دل ستان ہے۔

تو ہے مجموعہ خوبی و سراپائے جمال کونسی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں

ہائے غیروں کی ادائیں دل ودماغ میں بس گئیں اور جو جمال جہاں آرا کونین کی رونق ہے اس کا سراپا ذہنوں سے اتر گیا، دلوں کی بستیاں اجڑ گئیں، آبادیاں ویرانی بن گئے اور ہم سمجھ رہے کہ دنیا اب آباد ہوئی ہے۔

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کر گھر یاد آیا

دیدہ دل سے خون بہہ نکلا ٹوٹے دیکھے ہیں چند پیمانے

درس سے فراغت کے بعد گرم جوشی سے بغلگیر ہوئے، اس سال حج پر گئے تھے، وہاں ہمارے امریکن ساتھیوں سے ملاقات ہو چکی تھی، بہت تپاک سے ملے، صبح چائے کی دعوت پر بلایا، انکار کی گنجائش نہ تھی، وہاں سے رخصت ہوئے۔راستے میں جامع شہزادہ دیکھتے ہوئے جامع سلیمانی کی طرف آئے۔استنبول کی مسجدیں ماشاء اللہ ایک سے ایک بڑی ہوئی ہے۔فن تعمیر اور ڈیزائن سب کا ملتا جلتا ہے۔آج کل حکومت اکثر مساجد کی مرمت کر رہی ہے۔ایسے حالات اچھے ہیں، جامع سلیمانیہ سلیمان اعظم کی یادگار ہے۔جب خلافت عثمانیہ اپنی وساعت وشوکت کی نصف النہار پر تھی، مسجد بھی اسی شان و شوکت کی حامل ہے۔سچ ہے قوموں کا فن تعمیر وآرٹ ان کے ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔جامع سلیمانیہ دیکھ کر وہی عظمت نگاہوں میں پھر گئی۔دل نے کہا: مسجد قرطبہ کو دیکھ اقبال جو اپنی بہترین نظموں میں ایک اور اضافہ کر گئے وہ اسی شوکت وعظمت ماضی کا تاثر ہے جو مسجد قرطبہ کی ہر ذرہ سے مترشح ہے۔جامع سلیمانیہ کیا کہوں۔جلال وجمال، دین وقار وشوکت، اسلامی زینت وتجمل، سلیمانی عظمت وہیبت، عثمانی سکون وصولت، فن تعمیر کے کمال میں مجسم ہو گئے۔نماز مغرب پڑھی، نماز کے بعد نمازی اپنے ترکی طرز میں نہایت گرم جوشی سے ملے۔ہاتھ پر بوسہ دینا چاہتے تھے، اگر ہاتھ پیچھے ہٹاؤ تو بڑھ کر گردن چوم لیتے تھے۔مجھ ضعیف سے تو زیادہ تھکاوٹ کی وجہ مقاومت نہ ہو سکی۔حملہ ترکانہ کا کب تک ترکی بہ ترکی جواب دیتا جیسا چاہا بوسے لیتے رہے اور ہم ان کی محبت وگرمجوشی کے جذبات سے متاثر مصافحہ کو معانقہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سمجھ کر کرتے رہے۔ مسجد کو دیکھا، سلیمان اعظم کا دور آنکھوں میں پھر گیا، قوموں کا شباب ہوا کرتا ہے، دور سلیمان و سلیم عثمانیوں کا شباب تھا، ویانا کے دروازوں تک عثمانی فوجیں جا پہنچی تھیں، اگر چند کوتاہ اندیش اور ملت کے دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر دیتے تو شاید آج دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا۔ (احزاب:38)

(خدا کا یہی دستور رہا اور خدا کا حکم ٹھہر چکا تھا۔)

نماز کے بعد نظیف حلبی اور السید علی حیدر یہیں تشریف لا چکے تھے۔ نظیف صاحب کے مکان پر ضیافت کا اہتمام تھا، مسجد سلیمانیہ سے چند قدم پر ان کا مکان ہے، کھانا گومیز پر تھا اور نئے طرز کے تکلفات موجود تھے، لیکن سب ترکی تھے۔ بحمداللہ ترکی میں مہمان نوازی کا منظر آج دیکھا، مشرقیت جاتے جاتے بھی کہاں جاتی ہے۔ کھانے کے بعد دوسرے کمرے میں گئے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کسی جاندار کی تصویر نہ تھی، بلکہ قرآنی آیات اور احادیث بڑے خوبصورت اور طلائی عربی رسم الخط میں لکھے ہوئے کمرے میں آویزاں تھے۔ ترکوں کے قلوب ایمانی حرارت سے ابھی تک اسی طرح گرم و تازہ ہیں۔ کاش کوئی عمر بن عبدالعزیز ترک قوم کو میسر آجاتا۔ کھانے پر ہمارے دعوت کی کچھ بات عربی اور کچھ جرمن میں ہمارے امریکن رفقاء کے ذریعے ہو چکی تھی۔ اب قہوہ پر ہیچیمیر زنے بات پھر شروع کی، متاثر تھے۔ ان لوگوں میں پچھلے سالوں کی لادینی واقعات کا ردعمل انتہائی شدید ہے، نامعلوم یہ لاوا کب پھوٹ پڑے۔ سنا ہے حکومت انہی حالات کو دیکھ کر آئندہ الیکشن کے پروگرام میں اسلامی اور دینی امور کو خاص جگہ دینے پر مجبور ہو رہی ہے۔ ایسے بھی موجودہ حکومت گزشتہ آمرانہ دور حکومت سے زیادہ اسلام کے قریب ہے۔ ادھیڑ عمر طبقہ میں بھی بحمداللہ تعالیٰ ایک حد تک بیداری شدت تک پہنچ چکی تھی، جدید ترکی کے زعیم کے متعلق ناپسندیدہ الفاظ کھلے طور پر سنے، عشاء کا وقت قریب تھا، جامع سلیمانیہ کے امام بھی ہمارے ساتھ مدعو تھے، جب سنا کہ ہم اپنے اخراجات بفضلہٖ تعالیٰ خود برداشت کرتے ہیں تو بہت حیران اور متعجب ہوئے۔ مسرت میں کہنے لگے: تم تو مجاہد ہو۔ نماز کے لئے مسجد میں گئے۔ نماز کے بعد علی حیدر صاحب نے نمازیوں کو ترکی میں مخاطب کیا اور امام کی جگہ سے بغیر میرے مشورے کے مجھے

آواز دے کر بلایا اور کچھ کہنے کا مطالبہ کیا۔ اس نکمے کو عربی کہاں آتی ہے، مبتدیانہ شد بد بھی نام کی ہے۔ بہر حال پہلے تو جھجکا، پھر توکل علی اللہ خطبہ ماثورہ کے بعد اپنی بات شروع کی، جس کا ترجمہ ترکی میں ساتھ ساتھ ہوتا رہا۔ بحمداللہ رفقاء کا خیال ہے کہ توقع کے خلاف میں کچھ کہہ گیا۔ وللہ الحمد والمنۃ یہ اس کا احسان ہے، ورنہ کہاں میں اور کہاں جامعہ سلیمانیہ میں عربی میں مجمع عام سے خطاب۔ نمازیوں کی تعداد کوئی تین چار سو ہوگی، بیان کے بعد محبت سے ملے اور وہی مغرب والا مصافحہ و معانقہ والا معاملہ تھا۔ خطاب سے فارغ ہوئے تو احمد حبیب جنہیں ہم پہلے خط لکھ چکے تھے، ازمیر سے استنبول آج پہنچے تھے، دوپہر سے ہماری تلاش میں تھے، ہمیں یہیں ڈھونڈ نکالا۔ مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی، نہایت شریف و ملنسار، محبت والا نوجوان معلوم ہوتا ہے، قلب نے انسیت محسوس کی، کار کا بندوبست کیا اور ہوٹل پہنچے۔ کچھ دیر احمد حبیب سے بات چیت ہوتی رہی، باپ سے عربی پڑھی ہے، ماشاءاللہ بول لیتے ہیں۔ گیارہ بجے رخصت ہوئے اور ہم دن کے تھکے ہارے تو تھے ہی، لیٹتے ہی سو گئے۔

آج 18 اگست 1957ء اتوار کا دن ہے۔ فجر ہوٹل کے قریب ایک مسجد میں پڑھی، مسجد درمیانہ تھی لیکن وہی ترکی زیبائش و سجاوٹ، وقار و سکون کا نقشہ تھا۔ یہاں تو نماز پڑھانے میں بھی ماشاءاللہ خوب رکھ رکھاؤ برتا جاتا تھا، ہر حرکت سے عظمت و سنجیدگی ہویدا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عثمانی دور خلافت میں مساجد کے لئے شاہی دربار جیسے آداب مقرر کئے گئے تھے۔ منادی کے بجائے مؤذن اپنے خاص مقام سے پہلے قرآن مجید پڑھتا ہے، پھر وہیں سے تکبیر ہوتی ہے، اتنے میں امام انتہائی سنجیدگی و ادب سے آکر نماز پڑھاتا ہے، نماز کے بعد تسبیحات فاطمہ کا اہتمام، دعا اور دعا کے خاتمے سے پیشتر الفاتحہ، پڑھنا عام دستور ہے۔ ماشاءاللہ کہ رات خوب ہے۔ ترک ویسے بھی متین و سنجیدہ، شائستہ و ردل رکھنے والے ہیں۔

مسجد میں یہ اوصاف پوری طرح نمایاں ہوتی ہیں، ہیٹ کالی سی ٹوپی سے بدل جاتی ہے۔ انتہائی مؤدب ہو کر بیٹھتے ہیں اور مسجد میں پورے وقار سے جب تک رہنا ہوتا ہے ٹھہرتے ہیں۔ صفائی و نظافت کا خاص اہتمام ہے، کئی مساجد میں لکھا ہوا ملے گا:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

النظافة من الایمان۔ (الترمذی)

(صفائی ایمان کا حصہ ہے۔)

فجر کے بعد کچھ دیر گزری تھی کہ جامع والدہ کے امام صاحب کا آدمی چائے پر لے جانے کے لئے آ گیا۔ تیار تو تھے ہی، ٹرام پر ان کے دولت کدہ پہنچے۔ نئے طرز کی رہائش گاہ تھی لیکن ایک طرف الماری میں فقہ وحدیث وتصوف وتفسیر کے متعلق کتب عربی میں رکھی ہوئی تھیں۔ الماری کے ساتھ ہی ایک تخت نما صوفہ پڑا ہوا تھا، جس پر بیٹھ کر ان کتابوں کو پڑھا جا سکتا تھا۔ مولانا بڑے تپاک سے ملے اور ہمارے امریکی رفقاء کی رعایت سے اپنے ایک رشتہ دار کو بھی مدعو کر رکھا تھا، جو امریکہ میں دس بارہ سال رہ چکے ہیں، چائے خوب پر تکلف تھی اور مشرقی تقاضہ اور مہمان نوازی کے ساتھ پلائی جا رہی تھی۔ چائے سے پیشتر چائے کے دوران میں اور چائے کے بعد ہمارے سب ساتھیوں نے اور ہیچیر زنے بھی اپنے مقصد کی وضاحت کی اور ترکی میں دعوت کے کام کی اس طرز سے ابتداء وفروغ کے لئے بات چیت ہوئی، اچھا خاصا مذاکرہ رہا، لیکن جو ہمارا مقصد تھا، وہ پورا نہ ہو سکا۔

چائے کے بعد جگہ پر آئے، نو بجے احمد حبیب، ان کے چھوٹے بھائی احمد نذیر، حافی مصطفی قتا، ایک نوجوان عبدالقادر وغیرہ آئے۔ دو ڈھائی گھنٹے بحمد اللہ تعالیٰ فضائل کی احادیث کی تعلیم ہوئی۔ فقیر عربی میں کہتا رہا، احمد حبیب ترکی میں ترجمہ کرتے رہے۔ ترک حضرات میں دین کی محبت اور حب رسول اللہ ﷺ خوب موجزن ہے۔ ظہر کی نماز قریبی مسجد میں پڑھی اور کھانے سے فراغت کے بعد ترکی کے دینی حالات پر گفتگو ہوئی۔ یہاں ایک واقعہ عبرت کے لئے بیان کرنا پڑتا ہے، ایک نوجوان ترک آئے، استنبول کی گائڈ جو ترکی میں تھی، اس کے شروع میں ترکی جدید کے زعیم کا کوئی مقولہ لکھا ہوا تھا۔ اور نیچے اسکا نام تھا، اس نوجوان نے دیکھتے ہی اس کاغذ کو پھاڑ دیا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ہمیں دین سے بیگانہ کرنے کی کوشش کی۔

حذرائے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کے تعزیریں

(اوز بردست ظلم سے ڈر کیونکہ فطرت کی طرف سے اس کی سزائیں بہت سخت ہیں۔)

ترکی جدید کے بانی کے متعلق یہاں ترکوں سے حالات سن کر فقیر کے حسن ظن کو ٹھیس لگی۔ تاہم دل کو تسلی دی کہ ترکی کی آزادی تو دلا گئے لیکن یہاں کا موجودہ نوجوان طبقہ کا اکثر حصہ کہتا ہے:

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کو خسارا

اسلام کا دشمن، یونانیوں کو خوش کرنے والا اور اس سے سخت الفاظ سنے جس کا تحمل اس عاجز کا قلم نہیں کر سکتا۔ اسلامی شعائر، دینی ذہنیت، سنت نبوی، احکام دینیہ کے مٹانے کے انتہائی سخت مظالم اس کی نسبت منسوب کئے گئے۔ ایک کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ عربوں کا دشمن نہ تھا۔ العیاذ باللہ محمد مصطفی ﷺ کی ہر چیز سے اسے بغض تھا۔ یہاں تک کہ اپنے نام سے مصطفی ہٹا کر اس نے ظاہری تعلق بھی محمد عربی سے توڑ لیا۔ اس کے لئے اسلام اور دین فخر نہ تھا، بلکہ یونان افرنگ کا اتباع اسے محبوب تھا۔ وہ مصطفی سے تعلق رکھنے میں اپنا کمال نہ سمجھتا تھا بلکہ اخوت اسلامیہ سے کٹ کر ترک بننے اور افرنگی عقائد میں اسے ترقی نظر آتی تھی، اس نے اپنے اٹھائیس سالہ حکومت کے دور میں اسلام کو مٹانے کے لئے جو کچھ کر سکتا تھا کیا۔

ایک ایسی قوم جو محمد عربی ﷺ کی دین کی چھ سو سال تک اپنے خون سے حفاظت کرتی رہی اور اسلام کو افرنگی تسلط سے بچانے کی کوشش کرتی رہی، اسے اسلام سے بیگانہ کرنے کے لئے قرآن کی زبان، قرآنی رسم الخط اور اسلامی شعائر سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی۔ علمائے دین اور اسلامی ذہنیت رکھنے والوں پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے، انہیں شہید کیا گیا اور ترکیہ کو مسیحی یورپ کے رنگ میں رنگ دیا گیا اور ایک ایسی قوم جو محمد عربی ﷺ پر جان دیتی تھی، اسلام جس کا فخر تھا، مساجد ومعبد کی آبادی، مدارس اسلامیہ کا قیام اور جہاد جس کا مشغلہ تھا۔ چاہا گیا کہ انہیں ان سب سے محروم کر دیا جائے، قربان جائیے ترکوں کے دینی جذبہ اور ولولہ کے، اور آفرین بھیجئے ان مشائخ وعلماء اور راسخ العقیدہ مسلمانوں پر جو ان تمام شدائد کو سہتے رہے، لیکن پوشیدہ گھروں اور بعض مکاتب میں دین اور عربی کی تعلیم دیتے رہے، جس کا نتیجہ آخر ظاہر ہوا اور موجودہ حکومت کا قیام کمالی ذہن وظلم وجور کی شکست اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رجوع الی الاسلام کی طرف پہلا قدم تھا۔ آئندہ توقعات قوی ہیں، اللہ تعالی جوانوں کے جذبہ دین کو مزید قوت بخشے اور اسے عام فرمائے۔ قلوب ایمان کی روشنی سے منور اور دین کی عظمت کو لئے ہوئے ہیں، ایک عمومی دینی تحریک وانقلاب کی ضرورت ہے جو موجودہ حالت میں بعید معلوم نہیں ہوتا۔

پھر وہی ذوق وشوق قلب مسلماں میں ہے
راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

تاہم یہاں کے دینی طبقے کو انتہائی جدوجہد اور محنت کرنی پڑے گی، جس خاکے کو پچیس تیس سال تک مٹایا جاتا رہا ہو، اس کے بنانے میں بھی وقت وہمت، جرأت وقربانی کی ضرورت ہے، بگاڑ وفساد آسان ہے، بناؤ اور اصلاح مشکل ہے، جب کہ زمانے کا عام رنگ بھی دوسری طرف ہے، عمومی جذبات دیکھتے ہوئے تو اللہ تعالی سے امید بندھتی ہے کہ ایک کثیر آبادی کے اندر کا دینی جذبہ ان شاء اللہ تعالی رنگ لاکر رہے گا اور پھر ترک خرگا ہی رنگ ووطن کے دائرے سے نکل کر ملت اسلامیہ کے بحر بیکراں کی ایک موج بننے میں فخر محسوس کرے گا اور محمد ﷺ عربی پر اور اس کے دین پر جان دینا اس کا شعار ہوگا۔

وما ذالك على الله العزيز۔
(اور اللہ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں)

ہم پاکستانی پاکستان میں مغرب زدہ طبقے سے اپنے خطرات میں دوچار ہیں گو بحمد اللہ تعالی پاکستانی عامۃ الناس مغرب زدگی، الحاد وزندقہ کو پسند نہیں کرتا لیکن دوسری طرف سے پوری کوشش ہے۔ جن کی عملی مثالیں تاریخ کا ورق بن چکی ہیں۔ اس لیے ہمارے لئے چوکنا رہنے اور دینی فضا کو پیدا کرنے کے لئے انتھک کوشش اور محنت کی ضرورت ہے، ہمیں کمالی یا ناصری نظام وذہن نہیں چاہیے بلکہ ہماری بقا وترقی اسلامی نظام کے قیام اور کامل دین پر عمل میں ہے۔

جامع آیا صوفیہ

عصر کی نماز جامع سلطان احمد میں پڑھنے کا خیال تھا، قریب میں جامع آیا صوفیہ ہے، جس پر محمد فاتح کے عزم وہمت کا سکہ ہنوز ثبت ہے۔ کمالی دور میں اس مسجد کو بھی جس میں مسلمان پانچ سو سال

نمازیں پڑھتے رہے، اغیار کی خوشنودی کے لئے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔ کسی کی مسجد کو بدلنے سے اس کی مسجدیت ختم نہیں ہوگی۔ اپنا ارادہ تھا کہ اس میں دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کر لی جائے، چنانچہ عصر سے پیشتر وہاں جانا طے ہوا، تین بجے نکلے، احمد حبیب میرے ساتھ تھے اور میری ٹانگوں کی معذوری کی بنا پر سہارا دیئے ہوئے تھے اور اپنے دلی جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ تیئس سالہ نوجوان ترک کی دینی حمیت اور غیرت اسلامی پر رشک آتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا سوز درون موجودہ دہریت والحاد کی فضا کو جلا دینے پر تلا ہوا ہے۔ کاش جوانوں میں دین پر مر مٹنے کا جذبہ اور اسلامی شعائر اور احکام الٰہیہ کے اضمحلال پر وہ درد وکرب پیدا ہو جائے جو قوموں کی زندگیاں بدل دیا کرتا ہے۔

بیا نقش وگر ملت بریز یم کہ ایں ملت جہاں را باردوش است

ٹرام کے ذریعے جامع آیا صوفیہ پہنچے، بیرون دروازے سے داخل ہونے کے بعد بائیں طرف وضو بنانے کی ترکی طرز پر سنگ مرمر کی جگہ بنی ہوئی ہے، اس کے اوپر چھت کے قریب قصیدہ بردہ بوصیری لکھا ہوا ہے، جو ترکی حب رسول اللہ ﷺ کی زندہ یادگار ہے۔ اس کے بعد جامع آیا صوفیہ کی بے مثل بازنطینی فن تعمیر کی یادگار شروع ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ داخل ہوتے ہی سامنے عیسائی رومن کیتھولک بت پرستی کی تصاویر سنگ مرمر کی سلوں کو ہٹا کر پھر نکال دی گئی ہیں۔ احمد حبیب نے جا کر پرسوز لفظوں میں کہا: کیا مسجد کو بت خانہ بنانا کمال ایمان کا نتیجہ ہے، وہ اپنے کئے کو پا رہا ہوگا۔ اندر بڑے مسجد کو عجائب گھر کہا جاتا ہے، لیکن سوائے مسجد کے عجائب خانوں کی طرح کوئی اور چیز دکھانے کے لئے نہیں رکھی گئی۔ بہر حال فن تعمیر کے اس محیر العقول کارنامے کو دیکھتے رہے، جو آج بھی پرانا معلوم نہیں ہوتا۔ حیرت اس بات کی تھی کہ کنیسہ سے مسجد بننے میں جوڑ توڑ کا کوئی نشان محسوس نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہی مسجد تھی۔ نامعلوم ترک معماروں نے اپنے کمال فن سے اس فرق کو ظاہر نہیں ہونے دیا یا قدیمی تعمیر میں بہت تصرف کیا گیا ہے اور فن تعمیر کے کمال نے اس کا اظہار ہونے نہیں دیا۔ صرف پرانا محراب کچھ نظر آتا ہے لیکن بتلانے والے کے آگاہ کرنے پر۔ ورنہ کچھ فرق محسوس نہیں ہوتا۔ ترکش طرز پر مؤذن کی جگہ، بلند ممبر، سلطان کے بیٹھنے کی جگہ سلیقے اور قرینے سے بنی ہوئی ہے۔ آج کل گو نماز پڑھنے کی اجازت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

نہیں، تاہم محراب اور اس کے قریب قالین بچھی ہوئی ہے اور یہ جگہ جو میز کے بائیں تک آئی ہوئی ہے، جنگلے سے بند کر دیا گیا ہے۔ ہیچیر ز احمد حبیب کے مشورہ اور سہارے سے ایک طرف اندر داخل ہوا اور محراب میں جا کر دوگانہ ادا کیا، لوگ دیکھتے رہے، لیکن غیر ملکی سمجھ کر تعرض نہیں کیا۔ حیرت و تعجب ہے کہ محراب کے اوپر چھت پر بھی کچھ عیسائی بت پرستی کی یادگار تصاویر کو کھود کر نکال لیا گیا ہے۔ دوگانہ کے بعد دعا کی کہ اللہ اس مسجد کو پھر آباد کر دے اور ترکوں کو من حیث القوم اسلام پر عمل کرنے والا اور خادم بنا دے۔ آمین

محراب کے دائیں طرف ماذنہ کے قریب جو دروازہ ہے، اس کے ایک ستون پر تلوار کا نشان ہے، کہتے ہیں کہ اس دروازہ سے محمد فاتح داخل ہوا تھا۔ روایت ہے کہ یہ محمد فاتح کی تلوار کا نشان ہے جو اس نے دروازے میں داخل ہونے کے لئے جنگ کرتے ہوئے ماری تھی۔ دوسری طرف ایک ہاتھ کا نشان ہے جو پتھر کی سل میں مرتسم ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں: یہ بھی دروازے کے کھلواتے وقت اس کے قوی ہاتھ کا نقش ہے جو پتھر پر ثبت ہو چکا ہے۔ جن بڑے لوگوں سے مافوق العادت حیرت انگیز کارنامے وجود میں آتے ہیں ان کے متعلق ایسی ہی باتیں عامۃ الناس میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ عوام کی اعجوبہ پرستی کا ان روایات میں دخل ہو سکتا ہے۔ ان نشانات کو بتلاتے ہوئے احمد حبیب نے کہا: اس دروازے سے محمد فاتح یہاں داخل ہوا تھا اور اسے مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، وہ دن جلد آنے والا ہے کہ محمد فاتح کی یہ یادگار پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے آباد ہوگی اور ترکی اسلام کی شوکت کا نظارہ دنیا کو بتلا سکے۔ یقین و سوز میں اس ترک نوجوان کی ہر بات ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو نوازنا چاہتے ہیں تو دینی درد و فکر عطا فرما دیتے ہیں۔ دین کے احیاء و فروغ کے لئے کڑھن و سوز تو سینۂ انبیاء کی میراث ہے۔ اس لیے:

یک ذرۂ درد دل از سلطنت جم بہ

(درد دل کا ایک ذرہ بھی جمشید کی سلطنت سے بہتر ہے۔)

عطا کن شور رومی سوز خسرو عطا کن صدق و اخلاص سنائی

(مجھے رومی کا شور و غوغا اور خسرو کا سوز دے اور سنائی کا صدق و اخلاص نصیب فرما۔)

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

مری ناؤ گرداب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر

جوانوں کو سوز جگر بخش دے میرا عشق میری نظر بخش دے

اللہ رحمت بھیجے اقبال پر کس طرح دل کے ٹکڑے نکال دئے ہیں۔

مرا دل، مری رزم گاہ حیات گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات

امیدیں میری آرزوئیں مری تمنائیں میری جستجوئیں میری

امنگیں میری آرزوئیں میری امیدیں میری، جستجوئیں میری

میرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں میرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

میرے قافلے میں لوٹا دے اسے لوٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

غرض ترکی کے ماضی کا تذکرہ کر کے حال کا تبصرہ کرتے اور مستقبل پر کچھ امید و یقین کو رکھے ہوئے جامع آیا صوفیا سے نکلے۔ کیا ایک مسلمان مسجد کو کنیسا یا عجائب گھر بنا سکتا ہے؟ اس سوال کا میں کیا جواب دے سکتا تھا، یہ سب یونانیوں اور انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے کیا گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ زعیم ترکیہ کی اس قسم فعل کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ عرض کیا: وہ جا چکا۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (البقرہ:141)

انك لا تسئل عن اعمال الناس ولكن تسئل عن الغيبة۔

(آپ سے لوگوں کے اعمال کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا لیکن تم سے غیبت کی پوچھ (ضرور) ہوگی۔)

ظنوا المؤمنين خيرا۔

(مؤمنوں کے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہیے۔)

مرے ہوؤں کے متعلق خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔

جامع سلطان احمد

یہاں سے جامع سلطان احمد کی طرف بڑھے، دروازے کے باہر مصری فراعنہ میں سے کسی کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لاٹ نصب ہے۔احمد حبیب نے بتایا کہ سلطان سلیم کے زمانے میں جب اس نے مصر فتح کیا، یہ اس وقت سے یہاں آئی ہے۔جامع سلطان احمد، جامع سلیمانیہ اور جامع محمد فاتح کے بعد استنبول میں سب سے بڑی مسجد ہے۔پہلے عظیم چار دیواری ہے، پھر صحن اور صحن میں ترکی طرز پر وضو کرنے کی مدور جگہ بنی ہوئی ہے۔اس کے بعد اصل مسجد شروع ہوتی ہے، جو الٰہی عظمت وجرأت اور عثمانیوں کی مساجد سے محبت کا ایک عظیم نمونہ ہے۔طرز وہی ایک طرف اونچا ممبر، مقابل میں خلیفہ کی نشست گاہ (جو محراب کے بائیں جانب (سمجھیے دوسری منزل میں) گیلری کے طور پر بنی ہوئی ہے۔) سے بھی بلند ہے۔درمیان میں انتہائی اونچا گنبد ترکی معماری کا بہترین نمونہ ہے۔دائیں بائیں چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں، ممبر کے پاس میں مؤذن کی جگہ بنی ہوئی ہے۔نماز عصر پڑھی، بحمداللہ کوئی چار پانچ سو آدمی تھے۔عورتیں پیچھے علیحدہ جماعت میں شریک ہوئیں۔نماز کے بعد ہم اجنبیوں سے ملنے کے لئے ترکوں کا اشتیاق انہیں کھینچ لایا۔عربی میں بات اور آنے کا مقصد بتلایا، جسے احمد حبیب نے ترکی میں سمجھایا۔ایک گھنٹہ تک بات چیت جاری رہی۔اس کے بعد واپس ہوٹل آئے۔کچھ ترک حضرات انتظار میں تھے، بات چیت ہوئی۔مغرب وعشاء قریبی مسجد میں پڑھی۔تھکاوٹ سے طبیعت مضمحل ہو رہی ہے، سر میں درد ہے، کچھ زکام کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔**والحمد للہ علی کل حال**۔رات کے گیارہ کھانے وغیرہ میں بج گئے، پلنگ پر نیند انتظار کر رہی ہے، آنکھیں بند ہوا چاہتی ہیں۔

اللھم باسمك اموت واحیی۔

(یا اللہ آپ کے نام کے ساتھ میری موت اور زندگی ہے۔)

آج 19 اگست 1957ء پیر کا دن ہے۔عاجز اپنی ضعف وکمزوری کی بنا پر مشقت کا کیا متحمل ہوتا، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت خاصہ ہے کہ مجھ جیسے ناتواں اور معذور شخص کو اپنے راستے میں یہاں تک پہنچا دیا، ورنہ کسی لحاظ سے میں ایک قدم اُٹھانے کے لائق نہیں۔وللہ الحمد والمنۃ۔رات ہی سے بخار کے آثار تھے، صبح سے شدید بخار اور زکام میں مبتلا ہوں۔اللہ تعالیٰ اخلاص عطا فرمائے اور اپنے راستے کی اس بیماری کو کفارۂ ذنوب بنائے، اپنا حال معلوم ہے، کوئی ٹھکانا نظر نہیں آتا۔

الا ان تغمدنی اللہ تعالی بفضل ورحمۃ۔(صحیح بخاری حدیث:5673)

(مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی فضل ورحمت سے ڈھانپ لے۔)

پوری زندگی میں کوئی عمل ان کے ہاں پیش کرنے کے قابل نہیں پاتا، بہرحال ناامیدی کفر ہے، اپنے آقا سے حسنِ ظن ہی چاہیے، یہاں پردہ پوشی وکفالت فرمائی ہے تو ان شاء اللہ وہاں بھی فضل وکرم والا معاملہ فرمائے گا۔

اللھم اصنع بنا ما انت اھلہ ولا تصنع بنا ما نحن اھلہ۔

(اے اللہ ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیرے شان کے لائق ہے اور وہ معاملہ مت فرما جو کہ ہمارے حال کے موافق ہے۔)

آج میری نمازیں بھی ہوٹل میں ادا ہوئیں۔ساتھی اپنے کاموں میں مشغول اور ویزہ وغیرہ کے حصول کی کوشش کر رہے تھے، مغرب کے بعد کچھ حضرات آ گئے۔باوجود بخار ونقاہت کے امیر صاحب کے حکم کے مطابق اپنے آنے کا مقصد اور امت مرحومہ کی ذمہ داریاں اور ترکوں کو دین کے داعی بننے اور اسلام کا پرچم پھر سے سنبھالنے کی دعوت دی۔ایک نوجوان حافظ عبداللہ باقر نے عربی سے ترکی میں ترجمہ کیا، بحمداللہ اچھا اثر لیا۔**والحمد للہ اولاً واخراً وظاھراً وباطناً**۔

آج 20 اگست 1957ء منگل کا دن ہے۔آج بھی شدید بخار اور سر درد میں مبتلا رہا، طبیعت انتہائی مضمحل ہے، صبح سے پلنگ پر پڑا ہوں، رفقاء یوگوسلاویہ وغیرہ کے ویزے کے لئے گئے۔یوگوسلاویہ کا بحمداللہ پندرہ دن کا ویزہ مل گیا، آسٹریا کا باقی ہے، عصر کے بعد احباب آنا شروع ہوئے۔احمد حبیب اور حاجی مصطفی فقیر کے لئے دوائی لے کر آئے اور تیمارداری کا حق ادا کرتے رہے۔اس مسافرت وغربت میں ان کی اس عنایت کا دل پر خاص اثر پا رہا ہوں۔خدمت ومحبت جہاں بھی ہو دل میں جگہ پیدا کر لیتی ہے۔آج یہ جنس گرانمایہ ناپید وعنقا نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔عبداللہ باقر جو یہاں مدرسۃ الامامۃ والخطابۃ میں متعلم ہے، عصر سے پیشتر ہی آ گئے تھے، میرے پاس ہی بیٹھے رہے اور دعوت واحیائے دین کے متعلق بات چیت کرتے رہے۔نئی پود اور طلباء کو اگر صحیح ماحول ورہنمائی مل جائے تو اس زمانے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں بھی امت میں کلیتاً جوہر کا فقدان نہیں۔ [1]

شہر میونخ جرمنی

آج 4 ستمبر 1957ء بدھ کا دن ہے۔ جرمنی کے شہر میونخ میں قیام ہے، ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر تعلیم کا حلقہ لگا، ہیچپیرز اور امیر رشید امریکن نے بات کی۔ پروفیسر محمد بن احمد اور عبدالقادر منیر تشریف لائے، یہ حضرات 37 سال سے جرمنی میں رہ رہے ہیں، دونوں کمیونسٹوں کے ستائے ہوئے ہیں۔ بات دیر تک جاری رہی کہا کہ ان سب حالات کا مداوا تعلق مع اللہ، ایمان وعمل صالح ہے۔ جب کامل ایمان اور اس کے نتیجے میں اعمال صالحہ کو اخلاص واحسان کے ساتھ وجود ملتا ہے اور امت دعوت وجہاد کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتی ہے تو حالات بحکم الٰہی از خود سدھرنا شروع ہوجاتے ہیں۔ کھانا ہمارے ساتھ اکٹھا کھایا، مشورہ ہوا کہ امیر جماعت ضیاء الاسلام صاحب اور مولانا ظاہر شاہ صاحب آج بون چلے جائیں۔ میں اور انور صاحب مع امریکن ساتھیوں کے جمعہ تک آجائیں۔ وہ لوگ پونے دو بجے گاڑی سے روانہ ہوئے۔ بندہ کان کے آلے کے لئے گیا، دیکھا، چار سو مارک قیمت بتائی۔

دوسرے دن 5 ستمبر کو امیر رشید کے ساتھ امریکن ایکسپریس گیا، روپیہ تڑوایا۔ گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ امیر رشید اپنے شادی کے بارے میں تردد میں ہیں۔ وہاں سے واپس اپنی جگہ آگئے، پاکستانی طلباء فضل یزدانی وغیرہ آئے ہوئے تھے، معمولات اور بات چیت میں شریک رہے، کافی متاثر ہوئے، پانچ بجے تک ہمارے ساتھ رہے۔

[1] بیں اگست 1957 تک مولانا صاحب کا خودنوشتہ تفصیلی سفرنامہ آپ نے ملاحظہ کیا۔ اکیس اگست سے تین ستمبر تک کے سفر اور اس کے حالات کا کوئی ریکارڈ مولانا صاحب کی ڈائری میں موجود نہیں۔ شاید یہی وہ وقت ہے جو جماعت نے یوگوسلاویہ اور آسٹریا میں گزارا۔ مولانا صاحب کے اپنے قول کے مطابق 20 اگست کو استنبول میں یوگوسلاویہ کا 15 دن کا ویزہ حاصل کرچکے تھے اور آسٹریا کے ویزے کی تلاش میں تھے۔ بہرحال 4 ستمبر 1957ء کو مولانا صاحب نے جرمنی کے شہر میونخ میں اپنے قیام کا ذکر فرمایا ہے۔ جرمنی میں پھر 10 تا 17 ستمبر کے حالات کا پتہ نہیں کہ کہاں اور کیسے گزارے۔ باقی دنوں کے حالات صرف اشارات اور مختصر یادداشتوں پر مشتمل تھے۔ ہم نے ان اشارات اور یادداشتوں کو جوڑا ہے، جو بہت مختصر ہے، کاش حضرت مولانا اس کی تکمیل فرمادیتے۔ قدراللہ ماشاء۔ مرتب

آج 6 ستمبر جمعہ کا دن ہے، اس لئے صبح ہی سے جمعہ کے لئے تیاری میں لگ گئے۔ سات آٹھ بندے جمع ہوگئے، بندہ نے انگریزی میں بات کی، جس کا ترجمہ امیر رشید نے جرمنی زبان میں کیا۔ ان میں نورالدین ترکستانی بخاری نقشبندی بھی ہے۔ شام کے امام صالح تشریف لائے، ان سے میری اور امیر رشید کی انگریزی میں گفتگو ہوئی، پاکستان جانے کے لئے تیار ہیں۔ قادیانیوں کے بارے میں کئی سوالات کیے۔

ہفتہ 7 ستمبر کو ساڑھے آٹھ نورنبرگ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور 10 بجے پہنچ گئے۔ بندہ کو پیچش اور خون آرہا تھا، اس لئے ہوٹل میں رہا۔ رفقاء نے امام ابراہیم اور جرمن حضرات سے ملاقات وگفتگو کی، امیر رشید نے جرمنی میں خطاب کیا، مغرب کو وہاں سے واپسی ہوئی۔

اتوار 8 ستمبر کو صبح 9 بجے ابراہیم اور نورالدین کے ساتھ فورہیم کے لئے روانہ ہوئے۔ یہاں اٹھارہ مسلمان خاندان ایک جگہ پر رہ رہے ہیں۔ یہاں مسلمانوں سے دریائے اگنیس کے کنارے سبزہ زار پر بیٹھ کر بات ہوئی، لوگ محبت سے ملے، ان کا اشتیاق قابل دید تھا۔ بندہ نے عربی میں خطاب کیا، جس کا ترجمہ ابراہیم صاحب نے کیا۔ سب اپنے بچوں اور مسجد کے بارے میں فکرمند تھے۔ شفقت صاحب کے گھر میں نماز پڑھی، پرتکلف حلال کھانا کھایا، نورنبرگ واپسی کے لئے 5 بجے سٹیشن آئے، سٹیشن تک سارے حضرات چھوڑنے ساتھ آئے، حسین صاحب پاؤں زخمی ہونے کے باوجود سٹیشن تک مشایعت کرتے رہے۔ 6 بجے نورنبرگ واپس پہنچے، رات بون کے لئے روانگی تھی۔ امیر رشید نے فرمایا کہ ملاقات گو سبب مسرت ہے لیکن جدائی کا صدمہ بھی انتہائی شدید ہوتا ہے، استقامت کی دعا کریں۔ عبدالرشید نے کہا کہ مجھ سے تو اب امریکہ ہی میں ملاقات ہوسکتی ہے، گویا دونوں باپ بیٹا رو رہے تھے۔

شہر بون میں

9 ستمبر پیر کے دن بون شہر میں وارد ہوئے۔ سٹیشن سے سیدھے ہوٹل میں جاکر اپنے ساتھیوں سے ملے، پاکستانی سفارت خانہ کے جناب ظہورالحق صاحب سے ملاقات اور گفتگو ہوئی۔ دس ستمبر منگل کے دن شامی سفات خانے میں ویزہ لگوانے چلے گئے۔ عراقی سفات خانہ کو بھی تلاش کرلیا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

18 ستمبر بدھ کے روز امیر صاحب نے دفعتہً روانگی کا حکم دیا۔ اس لیے چھ بج کر 10 منٹ پر ہم نے منیھم کو چھوڑا۔ البتہ انور صاحب اور مولانا ظاہر شاہ صاحب رہ گئے۔ ریل میں مغربی تہذیب اور بے حجابی کے ناقابل برداشت مناظر دیکھے۔

19 ستمبر بروز جمعرات بلگریڈ پہنچے، شہر کی سیر کی، واپس سٹیشن آئے، روانگی کے لئے ویٹنگ روم میں بیٹھے، پریشانی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے جگہ نہ ملنے کی وجہ سے ویٹنگ روم میں شراب خانے کے سامنے جماعت کی نماز پڑھ لی۔ ساڑھے تین بجے گاڑی روانہ ہوئی۔ ضیاء الاسلام صاحب غلطی سے دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے۔ میری روانگی اور ساتھ انتہائی پریشانی قابل دید تھی۔ برشٹینا کے مسلمان مہاجر ڈبے میں ساتھ تھے، یوگوسلاویہ سے ہجرت پر مسلمانوں کی بری حالت پر دل افسردگی اور بعض کی اخلاقی خرابیوں پر افسوس رہا۔ 20 ستمبر جمعہ کے روز دن بھر کا سفر سرزمین یونان میں رہا۔

استنبول آمد

21 ستمبر ہفتہ کے دن ساڑھے گیارہ بجے استنبول پہنچے۔ جسے مساجد کا شہر کہا جاتا ہے، احمد حبیب اور حاجی مصطفی استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ضیاء الاسلام صاحب کے انتظار میں سٹیشن پر رہے۔ فاضل حلبی صاحب بھی پہنچے تھے۔ دیر تک احباب کی محبت نے دل مسخر کیا۔ عشاء کے بعد مسجد میں ترکوں سے گفتگو ہوئی۔۔

22 ستمبر اتوار کے روز احمد بادعظ اور سامی سے ملاقات ہوئی۔ اسماعیلیت قادیانیت اور تبلیغ پر گفتگو ہوئی۔ احمد حبیب، حاجی مصطفی اور دوسرے ساتھی آئے اور سٹیشن پر ضیاء الاسلام صاحب کو لینے کے لئے ساتھ چلے گئے۔ شکر ہے کہ ضیاء الاسلام صاحب بخیریت پہنچ گئے۔ رات کو پھر احمد بادعظ سے ملاقات ہوئی اور ترکی ہوٹل میں کھانا کھایا۔

استنبول سے روانگی

23 ستمبر پیر کے روز استنبول سے روانگی تھی، احمد حبیب سٹیشن تک رخصت کرنے آیا۔ والد صاحب

کے لئے پیغام محبت دیا۔ محمد یاشار طونا کور اور صادق فدانجی سے ملاقات ہوئی۔ ترکی کے حالات بتائے، صادق فدانجی نے بتایا کہ بیلوں کے اصطبل میں چھپ کر دینی علم حاصل کرتے رہے۔ کمال اتاترک اور عصمت انونو سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ کہنے لگا: عدنان مندریس مسلمان آدمی تھا۔

24 ستمبر منگل کا دن ترکی ہی میں سفر میں صرف ہوا، پاکستانی طلباء و طالبات سے معلوم ہوا کہ بعض پاکستانی غیر ملکیوں میں اسلام و پاکستان کو بدنام کر رہے ہیں۔ اسلام اور پاکستان کے نام پر دھبہ ہیں۔

واپسی کا سفر

25 ستمبر بدھ کے روز صبح چار بجے حلب پہنچے۔ جامع زکریا میں مزار حضرت زکریا علیہ السلام کی زیارت کی۔ حلب سے ساڑھے نو بجے روانہ ہوئے، راستے میں شامی طالب العلم سے سیاسی مذاکرہ ہوا۔ بعض شامیوں کا رویہ غیر شریفانہ تھا۔ آوازیں کسیں، لیکن پھر چپ ہو گئے۔ راستے میں حمص میں نماز ظہر پڑھی اور جلیل القدر صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھا۔

26 ستمبر بروز جمعرات شام آٹھ بجے دمشق پہنچے، ہوٹل زہرۃ العباد میں مقیم ہوئے، کرنسی بدلوائی اور مزارات اہل بیت پر حاضری دی۔ مزار حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب صغری رضی اللہ عنہ و حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہ پر گئے۔ اس کے علاوہ امام حسین رضی اللہ عنہ رأس شہدائے کربلا، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے مزارات پر حاضری ہوئی۔

حضرت بلالؓ کے مزار پر لکھا ہے:

انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔

اور

سمعت دق نعلیك یا بلال۔ رضی اللہ عنہ

(اے بلال خرچ کرتا رہ اور عرش والے سے کمی کا اندیشہ نہ رکھ۔ اور اے بلال میں نے (معراج) میں آپ کے جوتوں کی آہٹ سنی۔)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

27 ستمبر جمعہ کے لئے تیاری کی، جمعہ پڑھ کر دو بجے عمان کے لئے روانہ ہوئے، ساڑھے سات بجے عمان پہنچے اور آٹھ بجے عمان سے القدس کے لئے روانہ ہوئے۔ رات کے اس روحانی سفر کے عجیب تاثرات تھے۔ رات گیارہ بجے القدس پہنچے، ہوٹل لیا اور رات گزاری۔

28 ستمبر ہفتہ کے صبح سویرے ساڑھے تین بجے مسجد اقصیٰ گئے، چار بجے نماز فجر کے بعد اشراق تک ذکر اذکار میں مشغول رہے۔ دو رکعت نفل اشراق محراب میں پڑھ لی، دو رکعت حجرہ مریم علیہا السلام کے "کلما دخل علیہا زکریا المحراب" (آل عمران:37) میں پڑھے۔

مزار سلیمان علیہ السلام پر حاضری دی اور مقام براق دیکھا۔ قبۃ الصخراء حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہم السلام کے محراب دیکھے اور اس جگہ بھی گئے جہاں عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے لئے لے جایا گیا۔ یہاں سے بستی خلیل جو پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، کے لئے ساڑھے نو بجے روانہ ہوئے۔ جبل زیتون کو دیکھا اور حضرت یونس علیہ السلام کے مزار پر حاضری دی۔ بستی خلیل میں خاص برکات وانوارات کا مشاہدہ ہوا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت سائرہ، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت رفقہ، حضرت یوسف و حضرت یعقوب علیہم السلام کے مزارات پر حاضری دی۔ واپسی پر باغ سلیمان کے انگور کھائے۔ بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ دیکھی۔ وہاں کا گرجا اور نصاریٰ کی بت پرستی ملاحظہ کی۔ یہ بستی یروشلم سے کوئی دس بارہ میل ہو گی۔ واپسی پر پرانی دیوار اور مسجد عمر رضی اللہ عنہ میں نماز ظہر ادا کی، القدس سے چار بجے واپسی ہوئی۔ نماز عصر موسیٰ علیہ السلام کے مزار پر پڑھی۔ مغرب راستے میں اور عشاء عمان میں پڑھی۔ عمان کے ہوٹل القصا النسر میں ٹھہرے۔

29 ستمبر اتوار کے دن عمان کے چند بازار دیکھے۔ عمان سے بزریعہ بس 9 بجے روانہ ہوئے۔ سارا سفر بے آب وگیا صحرا میں ہوتا رہا۔ رات تین بجے عراقی سرحد پہنچے، کافی وقت لگا۔

30 ستمبر پیر کی صبح گیارہ بجے عراقی سرحدی چوکی سے روانہ ہوئے۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے پڑاؤ پر ٹھہرتے ہوئے رات کو بغداد پہنچے اور جمعیت پاکستان ہوٹل میں قیام کیا۔

یکم اکتوبر منگل کے دن بغداد کے سوق المکاتب، سوق الرائے جا کر پرانی مذہبی کتابیں دیکھیں، صرافہ سے کرنسی تڑوائی، ایرانی سفارت خانہ سے ویزہ لیا۔ کاظمین اہل تشیع کی بت پرستی اور بدعات کو دیکھا۔

12 اکتوبر بدھ کو بس کا بندوبست کیا، راستے میں شیعوں کے متعصّبانہ رویے کا سامنا رہا۔ رات گیارہ بجے خانقین کے کسٹم چوکی میں پہنچے، رات خانقین میں گزاری، ماتم ومرثیوں کی گونج رہی۔ 13 اکتوبر جمعرات کو ایرانی کسٹم چوکی قصر شریف سے ڈھائی بجے روانگی ہوئی۔ ڈرائیور کے تساہل اور آرام طلبی کی وجہ سے رات کرمان شاہ میں گزارنی پڑی۔

14 اکتوبر بروز جمعہ ساڑھے نو بجے کرمان شاہ سے روانہ ہوئے۔ دوپہر نہاوند پہنچے۔ تقیہ کے برے اثرات، بدعہدی کا عملی تجربہ ہوا، اہل سنت سے دشمنی کے نمونے دیکھے، ڈرائیور نے راستہ بدلا۔ راستہ کچہ اور خراب تھا، رات ڈیڑھ بجے قم شہر پہنچ گئے۔

آج 15 اکتوبر ہفتہ کا دن ہے۔ قم میں بس رکی رہی، وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے امام رضا کی مزار پر حاضری دی۔ کچھ اور مزارات بھی دیکھے۔ قم سے دوسرے بس میں ڈھائی بجے روانہ ہوئے۔ دوپہر کا کھانا کھایا، اہل سنت کی نماز سے اہل تشیع کے انتہائی بغض کی بنا پر ساتھیوں نے نماز مؤخر کر دی، لیکن بندہ نے اپنی نماز ادا کر دی۔ اللہ پاک کی بات ماننے میں ہی خیر ہے۔ داعی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ شہر سے ہوتے ہوئے پانچ بجے تہران پہنچ گئے۔ 36 گھنٹوں کے بجائے یہ سفر 74 گھنٹوں میں طے ہوا۔ ایرانیوں کی بے جا عیش پرستی اور آرام طلبی وقت ضائع کرتی ہے۔ سڑکیں بھی خراب ہیں۔ تہران نیا شہر ہے، خوب بنا ہے، یورپ کا نمونہ ہے، موٹروں کی ریل پیل اور جدید طرز کی عمارات ہیں۔ یہاں ہوٹل اعیان نو میں ٹھہرے۔

16 اکتوبر اتوار کو تمام دن ہوٹل میں بیکار پڑے رہے، ٹرین مل نہیں رہی تھی اور جہاز کا کرایہ زیادہ تھا۔ عصر کو بس میں شہر میں گھوم لئے، وقت کے ضائع ہونے پر افسوس رہا۔

17 اکتوبر پیر کے دن 7 بجے بذریعہ ٹرین تہران سے مشہد کے لئے روانہ ہوئے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

8اکتوبر منگل کے دن راستے میں بہیق، نیشاپور، سبزوار کے مردم خیز قریوں سے گزر ہوا۔ ان میں سے ہر قریہ ایک تاریخ رکھتا ہے، آج ایران ویران ہو گیا۔ سات بجے مشہد میں پہنچے۔

9اور 10 اکتوبر بدھ اور جمعرات کو مشہد میں ایک پاکستانی ہوٹل میں بے کار پڑے رہے۔

11اکتوبر کو بعد جمعہ مشہد سے روانگی ہوئی۔

12اکتوبر ہفتہ کو بیرجند پہنچے اور شام کو زاہدان شہر میں وارد ہوئے۔

13اکتوبر اتوار زاہدان میں ہی گزارا۔

14اکتوبر پیر کو گاڑی کی آمد ہوئی اور چار بجے ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔

15اکتوبر منگل کو صبح ساڑھے چار بجے زاہدان سے روانہ ہوئے اور ساڑھے سات بجے ایرانی کسٹم چوکی میر جادہ پہنچے، چوکی پر بہت دیر ہوئی۔ وہاں سے روانہ ہو کر ساڑھے بارہ بجے پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com